سلطنت خداداد

نذر

آں شہیدانِ محبّت را امام — آبروئے ہند و چین و روم و شام

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر — خاکِ قبرش از منؔ و تو زندہ تر

عشق رازے بود بر صحرا نہاد — تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین — فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ

رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز

نوبتِ او در دکن باقی ہنوز — علامہ اقبالؒ

اس حسنِ عقیدت و احترام سے

جو میرے دل میں ہے۔ اپنی اس ناچیز تصنیف کو تخیّل کے ہاتھوں حضور سلطانی میں

جو "شہیدِ اکبر اور سلطان المجاہدین" ہے

پیش کرتا ہوں۔

محمود

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرستِ تصاویر

دیباچہِ طبعِ ثانی

میرے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہ گذری تھی کہ مجھ جیسے ہیچمدان ذرۂ ناچیز کی تصنیف اس قدر مقبولیت حاصل کریگی۔ کہ اس کی شہرت حدودِ ہند سے نکلکر یوروپ اور امریکہ تک پہونچ جائیگی۔ خودستائی ہوگی اگر میں یہاں ان تبصرات کا اعادہ کروں۔ جو اس کتاب پر ہندوستان اور ممالک غیر کے اخبارات ورسائل میں شایع ہوچکے ہیں۔ ایک طرف جب میں اپنی بے بضاعتی اور دوسری طرف کتاب کی اس مقبولیت کو دیکھتا ہوں تو میرا سر بے اختیار اس خدائے جلِ جلالہٗ وعم نوالہٗ کی بارگاہِ صمدیت میں جھک جاتا ہے جو اپنے بندوں میں جس کسی کو چاہتا ہے۔ عزّت بخشتا ہے۔

میں صمیم قلب سے ان تمام مدیرانِ اخبارات ورسائل اور مشاہیر و مورخین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے کتاب پر اپنے گرانبہا تبصرات سے مجھے ممنون فرمایا۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت ہی قلیل عرصہ میں ختم ہوگیا۔ مانگ برابر جاری تھی اور اصرار ہونے لگا کہ دوسرا ایڈیشن جلد از جلد شائع کیا جائے۔ لیکن میرا ارادہ تھا کہ اس سے پہلے سلطنتِ خداداد کے متعلق بقیہ حالات کو ایک دوسری جلد میں شائع کروں اس جلد کا حجم تقریباً ڈھائی سو صفحات ہوتا۔ لیکن جب پہلے ایڈیشن کی مانگ نے مجھے

مجبور کردیا تو میں نے دوسری جلد کا ارادہ ترک کرکے اس کے مضامین کو اسی کتاب میں شامل کردیا۔ اس سے سہولت یہ ہوئی کہ کتاب میں ایک تاریخ وار ربط پیدا ہوگیا۔ اس لئے کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بالکل مختلف ہے۔ البتہ "سخنہائے گفتنی" اور "مقدمہ" جو شروع صفحات میں ہیں۔ وہی رہنے دئے گئے جو پہلے ایڈیشن میں موجود تھے۔

اب قریباً چار سال کے بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن ملک کے آگے پیش کیا جارہا ہے۔ یا بالفاظ دیگر سلطنت خداداد کی مکمل تاریخ ایک ہی جلد میں شائع ہو رہی ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن کیلئے میں نے جس قدر محنت کی ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ اگر ابنائے ملک نے اس سے کوئی سبق سیکھا اور فائدہ اٹھایا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت مشکور ہوگئی۔

ناچیز

محمود

بنگلور۔ مورخہ ۷ رجولائی ۱۹۳۹ء



مصنفِ کتاب

سخن ہائے گفتنی

تاریخ سلطنت خداداد لکھنے سے پیشتر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ہندوستان کی آج کل کی مروجہ تاریخیں اور خصوصاً عہد عالمگیر اورنگ زیب سے آج تک کی تاریخ کچھ اس طرح لکھی ہوی ہے کہ صحیح حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ایک مورخ کو باوجود کوشش کے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جن واقعات کو لکھ رہا ہے۔ ان میں کس قدر صداقت ہے۔ آج کل جتنی تاریخیں مروج ہیں وہ تمام کی تمام ایک ہی رنگ میں اور ایک خاص مقصد کو لی ہوئی ہیں۔ یعنے ہندوستان کے قدیم طرز حکمرانی پر نکتہ چینی ہو اور دیسی حکمرانوں کی برائیاں کھول کھول کر دکھائی جائیں۔ اور واقعات پر کچھ اس طرح پردہ ڈالا گیا ہے کہ اصل اور نقل کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ مدارس میں پڑھانے کے لئے ہر سال نئے نئے مورخین کی تصانیف پیش کی جاتی ہیں۔ مگر وہ دراصل ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہیں اور مصنفین کا مقصد تحقیق نہیں بلکہ جلب منفعت ہوتا ہے۔ ان تاریخوں سے ایسٹ انڈیا کمپینی کے قبضۂ ہندوستان کے متعلق جو نقش ایک ناظر کے دل پر بیٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ انسانیت کے نام پر یہاں کے باشندوں کو اس ظلم و ستم سے بچانے کیلئے جن میں وہ گرفتار تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپینی نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ اگر ہندوستان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو آج یہ ملک چند وحشیوں کی مامن گاہ بنا ہوا ہوتا۔ بلکہ آج بھی انگلستان میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ صرف ہندوستانیوں کی بہ...

لئے ہے۔ اس لئے کمپنی اپنا روپیہ اور خون بہا کر ہندوستان کی نجات کا باعث ہوئی۔ اور دوسرا الزام دیسی حکمرانوں پر یہ دیا جاتا ہے۔ کہ ان میں حد درجہ مذہبی تعصب تھا جس کی بنا پر انہوں نے غیر مذہب والوں پر تشدد کیا۔ اور اس سلسلہ میں علاوہ اور حکمرانوں کے عالمگیر اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان شہید خاص طور پر ہدفِ ملامت بنے ہوئے ہیں۔

دراصل یہ اسی قسم کی تاریخوں کا اثر ہے جو بچوں کے دل میں سرایت کر کے انہیں ایک دوسرے سے عناد رکھنے کے لئے بچپن ہی سے آمادہ کر دیتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی ایک صحیح اور اصل تاریخ لکھی جائے۔ اور واقعی اگر دیسی حکمرانوں میں برائیاں موجود ہوں تو انہیں واضح طور پر دکھایا جائے۔ تاکہ دوسرے حکمرانوں کی آنکھیں کھلیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزوں کا دعویٰ کس حد تک حق بجانب ہے۔ اور انہوں نے ملک پر قبضہ کرنے کیلئے کن وسائل سے کام لیا۔ اس قسم کی ایک صحیح تاریخ لکھنے میں جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا مسئلہ ابھی تک حدود سیاست کو چھوڑ کر باہر نہیں نکلا۔ اور خوف کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی کتاب راعی اور رعایا میں منافرت ڈالنے والی نہ سمجھ لی جائے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ وہ کاغذات جن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد کی تاریخ منضبط ہے۔ ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں انڈیا آفس یا پارلیمنٹ میں ہیں۔ جہاں آسانی سے رسائی نہیں ہو سکتی اور پھر جو کاغذات کہ وہاں بھی مل سکتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی خود انگریزی مورخ ہی لکھتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر جیمس مل لکھتا ہے:۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اصلی واقعات کے چھپانے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔"

اور ایک دوسرا مورخ مسٹر کننگھم لکھتا ہے :-

"حکومت کے تاریخی کاغذات میں اس درجہ ردوبدل کیا جا سکتا ہے کہ وہ موجودہ عارضی سیاست پر چسپاں ہو سکے"

آگے چل کر یہی مورخ لکھتا ہے :-

" جعلی سندات بنائے گئے ہیں۔ جن پر وزارت کی مہر ہوتی ہے۔ تاکہ لوگوں کو یقین آجائے، ہمیں اس سلسلۂ فریب سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے"

ان مشکلات کا خیال کرتے ہوئے یہ کوشش نہیں کیجاتی کہ ایک صحیح تاریخ لکھی جائے۔ مگر کچھ نہ کئے جانے سے بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے اور اس کے لئے جو کچھ مواد مل سکتا ہے۔ وہ ان تاریخوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جن کو چند انصاف پسند مورخین نے لکھا ہے اور اسکے ساتھ ہی موجودہ تواریخ میں بھی بہت کچھ مواد ہے۔ اور ایک نکتہ رس نظر اس ڈھیر میں بھی حق کو باطل سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ تاریخ کے مرتب کرنے میں مقامی روایات بھی بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ اور ان کے انتخاب میں بھی احتیاط لازمی ہے۔ انہیں موانع کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی کوئی صحیح تاریخ لکھی نہیں جاتی۔ مگر ایک قوم کے لئے اس کی اپنی تاریخ کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے امید ہے کہ ہندوستانی مورخ اس ضروری اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

سلطنت خداداد میسور کی تاریخ بھی تاریخ ہندوستان کی ایک کڑی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں مورخ ہوں اور نہ ادیب۔ صرف ایک فرض منصبی اور تاریخ کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے میں نے اس کتاب کی تصنیف اپنے ذمہ لی۔ کتاب کا جہاں تک نواب حیدر علیؒ اور ٹیپو سلطانؒ سے تعلق ہے۔ مکمل ہے۔ اس میں صرف طوالت کے خیال سے

ہر لڑائی کی تفصیل اور مختلف سپہ سالاروں اور سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی کارگذاریاں جو عین لڑائی میں ان سے ہوئیں۔ چھوڑ دی گئی ہیں۔ مگر اس کے عوض یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس وقت کی سیاستِ ہندوستان کی تاریخ نہایت وضاحت سے دکھلائی جائے۔ تاکہ واقعات اور نتائج آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔ اس لئے کہیں کہیں ان واقعات کو دُہرایا بھی گیا ہے۔

اب اخیر میں صرف اتنا عرض کرنا باقی رہ گیا ہے کہ اس تاریخ میں حیدرآباد۔ ارکاٹ۔ میسور وغیرہ کے واقعات بھی جن کا تعلق سلطنتِ خداداد سے رہا۔ دئے گئے ہیں بحیثیت تاریخی واقعات ہونے کے ان سے گریز ناممکن تھا۔ واقعات تاریخی ہیں۔ اس لئے انہیں بھی اسی نظر سے دیکھا جائے۔ مٹنے والے مٹ چکے اور ان کے عیوب و محاسن بھی انہیں کے ہمراہ چلا گئے۔ تاریخ صرف انہیں یاد دلاتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے سبق حاصل کریں۔

محمود

مقدمہ

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنتِ مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ تمام ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں اگر کسی بہادر سپاہی کے دل میں جس کے لئے قدرت نے خود راستے کھولدئے ہوں۔ اولوالعزمی جانبازی اور جہانگیری کے ولولے پیدا ہوں تو تعجب کی کونسی بات ہے ؟ جنوبی ہندوستان کا یہ نامور ہیرو جس کے حالات زندگی ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا جبکہ ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اور تمام ملک ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک لوٹ مار، قتل و غارتگری کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اس افتراق انگیز صورت حالات سے ہر شخص متاثر ہوتا اور ایک معمولی سپاہی بھی جو ہتھیار باندھکر گھر سے نکلتا۔ اس کا منشا یہی ہوتا کہ کسی کو لوٹ کر بے شمار دولت حاصل کرے۔ اس زمانے میں لوٹ مار ایک معمولی بات تھی اور یہ کوئی مذموم حرکت نہ سمجھی جاتی تھی۔ اور ایسے وقت میں ایک اولوالعزم انسان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اپنی شمشیر خارا شگاف کی مدد سے ملک پر قبضہ کرکے رفتہ رفتہ تاج و تخت کا مالک بنجائے۔ ہمارا یہ نامور ہیرو بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا۔ اور چونکہ اسکی رگوں میں سپہگرانہ خون دوڑ رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسکے دل میں اولوالعزمی اور ناموری کے جذبات بھی موجزن تھے۔ اس نے اپنی پوری قوت کو صرف کردیا۔ کہ دنیا میں اپنا نام ایک جانباز سپاہی اور فاتح کی حیثیت میں چھوڑ جائے۔ اس بہادر سپاہی نے نہ تو انگریزوں کی طرح سیاسی چالوں سے کام لیا۔ اور نہ دوسرے صوبہ داروں کی طرح حرص و فریب سے کام لیکر اپنے بادشاہی ملک پر قبضہ کیا۔ بلکہ اس نے محض اپنی بہا[illegible]

اولوالعزمی اورعزم بالجزم سے اپنے آپ کو ایک سپاہی کے درجہ سے تاج وتخت کے مرتبہ بلند تک پہنچایا۔ اسکی جنگی تدابیر اور اسکی شمشیر آبدار نے ایک طرف اگر مرہٹے اور نظام حیدرآباد کے قصرِ شاہی میں زلزلے ڈالدئے تو دوسری طرف نواب کرناٹک اور انگریزوں کے گھروں میں بھی صفِ ماتم بچھادی۔

آج تاریخ ہند ماتم کررہی ہے کہ باوجود اس جنگی فراست ودانائی کے ہمارے اس نامور ہیرو نے ایک ایسی فاش غلطی کی کہ جس کے باعث آج ہندوستان تسفل اور تعبد کی زندگی بسر کررہا ہے۔ اگر مدراس کا عہدنامہ نہ لکھا جاتا تو ہندوستان کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی (انگریز) کے کارنامے داستان پارینہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے مگر قضا وقدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جس کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بہرحال نواب حیدرعلی کی اس غلطی کو ہم اس لئے قابل معافی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سپاہی تھا جس کو اپنی تلوار پر بھروسہ تھا۔ اسکے علاوہ اسوقت اس نے بہتر یہی سمجھا کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کا رہنا بھی ملک میں ضروری ہے۔ اسکو کیا معلوم تھا کہ اسکی یہ کارروائی آئندہ چلکر تاریخ ہند میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کردیگی۔ کہ تمام ہندوستان ملکیوں کے قبضہ سے نکلکر غیرملکیوں کے قبضہ میں چلا جائیگا۔ اور خود اسکی نسل تاج وتخت سے محروم کردیجائیگی۔ اوراس کے ساتھ زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس دشمن کو اس نے شکست دیکر قابل اعتناء نہ سمجھا اوراس کے ساتھ

"افعی کشتن وبچہ اش رانگاہ داشتن"

کے مقولہ پر عمل کیا۔ اسی نے اسکی نسل کے ساتھ اس مقولہ پر

"کارِ خردمنداں نیست"

کا حاشیہ چڑھایا۔

بہر صورت یہ ہمارا نامور ہیرو گوشہ گمنامی سے نکلکر ناموری کی اس حد تک پہونچتا ہے جو اسکے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکی تھی ۔ وہ دنیا سے جس وقت متعارف ہوا تو معمولی سپاہی تھا اور جس وقت اسے آغوش لحد کے سپرد کیا گیا تو وہ ایک نامور فاتح اور مالک تاج و تخت تھا۔ اور اپنے پیچھے شجاعت اور بسالت کی دھاک کچھ اس طرح بٹھا گیا کہ آج جنوبی ہند کا بچہ بچہ اس کو حیدر علی کے نام سے نہیں بلکہ "بہادر" کے لقب سے یاد کرتا ہے ۔ اور حقیقت میں وہ بہادر ہی تھا۔ جنوبی ہندوستان نے بہادری کا ایسا بے مثل نمونہ کبھی نہیں دیکھا تھا اور یہی وجہ اس کے نام کی ہے ۔

اس نامور ہیرو کی سوانح زندگی شروع کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ عام طور پر تاریخوں میں اسکی سخت گیری اور غارتگرانہ اقدامات کے متعلق جو اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان پر کچھ لکھوں، اور انگریزی مورخین نے اسکو " غاصب سلطنت میسور" جو مشہور کر رکھا ہے ۔ اسکی کماحقہ تردید کروں ۔

یہ صحیح ہے کہ نواب حیدر علی خاں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ اور جب کبھی میدان جنگ میں اترتا تھا تو لوٹ مار کا حکم دیکر شہر اور دیہات تباہ کر دیتا ۔ بلکہ کھیتیوں کو بھی جلا کر خاک سیاہ کر دیتا تھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص لوٹ مار اور غارتگری کو اپنی گذر اوقات کا وسیلہ سمجھتا تھا ۔ نواب حیدر علی کو جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا ۔ اور شہروں اور دیہات میں بسنے والے لوگ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ جس طرف کا پلہ بھاری ہو۔ اس طرف ملجائیں۔ اور چونکہ نقل و حرکت اور وسائل حمل و نقل کے وہ وسیع ذرائع موجود نہیں تھے جو آج اس زمانہ میں موجود ہیں ۔ اس لئے ان لوگوں پر قابو پانے کیلئے یہ ضروری تھا کہ انہیں

بے کس اور بے دست و پا بنا دیا جائے۔ کہ یہ لوگ موقع پاکر دشمن کے ساتھ ملکر فساد نہ کریں اور قوتِ مسلّطہ کیلئے فتنہ کا باعث نہ ہوں اور اس کے علاوہ اسوقت چونکہ جنگ کی کامیابی کا انحصار غلّہ اور دیگر اسبابِ معیشت پر تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ غنیم کو کوئی چیز ہاتھ نہ لگے۔ یہ ایک سخت غلطی ہے کہ ہم اس زمانہ کو موجودہ زمانہ کے ساتھ تطابق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریل۔ تار۔ ٹیلیفون جہاز اور طیاروں نے دنیا کی طنابیں کھینچکر رکھدی ہیں۔ اگر دنیا کے کسی ایک حصّہ میں جنگ ہو تو دنیا کے اطراف و اکناف سے ریل اور جہازوں کے ذریعہ سامانِ خورد و نوش اور سامانِ حرب لایا جاتا ہے۔ مگر اس زمانہ میں اس قسم کے ذرائع مفقود تھے۔ اور جو کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اسی محدود علاقہ میں حاصل کیا جاتا تھا۔ جہاں جنگ ہوا کرتی تھی۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے۔ تو حیدر علی نے جو کچھ کیا اس میں وہ حق بجانب تھا۔ انگریز مورخین سے بجا طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی فوجیں اس وقت کہاں سے رسد حاصل کیا کرتی تھیں؟ اور حیدر علی کو انگریزی علاقہ سے رسد نہ ملنے کیلئے انگریز کیا کرتے تھے؟ اس امر کو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں کہ حیدر علی سخت گیر تھا اور ان قوموں سے جو اسکی اطاعت سے منحرف ہوتی تھیں سختی سے باز پرس کرتا تھا۔ دنیا کی تاریخ ایسے ہی واقعات سے بھری پڑی ہے۔ حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے یہی سلوک کرتی آئی ہیں۔ اگر نواب حیدر علی نے بھی اس قانون پر عمل کیا تو وہ ہدفِ مطاعن کیوں بنایا جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں جس کو تہذیب و ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اور اخلاق و انسانیت کا وعظ ہمارے ناصحین مشفق اس شدّ و مد سے دیا کرتے ہیں۔ دیکھیں کہ آج کل بھی یوروپین مدعیانِ تہذیب و انسانیت اپنی نافرمان و سرکش رعایا سے کیا سلوک کرتی ہیں۔ یہ تو اب ایک معمولی بات ہوگئی [illegible] درہم [illegible] سے گولے [illegible] عقاب پرواز طیاروں کے ذریعہ [illegible]

جائیں۔ لہلہاتے ہوئے کھیتیوں کو جلاکر خاک سیاہ کرنا آج بھی اسی طرح جائز ہے جسطرح صدہی دو صدی پیشتر تھا۔ مگر تعجب ہے کہ حیدر علی اپنی نافرمان رعایا کو سزادے تو وہ سخت گیر اور ظالم کا نام پائے۔ اور مدعیانِ تہذیب اپنے فعل کو عین رحم وانسانیت قرار دیں

نواب حیدر علی کے مظالم کی تصویر کا ایک رخ دکھلانیوالے اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ میدانِ جنگ میں حیدر علی ایک تندمزاج، جبار وقہار سپہ سالار تھا، تو امن کے وقت وہ ایک نہایت حلیم، رحمدل اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اور جس وقت دشمن پر غالب پاجاتا تو پھر اس کا دل اس طرح موم ہوجاتا کہ تواضع اور مدارات کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ اسس کا نامور امیر البحر علی راجہ جو اسکی بحری فتوحات کا باعث تھا۔ ایکوقت جب جزائر مالدیوا کے راجہ کو گرفتار کر کے اسکی آنکھیں نکلوا ڈالیں تو حیدر علی نے اسے فوراً معزول کردیا۔ اور باوجود فاتح ہونے کے اپنے شکست خوردہ حریف راجہ سے معذرت خواہ ہوا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ مدراس میں جبوقت انگریزوں کا وجود اور عدم اسکے اشارۂ چشم وابرو کی ایک ادنیٰ جنبش پر منحصر تھا تو اس نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حیدر علی پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ :-

"غاصبِ سلطنتِ میسور"

ہے۔ جس نے راجہ کی ملازمت میں رہکر اسی کے تاج وتخت پر ناجائز قبضہ کرلیا۔ یہ سچ ہے۔ کہ حیدر علی نے میسور کی زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر کن وجوہ کی بنا پر اس نے ایسا کیا؟ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ سلطنتِ میسور کی وسعت اور عظمت حیدر علی کے قوتِ بازو کی رہین منت ہے۔ اور باوجود اس عرق ریزی، جانفشانی اور وفاداری کے ...

سپہ سالار کو یہ صلہ دیتا ہے کہ اسکے قید یا قتل کرنیکا حکم جاری کرتا ہے حالانکہ خود اسکے وزرائے جب اسکے خلاف سازش کرکے محلات پر گولہ باری کرتے ہیں. تو وہ حیدر علی ہی تھا. جس نے تاج وتخت میسور کو بچایا. تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ میسور کا راجہ اپنی رانیوں اور وزراء کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی تھا۔ اور جو اسکو سکھلایا جاتا وہی کرتا۔ اس حالت میں کہ جب وزراء خود نواب حیدر علی کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان نمک حراموں نے خود اسکے خلاف سازش کرکے اسکی جان لینا چاہی. تو حیدر علی سا اولوالعزم سپاہی یہ کب گوارا کرسکتا تھا کہ اس کی قوت بازو سے حاصل کی ہوئی سلطنت اسقدر آسانی کے ساتھ دوسروں کے قبضہ میں چلی جائے۔ اس موقع پر اس نے وہی کیا جو ایک دانشمند انسان جو بار بار ٹھوکریں کھانے کے بعد کرسکتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حیدر علی نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی. مگر راجہ کو بطور ایک باجگذار والئی ریاست کے تین لاکھ کی آمدنی کا ملک دیکر اپنی نگرانی میں رکھا۔ راجہ کے اعزاز و مراتب وہی قایم رکھے گئے جو اسکو پہلے سے حاصل تھے۔

کیا موجودہ تہذیب و تمدن کی تاریخ اس قسم کا کوئی ثبوت پیش کرتی ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نوابان ارکاٹ و اودھ۔ راجگان ناگپور و ستارہ سے کس قسم کا سلوک کیا۔ اگر حیدر علی بھی یہی دل و دماغ لیکر آتا۔ تو اس کیلئے یہ آسان تھا کہ راجگان میسور کے خاندان کا نام و نشان مٹا دیتا یا اس کو شہر بدر کردیتا۔

اسکے علاوہ دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ابتک جتنے حکمران خاندان ہوئے ہیں۔ ان میں بانیان حکومت ہمیشہ غاصب ہی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہی وجہ دنیا میں حکومتوں کے عزل اور نصب کی ہے۔ قدرت کا قانون ہمیشہ اٹل رہا۔ اور اب بھی اسی طرح اٹل ہے۔ گذشتہ زمانہ کو چھوڑکر اگر صرف موجودہ حکمران خاندانوں

کو لیا جائے اور ان کے بانیوں کی سوانحات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر بانیٔ حکومت دوسرے خاندان کی حکومت غصب کر کے ہی سر پر آرا ہوا۔ اگر حیدر علی پر ہی یہ الزام آسکتا ہے تو اس کو سوائے تعصب کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

انگلستان میں کرامول، فرانس میں نپولین، روس میں لینن، ترکی میں مصطفےٰ کمال، ایران میں رضا شاہ، افغانستان میں نادر شاہ، جنوبی ہند میں سلطنت وجیانگر کا بانی ہری ہر اول اور آخر میں رام راج اور ترملا جنکی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ کیا یہ تمام کے تمام غاصبانِ حکومت نہیں؟ لیکن الزام دینے سے پیشتر دیکھا جاتا ہے کہ اسوقت کے حالات کیا تھے۔ جن سے مجبور ہو کر انہوں نے ایسا اقدام کیا اور آیا انکی ذات ملک و قوم کیلئے فائدہ مند ہوئی یا نہیں؟ اگر حیدر علی پر غاصب کا الزام آسکتا ہے تو آج دنیا کے تمام حکمران خاندان بھی غاصبِ حکومت ہی مانے جائیں گے۔ ورنہ شکم مادر ہی سے کوئی بھی تاج و تخت اپنے ساتھ نہیں لایا۔ اور نہ حکومت و سلطنت نے ہمیشہ کیلئے کسی خاندان میں بقا کا درجہ حاصل کیا ہے۔ اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر اس نظریے کے ماتحت انصاف سے حیدر علی کو دیکھا جائے اور اسکے سلوک پر بھی نظر ڈالی جائے تو بہ نسبت اور بانیانِ سلطنت کے حیدر علی کا کیریکٹر نہایت ارفع و اعلےٰ ہے۔

اب اخیر میں صرف اس غلط فہمی کو دور کرنا باقی ہے۔ جس میں ابھی تک ہمارے بہت سے بھائی مبتلا ہیں۔ ذات۔ پات۔ نسل اور خون کے امتیاز کو اسلام مٹا چکا ہے مگر با وجود اس کے وہ ابھی تک نواب حیدر علی اور اس کے خاندان کو اس بنا پر حقیر سمجھ رہے ہیں۔ کہ وہ ایک نایک تھا۔ اور لطف یہ کہ وہ لفظ نایک کو ایک خاندانی نام تصور کر بیٹھے ہیں حالانکہ نایک ایک فوجی عہدہ تھا۔ جو میسور میں فوجی افسر کو دیا جاتا تھا۔ اور چونکہ ہمارا ہیرو

بھی ابتدا میں فوجی افسر تھا۔ اسی لئے اسوقت اس کو نایک کا خطاب دیا گیا۔ اور یہی وہ خطاب ہے جس کو آج انگریزوں نے بھی اپنی فوج میں رائج کر لیا۔ آج انگریزی فوج ہی کی ترکیب دیکھئے کہ کس وضع سے ہوتی ہے۔ سپاہی۔ نایک۔ حوالدار۔ جمعدار اور صوبیدار ایک انگریزی پلٹن کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انگریزوں نے یہ خطابات ملک کے مختلف حصوں سے لئے اور فوج میں رائج کر دیے۔ نایک تو خاص فوجی خطاب تھا جو میسور میں رائج تھا۔ حوالدار اور جمعدار دکنی سلطنتوں (بیجاپور وغیرہ) میں سیول عہدہ داروں کیلئے مخصوص تھے۔ جو آج افسران پولس اور جمع بندی یعنے سرکاری محصول وصول کرنیوالوں کو دیا جاتا ہے۔ یوں بھی تو آج ایک ضلع کے افسر کو جس کے فرائض اولین میں جمع بندی ہے۔ کلکٹر کہا جاتا ہے۔ جسے اردو میں جمعدار ہی کہہ سکتے ہیں سلطنتِ مغلیہ اپنے صوبوں کے سب سے بڑے افسر کو صوبہ دار کا خطاب دیتی تھی۔ اور یہی آج انگریزی فوج میں ایک ایسے افسر کو جو ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ لیتا ہو۔ دیا جاتا ہے اور اسکے ماتحت پچھتر یا سو سپاہی ہوتے ہیں۔

یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی تھی کہ تسخیر قلوب اس طریق سے کرے۔ کہ لوگ محض نام و نمود کی خاطر اسکی وفاداری کا دم بھرنے لگیں۔ اور بڑے بڑے خطابات کا اس طرح فوج میں دیا جانا ہی وہ راز ہے۔ جو اس وقت انگریزی دیسی فوج کی بھرتی کا سبب بنا۔

اس کلیہ کی تحت حیدر علی کی ترقی نایک سے ہوی۔ اور چونکہ اس وقت میسور میں صوبہ داری رائج نہ تھی (کیونکہ ریاست ہی اس قدر چھوٹی تھی کہ بہ مشکل ایک تحصیل کہلا سکتی تھی) اس لئے صوبہ دار کس طرح ہو سکتے تھے ہم

دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ مشاہیر عالم کی ابتدا بالکل معمولی طریق پر ہی ہوئی ہے۔ اسیطرح حیدر علی کا آبائی پیشہ بھی سپہ گری تھا۔ اور حیدر علی بھی ابتدا میں معمولی سپاہی بنا میسور کو اب تک ناز ہے اور ہمیشہ رہیگا کہ اسکی خاک سے ایک ایسا سپاہی اٹھا جسکی شہرت ہندوستان سے نکلکر فرانس اور انگلستان کے فنون قاہرہ تک پہونچی۔ اور اس کی تلوار کی جھنکار سے ہندوستان کی ریاستوں اور سلطنتوں میں تو ایک طرف، سات سمندر پار انگلستان کے سربفلک ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے۔ ؎

اپنی قسمت پر تو اے میسور بے حد ناز کر
خاک سے اٹھا ہے تیری ایک فخر روزگار

خدا کی شان ہے کہ یہ بچہ جو ایک معمولی گھرانے اور ایک گمنام گاؤں میں پیدا ہوتا ہے۔ اپنے بے پناہ عزم و استقلال سے تخت میسور پر قابض ہو کر کل جنوبی ہندوستان پر حیدری جھنڈا لہراتا ہے۔ اور جنوبی ہندوستان میں شاہانِ مغلیہ کی حشمت و جلال کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اور اسکی زبردست شخصیت یہاں تک تاریخ ہندوستان پر اپنا اثر ڈالتی ہے کہ اسکی وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹے جو اسوقت علاقۂ بمبئی میں انگریزوں سے جنگ کر رہے تھے۔ اور انگریزوں کی ہستی جنرل گوڈارڈ کی شکست سے انکے رحم پر منحصر ہو چکی تھی۔ ہتھیار ڈال کر صلحنامۂ سالبئی پر دستخط کر دیتے ہیں۔ جسکی وجہ انگریزوں کے قدم علاقۂ بمبئی میں نہایت مضبوطی سے جم جاتے ہیں۔

ہندوستان کا یہ نامور ہیرو اپنی بہت سی خصوصیات میں ظہیر الدین بابر بانئ سلطنتِ مغلیہ سے ملتا جلتا ہے۔ شہنشاہِ بابر میں جو خوبیاں تھیں وہ کم وبیش حیدر علی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور جس طرح بابر پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ اسی طرح

حیدر علی کو بھی مہالک و مخاطر کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ؎

گہے بر طارمِ اعلےٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

حیدر علی کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز تھا۔ اسکے حالاتِ زندگی مسلمانوں نے بھی لکھی ہے اور انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی۔ اور سبکے سب معترف ہیں کہ اسکی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں ایک تھے۔ اور اس کے دل میں ہر مذہب و ملت کیلئے احترام تھا۔ اسکی حیرتناک ترقی۔ اسکے شجاعانہ کارنامے اسکی مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے افسانے آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔

حیدر علی کے بعد ابوالفتح ٹیپو سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ علم و فضل اور دانشمندی کے لحاظ سے ٹیپو سلطان کا درجہ اسقدر اعلےٰ ہے کہ متعصب سے متعصب مورخ بھی تعریف کرتا ہے کہ خاکِ ہندوستان سے اٹھکر سب سے پہلے جس شخص نے

"ہندوستان۔ ہندوستانیوں کیلئے ہے"

کا کلمۃ الحق بلند کیا۔ وہ سلطان ہے۔ اس کی وسیع النظری دیکھ چکی تھی کہ ہندوستان کی تباہی کا اصل راز یہاں کی مختلف قوموں کی نا اتفاقی میں پنہاں ہے اور یہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت کیا خیال ہے۔ اور آئندہ انکے منصوبے کیا ہیں۔ حیدر علی بیشک ایک جنگجو سپاہی تھا۔ مگر اس میں رواداری بھی حد درجہ تھی۔ مگر سلطان کی عاقبت بین نظریں دیکھ رہی تھیں۔ کہ اس رواداری کا نتیجہ کیا ہونیوالا ہے۔ لہٰذا جس وقت عنانِ حکومت اسکے ہاتھ آئی تو اس نے اپنی پوری توجہ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین الاقوام ہند پر صرف کر دی۔ ملک کی صنعت و حرفت پر پوری توجہ کی کہ ہندوستان کہیں غیر ممالک کا محتاج نہ ہو جائے۔ سلطان کے یہی عزم و ارادے

تھے۔ جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سلطان کا مخالف بنا دیا۔ اور اسی مخالفت نے اسکو تمام عمر جنگوں میں مصروف رکھا۔ مگر باوجود اسکے سلطنتِ خداداد میسور نے صنعت و حرفت اور دیگر فنون میں تو ترقی کی وہ میسور کو کبھی حاصل نہ ہو سکی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جان چکی تھی کہ اگر سلطان کو اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے دیدیا جائے۔ تو پھر ہندوستان پر ہرگز قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدرآباد اور مرہٹوں کو اپنا لے کر جو کچھ کیا اس کی خود تاریخ شاہد ہے۔ اس لحاظ سے کہ سلطان ہی وہ پہلا شخص ہندوستان میں گذرا ہے جو استعمار فرنگ سے ہندوستان کو آزاد اور محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر ہند کا سچا خیرخواہ اور محب تھا۔ اس لئے تاریخ میں اس کو ایک ایسا بلند مرتبہ حاصل ہے۔ جو ہندوستان میں اب تک کسی حکمران کو نصیب نہیں ہوا۔

دنیا کی تاریخ بمشکل ٹیپو سلطان کا نظیر پیش کر سکے گی۔ کیونکہ سچے تاریخی حالات آج اسکا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسکی عظیم الشان شخصیت ہندوستان میں کیا کرنا چاہتی تھی۔ اگر زمانہ اس اولوالعزم سلطان کے ارادوں کو پورا ہونے دیتا تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ اگر لمحاتِ فرصت میں تاریخ پر اور ٹیپو سلطان کے حالات پر غور کیا جائے تو حیرت ہو جائیگی کہ سلطنتِ خداداد کے زوال سے کتنا بڑا انقلاب ہندوستان پر آیا۔

ہندوستان پر سیادت کیلئے انگریز۔ فرانسیسی۔ نظام الملک حیدرآباد اور مرہٹوں میں کس طرح کی کشمکش تھی۔ ان کو خاص سلطان کے حالات میں واضح کر دیا گیا ہے۔ باوجود ان سخت مصائب میں مبتلا ہونیکے وہ ملک کی ترقی اور رعایا کی فارغ البالی سے بے خبر نہیں تھا۔ چنانچہ پروفیسر جائیسر (جنہوں نے ریسرچ کی ہے) لکھتے ہیں کہ:۔

"اس کے حریف ہمیشہ اس کے مٹانے پر آمادہ اور اندرون سلطنت اس کے خاص

افسر ہمیشہ اس کے زوال کے لئے سازشیں کرتے رہے۔ مگر یہ سلطان ہی کا دل و گردہ تھا کہ سترہ سال تک ان سب کا نہایت خوبی اور کامیابی سے مقابلہ کیا"۔

سلطان نے بار بار کوشش کی کہ نظام الملک اس سے ملجائے۔ مگر افسوس کہ اس نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ غیروں سے ملکر اس شیر کو مٹا دیا جائے۔ تمکحرام وزرا کی غداری اور دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے آخر سلطنتِ خداداد صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اس شیر کی لاش پر جب جنرل ہارس آیا تو فرطِ خوشی سے پکار اٹھا کہ :۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"۔

ان الفاظ میں کتنی صداقت پنہاں تھی۔ ذیل کے واقعات اس کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اور ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ کہ کس طرح جنرل ہارس کا لفظ لفظ سچا ثابت ہوا ہے :۔

سنہ ۱۷۹۹ء :۔ تسخیر سرنگاپٹم یعنے زوالِ سلطنتِ خداداد۔ الحاق جنوبی ہند۔ اور میسور میں رزیڈنٹ کا تقرر

سنہ ۱۸۰۰ء :۔ کڑپہ، کرنول، بلاری، اننت پور اور تنجاور پر انگریزی قبضہ،

سنہ ۱۸۰۱ء :۔ کرناٹک سے نواب ارکاٹ کو نکالکر مدراس پہنچا دیا گیا۔ اور کرناٹک کا الحاق انگریزوں نے کر لیا۔

سنہ ۱۸۰۱ء :۔ صوبجاتِ اودھ پر انگریزی قبضہ۔

سنہ ۱۸۰۲ء :۔ مرہٹی سلطنت کا خاتمہ۔ سورت کا عہدنامہ۔ دربار پونا میں انگریزی رزیڈنٹ کا تقرر۔ بڑودہ پر قبضہ۔ اور گجرات کا الحاق

سنہ ۱۸۰۳ء :۔ حیدرآباد میں رزیڈنٹ کا تقرر۔ حیدرآباد انگریزوں کا باجگذار بن گیا۔ ناگپور میں رزیڈنٹ کا تقرر

بندھیل کھنڈ پر انگریزوں کا قبضہ۔

آگرہ اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

جلیپور اور جودھپور پر انگریزوں کا قبضہ

گوالیار میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۳ء :۔ مراشس پر قبضہ

نیپال میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۶ء :۔ شملہ۔ مسوری۔ نینی تال۔ لنڈھوری پر قبضہ

۱۸۱۷ء :۔ ناگپور پر قبضہ

۱۸۱۸ء :۔ پونا کے پیشوا کی معزولی اور ملک پر انگریزی قبضہ

۱۸۲۹ء :۔ آسام پر قبضہ اور برما میں رزیڈنٹ کا تقرر

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے تاریخ اس کا ثبوت دے رہی ہے۔ واقعی انگریزوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ ۱۷ر فروری ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں جس شان کا جلوس نکلا۔ اور انگلستان میں جو خوشیاں منائی گئیں۔ وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ سر جان ایبنس۔ ٹرونحصر۔ جو اس وقت کلکتہ کا چیف جسٹس تھا۔ اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"ٹیپو کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کیلئے کافی تھی۔ یہ اس زمانہ میں خاص طور پر قابل توجہ تھی۔ اس کے مرتے ہی ہندوستان میں ہمارا (انگریزوں کا) قبضہ ہمیشہ کے لئے ہوگیا۔"

کیا عجب ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد قدرت نے اہل ہند کو ایک اور سنہری موقع دیا ہو۔ کہ وہ حیدر علی اور اس کے فرزند ٹیپو سلطان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متمتع

ہوں۔ مگر یہ ملک کی بدقسمتی تھی کہ اس نے قدرت کے اس عطیہ سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے برباد کر کے چھوڑا۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان نہایت سختی سے انتقام لیتا تھا۔ مگر کیا آج حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لیا کرتیں؟ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ اسی جذبۂ انتقام سے دیوانہ ہو کر کچنر نے مہدی سوڈانی کی ہڈیاں تک قبر سے نکال کر جلا ڈالیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزی افسروں کے ہاتھوں جو کارروائیاں ہوئیں انکی یاد ابھی دلوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔ مگر تاریخِ سلطنتِ خداداد میں ایک مثال بھی اس قسم کی دیوانگی کی نہیں ملتی۔

جس طرح نواب حیدر علی غیر متعصب تھے۔ اسی طرح ٹیپو سلطان کے دل میں بھی ہر مذہب و ملت کے لئے عزت تھی۔ جس کا ثبوت آج ملک کے تمام معابد و منادر دے رہے ہیں۔ گو مدارس کی مروجہ تواریخ لاکھ بھی پردہ ڈالنا چاہیں۔ مگر اصلی تاریخی واقعات اس طرح چھپانے سے نہیں چھپ سکتے۔ سرنگاپٹم و سرینگری کے منادر و جاگیرات زبانِ حال سے سلطان کے الطاف و عنایات کا ذکر پکار پکار کر رہی ہیں۔ اور یہی وہ حسنِ سلوک تھا کہ اس کی شہادت پر بلا لحاظِ مذہب و ملت ہر ایک نے ماتم کیا۔

باپ اور بیٹے کے یہی وہ کارنامے تھے جو ان کے نام کو اس طرح زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ گویا وہ ابھی تک ہمارے درمیان ہیں۔ اور انہیں وہ بلند مرتبہ حاصل ہے۔ کہ آج بھی ان کے مزارات پر عقیدت و احترام کے پھول برسائے جاتے ہیں۔

محمود

مسلمان میسور میں کب آئے ؟

اس قدر زمانہ گذرنے کے بعد یہ ٹھیک طور پر پتہ نہیں لگایا جا سکتا کہ میسور میں مسلمان پہلے پہل کس زمانہ میں آئے؟ یوں تو جنوبی ہندوستان کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے۔ کہ ملک عرب میں جس وقت اسلام کا ظہور ہوا۔ ملیبار و کوکن میں بھی اسی زمانہ میں اس مذہب کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ ضلع ملیبار جنوب میں اور کوکن ملک میسور کے شمال میں واقع ہیں۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ اولیاء اللہ اور دوسرے مبلغین اسلام کی کوششوں سے ملک میسور میں بھی کچھ لوگ اسلام لائے ہوں۔

انکی موجودگی کا ثبوت مغربی سیاح ابن بطوطہ کی تحریر سے ملتا ہے کہ جب ملک کافور میسور پر حملہ آور ہوا تو راجہ بلالا دیو سوم کے پاس بیس ہزار مسلمان سپاہی موجود تھے ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

"راجہ بلال دیو (حاکم دھورسمند۔ میسور) کے پاس بیس ہزار مسلمانوں کی فوج تھی۔ جن میں زیادہ تر جنگی قیدی اور غلام تھے۔" (ابن بطوطہ از مولوی محمد حسین یم اے)

اب سوال یہ ہے کہ یہ جنگی قیدی اور غلام کہاں سے آئے۔ ہوے سالا سلطنت کی تاریخ اس کا جواب دیتی ہے کہ بلالا دیو نے کوکن پر کئی بار فوج کشی کی تھی۔ اور اس فوج کشی کے سلسلہ میں کوکن کے مسلمان قید ہو کر آئے۔ اس لئے یہ ایک غلط خیال ہے کہ میسور میں مسلمانوں کی ابتدا ملک کافور کے حملہ سے ہوئی۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ ان کو جو اہمیت حاصل ہوئی وہ ملک کافور کے حملہ کے بعد سے ہوئی۔ اور اسی لئے مورخین نے میسور میں مسلمانوں

کی آمد ملک کافور کے زمانہ سے بتلائی ہے۔

میسور پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ ۱۳۱۰ء میں ہوا۔ اس وقت دہلی کے تخت پر سلطان علاؤالدین خلجی داد سلطنت دے رہا تھا۔ اس زمانے میں انتہائے جنوب میں مدورا کے تخت کے لئے دو بھائی ویر پانڈے اور سندر پانڈے لڑ رہے تھے۔ ویر پانڈے کی تائید پر ہوے سالا راجہ بلالا سوم تھا جس کی راجدھانی ملک میسور میں تھی۔ اور اس کا پایۂ تخت دوار کا سمندرم یعنے موجودہ ہلے بیدمیں تھا۔ سندر پانڈے نے یہ دیکھکر سلطان علاؤالدین خلجی سے مدد چاہی جس نے ملک کافور کو جنوب پر فوج کشی کرنے کیلئے بھیجدیا۔ ملک کافور نے مدورا آتے ہوئے راجہ بلالا سوم کے پایۂ تخت پر حملہ کیا۔ جنگ میں راجہ کو شکست ہوی۔ ملک کافور یہاں سے ٹمکور بانا وار۔ بنگلور اور ہوسور کے راستے سے مدورا پر بڑھا۔

کافور کے حملے کے بعد ۱۳۱۶ء میں پھر مسلمان اس ملک پر شہنشاہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں حملہ آور ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سال بعد ہوے سالا سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

اگرچہ مسلمانوں کے یہ دو حملے میسور پر ہوئے۔ مگر ان سے پتہ نہیں چلتا کہ کوئی مسلمان خاندان یہاں آباد ہوا ہو۔ ۱۴۰۶ء میں سلطنت وجیانگر کے راجہ دیورایا کی بیٹی کی شادی بہمنی سلطان فیروز شاہ سے ہوی۔ اس سلسلہ میں بعض مسلمان خاندان بہمنی سلطنت دکن سے نقل مکان کرکے وجیانگر کی فوجی ملازمت میں داخل ہوگئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کا ایک قلیل حصہ اضلاع بلاری۔ کڑپہ وغیرہ میں پھیل گیا تھا اور ممکن ہے کہ موجودہ حدود میسور میں بھی کوئی خاندان آباد ہوگیا ہو۔ لیکن وجیانگر کے راجہ کرشنا دیورایا کے عہد میں ان تمام مسلمانوں کو جلاوطن کردیا گیا۔ اسکے بعد میسور کا نام تاریخ میں ۱۵۶۵ء میں آتا ہے۔ جبکہ جنگ (۱)

ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت وجیانگر کا خاتمہ تالیکوٹہ کی جنگ میں ہوگیا۔ ابتک تو مسلمان دریائے کرشنا کے شمال میں ہی تھے۔ فتح وجیانگر کے بعد انکے لئے جنوبی راستہ کھل گیا۔ بیجاپور کی اسلامی فوجیں ۱۵۷۷ء میں ہلگنڈہ تک پہنچ گئیں اور اس طرح میسور کے شمالی حصہ میں مسلمان آباد ہوگئے۔ اور یہاں انکی حکمرانی قایم ہوگئی۔ گو اسکے بعد مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے حملے اطراف میں ہوتے رہے۔ مگر ۱۶۳۴ء میں بیجاپور سلطنت مغلیہ کا باجگذار بن گیا۔ جس کے بعد ہی بیجاپور کی اسلامی فوج رن دولہ خاں کے ماتحت جنوب کی طرف بڑھی۔ اور تری کرہ بسواپٹن۔ ہری ہر پر قابض ہوگئی۔ کاولدرگ فتح کرنیکے بعد سرنگاپٹم پر حملہ ہوا۔ جو اس وقت پائے تخت تھا۔ سرنگاپٹم گو اس وقت فتح نہیں ہوا۔ مگر اسلامی فوج نے ۱۶۳۸ء میں ماگڑی بنگلور اور ساونادرگ پر اپنا قبضہ جما دیا۔ اب یہ افواج مشرق کی طرف بڑھیں۔ اور ۱۶۳۹ء میں کولار ہوسکوٹ، ویلور اور جنجی پر قابض ہوگئیں پھر یہ فوجیں پائین گھاٹ سے میسور پر آئیں۔ ڈوڈبالاپور سرا اور چیلدرگ ۱۶۴۴ء میں مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔ مفتوحہ علاقہ کو صوبہ کرناٹک۔ بالا گھاٹ کا نام دیا گیا۔ اور شہر سرا کو گورنر کا صدر مقام بنایا گیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ مسلمان بیجاپور سے آکر یہاں آباد ہونا شروع ہوگئے۔ مشرق میں جو فتوحات ہوئی تھیں۔ ان کو پائیں گھاٹ کا نام دیا گیا۔

اس موقع پر چونکہ سیواجی کا باپ شاہ جی اسلامی عساکر کے ساتھ تھا۔ اور عمدہ خدمات انجام دے چکا تھا۔ اس لئے بنگلور بطور جاگیر شاہ جی کو دیدیا گیا۔ اور اس طرح مرہٹے بھی آکر آباد ہونے لگے۔

چونکہ جنوبی ہند کی اسلامی ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ آمادۂ فساد رہتی تھیں۔ اور مرہٹوں سے ملکر سلطنت مغلیہ سے بغاوت کرتی رہتی تھیں۔ اس لئے

اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۸۴ء میں جنوبی ہند پر حملہ آور ہوا۔ اور ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کی سلطنت کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام جنوبی ہند پر قابض ہوگیا۔ عالمگیر نے جنوب کے انتظام کیلئے دو صوبہ داریاں قایم کیں۔ ایک ارکاٹ کی اور دوسری سرا کی۔ سرا کا صوبہ بالاگھاٹ میں تھا۔ جس میں میسور واقع ہے۔ سرا کا پہلا مغلیہ گورنر قاسم خاں تھا۔ جس نے میسور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ذوالفقار خاں گورنر ہوا۔ اس کے عہد میں مسلمان میسور کے تمام اطراف واکناف میں پھیل گئے۔ بیجاپور کے مسلمان پہلے ہی سے کچھ آباد تھے۔ اور اب بیجاپور کے سقوط سے وہاں کی کثیر آبادی مغلیہ فوجوں کے ساتھ اضلاع بلاری۔ اننت پور اور میسور میں اُٹھ آئی۔ اس لئے میسور میں جس قدر بھی مسلمان آباد ہیں۔ ان میں قریباً نوے ۹۰ فی صدی آبادی بیجاپور کے مسلمانوں کی ہے۔

نوٹ :۔ سرا۔ بنگلور سے ۷۰ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ موجودہ آبادی قریب پانچہزار کے ہے۔ سلاطین بیجاپور و سلطنت مغلیہ کے صوبہ داروں کا دارالحکومت رہنے کے باعث اس زمانہ میں یہاں پچاس ہزار مکان آباد تھے۔ سلاطین مغلیہ کا انکے صوبہ دار دلاور خاں کا محل نہایت شاندار اور مغلیہ طرز تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ اب بھی اس جگہ ۵۲ مساجد کے آثار نظر آتے ہیں۔ عہد بیجاپور کی مسجد کے علاوہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مسجد اور عیدگاہ اب بھی اچھی حالت میں باقی ہیں۔ یہاں عالمگیر اورنگ زیب کی ایک بیٹی کا بھی مزار ہے۔ سوائے اس مسجد اور عیدگاہ کے تمام شہر اور مساجد وغیرہ ویران پڑے ہیں۔ اور جا بجا کھنڈر اور ٹوٹے پھوٹے مزار اور محلات ایک وسیع رقبہ میں نظر آتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

تاریخِ دکن و جنوبی ہند

سلطنتِ خداداد میسور کو دکن اور جنوبی ہند میں جن طاقتوں سے واسطہ رہا ہے۔ جب تک ان کی ایک مجمل تاریخ نہ لکھی جائے۔ سلطنتِ خداداد کی سیاست یا ملک کی اس وقت کی تاریخ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لیے ذیل میں یہ تاریخ دی جاتی ہے۔

تاریخِ میسور

موجودہ ریاستِ میسور جس کا رقبہ ۲۹۴۶۹ مربع میل ہے۔ اور جس کے حدود پر اضلاع بلاری۔ اننت پور اور علاقہ بمبئی شمال میں۔ اضلاع چتور و سیلم اور کوئمتور مشرق میں۔ نیلگری اور ملیبار جنوب میں۔ کورگ۔ کنارا اور علاقہ بمبئی مغرب میں ہے۔ اس کی تشکیل زوالِ سرنگاپٹم کے بعد ۱۷۹۹ء میں ہوئی۔ اس سے پیشتر ریاستِ میسور صرف اس علاقہ کا نام تھا۔ جو موجودہ دارالریاست میسور اور اس کے مضافات ۳۳ دیہاتوں پر مشتمل تھا اس لئے مورخین نے تاریخ میسور میں اس تمام رقبہ کو جو موجودہ حدود ریاست کے اندر ہے تاریخ میں شامل کر لیا ہے۔

اگرچہ راماین اور مہابھارت میں اس سرزمین کا ذکر آیا ہے۔ مگر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان یہاں حکمران تھا وہ موریا خاندان تھا۔ چندرگپتہ اور اشوکا کے زمانے میں شمالی ہند سے بدھ مذہب کے مبلغین جھنڈ کے جھنڈ آئے۔ اس زمانہ میں موجودہ

شہر میسور کا نام مھیش منڈلا تھا۔ تاریخ کے لحاظ سے یہ زمانہ اس قدر تاریک ہے۔ کہ سنہ ۳۰ء بعد مسیح تک یہ پتہ بالکل نہیں چلتا۔ کہ یہاں کے حکمرانوں کے نام کیا تھے۔ سنہ ۳۰۰ء بعد مسیح یکے بعد دیگرے اور بیک وقت اس سرزمین پر ستواناس، مہاولی گنگا، چلوکیا، ہوے سالا اور یڈوا خاندان حکمران ہوتے آئے ہیں۔ سنہ ۱۶۰۰ء میں موجودہ ریاستِ میسور کا رقبہ چھ ریاستوں پر منقسم تھا۔ سنہ ۱۳۳۶ء میں جنوبی ہندوستان کی وہ زبردست ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی جس کا نام تاریخ میں وجیانگر مشہور ہے۔ علاقہ میسور بھی اس سلطنت کے زیر اثر آگیا جنوبی ہندوستان اور میسور میں مسلمانوں کی آبادی کم ہونے کا باعث یہی سلطنت وجیانگر ہے جو تین سو سال یعنے سنہ ۱۵۶۵ء تک مسلمان حملہ آوروں کے درمیان حائل رہی۔ سلطنتِ وجیانگر کا ایک گورنر سرنگاپٹم میں مقیم رہتا تھا۔ جو مختلف ریاستوں پر نگرانی کرنے کے علاوہ ان سے خراج بھی وصول کرتا تھا۔ زوالِ سلطنتِ وجیانگر کے بعد اس تمام علاقہ پر سلاطین بیجاپور کا قبضہ ہوگیا۔ جن کے گورنر کا صدر مقام شہر سرا تھا۔ سنہ ۱۶۸۷ء میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی فوجیں بیجاپور کا خاتمہ کرکے اس علاقہ پر قابض ہوگئیں۔ چونکہ اس علاقہ کے علاوہ جنوبی ہندوستان کا بہت بڑا حصہ بھی عالمگیر کے زیر اثر آگیا۔ اس لئے جنوب میں ایک مستقل صوبہ قایم کیا گیا۔ اور اس صوبہ کا صدر مقام سرا تھا۔

شہنشاہِ عالمگیر اورنگزیب کی وفات کے بعد جب سلطنت مغلیہ کو زوال آنا شروع ہوا تو شہر سرا مرہٹوں اور مسلمانوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ اور چونکہ مرہٹے شہنشاہِ مغلیہ سے فرمان حاصل کرچکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان ریاستوں سے خراج وصول کرنا شروع کردیا۔

ان تمام ریاستوں کا نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے یکے بعد دیگرے خاتمہ کردیا

صرف ایک ریاستِ میسور جس پر خاندان اوڈیر حکمران تھا۔ اور جس کی راجدھانی سرنگا پٹم میں تھی باقی رہی۔ نواب حیدر علی کی ملازمت اسی خاندان میں ہوئی۔ اور اس حیثیت سے نواب اور ٹیپو سلطان ہمیشہ اس خاندان کو اپنا مربّی سمجھتے رہے۔ اور یہیں سے انہوں نے ترقی کرتے کرتے سلطنتِ خداداد میسور کی بنیاد رکھی۔ جس کا رقبہ اسّی ہزار میل سے اوپر تھا۔ سلطنتِ خداداد میں ریاست میسور کی حیثیت ایک باجگذار کی رہگئی۔ جس پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان نگران تھے۔ مگر راجہ کے اعزاز و مناصب اسی طرح قایم رہے۔ جس طرح پہلے تھے۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس اسی شان و شوکت سے نکلتا تھا۔ جس طرح پہلے نکلا کرتا تھا۔ اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی نذر گذاری جاتی تھی۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے لیئے یہ بالکل آسان تھا کہ اس ریاست کا نام و نشان مٹا دیتے۔ مگر بحیثیت مسلمان ہونے کے انہوں نے احسان کا بدلہ احسان ہی دیا۔ اور اسی سلوک کا نتیجہ ہے کہ آج بھی خاندان اوڈیر تختِ میسور پر حکمران ہے مگر آج کل کی حکمتِ عملی کو کیا کیا جائے کہ مورخین تعصب اور طلب منفعت کا شکار ہو کر حیدر علی کو غاصبِ سلطنت کہہ رہے ہیں۔

موجودہ حکمران خاندان میسور کی تاریخ

موجودہ حکمران خاندان اوڈیر کی ابتدا ۱۳۹۹ء سے ہوتی ہے۔ اس کے آگے میسور کی مختصر تاریخ

"تاریخ میسور"

والے مضمون میں دیگئی ہے۔ اس وقت یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس زمانے میں ریاستوں

کا عزل ونصب صرف حکمرانوں کی زندگی وموت سے وابستہ ہوتا تھا۔ موجودہ وقت ہڈناڈ اور کاروگ ہلی میسور کے قریب بالکل معمولی دیہات ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاستیں بالکل معمولی تھیں۔ بلکہ اس قدر چھوٹی کہ ان کو جاگیر کا خطاب دیا جاسکتا ہے مگر اس زمانہ میں دشمن سے حفاظت کرنے کے لئے یہ جاگیردار جن کو پالیگار کہا جاتا ہے فوج بھی ملازم رکھتے تھے۔

تاریخ میسور سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۹۹ء میں دوارکا سے دو بھائی وجیارایا اور کرشنارایا جنوب کی طرف آئے۔ اور ہڈناڈ میں جو میسور کے قریب ہے۔ بنیاد ریاست ڈالی۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ ہڈناڈ کے راجہ کے مرنے کے بعد اسکی بیٹی دیواجی منی سے ایک قریبی علاقہ کاروگ ہلی کا راجہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر نیچ ذات ہونے کی وجہ سے رانی اس رشتہ پر راضی نہیں تھی۔ راجہ کاروگ ہلی نے ہڈناڈ پر قبضہ کرلیا اور جبراً شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ایسے وقت میں وجیارا اور کرشن رایا نے رانی سے سازش کرکے عین شادی کے موقع پر کاروگ ہلی کے راجہ کو قتل کردیا۔ جس کے بعد کاروگ ہلی کی فوجیں منتشر ہوگئیں۔ اور وجیارایا سے اس لڑکی کی شادی قرار پائی۔ اور یہ ہڈناڈ کا راجہ بن گیا۔ اور اس طرح ہڈناڈ کی حکومت وجیارایا کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ سلطنت وجیانگر جب تک رہی۔ ہڈناڈ کی ریاست اسکی باجگذار رہی۔ مگر جب وجیانگر کا زوال ہوا اس وقت تمراج وڈیار نے علم آزادی بلند کرکے سرنگاپٹم کو ۱۵۶۶ء میں دارالحکومت بنایا اس کے بعد ہی میسور میں مسلمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ اور ریاست میسور سلاطین بیجاپور کی باجگذار بن گئی۔ ۱۶۸۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ان علاقوں پر قبضہ کرلیا اور یہ ریاست سلطنت مغلیہ کی باجگذار بن گئی۔ ۱۶۹۶ء میں مرہٹے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوئے

مگر انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ چونکہ اس وقت شہنشاہِ ہندوستان عالمگیر اورنگ زیب جنوبی ہندوستان میں تھا۔ اس لئے راجہ چکدیوارایا اوڈیر نے اپنا رسوخ بڑہانے کیلئے دربارِ عالمگیر سے اطاعت و وفا کیشی کے طور پر تحائف روانہ کئے۔ جس کے صلہ میں دربارِ عالمگیر نے اس کو خطاب جگدیوا ملا۔ نوبت و نقارہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور راجہ کے بیٹھنے کیلئے ہاتھی دانت کا ایک تخت بھی دیا گیا (جو ابھی تک میسور میں ہے) دلّی کے انحطاط پر ایک طرف تو حاکم سرا نواب بن بیٹھا۔ اور دوسری طرف میسور کے راجہ خود مختار ہو گئے۔

۱۷۲۴ء میں ارکاٹ کا پہلا نواب سعادت اللہ خاں نواب سرا کی امداد سے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ زر نقد وصول کیا۔ اس کے دو برس بعد ۱۷۲۶ء میں مرہٹی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور بے شمار مال و متاع لیکر واپس ہوئے ان حملوں نے حکومت کو کمزور کر دیا۔ ۱۷۳۲ء میں راجہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وزراء نے اسکے ایک متبنیٰ لڑکے کو گدی نشین کیا۔ جو ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنکر رہا۔

اس راجہ کے بعد اس کا متبنیٰ لڑکا چامراج اوڈیر راجہ ہوا۔ اور اس نے وزیروں کو معزول کر دیا۔ جس کی وجہ سے وزراء نے سازش کر کے راجہ کو قید کر دیا۔ اور ایک تین سالہ لڑکے کو اس کا متبنیٰ بنا کر اسی کے نام سے حکومت کرنے لگے۔ اس لڑکے کا نام کرشنا راجہ اوڈیر تھا۔ ۱۷۲۹ء میں وزیر ننجراج جو دراصل ڈکٹیٹر تھا مر گیا۔ اور اسکی جگہ کراچری ننجراج وزیر بنا۔ اور اسی کے عہد میں نظام الملک ناصر جنگ سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا تھا۔ ۱۷۵۹ء میں پہلی دفعہ میسوری فوجیں حدود میسور سے نواب محمد علی والا جاہ کی امداد کیلئے باہر نکلیں۔ اور جنگِ ترچنا پلی میں حصّہ لیا۔ حیدر علی بطور ایک افسر کے اس جنگ میں شریک تھے جس

کا بیان واقعاتِ حیدر علی میں آئیگا۔ ذیل میں آگاہی کے لئے خاندانِ میسور کا شجرہ دیا جاتا ہے۔

موجودہ حکمران خاندانِ میسور کا سلسلۂ نسب

۱۔	یدورایا وجیا	سنہ ۱۳۹۹ء	سے	سنہ ۱۴۲۳ء	تک
۲۔	چام راج اوڈیر اول	سنہ ۱۴۲۳ء	"	سنہ ۱۴۵۸ء	"
۳۔	تمراجہ اوڈیر اول	سنہ ۱۴۵۸ء	"	سنہ ۱۴۷۸ء	"
۴۔	چامراجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۴۷۸ء	"	سنہ ۱۵۱۳ء	"
۵۔	چامراجہ اوڈیر سوم	سنہ ۱۵۱۳ء	"	سنہ ۱۵۵۲ء	"
۶۔	تمراجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۵۵۲ء	"	سنہ ۱۵۷۱ء	"
۷۔	چامراجہ اوڈیر چہارم	سنہ ۱۵۷۱ء	"	سنہ ۱۵۷۶ء	"
۸۔	چامراجہ اوڈیر پنجم	سنہ ۱۵۷۶ء	"	سنہ ۱۵۷۸ء	"
۹۔	راجہ اوڈیر اول	سنہ ۱۵۷۸ء	"	سنہ ۱۶۱۷ء	"
۱۰۔	چامراجہ اوڈیر ششم	سنہ ۱۶۱۷ء	"	سنہ ۱۶۳۷ء	"
۱۱۔	راجہ اوڈیر دوم	سنہ ۱۶۳۷ء	"	سنہ ۱۶۳۸ء	"
۱۲۔	کنٹی روا نرسم راجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۳۸ء	"	سنہ ۱۶۵۹ء	"
۱۳۔	ڈوڈ دیوراجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۵۹ء	"	سنہ ۱۶۷۲ء	"
۱۴۔	چک دیوا راجہ اوڈیر	سنہ ۱۶۷۲ء	"	سنہ ۱۷۰۴ء	"
۱۵۔	کنٹی روا اوڈیر	سنہ ۱۷۰۴ء	"	سنہ ۱۷۱۵ء	"

۱۶	دوڈ کرشنا راجہ اوڈیر	۱۷۱۵ء	سے	۱۷۳۱ء تک
۱۷	چامراجہ اوڈیر ہفتم	۱۷۳۱ء	"	۱۷۳۴ء "
۱۸	کرشنا راجہ اوڈیر	۱۷۳۴ء	"	۱۷۶۶ء "
۱۹	نجراجہ اوڈیر	۱۷۶۶ء	"	۱۷۷۰ء "
۲۰	چامراجہ اوڈیر ہشتم	۱۷۷۰ء	"	۱۷۷۶ء "
۲۱	چامراجہ اوڈیر نہم	۱۷۷۶ء	"	۱۷۹۶ء "
۲۲	کرشنا راجہ اوڈیر سوم	۱۷۹۶ء	"	۱۸۳۲ء "

نوٹ:۔ کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ کہ اوڈیر جمع ہے وڈیا کی۔ جو کنڑی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جسکے معنے صاحب یا مالک کے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت سلطنتِ وجیانگر میں یہ خطاب ایک چھوٹے ضلع کے گورنر کو دیا جاتا تھا۔ جس کے ماتحت ۳۳ دیہات ہوتے تھے۔ ("تاریخ رئیس")

سلطنتِ خداداد کا خاتمہ ۱۷۹۹ء میں ہوگیا۔ راجہ کرشنا راجہ اوڈیر سوم کو موجودہ ریاستِ میسور دیوان پورنیا کی نگرانی میں دی گئی۔ ۱۸۳۲ء میں راجہ کو معزول کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست کا انتظام ایک کمیشن کے سپرد کر دیا۔ یہ انتظام پچاس سال تک قایم رہا۔ اور اسکے بعد پھر ریاست اسی خاندان میں مہاراجہ چامراجہ اوڈیر کو تفویض کردی۔

تاریخِ نوابانِ ارکاٹ

خاندانِ نایطہ

نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خاں
سنہ ۱۷۱۰ء سے سنہ ۱۷۳۲ء

دوست علی (برادرزادۂ نواب سعادت اللہ خاں)
سنہ ۱۷۳۲ء سے سنہ ۱۷۴۰ء

صفدر علی
سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۲ء

محمد سعید
سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۳ء

دختر
اس لڑکی کی شادی حسین دوست خاں عرف چندا صاحب سے ہوئی۔

خاندانِ انوری (والاجاہی)

انوار الدین خاں
سنہ ۱۷۴۳ء سے سنہ ۱۷۴۹ء

محفوظ خاں

محمد علی والاجاہ
سنہ ۱۷۴۹ء سے سنہ ۱۷۹۵ء

عمدۃ الامراء
سنہ ۱۷۹۵ء سے سنہ ۱۸۰۱ء

عبد الوہاب خاں

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب نے جب جنوبی ہندوستان کو فتح کیا۔ تو جنوبی ہند میں دو صوبہ داریاں قایم کیں۔ ایک سرا کی اور دوسری ارکاٹ کی۔ ۱۷۱۱ء تک ارکاٹ اور سرا ایک ہی صوبہ دار کے ماتحت تھے۔ لیکن اس سال انتظامی نکتہ نظر سے سرا پر ایک دوسرے صوبیدار کا تقرر ہوا۔ جس کا نام امین خاں تھا۔ سعادت اللہ خان جو ارکاٹ اور سرا دونوں صوبوں کا صوبیدار تھا۔ اس تقرر کے خلاف تھا۔ مگر امین خاں اپنی زندگی تک سرا کا صوبیدار رہا۔ اس کے بعد اس کے جانشین کمزور نکلے۔ اس وقت نظام الملک آصف جاہ صوبیدار دکن نے دخل دیکر سرا کی صوبیداری بھی سعادت اللہ خان کو تفویض کردی۔ اور طاہر خاں سعادت اللہ کی جانب سے سرا کا صوبہ دار مقرر ہوا۔

سعادت اللہ خان کا خاندان ۱۷۴۳ء تک ارکاٹ میں حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کے آخری سالوں میں یعنے ۱۷۴۰ء میں محمد سعید نامی ایک صغیر سن لڑکا نواب بنا۔ لیکن اس کے اہل خاندان نے اسکی مخالفت کی۔ ان مخالفتوں سے فائدہ اٹھاکر ایک دوسرے شخص انوارالدین نامی نے آصفجاہ نظام الملک اول کی تائید سے ارکاٹ کی امارت حاصل کرلی۔ (یہی انوارالدین خاندان والاجاہی کا بانی ہے) انوارالدین کی مخالفت پر محمد سعید کا ایک رشتہ دار حسین دوست عرف چندا صاحب تھا۔ ۱۷۴۸ء میں جب نظام الملک اول کا انتقال ہوا تو تخت کیلئے ناصر جنگ اور مظفر جنگ میں جنگ چھڑ گئی۔ اس سے فائدہ اٹھاکر انوارالدینؒ نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا تو چندا صاحب نے مظفر جنگ کا۔ مظفر جنگ ارکاٹ کو آیا۔ کہ چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی دلائے۔ ۱۷۴۹ء میں آمبور کی جنگ میں انوارالدینؒ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اس کا بیٹا محمد علی والاجاہ فرار ہوکر ترچناپلی میں مقیم ہوا۔ اسکے بعد جب ناصر جنگ محمد علی کی مدد کیلئے جنوب میں آیا تو مظفر جنگ نے ہتھیار ڈالدیئے۔ اور محمد علی والاجاہ ترچناپلی سے نکلکر ارکاٹ کو آیا۔ اب چندا صاحب

فرار ہو کر پانڈیچری میں پناہ گزین ہوا۔ لیکن اس عرصہ میں کڑپہ کے پٹھانوں نے غداری کر کے ناصر جنگ کو شہید کر دیا۔ مظفر جنگ کو رہائی نصیب ہوئی۔ چندا صاحب پھر ارکاٹ کا نواب بنا۔ اور محمد علی ترچناپلی کو فرار ہو گیا۔ چندا صاحب نے ترچناپلی کا محاصرہ کر لیا۔ محمد علی نے مدراس کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد مانگی۔ یہ امداد چندا صاحب اور حیدرآباد دونوں کے خلاف تھی۔ اس امداد کے صلے میں ملک کرناٹک کا ایک بہت بڑا حصہ کمپنی کو تفویض کر دیا گیا۔ ہندوستان میں اب تک کمپنی کی کوئی زمین نہیں تھی۔ یہی علاقہ کرناٹک ہے۔ جہاں کمپنی کی حکومت کی اوّل بنیاد پڑی۔

جنگ جس قدر طول پکڑتی گئی کمپنی بھی نواب کو روپیہ قرض دیتی رہی۔ نواب والاجاہ محمد علی کا خیال تھا کہ چندا صاحب کو مٹا کر آپ خود ایک مستقل حکمران بنجائے۔ اس لئے اس نے مظفر جنگ (حیدرآباد) کے خلاف بھی سازش کی۔ جسکی وجہ سے حیدرآباد میں پھر سازشوں کا بازار گرم ہو گیا۔ اور حکمرانوں کا عزل و نصب شروع ہوا۔ یہانتک کہ ۱۷۶۱ء میں بسالت جنگ کو معزول کر کے نظام علیخاں تخت نشین ہوا۔ مگر عین اسی وقت میسور میں ایک نئی طاقت ظہور میں آئی جو حیدر علی کی تھی۔ اب نواب بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری بھی اسکے تفویض کر دی تھی۔ اب محمد علی کی توجہ حیدرآباد سے ہٹ کر حیدر علی کی جانب ہو گئی۔ کمپنی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ حیدر علی کے مقابل صف آرا ہو اس لئے حیدرآباد کو بھی شامل کر لیا گیا۔

ہندوستان کی آزادی کا ستارہ ڈوب رہا تھا۔ اور قسمت گردش میں آچکی تھی۔ محمد علی والاجاہ اور نظام الملک میر نظام علی خاں انگریزی بساطِ سیاست کے دو مہرے تھے۔ انہوں نے عمر بھی طویل پائیں تا کہ ان کے ہاتھوں سلطنتِ خداداد مٹ جائے۔ اور ہندوستان پر اغیار کا تسلط ہو جائے۔ محمد علی کا انتقال ۱۷۹۵ء میں ہوا۔ اور نظام علیخاں کی وفات ۱۸۰۳ء میں ہوئی لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ

"آزادی کا خواب دیکھنے والے خود محکوم بن گئے۔ اور اپنے ساتھ کل ہندوستان بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی طوقِ غلامی پہنا گئے۔"

انگریز اور فرانسیسی

یورپ سے ہندوستان میں جو قومیں آئیں۔ ان میں جرمن فلمش۔ ڈچ اور پرتگالیوں کو اس قدر کامیابی نہیں ہوئی۔ جس قدر انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ہوئی۔ حیدر علی کو ان موخرالذکر دو قوموں سے تعلق رہا ہے۔ ان دونوں قوموں نے ہندوستان کی نااتفاقی اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر یہ وطیرہ اختیار کیا۔ کہ ملک کے راجاؤں اور نوابوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار کر مال وزر کے عوض اپنی فوجوں سے مدد دینا شروع کی۔ جس کی وجہ سے ان کے قدم ملک میں جم گئے۔ جس زمانہ کی تاریخ ہم لکھ رہے ہیں۔ اس وقت انگریزی کمپنی کا انتظام وارن ہیسٹنگس کے ہاتھ میں تھا۔ اور فرنچ کمپنی ڈوپلے کے ماتحت تھی۔

فرانسیسیوں نے اپنی تمام توجہ جنوبی ہندوستان پر مرکوز کر دی۔ مگر انگریز۔ بنگالہ بمبئی جنوبی ہند میں ہر طرف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔

سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر مرہٹے اور نظام الملک کی معرکہ آرائیاں بنگالہ میں میر قاسم و میر جعفر کی ریشہ دوانیاں ۱۷۴۸ء میں نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدرآباد کی سازشیں اور کرناٹک میں نواب کا خواب آزادی ان تمام واقعات نے مل ملا کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے ایک وسیع اور کھلا میدان مہیا کر دیا۔ جس میں دونوں قومیں فراخدلی سے اس خوان یغما پر

"چہ دشمن چہ دوست"

کھکر اتر آئے۔ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی لکھی ہوئی تھی۔ انگریز کامیاب ہو گئے۔ ۱۷۶۱ء میں فرانسیسی اقتدار کا ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور اب صرف انگریز ہی مرد میدان رہ گئے۔ اب بنگالہ میں میر قاسم و میر جعفر ۱۷۶۵ء میں چند مرہٹہ ریاستیں دکن۔ اور جنوبی ہند میں حکمران۔ حیدر آباد اور محمد علی نواب ارکاٹ نے ان کے اشارہ چشم وابرو پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح اپنی غلامی کے محضر پر اپنے ہاتھوں سے دستخط ثبت کر دئے۔

مرہٹے۔ حیدر آباد اور نوابان ارکاٹ

زوالِ سلطنتِ مغلیہ پر مرہٹے اور نظام الملک حیدر آباد نے شہنشاہی کے حصول کیلئے قسمت آزمائی شروع کر دی۔ جس میں اوّل الذکر اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک وقت پنجاب سے لیکر بنگالہ تک اور جنوبی ہندوستان میں تنجاور تک ان کا اقتدار قایم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۶۰ء میں نظام الملک کے قبضہ میں صرف حیدر آباد اور اس کے مضافات رہ گئے۔ اگر اس کے دوسرے ہی سال میدانِ پانی پت میں مرہٹوں کی قسمت کا فیصلہ نہ ہو جاتا تو عجب نہیں کہ کل ہندوستان میں مرہٹی سلطنت قایم ہو جاتی۔

جنوبی ہندوستان (صوبہ کرناٹک) میں نوابان ارکاٹ شاہانِ مغلیہ کی نیابت کرتے تھے۔ مگر جب تک مرکزی سلطنت دہلی میں کچھ نہ کچھ قوت باقی تھی۔ اس وقت تک نوابانِ ارکاٹ کی نامزدگی صوبہ دار دکن ہی کرتا تھا۔ مگر دہلی کی رہی سہی قوت بھی ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ کے ہاتھوں ٹوٹ گئی۔ اور ادھر نظام الملک حیدر آباد مرہٹوں سے دست بگریباں ہو گیا۔ ۱۷۴۲ء میں نظام الملک کی وفات سے چند سال پیشتر مرہٹوں نے کرناٹک پر

قبضہ کرلیا۔ بڑی مشکل اور خونریز جنگوں کے بعد نظام الملک نے مرہٹوں کو اس ملک سے بے دخل کرتے ہوئے میر انوارالدین کو ارکاٹ کی نوابی پر مقرر کیا۔ مگر اس کے چند دن بعد ہی نظام الملک کی وفات ہوگئی۔ اور حیدر آباد کے تخت کیلئے بھائیوں ہی میں آویزش شروع ہوگئی۔ یہ پیشتر لکھا جاچکا ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر حسین دوست خاں عرف چندا صاحب نے مظفر جنگ کی حمایت میں ارکاٹ کی نوابی کا دعویٰ کردیا۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں نے مل کر ارکاٹ پر چڑھائی کی۔ اور آمبور میں انوارالدین کا خاتمہ ہوگیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ان لڑائیوں میں کس قدر حصہ لیا۔ یہ سچ ہے کہ فرانس والے اس وقت مظفر جنگ اور چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ لیکن کس لئے؟ اسکے جواب میں انگریزی تاریخیں خاموش ہیں۔ لیکن خود محمد علی والاجاہ کے حالات بتارہے ہیں کہ انوارالدین شروع ہی سے انگریزوں کا طرفدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انوارالدین کے والد نے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز میں حج کا سفر کیا تھا تو انگریزوں نے نہایت خاطر تواضع کی تھی۔ اس تواضع کا جواب انوارالدین نے اس طرح دیا کہ اس کے نواب مقرر ہونے پر جب انگریز اور فرانسیسی دونوں نے دعوت دی تو اس نے صرف انگریزوں کی دعوت قبول کی۔ نواب والاجاہ محمد علی اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے :-

"والد من نظر برہمہ رابطہ دیرین اول دعوت انگریزاں قبول فرمودند نزد انگریزاں رفتند و اخلاص این قوم مضمر داشتند۔"

یہی نہیں بلکہ مدراس کے قریب میلاپور کی جاگیر بھی دیدی۔ اور جب فرانس والوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی تو انوارالدین نے انگریزوں کی تائید بھی کی۔ انگریز و فرانسیسی جب سے

ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے تھے۔ ان میں تجارتی رقابت کی وجہ سے اکثر جنگیں ہوا کرتی تھیں لیکن ان جنگوں کا اثر صرف انہیں تک محدود رہتا تھا اور اس میں ملکی حکمران حصہ نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح فرانسیسیوں نے چاہا کہ انوارالدین ان جنگوں میں حصہ نہ لے۔ چنانچہ ڈوپلے نے جو پانڈیچری کا گورنر تھا۔ اپنے ایک خط میں انوارالدین کو لکھا:۔

"آں مشفق را لازم است کہ نفع و نقصان ہر دو فرقہ مساوی دارند۔ و باعانت یکطرفہ نہ پردازند" (تحفۃ الاخبار)

لیکن اس کے بعد جب انوارالدین نے انگریزوں کو مدد دی۔ تو فرانس والوں نے چنداصاحب کی حمایت کی۔ آمبور کی جنگ میں چنداصاحب اور مظفر جنگ کی فتح اور انوارالدین کی شکست و موت نے فرانس والوں کے اقتدار کو بہت بڑھا دیا۔ یہ دیکھکر انگریزوں نے ناصر جنگ اور محمد علی کا ساتھ دینا چاہا۔ بلکہ خود محمد علی نے ان سے مدد مانگی تھی۔ لیکن ناصر جنگ انگریزوں کے بالکل خلاف تھا۔ کیونکہ اسکی دُور رس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس قوم کے عزم و ارادے کیا ہیں۔ اس نے کڑپہ کے پٹھان نواب کو حکم دیا کہ مدراس پر حملہ کر کے انگریزوں کو ملک بدر کر دے۔ لیکن محمد علی کی عیاری اور چالاکی نے اس وقت انگریزوں کو بچا لیا۔ ناصر جنگ اسی سال شہید ہو گیا۔ اور مظفر جنگ رہا ہو کر تخت نشین ہوا۔ جسکی وجہ سے فرانسیسی اقتدار اور ترقی کر گیا۔ معلوم تو ایسا ہو رہا تھا کہ انگریز چند دن کے مہمان ہیں۔ لیکن اسی وقت والاجاہ محمد علی نے جو ترچناپلی میں پناہ گزین تھا۔ ان سے مظفر جنگ اور چنداصاحب کے خلاف مدد مانگی۔ اور دوسری طرف فرانس کی گورنمنٹ نے اپنے اولوالعزم گورنر ڈوپلے کو واپس بلا لیا۔ جس کی وجہ سے فرانسیسی اقتدار ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ اس امداد کے عوض والاجاہ محمد علی نے کرناٹک کے پندرہ تعلقات کمپنی کو دینا منظور کیے۔

چونکہ اس زمانہ میں حکومتوں کا انحصار پایہ تختوں کے انعام یا استقلال پر ہوتا تھا۔ لہٰذا مدراس کے انگریزی گورنر کو یہ سوجھی کہ اگر کسی طرح چنداصاحب کے پائیہ تخت ارکاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ تو چنداصاحب ترچناپلی کا محاصرہ اٹھا لیگا۔ اور اس کی نوابی خطرہ میں پڑ جائیگی۔

چنانچہ انگریزی فوج نے کلایو کے ماتحت ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد چنداصاحب اور فرانسیسیوں کو کسی جنگ میں کامیابی نہیں ہوی۔ بلکہ چنداصاحب اس کے دوسرے سال ہی سازشوں کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔

محمد علی انگریزوں کی حمایت یا انکی بندوقوں کے سایہ تلے ارکاٹ کا نواب بن گیا۔ اور نگرانی کیلئے میجر لارنس بطور رزیڈنٹ مقرر ہوا۔ محمد علی کو انگریزوں کی دوستی اور خاطر اس قدر منظور تھی کہ جب بنگالہ میں انگریزوں کی ہستی نواب سراج الدولہ کے رحم پر منحصر ہو گئی تو اس نے اپنی فوجوں کو بنگالہ بھیجا۔ صاحب "قصر والاجاہی" نے لکھا ہے:۔

"ہمگی فوج بندگان عالی متعینہ قلاع و مقامات کرناٹک سوائے فوج مایحتاج قلعہ ہنستر نگر ہمراہ مستر کلیہ ب بسواری جہازات برائے مہم کلکتہ روانہ شدہ بود۔"

محمد علی کی ان خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے بھی کوشش کر کے مغلیہ سلطنت سے اسکے لئے کرناٹک کا فرمان حاصل کیا۔ اسکے بعد نظام الملک نظام علی خان سے بھی فرمان حاصل کر لیا گیا۔ ان فرمانوں کی وجہ سے محمد علی کا دماغ آسمان تک پہونچ گیا۔

"ماڈرن میسور" کا مصنف لکھتا ہے:۔

"ان فرمانوں کے حاصل ہونے سے وہ اپنے آپ کو کرناٹک کا واحد مالک سمجھنے لگا۔ اب اسکی نظریں میسور پر اٹھیں۔ جہاں اس کا ایک حریف پیدا ہو چکا تھا۔ اور یہی وجہ ان جنگوں

کی ہے۔ جو حیدر علی و ٹیپو سلطان اور انگریزوں میں ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ محمد علی کی نظریں حیدر آباد پر بھی تھیں۔ جہاں اس نے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا"

غرضیکہ اس طرح محمد علی کے ہاتھوں سرزمین ہند میں غلامی کا بیج بو دیا گیا۔ اور ہندوستان غلام بنکر رہ گیا۔

ماخذ

نواب حیدر علیخان بہادر بانئ سلطنت خداداد میسور اور ٹیپو سلطان کے حالات جن کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر انگریزوں کی تصانیف ہیں۔ جن کے نام ذیل میں دئے جاتے ہیں۔

۱۔ برٹش ملٹری بیاگرافی مطبوعہ لنڈن ۱۸۴۱ء

۲۔ آتھنٹک مموئیرس آف ٹیپو سلطان مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۰ء

۳۔ مارکوئس آف ولزلی۔ ڈسپاچز " کلکتہ ۱۸۴۲ء

۴۔ ہسٹوریکل اسکیچ آف سوتھ انڈیا

۵۔ تاریخ حیدر علی۔ مصنفہ لیون بی بورنگ

۶۔ تاریخ میسور۔ از کرنل ولکس

۷۔ تاریخ میسور۔ مصنفہ مسیو ولمٹ مطبوعہ لنڈن ۱۸۴۲ء

۸۔ تاریخ میسور۔ از لوئیس رئیس

۹۔ سفرنامہ بچانن۔

۱۰۔ ماڈرن میسور۔ از مسٹر شاما راؤ ایم اے سابق انسپکٹر جنرل محکمۂ تعلیم میسور مطبوعہ میسور ۱۹۳۲ء

۱۱۔ سیاحت نامۂ کپتان لٹل۔ از ایڈورڈ مور۔ مطبوعہ لنڈن ۱۷۹۴ء

۱۴ - ایمپائران ایشیا - از میجر ٹارنس ایم پی - (ممبر پارلیمنٹ)

ان کے علاوہ چند اور بھی انگریزی کتب ہیں۔ جن کا ماخذ پہلی سات کتابیں ہیں ان میں سے دو کتابیں خاص ٹیپو سلطان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بقیہ سات میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے مشترکہ حالات ہیں۔ تاریخ میسور از کرنل ولکس ایک نہایت ضخیم کتاب ہے۔ اور مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ وہ جس وقت میسور کا کمشنر تھا تو زوال سلطنت خداداد پر چند ہی سال گذرے تھے۔ اس لئے بہت سے ایسے لوگ زندہ تھے جنہوں نے اس عہد کے حالات دیکھے اور سنے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کی کل کتاب تقریباً ان سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے۔

تاریخ حیدر علی مصنفہ لیوس بی بورنگ کا ماخذ زیادہ تر کرنل ولکس کی تاریخ میسور اور دوسری انگریزی کتابیں ہیں۔ اور فارسی وار دو میں جو کتابیں اس موضوع پر شائع ہوئیں ان کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱ - کارنامۂ حیدری - بزبان فارسی - مصنفہ عبدالرحیم کلکتہ

۲ - حملات حیدری -

۳ - چار جنامہ - تصنیف ملا فیروز (نظم بزبان فارسی)

۴ - تاریخ حمید خانی - از منشی حمید خان میر منشی لارڈ کارنوالس

۵ - فتوحات حیدری - از لالہ کھیم نرائن دہلوی

۶ - نشان حیدری - از مورخ میر حسین علی کرمانی - تصنیف ۱۸۰۲ء بمقام کلکتہ۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ تاریخ نشان حیدری شہادت ٹیپو سلطان کے سات سال بعد کلکتہ میں جہاں شہزادگان ٹیپو سلطان مقیم تھے۔ مورخ دربار سلطانی سے

(۷) صحیفۂ ٹیپو سلطان [illegible]

لکھائی گئی۔ اور اس کے چالیس سال بعد حملات حیدری کلکتہ ہی میں مرتب ہوئی۔

میں نے ان سب کتابوں کو دیکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ چند قلمی نسخے بھی میری نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں ایک نامہ حیدری ہے۔ جو کسی نے اس وقت کی دکنی زبان میں بمقام فریزر اکس (جو سرنگاپٹم کی شمالی جانب ہے) زوال سلطنت کے ایک سال بعد لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ یہ بالکل اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور ایک ناتمام کتاب بزبان فارسی ہے جس میں حیدرعلی کے حالات تو ہیں مگر ٹیپو سلطان کے حالات صرف میسور کی تیسری جنگ تک ہیں۔ اور مصنف کا نام درج نہیں۔ ہفت خوان حیدری ایک اور کتاب ہے۔ جس میں اگرچہ تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ لیکن ان میں مصنف کی حسن عقیدت کو بہت بڑا دخل ہے۔ اور بعض جگہ مذہبی رنگ بہت زیادہ غالب ہے۔

اپنی اس کتاب کی تصنیف کیلئے میں نے جہاں مذکورۂ بالا کتابیں مطالعہ کیں۔ وہاں قریب قریب وہ تمام لٹریچر بھی میری نظر سے گذرا ہے۔ جو مختلف اوقات میں بعد تحقیق و تفتیش ملک کی مختلف ادبی انجمنوں میں پڑھا گیا۔ جس میں زیادہ تر متھک سوسائٹی کے کاغذات ہیں۔ ان کے علاوہ میں نے انگریزی تاریخوں میں تاریخ رولرس آف انڈیا۔ تاریخ ہند مصنفہ مسٹر کلیر۔ تاریخ ہند مصنفہ مارسڈن۔ تاریخ ہند از ڈی لافوسی۔ تاریخ ہند از شاستری۔ تاریخ ہند از تھامپسن اور رٹیز آف کرسچن پوران انڈیا بھی دیکھی ہے اور جننگ فارسی۔ اردو۔ اور انگریزی تاریخوں میں کسی واقعہ کی صحت کا اطمینان نہیں کرلیا گیا۔ کوئی واقعہ نہیں لکھا گیا۔ اور باوجود اسکے جہاں کہیں اختلاف باقی رہا۔ وہاں حوالہ دیدیا گیا ہے۔

ان تمام امور کے علاوہ حیدرعلی و ٹیپو سلطان کے اوصاف، عادات و اقوال کے متعلق مقامی روایات سے بھی جو لوگوں کو ابھی تک از بر یاد ہیں۔ مدد لیگئی ہے۔ اور جہاں تک

امکان میں تھا۔ انکے متعلق تحقیق و تفتیش کا کوئی پہلو چھوڑا نہیں گیا۔ اور جب تک کافی یقین نہیں ہو گیا۔ ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔

حوالجات کے سلسلہ میں جن اردو و فارسی کتابوں کے نام اوپر دئے گئے ہیں ان میں دو اور کتابوں کے نام چھوٹ گئے ہیں۔ ان میں ایک کا نام "نظام علیخاں" اور دوسری کا "میر عالم" ہے یہ کتابیں "تاریخ سلطنت خداداد" کا پہلا ایڈیشن شائع ہونیکے بعد حیدرآباد میں شائع ہوئیں۔ ان کتابوں کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی ہیں۔ میں نے بالاستیعاب ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان سے بھی اس دوسرے ایڈیشن میں مدد لی گئی ہے۔

کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں چند نئی تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان میں حیدرآباد کے میر عالم اور سلطنتِ خداداد کے غدار وزیر پورنیا کی تصاویر کے علاوہ سلطان کی آخری عمر کی بھی ایک تصویر ہے۔ اس تصویر کا عکس انڈیا آفس لائبریری کی تصویر سے لیا گیا ہے اور یہ یقین کرنیکے کافی وجوہ ہیں کہ بہ نسبت دوسری تصاویر کے جو عام طور پر تاریخی کتب میں ہیں یہ تصویر سلطان کے اصلی خد و خال سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ نواب حیدر علی کی جوانی کی ایک تصویر پہلے ایڈیشن میں موجود ہے۔ لیکن آخری عمر کی کوئی تصویر اب تک نہیں ملی تھی۔ عام طور پر بازاروں میں یا تاریخی کتب میں جو تصویر ہے وہ اصلیت سے بالکل تعلق نہیں رکھتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی کے کارنامے سنکر کسی مغربی مصوّر نے ایک فرضی تصویر کھینچدی۔ گھنی داڑھی اور مونچھوں کے علاوہ ایک مضحکہ خیز پگڑی بھی بتلائی گئی ہے۔ تمام مورخین متفق الرائے ہیں کہ نواب بہادر کے داڑھی تھی نہ مونچھ۔ اب کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں دریا دولت کی مغربی دیوار پر جو نقش ہے اسکا ایک عکس دیا جاتا ہے۔ اسمیں نواب بہادر کا جلوس اور انہیں ہاتھی پر سوار دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر چونکہ سلطان کے عہد میں کھینچی گئی تھی۔ اسلئے اسکے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

نسب نامۂ نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان

شیخ ولی محمد (وارد گلبرگہ از عرب)

محمد علی

- شیخ محمد الیاس
  - حیدر صاحب
- شیخ علی محمد
- شیخ محمد امام
- شیخ فتح محمد
  - شہباز صاحب
  - ولی محمد (خورد سالی میں انتقال کر گیا)
  - حیدر علی ۱۱۳۴ھ
    - ٹیپو سلطان
    - کریم شاہ

کرنل ولکس اپنی کتاب تاریخ میسور میں لکھتا ہے۔ کہ حیدر علی کے آبا و اجداد پنجابی تھے۔ بعض مورخین انہیں افغانی النسل کہتے ہیں۔ صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں۔ کہ حیدر علی کے ابا و اجداد صحیح النسل عرب اور قبیلہ قریش سے تھے۔ اس خاندان کا ایک بزرگ مکّہ سے چلکر بغداد میں آبسا۔ اور وہاں سے تلاش معاش میں ہندوستان آیا۔ بغداد سے دہلی کو جو برّی راستہ ہے۔ وہ ایران اور پنجاب سے ہو کر گذرتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ دوران سفر میں وہ پنجاب میں بھی ٹھہرا ہو۔ اور اس وجہ سے اس کے پنجابی ہونے کی غلط فہمی پیدا ہوئی ہو۔ دہلی سے چلکر وہ گلبرگہ آیا۔ جہاں اس کے بیٹے محمد علی کی شادی حضرت شاہ بندہ نواز کی درگاہ کے متولی کی بیٹی سے ہوی۔ اور اسی جگہ ولی محمد کا انتقال ہوا۔ محمد علی گلبرگہ سے چلکر بیجاپور آکر ٹھہرا۔ اب اسکے ساتھ اس کی بیوی

اور چار لڑکے تھے۔ زوال بیجاپور کے بعد اس خاندان نے کولار کی طرف نقل مکان کیا۔ جہاں محمد علی کے بہت سے شناسا مقیم تھے۔ (مصنفِ نشانِ حیدری لکھتا ہے کہ بیجاپور سے صرف تین لڑکے آئے۔ اور چھوٹا لڑکا کولار میں پیدا ہوا۔ اور اس کی والدہ قصبۂ کولار ہی کی ایک سیّدہ لڑکی تھی)

کولار میں شیخ محمد علی کا جب انتقال ہوگیا۔ تو یہ لڑکے تلاش معاش میں نکلے۔ شیخ محمد الیاس اپنی بی بی اور فرزند حیدر کو کولار میں چھوڑ کر تنجاور چلا گیا۔ دوسرے بھائی شیخ ولی محمد اور شیخ امام کرناٹک جاکر وہیں ملازم ہوگئے۔ صرف چوتھا بھائی فتح محمد کولار میں رہا چند سال کے بعد حیدر صاحب بن شیخ الیاس نے راجۂ میسور کی ملازمت حاصل کر لی۔ بھتیجے کے ملازم ہونے کے بعد شیخ فتح محمد بھی راجۂ میسور کی فوج میں عہدۂ نائکی پر مقرر ہوئے۔ حیدر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور فتح محمد میسور سے کولار واپس آگیا۔ جہاں ۱۱۳۱ھ و ۱۱۳۲ھ میں اس کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک شہباز دوسرا ولی محمد۔ ولی محمد چند دن میں انتقال کر گیا۔ اور شیخ فتح محمد دوبارہ تلاش ملازمت میں سرا پہنچا۔ جہاں صوبہ دار سرا نے اسے بالاپور کے قلعہ داری پر مقرر کیا۔ اس ملازمت کے دوران میں بمقام بودی کوٹہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام حیدر علی رکھا گیا۔

حیدر علی کی والدہ کے نسب کے متعلق تاریخوں میں اختلاف ہے۔ نشانِ حیدری میں لکھا ہے۔ کہ حیدر علی کی والدہ سیّد برہان الدین پیرزادۂ تنجاور کی لڑکی ہے۔ انکے بطن سے تین لڑکے ہوئے۔ ایک بچپن ہی میں انتقال کر گیا۔ اور دوسرے کا نام شہباز اور تیسرے کا نام حیدر علی ہے۔ اس لڑکی سے فتح حیدر کی شادی کولار میں ہوئی تھی۔ لیکن حملاتِ حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ حیدر علی کی والدہ کا نام مجیدہ بیگم ہے۔ جو فتح محمد کی دوسری بی بی ہیں۔ اور یہی دوسری روایت صحیح ہے۔

نواب حیدر علی خاں کی والدہ مجیدہ بیگم میر اکبر علیخاں زمیندار سِرا کی لڑکی ہیں۔ صوبہ دارِ سرانے میر اکبر علی خاں کو زمین کی واجب الادا رقم کی ادائیگی کیلئے لکھا۔ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت طلب کرتے ہوئے تمسک لکھدیا۔ اور چھ ماہ ہونے کے پیشتر ہی انکا انتقال ہوگیا۔ بعد چھ ماہ کے وصولی رقم کے لئے سِرا سے طلبی آئی تو میر اکبر علی خاں مرحوم کی بیوی اس رقم کو ادا نہ کر سکیں۔ طلبیٔ رقم کیلئے شیخ فتح محمد ہی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھکر پیغام دیا کہ اگر مجھ کو دامادی میں قبول کر لو تو میں یہ رقم اپنی جانب سے ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ میر اکبر علیخاں کی بیوہ نے قبول کر لیا اور اس طرح مجیدہ بیگم فتح محمد کے نکاح میں آئیں۔

لارڈ ولنسیا لکھتا ہے کہ حیدر علی عربی النسل تھے۔ مگر بورنگ جو کہ حد درجہ متعصب مورخ ہے لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں جب کوئی بڑے درجے کو پہونچ جاتا تو اس کا نسب نامہ تیار ہو جاتا ہے۔ ان تمام امور سے قطع نظر ہم صرف یہ کہیں گے کہ سلطان اور حیدر علی مسلمان تھے۔ اور حسب و نسب میں کسی اعتبار سے کم نہیں تھے۔ مگر ہمارے چند مسلمان بھائی ہیں جو ابھی تک ذات و نسب کو طغرائے امتیاز سمجھ رہے ہیں۔ اور آج بھی نواب حیدر علی اور سلطان کے نسب نامہ پر لے دے کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ قوم نایک سے تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ نایک کونسی قوم ہے اور کہاں ہے اور اسکی تاریخ کیا ہے؟ میسور میں فوج کے سپہ سالار کو نایک کہا جاتا تھا۔ اسوجہ سے نواب حیدر علی کے نام کے ساتھ نایک مشہور ہوگیا۔ ورنہ یہ کسی قوم کا نام نہیں ہے۔

زوالِ سلطنت خداداد کے اسباب میں یہ بھی ایک بڑا سبب ہے کہ اہل نوائط سلطان کے خلاف ہوگئے تھے۔ جبکہ سلطان اپنے نسبتی برادر کی شادی بدر الزماں خاں نائطہ کی بیٹی سے کرنا چاہتا تھا۔ ذات و نسب کے امتیاز کا جنون یہاں تک بڑھا کہ ایک اسلامی سلطنت کی بربادی بھی انکے نزدیک ایک بالکل بے حقیقت شئے تھی۔ سلطان کے جن امراء و وزراء نے لارڈ ولزلی سے سازش

کی۔ وہ نام نہاد عالی نسبی و ذات کے دعویدار تھے۔ اور انکے نزدیک سلطان کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ اپنے ایک عزیز کا رشتہ ایسے خاندان سے کرنا چاہتا تھا۔ جسے اپنی عالی نسبی پر نہایت فخر اور غرور تھا۔ اللہ اللہ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک حبشی زادے کو، ایک غلام کو صحابہ کرامؓ بلکہ خاص خاندان نبوت بھی اپنی بیٹیوں کو مناکحت میں دیتے تھے!

اسلام دنیا میں اس لیئے آیا کہ ذات۔ نسل اور خون کے امتیاز کو مٹا کر تمام بنی نوع انسان کو ایک سطح پر کھڑا کر دے۔ مگر اسلام کے نام لیوا آج جس طریقہ پر اس تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ اسکا بیّن ثبوت نہ صرف سلطنتِ خداداد، بلکہ اور اسلامی سلطنتوں اور حکومتوں کی بربادی سے بھی ملتا ہے۔ مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی وافتراق میں بھی اسی ذات ونسب کے امتیاز کو ایک بہت بڑا دخل رہا ہے۔ ایک طرف تو ان میں سے چند لوگوں کو گھمنڈ ہے۔ کہ وہ اشراف خاندانوں سے ہیں۔ اور ان میں نجابت وشرافت کا خون دوڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اگر انکے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کچھ بھی شک نہیں رہتا۔ کہ اس لحاظ سے انکا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ انکے خون میں عرب کے ممتاز قبائل کے مورثین اعلیٰ بولہب، بوجہل اور ابی عبداللہ منافق کے خون کا اثر بہ نسبت اور دوسرے اثر کے زیادہ ہے۔ اور نسل میں خون کا اثر لازمی ہے۔

حیدر علی وٹیپو سلطان عرب ہوں یا پنجابی یا دکھنی۔ لیکن ان کے مسلمان ہونے میں شک نہیں۔ اور اسی لحاظ سے تاریخ اسلام اور مسلمان ان پر ناز کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے شرافت ونجابت کا انحصار خون ونسب پر نہیں۔ بلکہ ہر انسان کے اپنے اعمال واخلاق پر ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

حیدر علیؒ کی ابتدا

(از تاریخ رئیس۔ اس تاریخ کا ماخذ کرنل ولکس کی تاریخ ہے)

حیدر علی کے آبا و اجداد پنجابی تھے۔ ان میں محمد بہلول نامی ایک شخص پنجاب سے نکل کر گلبرگہ میں آیا۔ اور وہاں اقامت اختیار کی۔ یہاں اسکے دو لڑکے محمد علی اور محمد ولی کی شادی ہوئی۔ جس کے بعد یہ سرا آکر محکمہ محصول میں ملازم ہو گئے۔ یہاں سے پھر یہ دونوں بھائی کولار چلے گئے۔ جہاں محمد علی کا انتقال ہو گیا۔ جس پر چھوٹے بھائی نے تمام اثاث البیت پر قبضہ کرکے بھاوج کو گھر سے نکال دیا۔ مگر ایک شخص جو محکمہ محصول میں نایک تھا۔ اس نے اس غریب بیوہ کو پناہ دی۔ اور جب شہباز جو محمد علی کا لڑکا تھا۔ بڑا ہو گیا تو اس کو بھی اسی محکمہ میں ملازمت دلادی ایک موقع پر جبکہ گنجی کوٹہ کے محاصرہ میں سرا کی اسلامی فوج کو شکست ہوئی تھی تو شہباز نے اپنی جوانمردی سے قلعہ کی دیوار پر چڑھکر علم نصب کر دیا۔ جس سے شکست فتح میں بدل گئی۔ اس کارگذاری سے خوش ہو کر صوبہ دار سرا نے شہباز کو فوج میں نایک کے درجہ پر ترقی دیدی۔ جب سرا کی صوبہ داری میں ردّ و بدل ہوا تو شہباز پچاس سواروں اور چودہ سو پیادہ لیکر ارکاٹ چلا گیا۔ یہاں اسکی حسب خواہش ملازمت نہ ملی تو وہ فوجدار چتور کے پاس ملازم ہو گیا۔ چند دن یہاں ملازمت کرکے پھر سرا واپس آیا تو اس کو فتح محمد خاں کا لقب دیکر کولار کا فوجدار بنا دیا گیا۔ اور بودی کوٹہ کی جاگیر ملی۔ اس جگہ اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام شہباز اور حیدر علی رکھا گیا۔ یہ لڑکے فتح محمد خاں کی تیسری بیوی سے تھے۔ فتح محمد کی پہلی بیوی کولار میں انتقال کر گئی تھی۔ اسکی دوسری بیوی جو ایک اہل نائط

کی لڑکی تھی۔ اس کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اسی کی چھوٹی بہن سے فتح محمد نے شادی کی۔ اور حیدر علیؒ اسی کے بطن سے ہیں۔ ان لڑکیوں کا قصہ اس طرح ہے کہ اہل نوایط کا ایک خاندان تلاش معاش میں کوکن سے ارکاٹ جا رہا تھا۔ جبکہ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر تریکرہ کے قریب حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا۔ صرف ایک لڑکا دو لڑکیاں اور ان کی ماں بچ نکلیں۔ جو نہایت عسرت و تنگدستی کی حالت میں کولار پہنچے۔ فتح محمد نے یہاں بڑی لڑکی سے شادی کا پیغام دیا۔ جو قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد اس لڑکی کی والدہ اور چھوٹی بہن فتح محمد ہی کے پاس رہنے لگیں۔

صوبہ داری سرا کیلئے جب عبدالرسول خاں اور طاہر خاں میں جنگ ہوئی تو فتح محمد اور ان کا بڑا لڑکا مارے گئے۔ اس وقت فتح محمد کی تیسری بیوی مع اپنے دونوں بچے شہباز اور حیدر کے ڈوڈہ بالا پور میں رہتی تھیں۔ عباس قلی خاں جو طاہر خاں کا فرزند تھا۔ ڈوڈ بالا پور کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے فتح محمد پر یہ الزام لگایا کہ حکومت کی بہت سی رقم ان پر واجب الادا ہے۔ اور اس کی ادائگی کے لئے شہباز۔ حیدر علی اور انکی والدہ پر ظلم کرنے لگا۔ جس سے تنگ آ کر یہ بنگلور آ گئے۔ جہاں شہباز اور حیدر علی کے ماموں ابراہیم صاحب بنگلور کے قلعہ دار کے ملازم تھے۔ شہباز کے بڑا ہونے پر اُسے بھی وہاں ایک معمولی ملازمت مل گئی۔

اس کے بعد ہی شہباز کو دیون ہلی جانا پڑا۔ راجۂ میسور کی فوج دیون ہلی کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ اس کی کمک کیلئے بنگلور کے قلعہ دار نے بھی فوج روانہ کی شہباز اس فوج میں ملازم تھا۔ گو حیدر علی فوج میں ملازم نہیں تھے۔ مگر اپنے بھائی کے ساتھ رہتے تھے۔ دیو نہلی ہی وہ جگہ ہے۔ جہاں انکا نیّر اقبال چمکا۔ دیون ہلی کا محاصرہ نو مہینے تک رہا۔

اس عرصہ میں حیدر علی نے اپنے بھائی کے ساتھ ملکر جوانمردی کے وہ جوہر دکھلائے کہ وزیر نندراج نے خوش ہو کر ان کو میسوری فوج میں بعہدۂ نایک داخل کر لیا۔ اور حیدر علی کے زیرِ کمان پچاس سوار اور دو سو پیادے دئے گئے۔

نوٹ: مذکورۂ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

کرنل ولکس اور رئیس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حیدر علی کے خاندان کو باپ اور ماں دونوں جانب سے گمنام دکھایا جائے۔ (محمود)

نواب حیدر علی کے آغاز کے وقت ریاست میسور کس حالت میں تھی۔

تاریخ میں ملتا ہے کہ حیدر علی ابتدائی تیس سال کی عمر تک میسور کے راجہ کے ایک معمولی ملازم تھے ۱۷۴۹ء میں ڈنڈیگل کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس وقت ریاست میسور کی وسعت شمال میں بابا بڈھن کی پہاڑیوں تک، مشرق میں سرحد کو چھوڑ کر بنگلور تک، جنوب مشرق میں بارہ محل اور سیلم کا کچھ علاقہ، جنوب میں کوئمبتور تک، اور مغرب میں موجودہ حدود میسور پر مشتمل تھی۔ پوری ریاست میں ہر جگہ پالیگار حکومت کر رہے تھے۔ اور یہ کبھی مطیع رہ کر راجہ کو خراج دیتے تھے اور کبھی خود سر ہو جاتے تھے۔ بہر طور ان علاقوں پر راجہ کی سیادت مانی جاتی تھی۔ ۱۷۵۵ء میں گوپال راؤ صوبہ دار مرہٹہ نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے پاس صرف سرنگاپٹم اور اس کے مضافات جو ۳۳ دیہات پر مشتمل تھے۔ رہ گئے۔ نواب حیدر علی جب ۱۷۵۵ء میں ڈنڈیگل سے واپس آئے۔ تو انہوں نے ان تمام علاقوں کو از سر نو فتح کیا۔

نوٹ

نہ صرف علاقہ میسور بلکہ دریائے کرشنا سے لیکر جنوب میں مدورا تک ہر جگہ پالیگاروں کی حکومتیں قائم تھیں۔ جن میں بعض تو اس قدر چھوٹی تھیں۔ کہ دو چار میل سے بڑھکر نہیں تھیں۔ اور بعض کی وسعت تیس چالیس میل تک تھی۔ پالیگاروں میں جو سب سے طاقتور ہوتا تھا وہ راجہ کہلاتا۔ اور دوسرے پالیگار اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اس طرح تمام ملک میں پالیگاروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔

حیدر علی ؒ

نام حیدر علی۔

"حملاتِ حیدری" کا مصنف اِس نام کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حیدر علی کے والد فتح محمدؒ نے ایام حمل میں اپنی بی بی مجیدہ بیگم کو حیدر علی شاہ درویش کی خدمت میں بھیجا اور فرزند کی دعا چاہی۔ حیدر علی شاہ نے دعا دی کہ انشاء اللہ فرزند بلند بخت پیدا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر رکھا جائے۔

سنہ پیدائش سنہ ۱۱۳۴ھ مطابق سنہ ۱۷۲۲ء ہے۔ اس سنہ پیدائش پر سوائے مصنف کارنامۂ حیدری کے کل مورخین کا اتفاق ہے۔ جو سنہ پیدائش سنہ ۱۱۲۹ھ بتلاتا ہے۔ مگر رفتار واقعات کے لحاظ سے سنہ ۱۱۳۴ھ ہی صحیح ہے۔ بودی کوٹہ میں جو کتبہ قلعہ میں لگا ہوا ہے۔ اس میں بھی سنہ ۱۱۳۴ھ ہی لکھا ہوا ہے۔

مقام پیدائش بودی کوٹہ۔ ضلع کولار: یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ضلع کولار میں کولار شہر کے قریب واقع ہے۔

عہدِ طفلی جس وقت حیدر علی پیدا ہوئے تو ان کے والد شیخ فتح محمد صوبہ دار سرا عابد خاں کے ماتحت منصب دو ہزار پیادہ اور پانچسو سوار معہ فیل ونقارہ وعلم پر سرفراز تھے۔ اس لئے حیدر علی کا عہد طفلی نہایت آرام وآسایش سے گذرا مگر یکایک زمانہ نے پلٹا کھایا۔ جس وقت حیدر علی کی عمر قریب پانچ سال کی ہوئی تو

تنرا میں صوبہ داری کیلئے عبدالرسول خاں بن عابد خاں اور نواب طاہر محمد خان کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ شیخ فتح محمد عبدالرسول خاں کے طرفدار تھے۔ اس جنگ میں عبدالرسول خاں کو شکست ہوئی۔ فتح محمدؒ مارے گئے۔ اس وقت اہلیہ فتح محمدؒ اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ (جن میں بڑے لڑکے شہباز کی عمر دس سال کے قریب تھی۔ اور حیدر علی جن کی عمر پانچ سال کے قریب تھی۔) بالاپور میں رہتی تھیں۔ حاکم بالاپور عباس قلی خاں جو نواب طاہر محمد خاں کا طرفدار تھا۔ فتح محمدؒ کے مارے جانے کی خبر سن کر حیدر علی کی والدہ سے اٹھارہ ہزار روپیہ اس بنا پر طلب کیا کہ فتح محمدؒ کی طرف سے یہ رقم سرکار کو واجب الادا ہے۔ لیکن جب اس رقم کی ادائگی نہ ہوسکی تو اس نے گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ کپڑے اور اناج بھی نہ چھوڑا۔ اور فتح محمد کے دونوں لڑکوں کو یعنے شہباز اور حیدر علی کو دو بڑے بڑے نقاروں میں بند کر کے اوپر سے چمڑا منڈھوا دیا۔ ہوا جانے کیلئے نقارہ میں سوراخ کر دئے۔ اس مصیبت سے رہائی پانے کیلئے حیدر علی کی والدہ حیدر صاحب سے جو فتح محمدؒ کا بھتیجا اور راجہ میسور کی ملازمت میں تھا۔ طالب امداد ہوئیں۔ حیدر صاحب نے روپیہ بھیجکر ان بچوں کو قید سے چھڑا لیا۔ اور ان تمام کو اپنے پاس سرنگاپٹم بلا لیا۔ اس زمانہ کی طرز معاشرت کے مطابق بچوں کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ چند ہی سال میں یہ بچے فنون سپہ گری تیغ زنی، کمند افگنی، اسپ تازی اور تفنگ اندازی وغیرہ میں ایسے مشاق ہو گئے کہ بڑے بڑے سپاہیوں کی نگاہیں ان پر پڑنے لگیں۔ یہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص کے لیے بجائے علم کے فن حرب حاصل کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا بجائے مکتب یا مدرسہ میں بٹھانے کے حیدر علی کو فنون جنگ کی تعلیم دی گئی۔

شہباز کی پہلی ملازمت جس وقت شہباز اور حیدر علی جوان ہوئے تو حیدر صاحب

نے ان دونوں کو میسور کے وزیر نند راج کے پاس لے گئے نند راج نے شہباز کو سو
پیادہ اور پچاس سوار کی افسری پر مقرر کر دیا۔ اور حیدر علی کو بوجہ کم عمری ایک چھوٹے دستہ
فوج پر افسر مقرر نہ کر کے سرنگاپٹم میں یونہی رکھ لیا۔

حیدر صاحب کی وفات

حیدر صاحب چند دنوں کے بعد دیونہلی کے محاصرے میں زخمی ہو کر انتقال کر گئے۔ اور حیدر صاحب کے منصب پر شہباز مقرر ہوا۔

حیدر علی سرنگاپٹم میں

حیدر علی نے سرنگاپٹم میں وہ سلامت روی اور خود داری اختیار کی۔ کہ ہر شخص انکی خوش عادات و اطوار کا گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ حیدر علی اپنی اعلیٰ صفات کے باعث باڈی گارڈ کے افسر مقرر ہوئے۔
تاریخ میسور میں یہ وہ زمانہ تھا جبکہ راجہ مثل کٹ پتلی کے تھا اور تمام اختیارات وزیروں کے ہاتھ میں تھے۔ وزیر نند راج حیدر علی کے عادات و اطوار سے نہایت خوش تھا۔ اس لئے جب حیدر علی کی عمر انیس ۱۹ سال کی ہوئی تو اس نے پیرزادہ شاہ میاں ساکن تھرا کی لڑکی سے حیدر علی کی شادی اپنے خرچ پر کرادی۔

حیدر علی کی دوسری شادی

حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی لیکن بعض بے احتیاطیوں کی وجہ سے اس بیوی کو فالج ہو گیا۔ اور جب بیماری نے طول کھینچا۔ تو اس نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دیدی۔ حیدر علی نے میر علی رضا خان کی ہمشیرہ فاطمہ بیگم عرف فخر النسا کو اپنی دوسری شادی کیلئے منتخب فرمایا۔ اور حیدر علی کی شادی اس لڑکی سے ہو گئی۔

حیدر علی کی اولاد

حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہوئی۔ دوسری بیوی یعنی فاطمہ بیگم

سے ۲۰ ذی الحجہ بروز شنبہ ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں بمقام دیوہلی ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ٹیپو سلطان رکھا گیا۔ خدا کی قدرت کہ اس فرزند کے پیدا ہوتے ہی حیدر علی کی ترقی کا آغاز ہوا۔

حیدر علی کا گورنر ڈنڈیگل مقرر ہونا ۱۷۵۲ء

ریاست میسور کے علاقہ پائین گھاٹ میں شورش ہوئی تو وزیر نندراج حیدر علی کو ساتھ لیکر اس شورش کے فرو کرنے کو روانہ ہوا۔ ان معرکوں میں حیدر علی سے ایسے بہادرانہ کام ظہور پذیر ہوئے۔ کہ وزیر میسور نے حیدر علی کو گورنر ڈنڈیگل مقرر کر دیا۔ اور کارہائے نمایاں کے صلہ میں ہاتھی نقارہ اور پالکی دی گئی۔ حیدر علی کے منصب کو ترقی دیکر چار ہزار سپاہی اور ڈیڑھ ہزار سوار کا افسر مقرر کر دیا۔ اور اس زمانہ کے رواج کے مطابق حیدر علی کو اپنی خاص فوج بھرتی کرنے کا حکم بھی ملا۔ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:-

"یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت میسور میں حیدر علی سے بڑھکر منتظم اور جری افسر کوئی نہیں تھا"

واقعات کرناٹک ۱۷۵۰ء

ابھی مذکورۂ بالا واقعات کو چند ہی مہینے گذرے تھے کہ کرناٹک میں ابتری پھیل گئی۔ نظام الملک ناصر جنگ والی حیدر آباد نے میسور کے راجہ اور دوسرے پالیگاروں کو چندا صاحب اور فرانسیسیوں کے خلاف طلب کیا۔ میسوری فوجوں میں حیدر علی کی فوج بھی شامل تھی۔ یہ تمام متحدہ فوجیں میدان کارزار میں شریک ہوئیں۔ لیکن اتفاق سے نظام ناصر جنگ سازش کا شکار ہوکر شہید ہوگیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی تمام پالیگار اور میسوری فوجیں واپس ہوگئیں۔ مگر عام طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ حیدر علی نے اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر حیدر آباد کے خزانے پر جو اونٹوں پر لدا ہوا حیدر آباد

واپس جارہا تھا۔ چھاپہ مارا۔ اور اپنے فوجی اخراجات وضع کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہا وہ راجہ کے خزانے میں داخل کردیا۔

نندراج کے خلاف سازش

وزیر نندراج کی غیر حاضری میں ریاست میسور میں پھر ایک دفعہ شورش پھیلی۔ جسکی وجہ یہ تھی کہ راجہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وزراء کی حکمبرداری سے آزاد ہونا چاہا۔ لیکن نندراج کے بھائی دیوراج نے محل پر گولہ باری شروع کردی۔ جس سے رانیوں میں گھبراہٹ پھیل گئی اگرچہ اس وقت راجہ اور رانیوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وزیروں کی اطاعت کرلیں مگر سازشوں کا بازار پھر بھی گرم رہا۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ جو میسوری فوجیں کرناٹک سے واپس آئیں تو انہوں نے بھی فوجدار گنگارام کی زیر قیادت وزیروں کے خلاف بغاوت کردی۔ اور جلد ہی تمام ملک میں یہ شورش پھیل گئی۔ ایسے وقت پر ملک کو اس بدنظمی سے بچانے اور وزراء کو اپنا اقتدار قایم رکھنے کیلئے سوائے حیدر علی کے اور کوئی شخص نظر نہ آیا۔ جیسا کہ ہم آگے بتلا چکے ہیں۔ وزیر نندراج حیدر علی کا محسن و مربی تھا۔ اس لئے اس نے شہباز اور حیدر علی کو اس شورش کے فرو کرنے کیلئے روانہ کیا۔ حیدر علی فوج لیکر نکلے۔ اور دو مہینوں کے عرصہ میں باغیوں کے تمام مقامات فتح کرلئے۔ گنگارام قید ہوگیا۔ شاہباز صاحب اور حیدر علی نے نئے قلعےدار مقرر کئے۔ نندراج اس کارگذاری سے بے انتہا خوش ہوا۔

حیدر علی اور محاصرۂ ترچنا پلی
۱۷۵۳ء

پہلے صفحات میں ارکاٹ کے حالات میں لکھا جاچکا ہے۔ کہ ناصر جنگ کے مارے جانے سے چندا صاحب کی بن آئی۔ اسوقت صلابت جنگ اور فرانسیسی اسکی حمایت پر تھے۔ متواتر شکستوں کے بعد نواب والاجاہ محمد علی قلعۂ ترچنا پلی میں محصور ہوگیا۔ اور اس نے نندراج وزیر میسور اور

انگریزوں سے امداد طلب کی۔ اور اس امداد کے عوض ترچناپلی میسور کو اور کرناٹک کا ایک حصہ انگریزوں کو دینا قبول کیا۔ راجہ کی مخالفت کے باوجود وزیر نندراج نے حیدرعلی اور افواج میسور کو ساتھ لیکر ترچناپلی کی طرف بڑھا۔ حیدرعلی نے ان لڑائیوں میں وہ جوہر دکھائے کہ فرانسیسی اور چندا صاحب بالکل تنگ آ گئے۔ کیونکہ افواج حیدری ہمیشہ شبخون مارا کرتی تھیں اور جو کچھ ملتا تھا لوٹ لیتی تھیں۔ اس طرح فرانسیسیوں کی متعدد توپیں حیدرعلی کے ہاتھ آئیں۔ جب چندا صاحب کے قتل سے ان لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا تو محمدعلی نے ترچناپلی دینے سے صاف انکار کر دیا۔

میسور پر حملے اور نیابت سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ۱۷۵۴ء

نزاکت وقت کا خیال کرتے ہوئے نندراج واپس پلٹا۔ مگر بجائے میسور کے ستی منگل میں مقیم ہو گیا۔ اودھر نظام الملک کی فوجوں نے میسوری فوجوں سے بدلہ لینے کیلئے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور ایک معقول زر معاوضہ لیکر واپس ہوئیں۔ یہ ابھی واپس ہی ہوئی تھیں کہ ایک اور زبردست دشمن بالاجی باجی راؤ پیشوائے پونا اپنی مرہٹی فوجوں کو لیکر خراج وصول کرنے کیلئے آیا۔ مگر یہاں خزانہ میں رکھا ہی کیا تھا کیونکہ صلابت جنگ کی فوجوں نے خزانہ کا صفایا کر دیا تھا۔ راجہ نے ایک کروڑ روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ اور بطور ضمانت ملک کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی کفالت میں دیدیا۔ مرہٹے واپس ہوتے ہوتے صوبہ دار سِرا کا بھی خاتمہ کر گئے۔ نواب دلاور خاں صوبہ دار کو کولار میں جاگیر مل گئی۔ بلونت راؤ مرہٹہ صوبہ دار مقرر ہوا۔ راجہ میسور کی حکومت سرنگاپٹم اور اسکے مضافات تک محدود ہو گئی۔

مرہٹوں کا میسور پر قبضہ ۱۷۵۵ء

اس سال سِرا میں بلونت راؤ کے عوض گوپال راؤ

صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے راجہ میسور سے ایک کروڑ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ اور جب رقم نہ ملی تو مرہٹی افواج نے باضابطہ طور پر ان علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کردیا۔ جو بطور ضمانت دئے گئے تھے۔

سرنگاپٹم کو نندراج کی واپسی

وزیر میسور نندراج ستی منگل میں تھا اور سرنگاپٹم کے حالات اس تک پہونچتے تھے۔ اور وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ایک کروڑ روپیہ حاصل کرکے سرنگاپٹم کو واپس آئے۔ کہ وہ داغ بدنامی جو ترچناپلی کے حاصل نہ ہونے سے لگ چکا تھا ڈھل جائے۔ حیدر علی ساتھ تھے۔ قریب دو سال کے عرصہ میں حیدر علی نے ستی منگل کے اطراف و جوانب کے علاقوں کو لوٹ کر ایک کروڑ روپیہ سے زائد جمع کرلیا۔ نندراج نے یہ روپیہ راجہ میسور کو روانہ کردیا۔ اور چند دن بعد خود بھی سرنگاپٹم آگیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹے ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔

حیدر علی سپہ سالار افواج میسور ۱۷۵۹ء

حیدر علی کی اس کارگذاری سے راجہ بہت خوش ہوا۔ اور انھیں سپہ سالار افواج میسور کے عہدے پر ترقی دیتے ہوئے "فتح حیدر بہادر" کا خطاب دیا۔ اور حیدر علی کو کامل اختیارات دئے گئے۔ کہ مرہٹوں سے معاملہ طے کریں۔ مگر بجائے صلح کرنے کے حیدر علی اپنی فوج لیکر بڑھے کہ گوپال راؤ سے مقابلہ کریں۔ ادھر مرہٹی فوجیں حیدر علی کی آمد سنکر سرنگاپٹم کیطرف بڑھیں دونوں فوجیں چن پٹن کے قریب مقیم ہوئیں۔ اسی شب کو حیدر علی نے مرہٹوں پر شبخون مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹی فوج اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ حیدر علی چن پٹن سے کوچ کرکے بنگلور کے قریب آگئے۔ چن پٹن کی شکست سے مرہٹی فوج بددل ہو چکی تھی۔ اور اب حیدر علی کے حملے نے گوپال راؤ کو مجبور کردیا کہ اپنا تمام اسباب چھوڑ کر فرار ہو جائے۔

مرہٹی فوج سرا کی طرف پیچھے ہٹ گئی - کہ پونا سے کمک حاصل کر کے پھر پیش قدمی کرے - لیکن پھر اس کو یہ موقع حاصل نہیں ہوا۔

مرہٹوں کی شکست ۱۷۶۱ء

یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں کا نیّرِ اقبال احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں میدانِ پانی پت میں ڈوب چکا تھا۔ بالاجی باجی راؤ اس صدمہ سے انتقال کر گیا۔ علاقۂ میسور میں جس وقت یہ خبر میدانِ جنگ میں پہونچی۔ تو گوپال راؤ تمام فوج کو مجتمع کر کے سرا میں قلعہ بند ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حیدر علی نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا جو مرہٹوں کے زیر نگین آ چکے تھے۔ اس نمایاں فتح و کامیابی کے بعد حیدر علی سرنگا پٹم واپس ہوئے۔

وزیر نندراج کے خلاف سازش

جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں۔ راجہ کے محلات میں سازش ہو رہی تھی۔ کہ کسی طرح وزیروں کو ہٹا کر راجہ خود مختار ہو جائے۔ رانیوں نے دیکھا کہ حیدر علی کی زبردست شخصیت تمام فوج پر حاوی ہو چکی ہے تو رانی دیواجی منی نے حیدر علی کے پرائیویٹ سکرٹری کھنڈے راؤ کی معرفت حیدر علی سے استدعا کی کہ راجہ کو وزیروں سے نجات دلائے۔ حیدر علی نے نہایت آسانی اور حکمتِ عملی سے نندراج اور اسکے بھائی سے اسناد وزارت لیکر راجہ کے حوالے کر دیں۔ نندراج اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ یہاں یہ امرِ قابلِ ذکر ہے کہ حیدر علی نے جس آشتی و صلح سے نندراج سے وزارت لی۔ اس سے نندراج کو حیدر علی سے۔ بجائے رنج کے اور زیادہ محبت ہو گئی۔ جس کا ذکر آگے آئیگا۔ اور دوسری طرف راجہ اور اس کا خاندان حیدر علی کا نہایت ممنونِ احسان ہوا۔ اور اسکے صلے میں حیدر علی کو فرزند ارجمند کا خطاب عطا کیا گیا۔ انگریزی تاریخ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے :-

"حیدر علی نے اس وقت ایک محسن و مربی کے طور پر کام کیا۔ ورنہ یہ یقینی تھا کہ راجہ کا خاندان مٹ جاتا۔ حیدر علی نے دونوں طرف کی لاج رکھ لی۔"

نندراج کے ستی منگل چلے جانے سے راجہ کے کوئی وزیر نہیں رہا تھا۔ اور اس نے حیدر علی سے درخواست کی کہ کھنڈے راؤ کو راجدھانی کا وزیر بنا دیا جائے۔ اس درخواست کو حیدر علی نے منظور کر لیا۔

فرانسیسیوں کا حیدر علی سے امداد طلب کرنا ۱۷۵۹ء

آگے لکھا جا چکا ہے کہ کرناٹک میں فرانسیسی چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ اسکا انتقام لینے کے لئے نواب والاجاہ محمد علی نے انگریزوں کے کہنے پر پانڈیچری پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسوں نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ اور اسکے صلہ میں جینجی اور نیا گرڑھ کے علاقے دینا قبول کئے۔ حیدر علی نے اپنے نسبتی برادر سید مخدوم کی سرداری میں ایک فوج پانڈیچری کو روانہ کی۔ دوران سفر میں معلوم ہوا کہ آنیکل میں پالیگار کی سختی سے رعایا میں ابتری پھیلی ہوی ہے۔ سید مخدوم نے آنیکل پر حملہ کر دیا۔ اور پالیگار کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیجدیا۔ یہاں کا انتظام کر کے یہ فوج بارہ محل میں اتری۔ جہاں عزیز خاں حاکم (در ملازمت نواب والاجاہ محمد علی) سے اسکی فوج بگڑی ہوی تھی۔ اور رعایا بھی نالاں تھی۔ سید مخدوم نے بارہ محل پر قبضہ کر کے عزیز خاں کو کڑپہ کی طرف بھگا دیا۔ اس طرح علاقہ بارہ محل اور آنیکل پر قبضہ کرتے ہوئے سید مخدوم پانڈیچری کی طرف بڑھے۔ راستہ میں خبر ملی۔ کہ نواب والاجاہ اور انگریزوں نے پانڈیچری فتح کر لیا ہے۔ جنوری ۱۷۶۱ء میں حیدری افواج مراجعت کیلئے ارکاٹ کے قریب خیمہ زن ہوئیں۔

۱۷۶۱ء ـ ۱۷۶۱ء میں جو انقلابات کہ ہندوستان میں رونما ہوئے۔ اس اعتبار سے اس

سال کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ یعنے اسی سال شمالی ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ گو اسکے بعد پونا کے پیشواؤں نے اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کیلئے بہت کوشش کی مگر ناکامیاب رہے۔

جنوبی ہند میں نواب والا جاہ محمد علی اور انگریزوں کی متفقہ کوششوں سے فرانسیسی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور محمد علی جو خواب آزادی دیکھتا تھا۔ ہمیشہ کیلئے انگریزوں کا محکوم بنکر رہگیا۔ اور جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔

میسور میں راجگان کی مطلق العنانی ختم ہوگئی۔ اور انتظام ریاست نواب حیدر علی کے ہاتھ آیا۔ جنہوں نے آگے چلکر ایک زبردست سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔

واقعات حیدرآباد، حیدر علی اور بسالت جنگ کے تعلقات ۱۷۶۱ء

حیدرآباد میں آپس کی سازشوں کی وجہ سے صلابت جنگ قید ہوگیا۔ اور اسکے دوسرے دو بھائی میر نظام علیخاں اور بسالت جنگ حکمران ریاست ہوئے۔ جس میں دریائے کرشنا کے جنوب کا بڑا حصہ بسالت جنگ کے قبضہ میں آیا۔ اور اس کا مستقر ادھونی تھا۔ میدان پانی پت میں مرہٹوں کی شکست کا حال سنکر بسالت جنگ صوبہ سرا کو مرہٹوں سے واپس لینے کیلئے نکلا اور قلعہ ہوسکوٹہ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ کشائی کے ڈھنگ سے ناواقف ہونے کی وجہ محاصرہ نے نہایت طول کھینچا جس پر بسالت جنگ نے حیدر علی سے امداد چاہی۔

بسالت جنگ اور حیدر علی کا معاہدہ

فریقین میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے (۱) قلعہ کا سامان و آلات جنگ بسالت جنگ کو ملیں (۲) ہوسکوٹہ اور اسکے مضافات حیدر علی کو ملیں (۳) بسالت

جنگ دربار دہلی میں صوبہ داریٔ سرا کیلئے حیدر علی کی سفارش کرے (۴) قلعۂ گرم کنڈہ جو اب تک حیدر آباد کے ماتحت تھا۔آئندہ حیدر علی کی ملکیت قرار دی جائے۔

تسخیر ہوسکوٹہ

حیدر علی کی فوجوں نے چند ہی دنوں میں ہوسکوٹہ کو فتح کر لیا۔ اور بموجب معاہدہ تمام سامان قلعہ بسالت جنگ کے حوالے کر دیا گیا۔ اور ہسکوٹہ اور اس کے مضافات مملکتِ میسور میں شامل کر لئے گئے۔ (میسور میں مشہور ہے۔ کہ بسالت جنگ نے تمام سامان حیدر علی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جس کے سبب سے اکثر نواب حیدر علی بسالت جنگ کو تاجر کے لقب سے یاد کرتے تھے)

حیدر علی نائب سلطنتِ مغلیہ اور خطاب نواب

شہنشاہِ ہند کا سفیر حیدر علی کے نام فرمانِ صوبہ داریٔ سرا لیکر آیا۔ اور اسکے ساتھ شہنشاہ کی جانب سے سپر شمشیر مرصع کار، پالکی، جواہر نگار، ماہی مراتب اور نقارہ و نشان معہ خطاب نواب عنایت ہوئے۔ (انگریزی مورخین کو اعتراض ہے کہ حیدر آباد میں میر نظام علیخاں کے نظام دکن ہونے ہوئے بسالت جنگ کو اختیار نہیں تھا کہ حیدر علی کے لئے خطاب نواب کی سفارش کرتا۔ مگر جب شہنشاہ ہندوستان نے بسالت جنگ کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے حیدر علی کو نظامت سرا پر مقرر کر دیا تو انگریزی مورخین کا مذکورہ بالا اعتراض کسی طرح معقول اور مدلّل نہیں کہا جا سکتا)

صوبۂ سرا کی تسخیر

بسالت جنگ کے جانے کے بعد حیدر علی نے مڑگ سرا، مدگری آبس نگر اور سرا پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی طرح قریب قریب کل صوبۂ سرا پر حیدر علی کا تسلّط ہو گیا۔ اور تمام پالیگار سرداروں نے حیدر علی کو خراج دینا منظور کر لیا۔

حیدر علی کے خلاف سازش

جس وقت فرانسیسیوں کی کمک کیلئے افواج حیدری پانڈیچری روانہ ہو گئیں تھیں تو میدان خالی پا کر کھنڈے راؤ راجہ اور رانیوں میں سازش ہوی۔ کہ جس طرح نندراج کو علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح حیدر علی کو بھی علیحدہ کر دیا جائے آخر تجویز یہ ٹھہری کہ حیدر علی کو دفع کرنے کیلئے مرہٹوں سے مدد لیجائے۔ چنانچہ دربار پونا کو ایک خفیہ چٹھی لکھی گئی۔ کہ میسور کا سپہ سالار حیدر علی راج دھانی پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اور اس طرح یہ ہندو ریاست مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائیگی۔ اگر سلطنت پونا اس معاملہ کو ہاتھ میں لیکر اس وقت امداد کرے تو یہ ہندو ریاست قائم رہ سکتی ہے۔ بلکہ یہ ریاست ہمیشہ ممنونِ احسان اور باجگذار رہیگی۔ اور اخراجات جنگ کیلئے ایک معقول رقم بطور پیش کش دی جائیگی۔

اسلامی فارسی تاریخوں میں اس سازش کے متعلق اسطرح لکھا گیا ہے کہ :۔

"مرہٹے ملک سے جا چکے تھے۔ سابق نندراج کی حکومت سے راجہ اور اس کے خاندان کو رہائی مل چکی تھی۔ راجہ نے خیال کیا کہ اب حیدر علی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے راجہ، رانی دیو اجی منی اور کھنڈے راؤ نے حیدر علی کو دفع کرنے کی سازش کی"

لیکن ماڈرن میسور کا ہندو مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر لکھتا ہے :۔

"وزیر نندراج اور راجہ کے معاملات میں جب حیدر علی نے رانی کی درخواست پر مداخلت کی تو نندراج نے سرنگاپٹم چھوڑ کر میسور میں اقامت اختیار کی۔ لیکن راجہ اور رانی کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نندراج کسی اور جگہ چلا جائے۔ لیکن نندراج نہ مانا۔ اس پر حیدر علی نے نندراج پر فوج کشی کی۔ نندراج مجبور ہو کر کونا نور کو جو نجنگڈھ کے قریب ہے چلا گیا۔ اس جنگ کے اخراجات کیلئے حیدر علی نے جاگیر طلب کی

لیکن کھنڈے راؤ نے جو اس وقت راجہ کی ملازمت میں تھا۔ اس مطالبہ کی مخالفت کی لیکن آخر میں چار تعلقے دینا منظور کئے۔ اس معاملہ میں حیدر علی اور کھنڈے راؤ میں جو گفتگو ہوی۔ اس کی وجہ سے کھنڈے راؤ کے علاوہ راجہ اور رانی کے دل میں بھی حیدر علی کی طرف سے دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے رنگناتھ سوامی کے مندر میں بت کے آگے رازداری کی قسم کھاتے ہوے حیدر علی کے خلاف کارروائی کرنے کی سازش کی اور تجویز ہوی کہ مرہٹوں سے بھی تائید لی جائے "۔

مرہٹوں کو خط لکھا گیا۔ اس خط کے پہونچتے ہی مادھو راؤ نے ایساجی پنڈت پھینی کو میسور روانہ کیا۔ دربار میسور نے اس فوج کی نقل و حرکت سے حیدر علی کو بالکل بے خبر رکھا حیدر علی کو اس وقت خبر ہوی۔ جب یہ فوج سرنگا پٹم کے قریب آ گئی۔ تو یہ راز کھلا کہ حیدر علی کی گرفتاری مقصود ہے۔ شام کا وقت تھا اور ایک ایک لحظہ کی دیر سوہانِ روح بنی ہوی تھی اور اس پر مشکل یہ کہ سرنگا پٹم کی مقیم فوج سے انہیں یہ امید بھی نہیں تھی۔ کہ اس اڑے وقت کام آئیگی۔ اسکے علاوہ بیوی اور بچے سرنگا پٹم ہی میں تھے۔ چند رفقا کو حقیقتِ حال سنا کر حیدر علی نے شب کے پردے میں فرار ہونے کا تہیہ کر لیا۔

حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ جاسوس انکی نقل و حرکت پر نگراں ہیں۔ اور وہ ان راستوں سے جا نہیں سکتے جو عام گذرگاہ ہیں۔ اس لئے جس وقت رات زیادہ ہوی اور دنیا پر اندھیری چھائی ہوی تھی وہ اپنے گھر سے نکلے۔ اور سید ھا دریا کاویری پر پہنچے۔ اندھیری رات اور بارشوں کی وجہ سے دریا زوروں پر تھا۔ اور دوسری طرف عزت اور جان پر بنی ہوی تھی۔ ہمت کرکے دریا میں کود ے اور پار نکل گئے۔ صبح ہوتے ہوتے سرنگا پٹم سے بہت دور [illegible] پہنچ گئے [illegible] جہاں انکی خاص فوج کا ایک حصہ موجود [illegible]

تھا۔ ادھر صبح ہوتے ہی خبر اڑی کہ حیدر علی شب ہی میں فرار ہو گئے ہیں۔ مرہٹے تعاقب کے لئے نکلے۔ اور حیدر علی کی گرفتاری کا انعام مشتہر کیا گیا۔ حیدر علی نے بنگلور پہونچتے ہی سید مخدوم کو جو فرانسیسیوں کی مدد کیلئے پانڈیچری جا رہے تھے۔ خط لکھا کہ فوراً واپس آئیں۔ (یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید مخدوم نواح ارکاٹ میں مقیم تھے)

سرنگا پٹم میں راجہ میسور، وزیر کھنڈے راؤ اور مرہٹہ سردار ایسا جی نے تجویز کی کہ فوراً بنگلور پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا جائے۔ کہ حیدر علی کو مہلت نہ ملے۔ کھنڈے راؤ کے ماتحت زبردست فوج روانہ ہوئی۔ اور ادھر حیدر علی بھی غافل نہیں تھے۔ جس وقت یہ فوج بنگلور پہونچی تو حیدر علی نے قلعہ سے نکلکر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ میسوری اور مرہٹی فوج ہزار ہا زخمی اور مقتولوں کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی۔ کھنڈے راؤ اور حیدر علی کو معلوم تھا کہ اس جنگ کے فیصلہ پر ان کی آئندہ قسمت کا انحصار ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی جوانمردی دکھائی ہو وہ تعجب خیز نہیں۔ حملات حیدری میں میدان جنگ کی جو تصویر مصنف حملات حیدری نے کھینچی ہے۔ وہ بجنسہ ذیل میں دی جاتی ہے :-

"دونوں مہا بھارت دلیں جیسے ساون بھادوں کے گھنگھور بادل چاروں طرف سے اٹھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ پہلے تو دور سے گولیاں اور گولے، تگرگ اور اولے کی طرح دونوں طرف سے برسنے لگے۔ گولوں کی گڑگڑاہٹ اور گولیوں کی کڑکڑاہٹ بادل کی گرج اور رعد کی کڑک تھی۔ زنجک کا اڑنا و مہتابی کا پھکنا، برق کی جھلک اور بجلی کی چمک، دہان دہان سے توپوں کے ہنگامے محشر کا پیدا تھا۔ اور دھمک سے اس کے زلزلت الارض آشکار۔ جب دونوں فوجیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کو [illegible] کی [illegible]۔ تب تو تیغ و تیر، خنجر، جمدھر [illegible]

طپنچے، چھری، کٹاری، بھالے، برچھی کی بوچھاریں چلتی تھیں۔ اور لہو کی پھوہاریں اڑتی تھیں۔ ایک لمحے میں خون کی ندیاں اور نالے بہنے لگے۔ اور ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، گاؤ، بچھڑے ماہی کے مانند اس میں نظر آتے۔ فیلوں کے سر حباب کے مانند تڑپتے پھرتے تھے۔ اور کشتیوں کے مانند لاشیں موجوں کے مارے بہہ بہہ کر کنارے لگتے تھے۔ آخرکار نواب رستم شوکت اسفند یار صولت نے راجۂ میسور کے لشکر کو ہزیمت فاش دی۔" (حملات حیدری)

جب اس شکست فاش کی خبر سرنگاپٹم پہنچی تو محل میں ایک کہرام مچ گیا۔ اور ایساجی سپہ سالار مرہٹہ سے آئندہ تدابیر کے متعلق رائے لی گئی۔

سابق وزیر نندراج کا خط

نندراج کو جس وقت اپنی جاگیر پر حیدر علی کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے ایساجی سپہ سالار افواج مرہٹہ کو ایک خط لکھا۔ جس میں کھنڈے راؤ کی سازشوں کا پورا پورا حال درج تھا۔ کہ کس طرح اس نے خود اس کو (نندراج کو) سازش کر کے نکالا تھا۔ اور ایساجی کو آگاہ کیا کہ وہ کھنڈے راؤ کے فریب میں نہ آئے۔

مرہٹوں کی واپسی

اس خط کے دیکھتے ہی ایساجی نے حیدر علی کو لکھا کہ اگر حیدر علی اخراجات جنگ ادا کر دیں تو مرہٹی فوج واپس ہو جائیگی۔ حیدر علی نے روپیہ کے عوض بارا محل کا علاقہ انہیں لکھ کر دیدیا۔ مرہٹی فوج بارا محل پر قبضہ کرنے کیلئے سرنگاپٹم کو اس کی حالت پر چھوڑ کر چلی گئی۔

حیدر علی کی سرنگاپٹم پر چڑھائی (۱۷۶۰ء)

حیدر علی کو اب سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کر لیں۔ ابھی حیدر علی ... میں ... کہ

سرنگاپٹم سے ایک خفیہ چھٹی حیدرعلی کو ملی۔ جس میں چند رانیوں نے لکھا تھا کہ ملک کی بدنظمی بڑھتی جارہی ہے۔ اور قریب ہے کہ ریاست ہی ہمارے ہاتھوں سے چھن جائے۔ اس لئے ہمیں تباہی سے بچانے کیلئے آپکا سرنگاپٹم آنا ضروری ہے۔ جب سید مخدوم کی فوج واپس آگئی۔ تو حیدرعلی سرنگاپٹم پر چڑھائی کے ارادے سے نکلے۔ اور راستے میں اپنے محسن وزیر نندراج سے مشورہ حاصل کیا۔

محاصرۂ سرنگاپٹم

حیدرعلی کی فوج جب سرنگاپٹم پہنچی تو حیدرعلی نے حکم دیا۔ کہ محل پر گولہ باری کیجائے۔ اور ساتھ ہی کھنڈے راؤ کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ راجہ اور رانیوں نے بہت کچھ حیلے حوالے کئے۔ مگر آخر کار اس شرط پر کھنڈے راؤ کو حوالے کر دیا کہ اس کی جان بخشی جائے۔ اور اسکے ساتھ اچھا سلوک ہو۔

حیدرعلی کا طوطا

حیدرعلی نے اپنا اقرار قایم رکھتے ہوئے کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند کر دیا۔ اور دودھ، چاول اسکی غذا مقرر کر دی۔ کل مورخین کا اتفاق ہے کہ حیدرعلی نے کھنڈے راؤ کو اس کی موت تک اسی طرح رکھا۔ اور اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ میرا طوطا ہے۔ جو پال رہا ہوں۔

محل پر قبضہ

دوسرے دن حیدرعلی نے راجہ کی نذر کیلئے چند تحائف بھیجے اور باریابی کی اجازت چاہی۔ اور بعد اجازت چند منتخب سردار و سپاہ کو لیکر محل میں گئے۔ دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ راجہ سے مطالبہ کیا گیا کہ انتظام ریاست حیدرعلی کو تفویض کر دے۔

حیدرعلی فرمانروائے میسور

راجہ کے مصارف کیلئے تین لاکھ کی جاگیر علیحدہ کرکے حیدرعلی نے عنان حکومت اپنے ہاتھ

لی۔ اور اعلان کردیا کہ وہ آج سے حکمران میسور ہیں۔

حیدر علی کے غاصب سلطنت ہونے کی تردید

مذکورالصدر واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ حیدر علی کن حالات کی تحت میں اور کن مجبوریوں کی وجہ سے تخت میسور پر قابض ہوئے۔ اور اس واقعہ کے متعلق خاص انگریزی مورخین کی آراء درج کی جاتی ہیں۔ کہ جو کچھ بھی شکوک ہوں وہ رفع ہو جائیں۔

تاریخ رولرس آف انڈیا میں صفحہ ۱۶۴ پر مورخ جی۔ڈی اسول لکھتا ہے:۔

"رانی اور کھنڈے راؤ نے (جو حیدر علی کا گذار تھا) مرہٹوں سے سازش کی۔ اور حیدر علی اپنی جان بچاکر بنگلور بھاگا۔ اس کا فرار ہونا بھی نہایت حیرت انگیز اور تاریخی یادگار ہے۔ کہ صرف بیس گھنٹوں کے اندر تن تنہا بنگلور پہونچا ہے۔ حیدر علی کی فطرتی چالاکیوں نے بہت جلد فوجوں کو مجتمع کرلیا۔ اور ایک خونریز جنگ میں اسکے دشمن کھنڈے راؤ کو شکست ہوئی۔ حیدر علی کی فوجیں نہایت سرعت کے ساتھ سرنگا پٹم پہونچ گئیں۔ جہاں حیدر علی نے محل پر قبضہ کرلیا۔ رانیوں کی سفارش پر اس نے وعدہ کیا کہ کھنڈے راؤ کو بطور ایک طوطے کے پالیگا۔ چنانچہ کھنڈے راؤ کو اسکی موت تک ایک لوہے کے پنجرے میں بند رکھ کے دودھ اور چاول دیتا رہا۔"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۶۹ پر لکھتا ہے:۔

"۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے سرنگا پٹم پر قبضہ کرکے کھنڈے راؤ کو قید کرلیا۔ مگر اقرار کیا کہ اس کو ایک طوطے کی طرح پالیگا۔ کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے

پنجرے میں بند کرکے دودھ اور چاول دیکر اپنے اقرار کو لفظ بلفظ پورا کیا"۔

بورنگ اپنی تاریخ حیدر علی میں لکھتا ہے :۔

" دغا باز کھنڈے راؤ جو صرف حیدر علی کی عنایت سے وزیر بنا تھا حیدرعلی کے مقابلہ پر آمادہ ہو بیٹھا۔ اس نے حیدر علی کو بہت تکلیف دی۔ لیکن حیدر علی نے اس پر فتح پائی۔ پھر حیدر علی نے اس دغا بازی کا انتقام لینے کیلئے سرنگاپٹم پر لشکر کشی کی۔ اور راجہ کے مصارف کا انتظام کرکے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لی۔ رانیوں کی سفارش پر کھنڈے راؤ کی جان بخشی کرکے اس کو لوہے کے پنجرے میں رکھا گیا۔ اور تمام عمر اسکو دودھ اور چاول کھلائے گئے"۔

حیدرعلی نے جن حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر میسور پر قبضہ کیا اور انگریز مورخین نے اسکے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود چند متعصب مورخین انہیں راجہ کا نمک حرام ملازم اور غاصب سلطنت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الزام کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ حیدر علی نے تاج و تخت کیلئے راجہ کے خلاف قطعاً کوئی سازش نہیں کی۔ بلکہ سازش کی ابتدا خود راجہ سے ہوئی جب مرہٹوں کی مدد سے اس وفادار سپہ سالار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دینا چاہتا تھا۔ حیدر علی کو اس سازش کا علم اس وقت ہوا جب مرہٹے عین سر پر آپہنچے۔ حیدر علی بمشکل تمام جان بچا کر بنگلور کو فرار ہوئے۔ اور آخرکار مدافعت میں جنگ لڑی۔ فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ اور وہ کامیاب و بامراد ہوئے۔

اب اگر اس موت و حیات کی بازی کھیل چکنے کے بعد حیدر علی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہ لیتے، تو آخر ان کیلئے اور چارۂ کار بھی کیا تھا۔ راجہ اور اس کے وزراء

پر انہیں کوئی اعتماد نہ رہا تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ جب مغلیہ شہنشاہ ہند کی طرف سے حیدر علی کو سرا کی صوبیداری تفویض کردی گئی تو انکا راجۂ میسور سے بحیثیت ملازم کوئی واسطہ نہ رہا تھا۔ بلکہ اب راجہ جو ان کا ماتحت ہو چکا تھا ریاستِ میسور سلطنتِ مغلیہ کی باجگذار تھی۔ اور اس لیئے یہاں کا راجہ صوبہ دار سرا کے تابع فرمان ہوتا تھا۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر نواب حیدر علی کو کیونکر غاصبِ سلطنت کہا جا سکتا ہے؟

مشہور ہندو مصنفہ سبیتا دیوی اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں:۔

"حیدر علی پر سب سے پہلا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کرکے اس کا ملک چھین لیا۔ اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اگر تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ الزام بالکل غلط نظر آئیگا۔ حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور ایک بہت ہی معمولی ریاست تھی۔ جس میں صرف ۳۳ گاؤں تھے۔ یہاں کے راجہ پہلے بیجاپور کے مسلمان بادشاہوں کے باجگزار تھے۔ اس کے بعد ۱۶۸۷ء میں یہ شہنشاہ اورنگ زیب کے باجگزار ہوگئے۔ چند سال بعد اورنگ زیب نے میسور کے راجہ چک دیو راج وڈیر کو جگدیو کا خطاب دیکر نوبت اور نقارہ رکھنے کی اجازت دیدی۔ میسور کی جاگیر سرا کے مغل گورنر کے ماتحت تھی۔ حیدر علی راجۂ میسور کی ملازمت میں سپہ سالاری کے عہدہ تک پہنچا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد مغل شہنشاہِ ہند نے حیدر علی کو سرا کا گورنر مقرر کردیا۔ اور اسے شاہانہ مراتب اور نقارہ ونشان معہ خطاب نوابی دربار مغلیہ سے عطا ہوئے۔ اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ حیدر علی اب راجۂ میسور کے ماتحت نہ رہا تھا۔ بلکہ راجہ میسور اس

کے ماتحت تھا۔ لیکن اسکے باوجود اس نے اپنے راجہ کی ہمیشہ عزت کی۔ باوجودیکہ راجۂ میسور تینتیس ۳۳ گاؤں کا مالک تھا۔ اور حیدر علی کے زیر نگین اسّی ۸۰ ہزار میل مربع ملک تھا۔ لیکن وہ راجۂ میسور کو اپنا آقا سمجھتا تھا۔ اور اسکی ہر ممکن خدمت کیلئے ہر وقت کمر بستہ رہتا تھا۔ اس نے کئی بار میسور کو تباہی سے بچایا۔ لیکن جب راجہ کے غدار وزیروں نے راجہ کو بالکل مفلوج کر دیا اور خود وفادار حیدر علی کے خلاف سازشیں کرنے لگے تو اس نے مجبور ہو کر جاگیر میسور کی زمام خود اپنے ہاتھ میں لی۔ اور راجہ کو ایک باجگزار والئ ریاست کی حیثیت سے اپنی نگرانی میں رکھا۔ حیدر علی کیلئے آسان تھا کہ وہ اسی طرح جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ارکاٹ، اودھ، ناگپور، اور ستارہ کے شاہی خاندانوں کو بے نشان کر دیا۔ میسور کے شاہی خاندان کو جلا وطن کر دیتا۔ لیکن نہیں۔ بدنام حیدر علی نے راجۂ میسور کے اعزاز و مناسب کو بدستور قایم رکھا۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس نہایت شان و شوکت کے ساتھ نکلتا تھا۔ اور اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدر علی اور اس کے لڑکے ٹیپو سلطان کی جانب سے راجہ کی خدمت میں نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ کیا اسکے بعد بھی حیدر علی کو غدار اور نمک حرام کہا جا سکتا ہے؟!!

حیدر علی نے ۱۷۶۳ء میں صوبۂ سرا کے انتظام سے فارغ ہو کر بالاپور خورد اور نندی گڑھ کی طرف توجہ کی۔ بالاپور کا پالیگار پنگنڈہ کے راجہ مراری راؤ سے طالب امداد ہوا۔ میدانِ نندی میں ان دونوں متحدہ فوجوں کا حیدر علی کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں مراری راؤ پنگنڈہ کی طرف فرار ہوا۔ حیدری فوج اس کے تعاقب میں نکلی۔ پہلی لڑائی گوری بندہ میں

ہوی. جس میں راجہ کو ہزیمت ہوئی ۔ دوسری لڑائی ہنگنڈہ پر ہوی. جس کا محاصرہ ایک مہینہ تک قایم رہا. آخر راجہ نے اپنے آپ کو حیدر علی کے سپرد کردیا۔

فتح نندی

نواب حیدر علی خاں نے میر علی رضا خان کے ماتحت ایک دستہٴ فوج نندی پر روانہ کیا. جہاں بعد محاصرہ کے حیدری افواج غالب آئیں راجہ اور اس کے متعلقات کو اسیر کرکے بنگلور روانہ کیا گیا. جن میں راجہ کے دو لڑکے مسلمان ہوگئے۔ علاقہٴ نندی پر بدرالزماں خاں کو (جو اہل نوائط سے اور ملازمتِ حیدری میں داخل تھا) بطور قلعہ دار مامور کیا گیا۔

فتح بدنور۔ بدنور کے حالات

بدنور. میسور کے شمال میں مغربی سرحد پر ہے جو بمبئی میں ضلع کیانرا کے قریب ایک زرخیز و مستحکم ہندو ریاست تھی۔ جس کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیلی ہوی تھی. اور یہ بھی مشہور تھا کہ ۱۵۶۴ء میں سلطنتِ وجیانگر کے زوال پر وہاں کا خزانہ بدنور کو لایا گیا۔ بدنور کے مال و دولت کی داستانیں ابھی تک لوگوں کی زبان پر ہیں۔ تمام ملک کوہستانی ہے۔ جس میں قیمتی لکڑی کے گھنے جنگل اور دشوار گذار پہاڑیاں ہیں۔ سوائے ایک تنگ راستہ کے جس پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے قلعے محافظت کیلئے تھے۔ اور کوئی راستہ بدنور تک پہونچنے کا نہیں تھا۔ اور یہ قلعے تقریباً آٹھ میل عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ پایہ تخت اس قدر خوبصورت تھا۔ کہ اکثر شعراء نے اسکی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ شہر میں اس وقت نصف لاکھ (۵۰۰۰۰) کی آبادی تھی۔ لیکن شہر بہت وسیع و فراخ تھا۔ ہر مکان کے ساتھ ایک وسیع باغ موجود تھا. شاہراہوں پر دو رویہ درخت لگے ہوئے تھے۔ اور میٹھے پانی کی نہریں بہتی تھیں۔ کوچوں میں سنگریزوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

بالاپور اور بنگنڈہ کی فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی سرا میں مقیم تھے۔ کہ ایک نوجوان حضوری میں آکر طالب داد ہوا۔ کہنے لگا کہ میں راجہ بدنور کا متبنیٰ ہوں۔ راجہ کے مرنے پر رانی نے ایک برہمن وزیر سے ناجائز تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔ اور دونوں نے مجھ کو میرے جائز حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اور خود حکمران بنگئے ہیں۔ رات دن سوائے عیش و عشرت کے انہیں اور کوئی کام نہیں۔ رعایا بددل ہو گئی ہے۔ اور ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے رانی کو ان باتوں پر ہر چند توجہ دلائی۔ مگر بے سود۔ رانی اور دیوان نے سازش کر کے رات کے وقت میرے مار ڈالنے کیلئے چند آدمیوں کو مقرر کیا۔ اور وہ میرا گلا گھونٹ کر مجھ کو ایک مندر میں دفن کر گئے۔ لیکن میری زندگی ابھی باقی تھی۔ مندر کے ایک جوگی نے مٹی ہٹا کر مجھے باہر نکالا۔ اور میرا علاج کیا۔ اور مجھے نصیحت کی کہ بھیس بدل کر نکل جاؤں۔ اب میں آپکے پاس آیا ہوں اور انصاف چاہتا ہوں کہ راجہ کی جگہ مجھے دلائی جائے۔ جس کے عوض میں ہمیشہ خراج ادا کرتا رہونگا۔ نواب حیدر علی نے تمام حالات راستہ وغیرہ دریافت کر کے اپنی فوجوں کو لیکر بدنور کی طرف بڑھے۔ راستے میں کہیں مزاحمت نہیں ہوئی۔ کیونکہ تمام لوگ اس نوجوان سے جس کا نام مہابدی تھا۔ واقف تھے۔ اور حیدری افواج نے بھی اس صورت سے سفر طے کیا کہ جبتک وہ بدنور نہ پہونچ گئیں۔ رانی پر حال نہ کھلا۔ قلعہ کے باہر پہونچکر نواب حیدر علی نے رانی کو طلب کیا۔ مگر اس نے آنیسے انکار کی۔ لہذا حیدری فوج نے چڑھائی کر دی۔ آخر سخت جنگ کے بعد رانی گرفتار ہو کر حیدر علی کے سامنے لائی گئی۔ رانی سے قول و قرار کر کے مہابدی کو تخت نشین کیا گیا۔ اور رانی رہا کر دی گئی۔ اسکے صلہ میں بندرگاہ منگلور معہ مضافات نواب حیدر علی کو دیا گیا۔ چنانچہ نواب منگلور پر قبضہ کرنے کیلئے آگے بڑھے۔

حیدر علی کے خلاف سازش

نواب حیدر علی کیلئے منگلور سے واپسی کا راستہ بدنور ہی

سے تھا۔ حیدر علی جب بدنور گئے۔ تو رانی نے مہابدی کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ اور کہا کہ ایک ہندو ریاست کو تباہ کرنے کیلئے تو ایک مسلمان کو لایا ہے۔ جو ضرور واپسی پر تجھ کو تخت و تاج سے محروم کر کے بدنور پر قابض ہو جائیگا۔ اس سے بہتر ہے کہ جب وہ واپس ہو تو اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ حیدر علی جس مقام پر پہلے مقیم ہوئے تھے۔ اسی جگہ سرنگیں بچھا کر بارود بھر دی گئی۔ اور زمین کے اندر ہی اندر ایک مندر کی طرف راستہ نکالا گیا۔ تجویز یہ تھی کہ حیدر علی جب یہاں آ کر ٹھہریں تو مندر کے راستہ سے سرنگوں میں آگ لگا دی جائے۔

بدنور پر قبضہ

نواب حیدر علی منگلور پر قبضہ کر کے واپس ہوئے۔ اور بوقت داخلہ بدنور ایک برہمن نے جو سازش کے راز سے آگاہ تھا۔ نواب حیدر علی کو اس سے خبردار کر دیا۔ نواب حیدر علی نے بغرض تحقیق اس مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور کھدوا کر دیکھا تو سازش کا پورا حال کھل گیا۔ لہٰذا رانی اور اس کے آشنا برہمن دیوان کو قتل کر دیا گیا۔ مہابدی گرفتار ہو گیا۔ اور ملک پر نواب کا قبضہ ہو گیا۔ نواب حیدر علی کو اس قدر خزانہ ملا کہ جس کا اندازہ بارہ کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے۔

بورنگ اپنی تاریخ حیدری میں لکھتا ہے:-

"اس فتح کی خوشی میں نواب نے اپنی تمام سپاہ و نیز باہر کے قلعداروں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سال کی تنخواہ بطور انعام تقسیم کی۔ اور تخت بدنور پر بحیثیت بادشاہ کنارا جلوہ فرما ہوا۔"

دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں:- کہ حیدر علیخان کو یہ خداداد فتح ایسی حاصل ہوئی کہ اس نے حیدر علی خاں کو دفعتہً کرسی سے تخت پر بٹھا دیا۔ تخت نشین ہو کر نواب نے بدنور کا نام اپنے نام پر حیدر نگر رکھا۔ اور اس کو پایۂ تخت بنانے کے خیال سے

جدید تعمیرات کی بنیاد ڈالی۔

ٹکسال اور سکہ

نواب حیدر علی نے اس خداداد فتح پر مسرور ہو کر بدنور میں ٹکسال قایم کی اور اپنے نام کا سکہ ضرب کرایا۔

حیدر علی اور پرتگیز

بدنور کے چند علاقوں پر پرتگیزی گوا سے نکل کر قابض ہو گئے تھے۔ نواب حیدر علی نے گوا پر چڑھائی کی۔ اور قلعۂ راما تک پہونچ گئے۔ لیکن اس کے بعد صلح ہو گئی۔ جس کی رو سے پرتگیزوں نے تمام علاقۂ کاروار نواب حیدر علی کے سپرد کر دیا۔

واقعاتِ ملیبار

ملیبار ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر ایک زرخیز خطہ ہے جو کرالا (کیرالا) بھی کہلاتا ہے۔ اس ملک میں آغازِ اسلام ہی سے بغرض تجارت عربوں کی آمد و رفت رہی ہے۔ ان تاجروں کی بدولت بہت سے خاندان مسلمان ہو گئے اور ماپلہ کہلانے لگے۔ بلکہ چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی مسلمان ہو گئیں تھیں۔ جن کا ذکر مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کی شہرت فتح بدنور کی وجہ سے دور دور پھیل گئی۔ تو ملیبار کے مسلمان جو اپنے ہمسایوں کی روز روزہ کی لڑائیوں سے سخت تنگ آ گئے تھے۔ نواب حیدر علی سے طالب امداد ہوئے۔ اور اسکے ساتھ ہی کنانور میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ وہاں کے نائر راجہ کی لڑکی ایک مسلمان رئیس زادہ پر جس کا نام علی تھا۔ عاشق ہو گئی۔ اور جب اس عشق کا حال کھلا تو راجہ کنانور نے باوجود اپنی قوم کی مخالفت کے اپنی بیٹی کی شادی علی سے کر دی۔ اور اس کو وارث تخت و تاج بنایا۔ اس وجہ سے قوم نائر اس قدر برافروختہ ہوئی کہ مسلمانوں پر زندگی حرام ہو گئی۔ علی راجہ کی جانب سے بھی حیدر علی کو ایک عرض موصول ہوئی۔ نواب حیدر علی کو معلوم تھا کہ ماپلہ قوم جہاز رانی میں نہایت مشاق

ہے۔ اس لئے علی راجہ کی مدد سے نواب کو ایک بحری طاقت رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ نواب نے فوراً ماپلاؤں کی سفارت کو شرف باریابی بخشا۔ اور علی راجہ کو اپنا امیر البحر مقرر کر دیا۔ اس اعلان کا نتیجہ ملیبار پر اچھا پڑا۔ جس کی وجہ سے نائر خود بخود سیدھے ہو گئے۔

علی راجہ کے فتوحات

علی راجہ اب کنارا کا مستقل حکمران بن گیا۔ اور امیر البحر سلطنت حیدری ہو کر ایک زبردست جنگی جہازوں کا بیڑا تیار کر کے ساحل ملیبار کے ان جزائر پر حملہ آور ہوا۔ جو اب تک اسلامی فاتحین کے حملوں سے بچے ہوئے تھے اور اسلام کا پرتو بھی ان پر نہ پڑا تھا۔ یہاں کے لوگ سواحل ملیبار پر آ کر ماپلاؤں پر ظلم کرتے تھے۔ علی راجہ نے ان جزیروں پر حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کی دونوں آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

ساحل ملیبار کے جزائر پر پرچم اسلام

راجہ کے گرفتار ہوتے ہی تمام جزائر پر علی راجہ کا قبضہ ہو گیا اور اس نے ہر جگہ حیدری علم نصب کر دیا۔ امیر البحر علی جب راجہ کو لیکر منگلور پہنچا۔ تو نواب حیدر علی خان کو راجہ کی روداد معلوم ہوئی۔ حیدر علی نے راجہ سے معافی مانگی اور ایک معقول جاگیر اسکے ضروری مصارف کیلئے مقرر کر دی۔ اور علی راجہ سے منصب امیر البحر واپس لے لیا گیا۔

ملیبار میں ماپلاؤں پر ظلم

ماپلاؤں نے صرف دو یا تین مہینے آرام و اطمینان کی زندگی بسر کی تھی۔ کہ علی راجہ کی معزولی کی خبر ملیبار میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ نائروں نے سمجھا کہ نواب حیدر علی ماپلاؤں سے دست کش ہو گئے ہیں۔ لہٰذا قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ ماپلاؤں کی ایک زبردست سفارت منگلور پہنچی۔ جہاں حیدر علی مقیم تھے۔

ملیبار پر فتح کشی

سفارت کا بیان سنکر نواب حیدرعلی بیس ہزار سوار فوج لیکر ملیبار کیطرف بڑھے۔ کنانور کے قریب علی راجہ نے استقبال کیا۔ اور نواب کے رکاب کو بوسہ دیا۔ نواب نے اسکی عزت افزائی کرتے ہوئے اُسے اپنے ساتھ لے لیا۔ کنانور کے قریب ندی کے کنارے نائروں کی فوج جمع تھی۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی جس میں حیدری افواج غالب آئیں۔ نائر پسپا ہوکر پیچھے ہٹے۔ اور حیدری افواج تسخیر کالی کٹ کے خیال سے آگے بڑھیں۔

تسخیر کالی کٹ

نواب حیدرعلی کی فوج جب کالیکٹ کے قریب پہنچی تو وہاں کے راجہ زامرن نے شہر سے باہر نکلکر آپ کا استقبال کیا۔ اور نہایت قیمتی تحائف پیش کئے۔ اس طرح کالیکٹ بغیر کسی لڑائی کے نواب کے قبضہ میں آگیا۔ نواب قلعہ میں فروکش تھے۔ کہ زامرن اپنے محل کو واپس گیا۔ وہاں اس کے لوگوں نے اس کو سخت غیرت دلائی جس کے باعث اس نے محل کو آگ لگادی اور جلکر مرگیا۔

(نوٹ:۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ راجہ کی کارروائی سے برافروختہ ہوکر اس کے رشتہ داروں نے آگ لگادی تھی)

نائروں سے دوسری لڑائی

نائروں کو اپنی پہلی شکست کا بہت غصہ تھا۔ اور اب جو راجہ کے مرنے کی خبر پھیلی۔ تو انہوں نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ کالی کٹ پر حملہ کیا۔ مگر معمولی مقابلے کے بعد بھاگ نکلے۔ نواب حیدرعلی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعۂ پونانی پر حملہ کیا۔ تسخیر کالی کٹ کے بعد کوچین کی طرف بڑھے۔ راجۂ کوچین نے بھی اطاعت قبول کرلی۔

نواب کی دوراندیشی

چونکہ بارشوں کا زمانہ شروع ہوگیا تھا۔ اور ملیبار میں کثرت

سے بارش ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت نواب حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ بارش کا موسم ختم ہونے تک ملیبار سے باہر رہیں۔ یہ سوچکر کوئمبتور کی طرف کوچ کیا کہ فوج کو آرام ملے اور ملیبار کے نزدیک بھی رہیں۔

نواب حیدر علی کے مراجعت کرنے کے بعد نائروں نے موسم بارش سے فائدہ اٹھاکر از سر نو موپلاؤں پر ظلم و ستم کرنا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ ان کی حمایت پر راجہ ٹراونکور اور دوسرے سرداران ملک بھی تھے۔ تمام نائروں نے مجتمع ہو کر شہر کالی کٹ اور قلعہ پونانی کا محاصرہ کر لیا۔ نواب کے متعدد عامل مار ڈالے گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس موسم برسات میں حیدر علی ادھر آنے کی جرأت نہ کرینگے۔ نواب حیدر علی کی افواج مقیم کالی کٹ اور پونانی سے قاصد خفیہ طور پر کوئمتور پہنچے۔ اور دوسری جانب یہی خبر میر علی رضا خان کو جو مدگری میں مقیم تھے۔ پہنچی۔ وہ فوراً اپنی فوج کو لیکر مدافعت کالی کٹ کیلئے پہونچ گئے۔ دوسری طرف سے نواب حیدر علی اپنے پندرہ ہزار سوار اور پیادہ فوج لیکر جس میں فرانسیسی اور پرتگیزی سپاہی بھی تھے۔ ایک آندھی کی طرح ملیبار کے طوفانی موسم برسات میں ندی۔ نالوں اور پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے پونانی کے قریب پہنچے۔ سواروں کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر زین نہ رکھیں پیادوں کو موم جامے اور چھتریاں دی گیئں تھیں۔ نواب حیدر علی بھی فوج کے ساتھ بغیر کسی خادم وحشم اور عنان و شوکت کے ایک معمولی سپاہی کی طرح ساتھ تھے۔

جنگ پونانی

نائروں کی فوج ایک بہت چوڑی اور گہری خندق میں مورچہ بند تھی۔ گولیاں چلانے کیلئے لکڑیوں کا ہالہ (دیوار) بنا ہوا تھا۔ اور ایک اونچے ٹیلے پر توپ خانہ نصب تھا۔ نواب حیدر علی نے مقام کی مضبوطی کو دیکھکر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ داہنے طرف پرتگیز افسر تھا۔ بائیں جانب ایک انگریز افسر (جو

نواب کی ملازمت میں تھا) کے ماتحت ایک حصہ فوج کا تھا۔ نواب کے فرانسیسی ملازموں کی فوج بطور محفوظ پیچھے رکھی گئی۔ سب سے پہلے داہنی طرف کی فوج نے حملہ کیا۔ اور بڑھ کر افسر خندق تک جا پہنچا۔ گولیاں چل رہی تھیں۔ مگر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ لکڑیوں کی دیوار کے پیچھے نائروں کا کیا نقصان ہو رہا تھا۔ ادھر حیدری سپاہ کثرت سے گر رہی تھی۔ پھر بائیں طرف کی فوج بڑھی تو اس کا بھی یہی حال ہوا۔ یہ حال دیکھکر نواب کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ مگر خندق کو عبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محفوظ فوج کے فرانسیسی افسر نے نواب سے عرض کی کہ اگر مجھ کو حکم ہو تو آگے بڑھوں۔ نواب نے حکم دیدیا۔ یہ فوج آگے بڑھی۔ اور باوجود گولیوں کی متواتر بارش ہونے کے خندق میں داخل ہو گئی۔ اور اس کو عبور کر کے لکڑیوں کے حصار پر جا پہنچی۔ تختے توڑ ڈالے گئے۔ اور نائروں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ یہ فوج کچھ اس بے جگری سے لڑی کہ ہزاروں نائر قتل ہو گئے۔ مورچہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ یہ حالت دیکھکر بقیۃ السیف نائر بھاگ نکلے۔ قدردان نواب نے فرانسیسی افسر کو ایک دم دس ہزار کا سپہ سالار اور افسر توپ خانہ بنا دیا۔ اس فتح سے نواب کی ہیبت ملک پر چاروں طرف چھا گئی۔ اور نائر اپنے اپنے دیہات خالی کر کے بھاگ نکلے۔ نواب نے اعلانِ امن کرتے ہوئے برہمنوں کو روانہ کیا کہ لوگوں کو اپنے اپنے گھروں پر واپس لائیں۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ جس پر نواب نے دوسرا اعلان جاری فرمایا۔

نواب کا اعلان

(۱) نائروں کا درجہ برہمنوں کے بعد تھا۔ لیکن وہ آئندہ اور کم درجہ میں گنے جائیں۔

(۲) نیچ اقوام نائروں کے جلوس میں دوڑتی تھیں۔ یہ رسم موقوف کی گئی۔

(۳) پہلے صرف نائر ہتھیار باندھتے تھے۔ آئندہ نیچ اقوام بھی ہتھیار باندھیں۔

(۴) جو نائر مسلمان ہوگا۔ اسکے خاندان پر تمام حقوق قدیمہ بحال و برقرار رہیں۔

(۵) جو شخص بھی مشرف بہ اسلام ہو۔ اس کو وہی حقوق حاصل ہوں جو نومسلم نائروں کو دئیے جاتے ہیں۔

اعلان کا اثر

نواب حیدر علی کے اعلان کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا لوگ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

مرہٹوں کی لشکر کشی ۱۷۶۳ء

بدنور والوں نے جب دیکھا کہ نواب حیدر علی ملیبار میں مصروف ہیں تو انہوں نے مرہٹوں سے درخواست کی کہ اس ہندو مملکت کو نواب کے قبضہ سے چھڑائے۔ اس درخواست پر مرہٹوں کا ایک لشکر بدنور پر حملہ آور ہوا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوی تو وہ میر علی رضا خاں کو ملیبار کا انتظام سپرد کر کے بدنور روانہ ہوئے۔ بدنور نواب کو جملہ شہروں سے عزیز تھا۔ نواب کے پہنچنے تک مرہٹوں نے بدنور پر قبضہ کرلیا تھا۔ مگر بارش کا موسم شروع ہو جانے وہ خود بخود واپس چلے گئے۔

چتلدرگ پر فوج کشی ۱۷۶۴ء

مرہٹوں کی واپسی کے بعد نواب حیدر علی نے علاقہ جات چتلدرگ پر فوج کشی کی۔ مضافات چتلدرگ پر قبضہ ہوگیا۔ مگر خاص قلعۂ چتلدرگ باوجود پانچ مہینے محصور رہنے کے فتح نہ ہو سکا۔ اس لئے نواب نے محاصرہ اٹھا لیا۔

شاہنور پر چڑھائی

جس وقت مرہٹوں نے بدنور پر چڑھائی کی تھی۔ تو نواب شاہنور نے اپنی افغانی فوج مرہٹوں کی کمک کے لئے روانہ کی تھی۔ اس کا انتقام لینے کیلئے نواب حیدر علی نے ایک دستۂ فوج کو ہیبت جنگ کے ماتحت روانہ کیا۔ اور خود بھی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پنڈاروں کو مقرر کیا گیا کہ کسی طرح

لڑتے ہوئے افغانی فوج کو حیدری فوج کی کمینگاہ تک لے آئیں. پنڈاری فوج لڑتی ہوئی بظاہر مغلوب ہو کر پیچھے ہٹی۔ افغان تعاقب میں بڑھے. جہاں حیدرعلی کی فوجوں نے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ کاٹ کر رکھدیا۔ نواب عبدالحکیم خاں والیٔ شاہنور نے اس خبر کو سنتے ہی فرار ہو کر قلعۂ شاہنور میں پناہ لی۔ جس کا حیدری افواج نے محاصرہ کر لیا۔ جب نواب عبدالحکیم خاں کو معلوم ہو گیا کہ نواب حیدرعلی کسی طرح ٹلنے والے نہیں ہیں تو طالب صلح ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ دینا منظور کر کے مضافات شاہنور کے چند قلعوں پر بھی حیدرعلی کو قبضہ دیدیا۔ یہاں کا انتظام کرنے کے بعد حیدرعلی نے اطراف و جوانب کے پالیگاروں اور راجاؤں پر فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ مرزا حسین علی بیگ نے بسواری درگ فتح کر لیا۔ وہاں کے راجہ نے نواب حیدرعلی کی خدمت میں یاقوت و مروارید اور جڑاؤ زیورات سے بھرے ہوئے بیس صندوق بطور پیش کش روانہ کئے۔

مادھو راؤ پیشوائے پونا کی لشکر کشی میسور پر ۱۷۶۵ء

واقعاتِ ۱۷۶۱ء میں ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب حیدرعلی نے مرہٹی سپہ سالار ایساجی کو بارہ محل کا علاقہ تفویض کر دیا تھا۔ جب ایساجی بارہ محل پہنچا تو حیدری قلعہ داروں نے قلعہ جات حوالے کرنے سے انکار کر دیا ایساجی ابھی کچھ کارروائی کرنے نہ پایا تھا کہ پانی پت میں مرہٹوں کے شکست کی خبر پہنچی۔ ایساجی پونا واپس ہو گیا۔ بالاجی باجی راؤ کے مرنے پر مادھو راؤ پیشوا ہوا۔ اور اس نے ازسرِنو مرہٹی سلطنت کی تنظیم شروع کر دی۔ اس وقت جب حیدرعلی بدنور، ملیبار، شاہنور پر قابض ہو گئے۔ تو پیشوا کو ایک نئی طاقت کا ابھرنا نہایت شاق گذرا۔ مادھو راؤ خود اپنی کمان میں ایک لاکھ سوار، ساٹھ ہزار پیادے پچاس ہزار تیرانداز اور ایک بڑا توپ خانہ لیکر علاقۂ میسور پر بڑھا۔ اس قدر فوج کے

علاوہ پنڈاروں کی بے قاعدہ فوج بھی اس کے ساتھ تھی۔ مادھوراؤ کے آتے ہی شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں اور چیلدرگ کا راجہ اس سے مل گیا۔ مادھوراؤ سرا پر بڑھا۔ یہاں چند دن کی لڑائی کے بعد میر علی رضا خاں نے قلعہ حوالے کر کے اس کی نوکری منظور کر لی۔ تسخیر سرا کے بعد مرہٹی فوجوں نے مدگری فتح کر لیا۔ جس وقت یہ خبریں نواب حیدر علی کو پہنچیں تو انہیں فکر ہوئی کہ کس طرح اس زبردست غنیم کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر بجائے ہمت ہار کر بیٹھ جانے کے جو کچھ فوجیں جمع ہو سکتی تھیں۔ ساتھ لیکر سرنگاپٹم سے بنگلور آئے اور یہاں قلعہ کے استحکام میں مصروف ہوئے۔ سواروں اور پنڈاروں کو حکم دیا کہ صحرائے ماگڑی میں چھپ کر ہمیشہ مرہٹی فوج پر شبخون مارا کریں۔ مادھوراؤ قلعۂ ماگڑی کی طرف بڑھا مگر وہاں کے حاکم سردار خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ چار دن اس لڑائی میں گذر گئے۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جس پر چیلدرگ کے راجہ نے پوشیدہ راستوں سے اپنے آدمیوں کو قلعہ پر چڑھا دیا۔ سردار خاں نے دیکھا کہ مرہٹے قلعہ پر قابض ہو چکے ہیں تو اپنے رفقا کے ساتھ صرف تلوار سے لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام سپاہی لڑتے لڑتے مر گئے۔ اور سردار خاں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ اس عرصہ میں اسکی فوج جو جنگل میں چھپی ہوئی تھی کئی شبخون ماری۔ مگر مرہٹوں کی بے شمار فوج میں چند ہزار آدمیوں کے قتل سے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ماگڑی پر قابض ہو کر مادھوراؤ۔ بالاپور، کڑپہ، کولار، ملباگل گرم کنڈہ پر قبضہ کرتا ہوا سرنگاپٹم کی طرف بڑھا۔

مرہٹی فتوحات کا اثر

مادھوراؤ کی فتوحات نے ملک پر اس قدر اثر ڈالا کہ تمام پالیگار اور راجہ جو حیدر علی کے زیر اثر تھے۔ حیدر علی سے منحرف ہو گئے۔ اور معلوم بھی ایسا ہوتا تھا کہ سلطنتِ حیدری اب کوئی دم کی مہمان ہے۔ ادھر حیدر علی کو

کو بھی احساس ہوا کہ سرنگاپٹم پر مرہٹوں کا قبضہ ہوتے ہی ان کی سلطنت کا خاتمہ ہے۔ اسوقت لوگ علانیہ کہہ رہے تھے۔ کہ عنقریب میسور میں مرہٹی سلطنت قایم ہوجائے گی اور مادھوراؤ کی فتوحات ہندوؤں میں نہایت فخر و مباہات سے بیان کی جاتی تھیں۔ مادھوراؤ نے چنتامنی کو اپنا صدر مقام مقرر کرکے ایک بھاری توپ خانہ اور پچاس ہزار کی فوج سرنگاپٹم کی طرف روانہ کی۔ نواب حیدرعلی بھی اپنی خداداد جسارت سے کام لیکر باگڑی کے جنگل میں مرہٹوں کی ہراولی فوج کا انتظار کرنے لگے۔ جس وقت نصف شب گذری۔ تو اس فوج پر شبخون مارا۔ اور یہ حملہ کچھ اس غضب کا تھا کہ قریب قریب کُل مرہٹے کٹ گئے۔ اور جو باقی بچے وہ تمام ہتھیار و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دوسری طرف مرہٹی فوج کا ایک چھوٹا دستہ بارہ محل پر بڑھ رہا تھا۔ اس پر بھی حیدری پنڈاروں نے شبخون مارکر اس کو واپسی پر مجبور کردیا۔ جب مادھوراؤ کو ان دونوں شکستوں کی خبر پہنچی، تو اس نے چنتامنی سے اٹھ کر امباجی درگ میں کیمپ قایم کیا۔

مادھوراؤ سے صلح

ایک جانب تو مادھوراؤ کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی۔ کہ اس طرح شکست کھاکر واپس جائے۔ اور دوسری طرف فوج کی کمی نے اس کو مزید پیش قدمی سے روک دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر نواب حیدرعلی نے سات لاکھ روپیہ مادھوراؤ کے پاس بھیجا۔ اور پچاس لاکھ دینے کا وعدہ کیا۔ اور لکھا کہ مرہٹوں کی کثیر فوج نے تمام ملک کو پائمال کردیا ہے۔ باوجود اس کے مجھے جنگ جاری رکھنے سے عار نہیں ہے چونکہ رعیت تباہ و برباد ہورہی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے واپس ہوجائیں۔ مادھوراؤ نے اس کو ایک خداداد فتح خیال کرتے ہوئے پونا کی طرف واپسی منظور کرلی۔ اسکے بعد نواب حیدرعلی نے از سرنو سلطنت کے

انتظام پر توجہ کی۔

راجہ میسور کی وفات
۱۷۶۶ء

۱۷۶۶ء میں راجہ میسور کی وفات ہوگئی۔ اور چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ لہٰذا حیدر علی نے اسی خاندان کے ایک اور لڑکے کو متبنیٰ بنا کر مسندِ راجگی پر بٹھا دیا۔

تاریخ رولرس آف انڈیا کا مصنف لکھتا ہے:۔

"اس موقع پر حیدر علی نے خاندان کے تمام لڑکوں کو محل میں جمع کر کے چند کھلونے ان کے آگے ڈال دیئے۔ لڑکے اپنی اپنی پسند کی چیز اٹھانے لگے۔ ایک لڑکے نے تلوار اور لیموں اٹھا لیا۔ حیدر علی نے کہا کہ یہی بچہ راجہ ہونے کے لائق ہے۔ چنانچہ اسی کو راجہ بنایا گیا"

انگریزوں سے پہلی جنگ
۱۷۶۷ء ہ ۱۷۶۹ء

انگریزی تاریخوں میں یہ جنگ "میسور کی پہلی جنگ" کے نام سے موسوم ہے۔ انگریزوں اور نظام علی خاں نظام الملک کو نواب حیدر علی کی فتوحات خار کی طرح کھٹکتی تھیں۔ مادھو راؤ پیشوائے پونا کے حملوں کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی طاقت بالکل شکستہ اور کمزور ہوگئی ہے اس لئے ان دونوں طاقتوں نے اتحاد کر لیا اور ان کے ساتھ ایک مرہٹی سردار بھی دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مل گیا۔ جو دکن میں اِدھر اُدھر چھاپے مارتا پھر رہا تھا۔

انگریزی فوج جس میں زیادہ تر نواب والاجاہ محمد علی کی فوجیں تھیں۔ کرنل سمتھ کی ماتحت تھیں۔ حیدر آبادی فوجوں کی کمان خود نظام الملک کے ہاتھ میں تھی۔ اور مرہٹی سردار علیحدہ تھا۔ یہ متحدہ فوجیں علاقہ میسور پر بڑھیں بعض انگریزی مورخین

لکھتے ہیں کہ ابتداء حیدرعلی سے ہوئی۔ اس لئے کہ انہوں نے حیدرآباد کے [illegible] یہ صحیح نہیں۔ یہاں چند انگریزی تاریخوں ہی سے اس جنگ کے اسباب پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مورخ ڈیلانوسی اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۷۶ پر لکھتا ہے :-

"فتوحات حیدری سے خوف زدہ ہوکر نظام الملک اور مرہٹوں نے انگریزوں سے اتحاد کیا۔ اور کرنل اسمتھ کے ماتحت یہ متحدہ فوجیں بغیر کسی وجہ کے میسور پر بڑھیں"۔

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۹۰ پر رقمطراز ہے :-

"۱۷۶۷ء میں مدراس میں انگریزوں کو معلوم ہوا کہ حیدرعلی فرانسیسیوں سے سازش کررہے ہیں، کہ انگریزوں کو ہند سے نکالدیں۔ انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں سے مدد مانگی۔ اور یہ تینوں فوجیں۔ جس میں نواب محمد علی والاجاہ کی فوجیں بھی شامل تھیں۔ میسور پر حملہ آور ہوئیں"۔

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند صفحہ ۲۶۸ پر لکھتا ہے :-

"نظام الملک ہمیشہ حیدرعلی کا حاسد رہا۔ اس کو حیدرعلی سے اس درجہ نفرت تھی، کہ وہ اس کو یعنے حیدرعلی کو غاصب سلطنت سمجھتا تھا۔ لہٰذا انگریز مرہٹے اور نظام الملک نے متحد ہوکر حیدرعلی پر چڑھائی کی"۔

تاریخ رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۶۸ پر تحریر ہے :-

"حیدرعلی کے خوف سے نظام الملک انگریزوں سے مل گیا۔ اور ایک مرہٹی سردار کے ساتھ مل کر انہوں نے میسور پر فوج کشی کی"۔

مذکورۂ بالا انگریزی تاریخوں کے حوالہ جات سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس جنگ

کی اصل وجہ کیا تھی۔ اب خاص حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخی کتب ملاحظہ ہوں:-

"چونکہ اس زمانہ میں کمپنی کو حیدر علیخان کی روزافزوں قوت سے اندیشہ تھا۔ اور وہ آئے دن کرناٹک اور انگریزی کمپنی کے علاقے پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ اس واسطے کمپنی کو یہ لازم تھا کہ اس کا کوئی معقول بندوبست کرتی۔ اور ساتھ ساتھ اس امر کا انتظام بھی ضروری تھا کہ دکن کے ان رئیسوں کو فراہم کرلے۔ جن کے ساتھ متفق ہوکر حیدر علی خان اپنی قوت میں اضافہ کرسکتے تھے۔ ان امور پر نظر کرتے ہوئے کمپنی نے بندگان عالی کو حیدر علی خان کے خلاف کھڑا کردیا۔"

(نظام علی خان حصہ دوم از سراج الدین طالب صفحہ ۴۳) مطبوعہ حیدرآباد

توزک آصفیہ میں شاہ تجلی علی لکھتے ہیں:- (صفحہ ۱۷۴)

"بندگان حضرت اگرچہ در تحصیل مقصد آں قوم دانا بودہ ہمانا در استیصال حیدر نایک استیلائے اہل فرنگ مندرج بہ تخریب ملک و آبادی معمورہائے ایں قوم مندرجہ است۔ معہذا بپاس خاطر رکن الدولہ منظور داشتہ دست رد بہ سینۂ ملتمس او نگذاشتہ۔ بنجہ مسئلت آنہا بحنائے حسن قبول رنگیں فرمودند"

سچ تو یہ ہے کہ نظام علی خاں کو ایک اور اسلامی طاقت کا ابھرنا گراں گذر رہا تھا۔ مگر اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ خود حملہ کرتا۔ دوسری طرف مدراس میں انگریزوں کو خوف ہوچلا تھا کہ کہیں حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت انہیں ہندوستان سے نہ نکال دے۔ سازشیں دونوں جانب سے شروع ہوئیں۔ اور ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے نظام الملک نے علاقہ شمالی سرکار انگریزوں کے حوالے کردیا۔ اور اپنی فوج لیکر انگریزوں کے ساتھ علاقہ میسور پر حملہ آور ہوا۔ محمد علی والاجاہ تو پہلے ہی سے انگریزوں کا بندۂ بے دام تھا۔ اسلئے مورخین نے اسکے نام کو نظرانداز کردیا ہے۔

بہر طور یہ متحدہ فوجیں علاقہ بالاگھاٹ پر بڑھیں۔ حیدر علی نے بھی نیا ریاں شروع کیں۔ حیدری فوج مختلف دستوں پر منقسم ہوئی۔ جس میں ایک پر ٹیپو سلطان کمان کر رہے تھے دوسرے پر محمد علی کمیدان۔ تیسرے دستے پر بخشی ہیبت جنگ۔ چوتھے پر میر علی رضا خاں مقرر ہوئے۔ اور باقی فوج خاص نواب حیدر علی کے ماتحت تھی۔

یہ فوجیں مدافعت کی غرض سے بڑھیں۔ اور انہوں نے متحدہ فوجوں کو رسد نہ ملنے کیلئے ملک کو لوٹ کر فوجوں پر شبخون مارنا شروع کر دیا۔ جس پر انگریزوں نے یہ چال چلی کہ حیدر علی کی توجہ ہٹانے کیلئے علاقہ بمبئی سے ایک فوج ساحل منگلور پر اتار دی۔ کہ بڑھکر بدنور پر قبضہ کرلے۔ نواب کو خبر ہوئی تو انہوں نے ٹیپو سلطان کو اس طرف بھیج دیا۔ اور بعد میں میر علی رضا خاں اور محمد علی کمیدان کو مشرقی محاذ سپرد کر کے خود بھی بدنور کی جانب بڑھے۔

بالاگھاٹ پر اتحادیوں کا قبضہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے چلے جانے سے اتحادیوں کی فوجوں کو پیش قدمی کا کافی موقع مل گیا۔ اور انہوں نے وانمباڑی، ترپاتور، کنگن گڈھ، چکدیو، دہرم پوری، کولار اور ہوسکوٹہ فتح کر لیا۔ ان فتوحات سے مسرور ہو کر والاجاہ نواب محمد علی نے کولار کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اور مراری راؤ حاکم گتی کو ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام کیلئے اپنے پاس بلا لیا۔ نواب محمد علی والاجاہ کا خیال تھا کہ حیدر علی کے مولد و مسکن پر قبضہ کرنیسے حیدر علی مطیع ہو جائیں گے۔

مغربی محاذ پر لڑائی

ٹیپو سلطان نے جاتے ہی منگلور کا محاصرہ کر لیا۔ مگر فوجوں کی کمی کے باعث کوئی زیادہ کارروائی نہ کر سکے۔ اس عرصہ میں حیدر علی بھی آپہنچے۔ مگر ان کے پاس بھی فوج زیادہ نہ تھی۔ حیدر علی نے آٹھ ہزار چیدہ

بندوقیں تیار کرکے آٹھ ہزار سپاہی نوکر رکھے۔ اور اس کا یشی فوج کو رنگ برنگ کے علَم اور نشان دیکر منگلور پر بڑھا دیا گیا۔ جس وقت انگریزی سپہ سالار نے دیکھا۔ کہ بے شمار فوج اسکے مقابل آرہی ہے۔ تو قلعہ چھوڑ کر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو سواروں کا رسالہ لیکر فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اور ادھر سے توپ خانہ گولے برسا رہا تھا۔ انگریزی فوج نہایت سراسیمگی کی حالت میں اپنا تمام سامان چھوڑ کر جہازوں پر سوار ہو کر بمبئی واپس ہو گئی۔

حیدر علی مشرقی محاذ پر

اس فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی مشرقی محاذ پر آئے۔ اس وقت انگریزی فوج نرسی پور میں مقیم تھی۔ اور اس کے بازو پر مراری راؤ کا کیمپ تھا۔ نواب نے اچانک اس پر شبخون مارا۔ اور بہت سامال اور اسباب لوٹ کر سات گڑھ کی طرف روانہ ہوئے۔ مدراس سے انگریزی فوجوں کے ایک دوسرے دستہ نے نکلکر جنوب میں ڈنڈیگل، کوئمتور، دھاراپور وغیرہ پر قبضہ کر لیا اس خبر کے پاتے ہی ٹیپو سلطان کو جنرل اسمتھ کے مقابلے میں چھوڑ کر حیدر علی دھرمپوری کی طرف بڑھے۔ راستے میں انگریزی فوجوں کیلئے چار ہزار بیلوں پر سامان رسد جارہا تھا۔ اس کو لوٹ لیا گیا۔ دھرمپوری پر چڑھائی ہوئی۔ اور معمولی جنگ کے بعد دھرمپوری فتح ہو گیا۔ دوسری طرف محمد علی کمیدان نے ہستور فتح کر لیا۔ دھرمپوری کی فتح کے بعد نواب حیدر علی ہوسکوٹہ پر بڑھے۔ اور جب جنرل اسمتھ کو معلوم ہوا تو وہ کولار سے نکلکر ہوسکوٹہ کی مدافعت کیلئے آیا۔ مگر راستے ہی میں ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان نے اس کو روک لیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد قلعۂ ہوسکوٹہ فتح ہو گیا تسخیر قلعہ کی خبر پر ٹیپو سلطان نے انگریزی فوجوں کو بنگلور تک بڑھکر آنے کی راہ دیدی۔ جہاں ایک کمینگاہ میں حیدری فوج انکے انتظار میں

تھی جس وقت یہ فوج کمینگاہ پر پہونچی۔ تو حیدری افواج نے اس پر سختی سے حملہ کیا۔ کہ انگریز پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جنرل اسمتھ کولار کی طرف واپس لوٹ گیا۔ اور نواب حیدر علی نے نرسی پور میں قیام کیا۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کیلئے مدراس سے سامان رسد آرہا تھا۔ حیدر علی کی فوج نے ہرتن ہلی کے قریب اس کو بھی لوٹ لیا۔

مرہٹوں اور نظام کی علیحدگی

اس لوٹ مار اور شبخون کا سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا کہ اتحادیوں کی فوج خصوصاً نظام کی حیدرآبادی اور مرہٹی فوج سخت تنگ آگئی۔ جس کی وجہ سے مرہٹی سردار اپنی فوج کو یہاں سے لیکر دوسری جانب چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی حیدرآبادی فوجوں میں دہشت چھا گئی اور وہ سب بھاگنے پر آمادہ ہو گئی۔ جنرل اسمتھ نے نظام کو بہت کچھ تسلی دی۔ مگر تیسرے دن خبر آئی کہ مرہٹی سردار حیدر علی سے سمجھوتہ کر کے پونا چلا گیا۔ اب تو نظام علی خاں بالکل سرد ہو گئے، اور کچھ ایسی دہشت غالب ہوئی کہ اپنے امیروں سے واپسی کی صلاح پوچھنے لگے۔

موسیو مڈلٹ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ:۔

" نواب نظام علی خاں کے ساتھ گنتی گنانے کو ایک لاکھ سوار و پیادوں کی جمعیت تھی لیکن ان میں شاید دو ہزار بھی اچھے بندوقچی اور جانباز نہ تھے۔ نظام کے ماتحت سرداروں میں ایک رام چندر مرہٹہ اور تین نواب شاہنور، کڑپہ اور کا ونور کے بھی شامل تھے۔ نظام کے کیمپ میں اربابِ نشاط یعنے رقاصہ عورتوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ نواب رکن الدولہ دیوان نظام نے حیدر علی سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی۔ اس صلح نامہ میں طے پایا کہ:۔

(۱) نواب محفوظ خاں (برادر کلاں نواب محمد علی والا جاہ) کی بیٹی ٹیپو سلطان سے

بیاہی جائے۔

(۲) نواب محفوظ خان بحیثیت بیرانوارالدین کے بڑے بیٹے ہونے کے صوبہ دارارکاٹ قرار پائیں۔ اور وہ اپنا حق ٹیپو سلطان کو تفویض کر دیں۔

(۳) نواب حیدر علی اور نظام الملک ہمیشہ ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے۔

(۴) حیدر علی اور نظام الملک متفقہ طور پر محمد علی کو معزول کرنے کی کوشش کرینگے۔"

صلحنامہ مرتب ہو کر حیدر علی خاں اور نظام الملک کے دستخط ثبت ہوئے۔ جس کے بعد نواب حیدر علی نے اپنے وکیل سیناجی پنڈت کے ذریعہ مدراس کے گورنر کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں نواب محمد علی کا تمام کچا چھٹا بیان تھا کہ کس طرح اسکی سازش سے یہ جنگ ظہور میں آئی ہے۔ مدراس کے انگریز تو جانتے ہی تھے کہ یہ آگ خود انکی اپنی لگائی ہوئی ہے۔ اس لیئے انہوں نے حیدر علی کو دبتا دیکھکر ایسی شرائط پیش کیں جنہیں حیدر علی نے ٹھکرا دیا۔ حیدر علی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ چالباز محمد علی اپنی جوڑ توڑ میں کامیاب ہو۔ اور کسی طرح فوقیت لیجائے۔ اس پر انگریزوں کو آئندہ جنگ جاری رکھنے کی فکر ہو گئی۔ لہذا انہوں نے کرنل اوڈ کے ماتحت بنگلور پر قبضہ کرنے کیلیئے ایک فوج روانہ کی۔

کرناٹک پر حملے

نواب حیدر علی نے جب دیکھا کہ انگریزوں کے قدم ان کے ملک میں مضبوطی سے جم رہے ہیں۔ اور والاجاہ محمد علی کولار میں بیٹھا ہوا جوڑ توڑ میں مصروف ہے۔ تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ پائیں گھاٹ پر اتر کر محمد علی کے علاقوں پر قبضہ کر لیں۔

برق و باد کی طرح حیدری افواج پائیں گھاٹ پر بڑھیں۔ کشنگری، ترپاتور، وانمباڑی، آمبور، سات گڈھ، ویلور، دھونی گڈھ، کبیرپٹن اور ترچناپلی پر قابض ہو گئیں۔

تمام ملک لوٹ کر تباہ کر دیا گیا۔ شاہزادہ ٹیپو سلطان نواح مدراس کی طرف بڑھا۔ میر علی رضا خان تنجاور پر، غازی خان چیتور پر اور مہامیرزا نلور پر۔ ان تمام سرداروں کو حکم تھا کہ لوٹ مار کر کے ان علاقوں کو ویران کر دیا جائے۔

جس وقت حیدری افواج نے پائین گھاٹ کو لوٹ کر ویران کرنا شروع کر دیا۔ اور حیدر علی کا شہروں پر قبضہ ہوتا گیا۔ تو اس وقت نواب محمد علی والا جاہ اور جنرل اسمتھ کی آنکھیں کھلیں۔

ایک جانب تو رسد بند ہو گئی۔ اور دوسری جانب حیدری فتوحات سے خوف پیدا ہو گیا تھا کہ نوابی ارکاٹ کا خاتمہ ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ انگریزی اور والا جاہی فوجیں بالا گھاٹ خالی کر کے پائیں گھاٹ میں اتر آئیں۔ محمد علی کو افسوس تھا کہ بنگلور پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اس نے مدراس کو لکھا کہ جنرل اسمتھ کی تاخیر سے متوقع فتوحات نہ ہو سکیں۔ جس پہ مدراس گورنمنٹ نے جنرل اسمتھ کو مدراس طلب کیا۔ اور والا جاہ محمد علی بھی مدراس گیا۔ کہ آئندہ تدابیر جنگ پر غور کرے۔ جنرل اسمتھ تو مدراس سے کلکتہ چلا گیا۔ کرنل اوڈ کو کل فوج کی کمان دی گئی۔ اور محمد علی مدراس میں مقیم تھا۔ کہ ٹیپو سلطان کی فوجیں نواحِ مدراس میں لوٹ مار کرتی قلعہ سنٹ جارج پر پہونچیں۔ اور شہر پہ گولہ باری ہونے لگی۔

اتفاق سے ایک گولہ اس جگہ گرا۔ جہاں محمد علی اور گورنر مدراس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انگریزوں پر اس قدر دہشت چھا گئی۔ کہ گورنر مدراس ساحل کی طرف بھاگا۔ اور جہاز میں پہنچکر پناہ لی۔ اس پریشانی میں گورنر کی ٹوپی اور تلوار وہیں میز پر دھری رہ گئی جہاں وہ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ نواب محمد علی والا جاہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اور اپنے محل میں پناہ گزیں ہوا۔ ٹیپو سلطان کا ارادہ تھا۔ کہ بڑھکر قلعہ مدراس پر قبضہ کر لے۔ مگر انگریزوں

نے ایسا چکمہ دیا کہ سلطان دھوکہ میں آگیا۔ حیدر علی کی طرف سے ایک فرضی قاصد سلطان کے نام یہ فرمان لایا کہ ترنا ملے کی شکست کی وجہ سے فوراً تمہاری مدد درکار ہے۔ لہٰذا سلطان کو لوٹ مار سے جو کچھ حاصل ہوسکا وہ لیکر ترنا ملے واپس ہوگیا۔

کرنل اوڈ کا حملہ اور شکست

کرنل اوڈ اپنی فوجیں لیکر باگلور کے راستے سے ہسنور پر بڑھا کہ کسی طرح بنگلور پر قبضہ ہو جائے۔

نواب حیدر علی نے خبر پاکر راستہ روکا۔ اور کرنل اوڈ کی فوج کو شکست دیکر بھاری توپوں اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب پیچھے ہٹنے سے کرنل اوڈ کو معلوم ہوا کہ حیدری لشکر نے ان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

لیون بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"بدقسمتی سے اس موقع پر حیدر علی کی توپوں سے انگریزی فوج کو بہت ہی مصیبت ناک بربادی میں مبتلا ہونا پڑا آخرکار میجر فسیز جیرلڈ جو وینکٹ گری میں متعین تھا کرنل اوڈ کی مدد کو پہنچا۔ اور پیچھے سے آکر کرنل اوڈ کی فوج کو تمام و کمال برباد ہونے سے بچا لیا۔ اس بدقسمت جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ کرنل اوڈ بھی واپس کرلیا گیا۔ اور کرنل لینگ اسکی جگہ بھیجا گیا۔"

اِدھر تو انگریز بنگلور فتح کرنے کی بیکار کوششیں کر رہے تھے۔ اُدھر حیدر علی نے اپنے نائب فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کو نئی فوجیں بھرتی کرنے کیلئے سرنگا پٹم روانہ کیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہوچکیں۔ تو حیدر علی نے نومبر ۱۷۶۸ء میں فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کو ایک بڑی زبردست فوج اور توپ خانہ دیکر انگریزوں سے انتقام لینے کیلئے درۂ گجل ہٹی کی طرف روانہ کیا۔ جو اس وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ ہیبت جنگ نے جاتے ہی اس پر

قبضہ کر لیا۔

اس کے پیچھے خود نواب حیدر علی ایک جرّار فوج معہ توپ خانہ لیکر روانہ ہوئے۔ اور ضلع کوئمتور میں داخل ہو کر کرّور پر قابض ہو گئے۔ اور ایروڈ کی جانب بڑھے۔ راستہ میں کپتان نکسن سے مقابلہ ہو گیا۔ اور اسے شکست فاش ہوئی۔ اس کی فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو یا تو مارا نہ گیا ہوا اور یا زخمی نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد نواب حیدر علی نے ایروڈ کو فتح کر لیا۔ انگریزی افسر جو وانمباڑی کا کماتیر تھا۔ اس نے پچھلے سال نواب حیدر علی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ انکے خلاف جنگ میں حصّہ نہیں لیگا۔ لیکن اب جو کماتیر پایا گیا تو نواب حیدر علی نے وانمباڑی کی تمام فوج کو معہ کاویری پورم کی فوج کے گرفتار کر کے سرنگاپٹم کو روانہ کر دیا۔ پھر نواب حیدر علی نے گھاٹوں کے جنوب میں ان تمام اضلاع کو فتح کر لیا۔ جو انگریزوں نے ان سے چھین لئے تھے۔ اسکے بعد حیدر علی مدراس کی طرف متوجہ ہوئے اس فوج کشی پر مدراس کی گورنمنٹ بہت سراسیمہ اور پریشان ہوئی۔ اور کپتان بروک کو صلح کی گفت وشنید کے لئے نواب حیدر علی کی خدمت میں بھیجا۔

نواب حیدر علی نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن انہوں نے ارکاٹ کے دغا باز نواب محمد علی کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ نواب حیدر علی نے انگریزی سفیر سے کہا کہ "میں خود مدراس آرہا ہوں اور وہاں ان شرائط کو سنوں گا جو کہ گورنر اور کونسل پیش کرنا چاہتی ہے"۔

انگریزی سفیر کو مدراس رخصت کر کے نواب حیدر علی اپنی بے باک جرأت وہمت سے جس کیلئے وہ ممتاز تھے۔ وہ تدابیر اختیار کیں کہ مدراس گورنمنٹ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ یعنے حیدر علی نے اپنی فوج کے اصلی حصّہ کو اتھور دڑہ سے ہو کر مغرب کی جانب کوچ کرنے کا

حکم دیا۔ اور چھ ہزار چیدہ سوار اور کچھ پیدل فوج لیکر وہ خود جانب مدراس روانہ ہوئے اور ساڑھے تین دن میں ۱۳۰ میل کا سفر طے کر کے کوہ سینٹ تھامس پر جو مدراس سے پانچ میل پر ہے، جا پہنچے۔ انگریزوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور انہوں نے فوراً سر اطاعت خم کر دیا۔

نواب حیدر علی اگر اس وقت چاہتے۔ تو مدراس پر بآسانی قبضہ کر کے جنوبی ہند میں انگریزی اقتدار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے انگریزوں کے ساتھ اس قدر نرمی کا برتاؤ کیا کہ ایک مغلوب دشمن کو اپنے فاتح سے کبھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ نواب حیدر علی نے حسب ذیل شرائط پیش کیں۔ جنہیں قبول کرنے کیلئے انگریز مجبور تھے۔

(۱) آئندہ فریقین ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

(۲) فریقین اپنے اپنے مقبوضات کو جو دوران جنگ میں انہوں نے فتح کئے تھے۔ اور نیز اپنے اپنے قیدی ایک دوسرے کو واپس کر دیں۔

(۳) علاقہ کرور جو محمد علی والاجاہ کی ملکیت تھی۔ آئندہ نواب حیدر علی کی ملکیت قرار پائے۔

ان شرائط کو انگریزوں نے قبول کر لیا۔ فرنچ مورخ موسیو مڈلٹ ان شرائط پر یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ والاجاہ محمد علی نے سالانہ چھ لاکھ روپیہ بطور نعلبندی حیدر علی کو ادا کرنا منظور کیا۔ ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو اس صلحنامہ پر دستخط ہوئے۔ اور اس کی یادگار میں ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج مدراس کے دروازے پر حیدر علی کے حکم سے لگایا گیا۔ جس کے متعلق سر الفرڈ لائل لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فتح کی یادگار مدراس میں اس طرح چھوڑی کہ اسکے حکم سے انگریزوں نے ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج کے دروازے پر لگایا۔ جس میں بتلایا گیا کہ گورنر مدراس

اور ممبران کونسل حیدر علی کے آگے اپنے زانوؤں پر بیٹھے ہیں۔ اور حیدر علی ایک ممبر کی ناک جو ہاتھی کے سونڈ کے مشابہ بتلائی گئی ہے۔ پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ جس میں سے اشرفیاں گر رہی تھیں۔ کرنل اسمتھ ایک طرف صلحنامہ ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی تلوار توڑ کر رکھ رہا ہے۔"

جنگ کے نتیجہ پر انگریزی مورخین کی رائیں۔ بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ اپنی نقل و حرکت سے جو اس صلح سے قبل عمل میں آئی۔ میسور کے سردار حیدر علی نے اپنی سلیقہ شعاری اور ما ورزاو تدبر دور کاوت کے اعلیٰ صفات کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف اس کے مدراس کی گورنمنٹ نے کم فہمی اور اپنے بودے پن کا ثبوت دیا۔ اور نادانی سے دغا باز محمد علی پر بھروسہ کیا۔ مگر حیدر علی نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے محمد علی کی فریب دہی کا پورا پورا اندازہ کر لیا تھا۔"

مسٹر الفرڈ لائل لکھتا ہے :۔

"اگر جنگ کی ابتدا ایک سیاسی غلطی تھی تو خاتمہ اس سے بھی بدتر نکلا۔"

ڈی لاؤسی اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۷۰ پر لکھتا ہے :۔

"جنگ کا خاتمہ شکست اور بے شرمی پر ہوا"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۲۷۰ پر لکھتا ہے :۔

"حیدر علی کرناٹک کو ویران کر رہا تھا۔ انگریزی فوجیں اس کے پیچھے رینگ رہی تھیں۔ حیدر علی طوفان باد کی طرح مدراس کے دروازوں پر نمودار ہوا۔ گورنر اور ممبران کونسل پر اتنا ہراس چھا گیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں اور باغیچوں میں چھپ گئے۔ حیدر علی کے پیش کردہ شرائط پر ۱۷۶۹ء میں صلح ہو گئی۔"

کرنل مالیسن اپنی تصنیف "ہندوستان کی فیصلہ کن لڑائیاں" میں رقمطراز ہے :-

"اس وقت حیدر علی کل سیاہ وسفید کا مالک تھا۔ مدراس شہر کی قسمت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی آمد کا رعب اتنا غالب ہوا تھا۔ کہ مدراس کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔ ایسی حالت میں انگریزوں کو اس کی تمام شرائط پر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔"

اس شکست کی خبریں انگلستان میں پہونچتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصص کی قیمت ساٹھ فی صدی کم ہو گئی۔ یہ عہدنامہ نواب حیدر علی اور شاہ انگلستان کے درمیان لکھا گیا۔ اسلئے کہ نواب نے کمپنی کو فریق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

صلحنامۂ مدراس پر دو نظریے

پہلا نظریہ :- اسلامی نقطہ نظر سے حیدر علی کی یہ رواداری اس قابل ہے کہ اس پر مسلمان جس قدر بھی ناز کریں۔ بجا ہے۔ اس نے :-

"زندہ رہو اور زندہ رہنے دو"

کے مقولہ پر عمل کرکے اپنی سچی اسلامی بہادری کا نمونہ دنیا کے آگے پیش کر دیا۔ حیدر علی کے ظلم وستم پر اعتراض کرنیوالے دیکھیں کہ باوجود فاتح ہونے کے حیدر علی نے اپنے شکست خوردہ حریف سے کیا سلوک کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام انگریزی مورخین اسکی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ کہ حیدر علی نے انگریزوں پر اعتماد کرکے اپنی عقل وفرزانگی کا ثبوت دیا۔

دوسرا نظریہ :- ہندوستان اس صلحنامہ پر جتنا بھی ماتم کرے۔ بجا ہے۔ ایک فاتح جنرل اپنے مغلوب دشمن سے شرائط صلح یوں طے کرتا ہے۔ کہ اسکے تمام مقبوضات اس کو چھوڑ دیتا ہے، اور آئندہ صرف دوستی کا حلف لیکر بغیر کسی معاوضہ کے ہی پلٹ جاتا ہے۔ انگریزوں کی ہستی

اس وقت حیدر علی کے رحم و کرم پر منحصر تھی۔ مگر اس نے انکی بے بسی سے فائدہ اٹھانیکی کوئی کوشش نہیں کی۔ آہ! یہی عفو بیجا سلطنتِ خداداد کے زوال کا بھی باعث ہوی۔ اگر اسے نواب حیدر علی کی سیاسی غلطی سے تعبیر کیا جائے۔ تو اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ بدقسمت ہندوستان کے باشندے باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اور ایک دوسرے کے اقتدار کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مرہٹوں کو یہ فکر تھی کہ ایک اسلامی طاقت کا آغاز انکے سدِ راہ ہے۔ ادھر نظام الملک کو حسد تھا کہ حیدر علی کا وجود اس کے لئے پیغامِ مرگ ہے۔ حیدر علی بھی ابتدا سے دیکھ رہا تھا کہ اس حسد و نفاق کے سبب مرہٹے اور نظام ہمیشہ اس کی طاقت کو فنا کرنے کیلئے پے در پے حملے کر چکے ہیں۔ اور کر رہے ہیں۔ اس لئے اسکو ایک ایسے حلیف کی ضرورت تھی۔ جو وقت ضرورت امداد دے سکے۔ اور اس نے اس صلحنامہ کے ذریعہ ایک حلیف پیدا کر لیا مگر اس حلیف یعنے انگریزوں نے جس ایمانداری سے اس عہد کو نبھایا۔ خاص انگریزی مورخین کی زبانی سنیئے۔

"تاریخ ہند از ڈی. لا. فوسی صفحہ ۱۸۰:۔

"جب آزمایش کا وقت آیا تو انگریز اپنے عہد پر پورے نہیں اترے"۔

رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۷۰:۔

"عہدنامہ کچھ ایسے الفاظ میں مرتب تھا کہ جسکے مختلف معنے ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر حیدر علی کو جس وقت مدد کی ضرورت تھی۔ کمک نہیں دی۔ اور اس طرح ایک عمدہ دوست کو دشمن بنا لیا"۔

سنکلیر لکھتا ہے:۔

"جب حیدر علی کو ضرورت تھی تو بموجب عہدنامہ کے انگریزوں نے مدد نہیں دی"۔

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے :۔

" انگریزوں نے جب عہدنامہ پر دستخط کئے۔ تو ان کا یہ ارادہ ہی نہیں تھا کہ اس پر عمل درآمد بھی کریں۔ اور اس پر لطف یہ کہ انہوں نے نواب والا جاہ محمد علی کا علاقہ کرور بھی حیدرعلی کو دیدیا۔ کہ ہمیشہ ان دونوں میں چلتی رہے"۔

میجر ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب " ایمپائر اِن ایشیا" میں لکھتا ہے :۔

" کمپنی کو حیدرعلی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ لیکن کمپنی نے نظام حیدرآباد سے اضلاع شمالی سرکارس کے متعلق معاہدہ کیا تھا۔ جس کے معنے یہ تھے کہ نظام کو حیدرعلی کے خلاف مدد دی جائے۔ سرنگاپٹم اور حیدرآباد کی رقابت مشہور تھی۔ ایک ایسے وقت جب مرہٹوں کے حملوں نے حیدرعلی کو کمزور بنا رکھا تھا۔ حیدرآباد اور کمپنی کی فوجوں نے اس پر حملہ کردیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک بھی جبتک کمپنی کی فوجیں سرحد میسور پر نہ پہونچیں۔ کمپنی اور حیدرعلی میں دوستی تھی۔ لیکن اس دوستی کی حقیقت کیا ہے جو ایک کمزور اور طاقتور کے درمیان ہو۔ حیدرعلی اس وقت کمزور تھا۔ کمپنی طاقتور تھی۔ وہ اپنے کمزور دوست کو مہلت دینا نہیں چاہتی تھی۔ کہ وہ طاقتور ہو جائے۔ اس لئے کمپنی کی فوجیں بارا محل کے ملک پر بڑھیں۔ جو انکے مقبوضات کے قریب تھا۔ لیکن جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہی کہ مشرقی جنگوں میں جس طرح ہوتا آیا ہے۔ وہی یہاں بھی ہوا۔ حیدر اپنے دشمنوں مرہٹوں اور نظام سے بھگت کر اپنی پوری طاقت کے ساتھ انگریزوں پر برس پڑا۔ وہ میسور سے ایک طوفان کی طرح اٹھا۔ جس کی تندی کے آگے حملہ آور ہانپتے، کانپتے اور شدید نقصان اٹھاتے ہوئے یہاں تک بھاگے کہ قلعہ سنٹ تھامس مونٹ میں پہونچے۔ یہاں حیدر نے مدراس کے قلعہ کی دیواروں

کے سایہ میں ایک صلح نامہ لکھا یا۔ جس میں ایک شرط یہ تھی۔ کہ بوقت ضرورت کمپنی اس کو سات پلٹنوں سے کمک دے۔ لیکن اس معاہدہ پر کمپنی نے جس طرح عمل کیا۔ وہ بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔

نظام الملک اور انگریز

نظام الملک میر نظام علی خاں کو توقع تھی کہ اس کے علیحدہ ہو جانے سے دونوں حریفوں (یعنے انگریز اور حیدر علی) میں سے ایک نہ ایک مغلوب ہو جائیگا۔ اگر حیدر علی مغلوب ہو جائیں تو وہ خار جو اس کے پہلو میں کھٹکتا اور جو اس کے ثبات بادشاہیت میں سنگ گراں ثابت ہو رہا ہے۔ دور ہو جائیگا۔ اور انگریز مغلوب ہوں تو ان کا نام و نشان ہٹ جائیگا۔ اور اس طرح اس کے وہ مقبوضات جن پر انگریز قابض تھے۔ واپس ملنے کے علاوہ کرناٹک پر بھی اس کا قبضہ ہو جائیگا۔

"تاریخ نظام علیخاں" مطبوعہ حیدرآباد کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر لکھتا ہے:۔

(میر نظام علی خاں نے فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ متفق ہونے کی نسبت میرا منشا پہلے ہی نہیں تھا۔ ہم کو لازم نہیں تھا کہ نصاریٰ کی استدعا پر حیدر علی خاں سے جو ان غاصبان سلطنت کے تباہ و برباد کرنے میں مشغول ہیں۔ جنگ کرتے۔ اصولاً تو ہم کو چاہئے یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی مدد نہ کرتے۔ یہاں تک کہ آپس میں لڑتے لڑتے کوئی ایک غالب ہو جاتا۔ جس کے بعد حکمت عملی سے اس غالب پر قابو پانا ہمارے لئے آسان تھا)

مگر جنگ کا نتیجہ اس کے حسب خواہش نہیں نکلا۔ کیونکہ دونوں حریف ایک دوسرے کے دوست بنکر میدان جنگ سے واپس ہوئے۔ اس لئے نظام نے پھر یہی بہتر سمجھا کہ حیدر علی

سے قطع تعلق کرکے انگریزوں سے ملجائے۔ دوسری طرف انگریز بھی اپنے سلسلہ عیاری کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ کہ کسی طرح نظام علی خاں کو اپنے دام فریب میں لے آئیں۔ اور جن لوگوں نے اس میں سب سے بڑھکر حصہ لیا۔ وہ دیوان رکن الدولہ اور میر عالم تھے۔ جنہوں نے نظام کو انگریزوں سے دوستی بڑھانے پر مائل کیا۔ اور میر عالم سفیر ہوکر انگریزوں کے آستانے پر مدراس حاضر ہوا۔ اور ایک عہدنامہ پر دستخط ہوئے۔ جس کی رو سے نواب محمد علی والا جاہ کو سند نوابیٔ ارکاٹ دوامًا مل گئی۔ اور کرناٹک پر سے حیدرآباد کی سیادت کا تعلق منقطع ہوگیا۔ (سندرس انڈ ٹریٹیز)

جنگ کے دوران میں انگریزی علاقہ کی حالت

انگریزی عملداری کے متعلق انگریز مورخ تھامپسن لکھتا ہے کہ "انگریزوں کی فوج نے ملک کے اکثر حصہ کو لوٹ کر تباہ کردیا تھا۔ رعیت بھوکوں مر رہی تھی۔ اور انگریزی عمالان حکومت کا یہ حال تھا کہ باربرداری کیلئے جو مویشی لیئے جاتے تھے۔ ان کی قیمت یا کرایہ تک ادا نہ کرتے تھے" (نواب حیدرعلی پر لوٹ مار کا الزام لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ حیدرعلی کے مہذب حریف کس طرح داد حکمرانی دے رہے تھے۔ اور خود ان کا ملک کس امن و راحت میں تھا؟)

نواب حیدرعلی کی مراجعت سرنگاپٹم

یوں تو نواب حیدرعلی کی سواری کا شاہانہ کروفر، فتح بدنور، کنارا و ملیبار کے بعد بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ اور جس وقت فتح ملیبار کے بعد نواب حیدرعلی سرنگاپٹم آئے۔ تو ان کے شاہانہ جلوس کی شان و شوکت مدت العمر لوگوں کو یاد رہی۔ لیکن جب صلحنامۂ مدراس کے بعد نواب حیدرعلی مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوئے تو انکے جلوس کی چشم دید کیفیت

ایک فرنچ مورخ نے اس طرح لکھی ہے :۔

"جس وقت جلوس سرنگاپٹم پہنچا۔ تو اس میں پچاس ہزار جرار سوار۔ اسّی ہزار پیادے۔ اور چار ہزار بندوقچی شامل تھے۔ اسکے علاوہ توپ خانہ اور بان وبم برداروں کی تعداد علیحدہ تھی۔ جس کی ترکیب اس طرح تھی"

(۱) سب سے آگے سواران فرنگستان کا خوبصورت رسالہ تھا۔ جنکی خوشنما وردیاں اور اونچی اونچی ٹوپیاں اور ان کے زرق برق اسلحہ اور تنومند گھوڑوں سے عجب جاہ و احتشام ظاہر ہوتا تھا۔

(۲) ان کے پیچھے تین سو شتر سوار زامہ بر ساز و سامان سے آراستہ دو کوہان والے اونٹوں پر چمکدار بھالے لئے ہوئے نظر آتے تھے۔

(۳) انکے پیچھے دو ہاتھی نہایت سربلند نشان بردار ہوتے تھے۔ یہ نشان نیلے رنگ کے ریشمی اور زرکار پھریروں سے آراستہ تھے۔ اور ایک نشان پر آفتاب کی صورت۔ دوسرے پر چاند اور ستاروں کی صورت زر بن کام سے بنی ہوئی تھی۔

(۴) انکے بعد ایک سب سے اونچے ہاتھی پر ایک جوڑی نقارہ کی رکھی تھی۔ اور نقارہ نواز بجاتے جاتے تھے۔

(۵) پھر قرنا بجانے والے سواروں کا ایک غول تھا۔ اس قرنا کے ذریعہ سے جو شیلے راگ فوج کو سنائے جاتے تھے۔ اور سپہ سالاروں کے احکام بھی انہیں کے ذریعہ سے تعلیم یافتہ فوج کو پہنچائے جاتے تھے۔

(۶) ان کے بعد چار ہاتھی اور تھے۔ ان پر چوبیس ارباب نشاط بیٹھے ہوئے موسیقی کے ساز بجاتے جاتے تھے۔

(۷) اسکے بعد پانچ ہاتھی اور تھے۔ جن پر طلائی مرصع کار عماریاں رکھی ہوئی تھیں یہ ہاتھی اس لیئے ساتھ ہوتے تھے۔ کہ لڑائی کے وقت نواب مع سرداروں کے سوار رہے۔ مگر نواب نے سوائے گھوڑے کے کبھی ان ہاتھیوں پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔

(۸) ان کے بعد چار اور ہاتھی تھے۔ ان پر زرین ہشت پہلو ہودے کسے ہوے تھے ان ہودوں پر چھ چھ جوان زرۂ فولاد چار آئینہ جوشن بکتر پہنے ہوئے سوار تھے۔ اور بھری ہوی بندوقیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ جو ادنیٰ اشارہ پر گراب مارنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

(۹) اسکے بعد دو رسالے حبشیوں کے تھے۔ ان کے ہتھیار نہایت چمکدار تھے۔ جن کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ ان کے خوردوں کے اوپر سرخ و سیاہ پر نہایت لطف دیتے تھے۔ انکے ہاتھوں میں چمکدار نیزے تھے۔ اور گھوڑوں کے ابریشمی زینوں میں خوبصورت آویزے عجب بہار دکھاتے تھے۔

(۱۰) ان کے پیچھے کالوں کا ایک عجیب قشون تھا۔ یہ ایک چادر اوڑھے اور گھٹنوں کے اوپر تک جانگئے پہنے اور کمر میں بجتا ہوا گھنٹہ باندھے سر پر شتر مرغ کے پر لگائے مستانہ چال چلتے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں لمبے نیزے تھے۔

(۱۱) ان کے بعد ایک لمبی قطار جھنڈی برداروں کی تھی۔ انکی جھنڈیوں میں سرخ اطلس کے پھریرے تھے۔ ان جھنڈیوں کے اوپر فولاد کی تیز بھال لگی ہوی تھی۔

(۱۲) اسکے بعد دولت حیدری کے شاہزادے اور سپہدار اور دوسرے افسر اور جاں نثار تھے۔ جو سر سے پاؤں تک غرق فولاد نظر آتے تھے۔ عربی گھوڑوں پر سوار شمشیر زرین۔ نیام کمر سے لگی ہوی۔ لباس نہایت خوشرنگ و زرکار۔ خودوں پر

جڑاؤ کلغیاں لگی ہوئی تھیں۔ بعض شوقین زرہ بکتر پہنے رواں تھے۔ گھوڑوں کے سروں پر جڑاؤ کلغیاں اور موتیوں کی جھالریں آویزاں تھیں۔ اس جماعت خاص میں کم و بیش چھ سو آدمی تھے۔

(۱۳) اس جماعت کے بعد اسّی سوار شکاری بلکہ تازی تھے۔ ان کے گھوڑے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کے عربی اور خوبصورت سامان سے آراستہ تھے۔

(۱۴) اس کے بعد بارہ گھوڑے سواری خاصہ کے چھل بل دکھاتے ہوئے کوتل چلتے تھے۔ یہ گھوڑے بہت ہی قیمتی اور شائستہ تھے۔ اور ان کے زین اور مرصع زین و لگام بھی لاکھوں روپیہ کی لاگت کے تھے۔

(۱۵) ان گھوڑوں کے پیچھے ایک فوج پیادوں کی تھی۔ جو سنہری ملمع کا ایک لمبا سیاہ رنگ عصا لئے ہوئے تھی۔

(۱۶) اسکے بعد بارہ نقیب ترکی گھوڑوں پر سوار سونے کے عصائے مرصع ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔

(۱۷) ان کے بعد سب منصب دار خانگی۔ جیسے خانساماں، سرگروہ نقیباں اور سلحدار حیدری وغیرہ۔ انکے گلوں میں طوق زرین انکی شناخت کا پڑا ہوا تھا۔

(۱۸) اس کے بعد میر صدقات کا ہاتھی تھا۔

(۱۹) اتنے سلسلہ کے بعد نواب حیدر علی کا فیل ابیض (سفید ہاتھی) جھوم جھوم کر خراماں خراماں آتا تھا۔ اس خوش نصیب ہاتھی کے اگلے پاؤں میں چاندی کے حلقے اور گلے میں سونے کی زنجیریں پڑی تھیں۔ یہ ہاتھی سب ہاتھیوں سے زیادہ بلند اور تنومند تھا۔ اس کی عماری جس میں نواب حیدر علی بیٹھے تھے۔ سوائے چار کلس طلائی

کے اور کوئی زینت خانہ نہ رکھتی تھی۔ اور دو تیر سونے کی زنجیروں سے بندھے
عماری کی دونوں طرف لٹکتے تھے۔ یہ دونوں تیر راجہ زامرن حاکم ملیبار
کی عماری میں رہتے تھے۔ جب نواب نے اس پر فتح پائی تو وہ تیر نواب کی عماری میں
لٹکائے جانے لگے۔ اس ہاتھی کی مستک پر ایک زرین پھریری لگی ہوی تھی۔ اور خواصی
میں دو چنور بردار بیٹھے مورچل جھیلتے تھے۔ اس مورچل سے نہایت عمدہ خوشبو
نکلتی تھی۔ اور دور دور تک کی ہوا کو معطر کر دیتی تھی۔

(۲۰) نواب کے ہاتھی کے بعد دو سو ہاتھیوں کی قطار تھی۔ جو دو دو ہاتھی برابر
رکھکر قایم کی جاتی تھی۔ ان پر طرح طرح کے نقرہ و طلائی، مرصع ہودے اور عماریاں
کسی ہوی تھیں۔ ہر ہودہ پر ایک سردار بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کا خدمتگار اسکی
خواصی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھیوں کی پوزیشن اور جھولیں زربفت و زردکار کی
مغرق ہوتی تھیں۔ اور جن ہودوں یا عماریوں میں شاہزادے یا اکابر دولت
سوار تھے۔ وہ جواہر بیش قیمت سے مرصع تھیں۔ جھولوں میں سچے موتیوں کی
جھالریں نظر آتی تھیں۔

(۲۱) اس قطار کے بعد پانچ اور سربلند ہاتھی تھے۔ ان میں ایک ہاتھی پر طلائی
مسجد رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھی پر زرین مچھلیاں جن کے فلوس جواہر سے بنائے
گئے تھے۔ اور بعض جگہ میناکاری کی ہوی تھی۔ چوتھے ہاتھی پر دو دیگچیاں سونے
کی دو سنہری چوبوں میں رکھی تھیں۔ پانچویں ہاتھی پر ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ایک
چوکی رکھی ہوئی تھی۔

(۲۲) اسکے بعد دو رسالے جبشیوں کے اسی شان و سامان سے آئے جیسے پہلے نکل

چکے تھے۔

(۲۳) ان کے بعد حبشیوں کی پلٹن آئی۔ ان کا لباس قرمزی رنگ کا تھا۔ گلے میں چاندی کے طوق پڑے تھے۔ ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے تھے۔

(۲۴) پھر اور ایک چالاک اور جاں نثار سپاہیوں کا غول تھا۔ جو دو دو مل کر چلتے تھے۔ ان کا لباس ریشمی تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک نیزہ چودہ چودہ ہاتھ کا لمبا سیاہ وارنش سے چمکتا ہوا نظر آتا تھا۔"

نواب حیدر علی کا یہ شاہانہ جلوس جہاں جہاں سے گذرتا تھا۔ تماشائیوں کو جاہ وجلال دکھاتا جاتا تھا۔ جس کا ذکر مہینوں ہوتا رہتا۔ اور درمیان میں جو راجے اور نواب تھے۔ وہ بڑے شوق سے اس کے استقبال اور اس کے فوجی احتشام کو دیکھنے آتے۔ الغرض نواب کا یہ جلوس سرنگاپٹم کے قریب پہنچا۔ تو میر مخدوم علیخاں نے بہت ہی دہوم دھام سے مع امراء و سرداران دارالامارت شہر سے چند میل آ کر استقبال کیا۔ اور تمام امراء و سردار اور سب اہل فوج بعد دربار کے اپنے گھروں کو گئے۔

مرہٹوں کا چوتھا حملہ میسور پر ۱۷۷۱ء

نواب حیدر علی خان کی فتوحات اور صلحنامہ مدراس کی کیفیت جس وقت پونا پہنچی۔ تو پیشوا مادھوراؤ اپنی فوجوں کو جمع کر کے میسور پر اس لئے حملہ آور ہوا کہ نواب نے پچاس لاکھ روپیوں کا جو وعدہ کیا تھا۔ اس کو مع چوتھ وصول کرے۔ نیز اسوقت مرہٹوں کا مقصد خاص یہ بھی تھا کہ صوبہ سرا پر بھی اپنی عملداری قایم کر کے جنوبی ہندوستان میں پھر ایکبار مرہٹی طاقت کو شہنشاہیت کے رتبہ پر پہنچا دے۔

مرہٹی فوج

مادھوراؤ پیشوا کے ساتھ اس کا وزیر نانا فرنویس اور سپہ سالار تریک راؤ

تھا۔ جن کی نفری ایک لاکھ سوار اور سات ہزار پیادے۔ پچاس ہزار بندوقچی۔ اور ایک بہت بڑی تعداد پنڈاریے سواروں کی تھی۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا توپ خانہ بھی ساتھ تھا۔ شاہ بہادر کا نواب عبدالحکیم خاں اور چتلدرگ کا راجہ بھی انکے ساتھ شامل تھا۔ اس قدر کثیر فوج تھی کہ سرزمین میسور نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ مرہٹی فوجوں نے دریائے تنگبھدرا کو عبور کر کے سرزمین میسور پر پہلے کیا مسپ چرعلی، نونلی اور چراگی کے مقام پر قائم کئے۔ یہ بے شمار فوج کوسوں تک پھیلی ہوئی تھی۔

نواب حیدر علی کا انگریزوں سے امداد طلب کرنا

مرہٹوں کی اس زبردست یورش کو دیکھکر نواب حیدر علی نے بموجب عہدنامہ مدراس انگریزوں سے مدد مانگی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انگریزوں کو یقین ہو چلا تھا کہ اس وقت حیدر علی کی خیر نہیں ہے۔

حیدر علی اور مرہٹوں کی پہلی آویزش

نواب حیدر علی بھی اپنی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پانچ چھ دن کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ مادھو راؤ کی فوجوں نے اپنے زبردست توپخانے سے زمین پر زلزلہ ڈالدیا۔ حیدر علی کی فوج کو بری طرح شکست ہوئی۔ لیکن حیدر علی نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ میدان جنگ سے ہٹ کر ایک کمینگاہ میں اس لئے پناہ لی کہ دوسری شب مرہٹوں کے توپخانہ پر شبخون مارا جائے۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے جنگل سے نکلتے نکلتے صبح ہو گئی۔ اور ادھر پھر مرہٹوں نے حملہ کر دیا۔ اب نواب حیدر علی کیلئے بجز فرار اور کوئی صورت نہ تھی۔ آخرکار وہ پیچھے ہٹے۔ اور انہوں نے اپنے توپخانہ کو حکم دیا۔ کہ مرہٹی فوج پر گولہ باری کیجائے مگر اتفاق سے توپیں چلنے سے رہ گئیں۔ مرہٹی فوج کی یورش اس غضب

کی تھی۔ کہ حیدری فوج قریب قریب کل کٹ چکی۔ اور جو باقی تھی وہ بھاگ نکلی۔ نواب حیدر علی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اس حالت کو دیکھکر خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے۔ کہ ایسے میں چند طنبورچی سامنے سے نکلے۔ نواب نے طنبورہ بجانے کا حکم دیا۔ طنبورچیوں نے اس زور سے طنبورہ بجایا کہ اس کی آواز سارے جنگل میں گونج گئی۔ مرہٹوں نے جب یہ آواز سنی تو سمجھا کہ حیدر علی کی کمک کیلئے تازہ دم فوج آگئی ہے۔ اس لئے وہ جنگ موقوف کرکے پیچھے ہٹ گئے۔ اسی دن شام کو ہیبت جنگ تازہ دم لشکر لیکر آپہنچا۔ مگر حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ اس لئے وہ بنگلور کی طرف پلٹے۔ اور پلٹتے ہوئے تمام ملک کو ویران کرتے گئے۔ کہ مرہٹوں کو رسد نہ مل سکے۔ بنگلور پہنچکر حیدر علی نے صلح کیلئے وکیل بھیجا۔ مگر مادھوراؤ نے ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ایسی سخت شرطیں لگائیں۔ کہ حیدر علی نے صلح کرنے سے جنگ جاری رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

مرہٹی فتوحات

دامن دریائے تنگبھدرا سے نکلکر مرہٹی فوج سرنگاپٹم کی طرف بڑھی۔ اور تمام شمالی و مشرقی اضلاع فتح کر لیئے۔ یہانتک کہ بنگلور سے تیس[۳۰] میل پر نجگل کے مقام پر آپہنچے۔ جہاں انکا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا۔ ایک طرف تو اس کثیر فوج کو ملک کی تباہی و بربادی کے باعث رسد ملنا دشوار ہوگیا تھا۔ حیدر علی نے پہلے ہی تمام علاقہ کو ویران کر دیا تھا۔ دوسری طرف ایک پہاڑی کی آڑ سے حیدری فوج ہر شب شبخون مارنا شروع کر دیا۔ اور تیسری طرف قلعہ نجگل کی حیدری فوج اس بے جگری سے مدافعت کر رہی تھی۔ کہ باوجود فوج کی اس کثرت کے مادھوراؤ اس کو فتح نہ کر سکا۔

مادہوراؤ کی پونا کو واپسی

ابھی یہ ہنگامے روز و شب ہو رہے تھے کہ بارش کا موسم شروع ہو گیا۔ اور ادھر مادہوراؤ سخت بیمار ہو کر پونا واپس ہو گیا۔ ترمک راؤ نے کل فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور مرہٹی فوج کی از سر نو تنظیم کرنے کے خیال سے پیچھے ہٹا۔ اور اپنی کمک کیلئے۔ رتنگری میرج، ونکٹ گری، ترگسی اور کانستری کے راجاؤں کے علاوہ مراری راؤ حاکم گتی کو بھی طلب کیا۔

ترمک راؤ کی فوج کشی

ترمک راؤ سامان رسد وغیرہ کا انتظام کر کے اپنی ٹڈی دل فوجوں کے ساتھ سرنگا پٹم پر بڑھا۔ یہ حملے کچھ اس غضب کے تھے۔ کہ حیدری فوج جو راستوں میں قلعوں پر تھی۔ کچھ بھی نہ کر سکی۔ اس لشکر عظیم کا جس طرف سے گذر ہوتا تھا۔ وہاں کی تمام کھیتیاں پامال کر دی جاتی تھیں بلکہ مرہٹوں نے دیہاتیوں کے جھونپڑوں کی خشک گھانس تک کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس طرح مرہٹی فوج کا یہ طوفان بڑھتا ہوا سرنگا پٹم کے قریب پہونچ گیا۔ نواب حیدر علی سرنگا پٹم کی مدافعت کیلئے تھوڑی سی فوج چھوڑ کر چن پٹن کی راہ سے ماگڑی کے جنگل میں آئے۔ کہ جب مرہٹے دار الحکومت کا محاصرہ کریں تو پشت پر سے ان پر حملہ کیا جائے۔ مگر ترمک راؤ بھی نواب کی اس حرکت سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ وہ سرنگا پٹم کو چھوڑ کر حیدر علی کے تعاقب میں میرن کٹہ پہنچا۔ اور آتے ہی اس پہاڑی کا محاصرہ کر لیا۔ چند دن روزانہ معمولی لڑائیوں میں گذرے۔ جس میں حیدر علی کی فوج شبخون مارتی تھی، ان شبخونوں سے تنگ آکر ترمک راؤ نے فیصلہ کن جنگ کیلئے میرن کٹہ کی پہاڑی کا ایک سخت اور تنگ محاصرہ کر لیا۔ جس کے باعث حیدری فوج کو رسد ملنا بند ہو گئی۔

حیدر علی کی پسپائی

جب حالت یہاں تک پہونچی تو حیدر علی سرنگا پٹم کو واپس ہونے کے خیال سے اپنا توپخانہ لیکر اندھیری رات میں نکلے۔ بارش کی وجہ سے راستے بالکل خراب ہو چکے تھے۔ اس لئے مشکل سے تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ رات آخر ہو گئی۔ اور اتفاق سے ایک توپ چل گئی۔ جس سے مرہٹی فوج حیدر علی کی فراری سے خبردار ہو گئی۔ ترمک راؤ نے فوراً ایک زبردست فوج روانہ کی کہ حیدر علی کو روک لیا جائے۔ مرہٹی فوج نے پیچھے سے سخت حملہ کرنا شروع کر دیا۔ گولے اور گولیاں برس رہی تھیں۔ مگر حیدر علی آگے ہی بڑھ رہے تھے۔ جب موتی تالاب پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ سامنے سے راستہ بند ہے۔ اور مرہٹے تالاب کے بند پر آٹھ توپیں رکھے ہوئے گولے برسا رہے تھے اب نہ آگے بڑھنے کا راستہ تھا۔ اور نہ پیچھے جانے کا۔ اس وقت اپنی خدا داد جرأت سے کام لیکر حیدر علی نے ایک منتخب دستہ کے ساتھ موتی تالاب کے بند پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ مرہٹے توپیں اور سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ یہاں حیدر علی نے تھوڑا توقف کر کے اپنی منتشر فوج کو جمع کیا۔ اور چونکہ رات سے تمام فوج اور خود انہوں نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس لئے یہاں ناشتہ کیا گیا۔ چند سرداروں نے مشورہ دیا کہ آج کی شب یہیں قیام کیا جائے۔ مگر نواب نے کوچ کا حکم دیدیا۔ فوج اگرچہ بالکل تھک گئی تھی۔ مگر نواب کے ہمراہ چل پڑی اس عرصہ میں یکایک مرہٹوں کی بڑی توپیں آگئیں۔ اور مرہٹوں نے ان سے نہایت شدت سے گولے برسانا شروع کیا۔ اتفاقاً ایک گولہ حیدر علی کے اس اونٹ پر پڑا جس پر بان لدے ہوئے تھے۔ بانوں میں آگ لگ گئی۔ اور یہ آگ ایک اونٹ سے دوسرے اونٹوں پر پھیل گئی۔ جس کے باعث خود حیدری فوج میں انتشار پھیل گیا۔ اس سے بڑھکر اور مصیبت یہ پیش آئی کہ بانوں کے اڑنے سے بارود کی گاڑیوں میں آگ لگ گئی۔ بارود

اور گولے اڑھنے شروع ہو گئے۔ جس کے باعث صدہا سپاہی جلکر مر گئے اور اس قدر دھواں
چھا گیا تھا کہ فوج بالکل پریشان ہو گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹی سواروں نے حملہ کر دیا
اور حیدری فوج کے قلب میں آ گھسے۔

اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں حیدری فوج کا اپنا بچاؤ مشکل ہو گیا۔ لالہ
میاں جو نواب حیدر علی کے بھائی شہباز کے داماد تھے شہید ہو گئے۔ میر علی رضا خاں اور اسد
علی زماں خاں سرداران فوج زخمی ہو کر گرفتار ہو گئے۔ مرہٹے حیدر علی کو گرفتار کرنے کے
لئے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ ایک جانب حیدر علی کا سپہ سالار یاسین خاں (جو ونہی گڈریے
یاسین خاں کے نام سے مشہور ہے) لڑ رہا تھا۔ یہ بھی زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ چونکہ اس کی
شکل و شباہت حیدر علی سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ مرہٹوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟
یاسین خاں نہایت ہشیار تھا۔ سمجھ گیا کہ مرہٹوں کا مقصد کیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو
حیدر علی ظاہر کیا۔ جس پر اس کو مرہٹوں نے نہایت ہی احترام و اعزاز کے ساتھ تریمبک راؤ
کے پاس بھیج دیا۔

نواب حیدر علی نے دیکھا کہ قسمت پلٹ چکی ہے۔ فوج منتشر ہو چکی ہے۔ سرداران
فوج میں سے کسی کا پتہ نہیں۔ اور آپ اکیلے رہ گئے ہیں۔ دھوئیں کی کثرت اور اس قیامت
خیز ہنگامہ میں کسی کا ملنا بھی دشوار ہے تو تن تنہا فرار ہوئے۔ اور جب تک سرنگا پٹم نہیں
پہونچ گئے۔ دم نہیں لیا۔ سرنگا پٹم میں پہونچکر درگاہ قادر ولی میں ٹھہرے۔ اور بارگاہِ
خداوندی میں اپنی فوج اور اپنے فرزند ٹیپو سلطان کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔
اسلئے کہ شہزادہ میدان جنگ میں دھوئیں کی کثرت سے کہیں نظر نہیں آیا تھا غروب آفتاب کے
قریب شہزادہ ٹیپو سلطان بھی دو تین سواروں کے ساتھ مرہٹی لباس میں سرنگا پٹم میں آئے



نواب حیدر علیؒ

دریا دولت باغ کی تصویر ہے جس میں جلوس بتلایا گیا ہے۔

درگاہ پر آ پہنچا ۔ بیٹے کو دیکھکر نواب بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوئے ۔ اور انہیں ہمراہ لیکر سرنگا پٹم داخل ہوئے ۔

ادہر میدانِ جنگ میں محمد علی کمیدان نے جب دیکھا کہ نواب کا پتہ نہیں ہے تو جو کچھ سپاہی مل سکتے تھے ۔ لیکر ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور مرہٹی فوج کو آگے بڑھنے سے شام تک روکے رکھا ۔ مرہٹوں کی زبردست فوج کے آگے محمد علی کی مدافعت بہت [illegible] بڑھکر کام نہ دے سکی ۔ شام کے قریب مرہٹوں نے اس پہاڑی کو بھی فتح کرلیا اور محمد علی کمیدان گرفتار ہو کر ترمک راؤ کے سامنے لایا گیا ۔ جہاں ترمک راؤ نے اسکی بہادری کو دیکھتے ہوئے پیشوائے پونا کی ملازمت پیش کی ۔ کمیدان محمد علی مصلحتِ وقت سمجھ کر فوراً راضی ہوگیا ۔ اور اپنے اہل و عیال کو سرنگا پٹم سے لیکر آنے کی اجازت چاہی جس کی ترمک راؤ نے منظوری دیدی ۔

دن ختم ہو کر رات آچکی تھی ۔ مرہٹوں نے اسی میدان میں کیمپ قایم کر دیا ۔ جو سرنگا پٹم سے صرف پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا ۔ انہیں یقین تھا کہ مرہٹی فوج کے پہونچتے ہی قلعہ دار سرنگا پٹم کا قلعہ حوالے کردے گا ۔ ان کے خیال میں نواب حیدر علی ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے ۔ اس لئے مرہٹوں نے یہاں چند دن آرام لینے کے خیال سے توقف کیا ۔

محمد علی کمیدان کا کارنامہ

دوسرے دن کمیدان محمد علی نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ جنہیں مرہٹوں نے نہتا کر دیا تھا لیکر اپنے اہل و عیال کو لانے کے بہانے سے باہر نکلا ۔ اور جب زیادہ رات آگئی تو راستے میں ہی اس مقام پر ٹھہرا ۔ جہاں مرہٹوں کا ہراولی دستہ اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کیمپ

ڈالے ہوئے تھا۔ محمد علی نے ٹھہرنے کی اجازت چاہی۔ رات ہونے کی وجہ سے مرہٹوں نے اجازت دیدی۔ جب رات بہت زیادہ آئی اور مرہٹے غافل ہوکر سو گئے۔ تو محمد علی نے اپنے نہتے سپاہیوں سے انکی چند بندوقوں اور تلواروں پر قبضہ کرکے مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ اور تمام کو قتل کرکے انکے تمام ہتھیار و سامان لیکر سرنگا پٹم جا پہنچا۔ اور نواب حیدر علی سے مل گیا۔

ترمک راؤ کو جب محمد علی کی خبر پہونچی تو اس نے حیدر علی کے دوسرے سرداروں سے جو اس کی اسیری میں تھے۔ سختی سے پیش آیا۔ اور انہیں پونا روانہ کردیا گیا۔ اور اسی شام کو یٰسین خاں کے خیمے میں پہونچکر جس کو وہ نواب سمجھے ہوئے تھا بہت کچھ تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہا کہ میدان جنگ میں فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے آپ صبر کرتے ہوئے اپنے پردہ نشینان حرم اور شاہزادوں کو بلا لیجئے۔ کہ پونا پہونچکر جس طرح پیشوا کی رائے ہو عمل کیا جائے۔ یاسین خاں بھی غضب کا چلتا پرزہ تھا۔ ترمک راؤ کی باتوں کا کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ ترمک راؤ بھی مقتضائے وقت کے لحاظ سے خاموش ہو رہا۔

نواب حیدر علی کا دوبارہ فوج جمع کرنا

نواب حیدر علی نے سرنگا پٹم پہنچکر اپنے آنے کی خبر بالکل پوشیدہ رکھی۔ سوائے چند سرداروں کے کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ نواب سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ یہاں پھر نواب حیدر علی نے فوج جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور اس قدر روپیہ دینے لگے کہ چند ہی دن میں کافی فوج جمع ہو گئی۔

محاصرۂ سرنگا پٹم

باوجود سخت رازداری کے آخر یہ خبر پھیل کر رہی کہ نواب حیدر علی سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ اور پھر فوج جمع کر رہے ہیں۔ ترمک راؤ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے نواب حیدر علی کے دھوکے

ہیں یاسین خاں کو قید کر رکھا ہے ۔ اور یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے سرنگا پٹم پر چڑھائی نہ کر کے ایک سنگین غلطی کی تھی ۔ مگر اب سوائے سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کے دوسرا گذر نہیں تھا ۔ اس لئے اس نے فوج کو محاصرہ کرنیکا حکم دیدیا ۔ ادھر نواب حیدر علی نے ہر نئے بھرتی ہونیوالے سپاہی کو اس قدر تنخواہ دینا شروع کیا کہ ترمک راؤ کی فوج سے کئی سردار و سپاہی حیدری فوج میں آ آ کر ملنے لگے ۔ اور چند ہی دن میں نواب حیدر علی کے پاس بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے جمع ہو گئے ۔ اور اب نواب حیدر علی نے کھلے میدان میں ترمک راؤ سے مقابلہ کی ٹھان لی ۔ اسوقت مرہٹے کوہ کری گٹ پر قابض ہو کر قلعہ پر گولہ باری کرتے تھے ۔ جس سے حیدری فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا ۔

جب محمد علی کمیدان کو نواب کا ارادہ معلوم ہوا تو اس نے نواب سے اجازت چاہی کہ پہلے اس کو ترمک راؤ سے نبرد آزمائی کرنیکی اجازت دی جائے ۔ نواب نے یہ بات منظور کر لی ۔ محمد علی کمیدان اپنی چیدہ سپاہ کو مرہٹی لباس پہنا کر نکلا اور کوہ کری گٹہ کے پیچھے گھنے جنگل سے پہاڑ پر آیا ۔ اور یہاں پہلے مورچہ پر اطلاع دی کہ ترمک راؤ نے مقیم فوج کے عوض دوسری فوج روانہ کی ہے ۔ جس کو سن کر مورچہ والوں نے اس کو جگہ دیدی ۔ مورچہ پر قبضہ ہوتے ہی باقی کارروائی آسان تھی ۔ حیدری فوج بے خبر مرہٹوں پر تلواریں لیکر گری اور تھوڑے ہی عرصہ میں کری گٹہ ہاتھ آ گیا ۔ مگر غنیم کی بے شمار فوج کو دیکھتے ہوئے یہاں پر ٹھہرنا ناممکن تھا ۔ محمد علی نے رات ہی رات چھوٹی توپیں سرنگا پٹم روانہ کر دیں ۔ اور بڑی توپیں بیکار کر دی گئیں ۔ اور مورچہ بھی توڑ دیا گیا ۔ صبح ہونیسے پہلے کری گٹ خالی کر کے محمد علی کمیدان سرنگا پٹم واپس آ گیا ۔

ترمک راؤ کو جب کری گٹہ کی خبر پہنچی تو اس نے پنڈاری سواروں کو حکم دیا کہ نواح

سرنگاپٹم کو لوٹ کر اس طرح ویران کر دیں کہ حیدر علی تک رسد بالکل نہ پہونچ سکے۔

اتفاقاً دو دن بعد ہندوؤں کی عید آ گئی۔ اور تمام مرہٹے اس دن غسل کر کے عید منانے میں مصروف ہو گئے۔ سپہ سالار ترمک راؤ بھی اتصال دوآبہ کاویری پر غسل کرنے کو سعادت سمجھکر فوج کے ساتھ پہونچا۔

ترمک راؤ کی فراری

نواب حیدر علی نے پہلے ہی سے یہاں ایک کمینگاہ تیار کر رکھی تھی۔ اور فوج لیکر مرہٹوں کے منتظر تھے۔ دوسری طرف ایک خشک نالہ میں شاہزادہ ٹیپو سلطان اپنی فوج کے ساتھ رات ہی سے بیٹھ گیا تھا۔ محمد علی کمیدان اور غازی خاں سردار پنڈارہ کو حکم تھا کہ جب ترمک راؤ اتصال دوآبہ پر پہنچے تو حملہ کر دیں۔

نوٹ :۔ اس زمانے میں پنڈارے کثرت سے ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ ہر حاکم کے پاس انکی ایک بے قاعدہ فوج ہوتی تھی۔ پنڈارے لوٹ مار میں مشہور ہیں اس لئے جب کبھی جنگ ہوتی تو روپیہ دیکر ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں"

ترمک راؤ جو اس حال سے بے خبر تھا آ کر غسل کرنے میں مصروف ہوا۔ اور اسکی فوج پیچھے پہرہ پر متعین تھی کہ اتنے میں محمد علی کمیدان نے اس پر حملہ کر دیا۔ مرہٹوں کی ایک دوسری بڑی جمعیت بطور حفظِ ماتقدم اور پیچھے تھی۔ بندوقوں کی آواز سن کر وہ آگے بڑھے۔ مگر غازی خاں کی پنڈارہ فوج نے راستہ ہی میں اس کو روک لیا۔ مرہٹی فوج نے غازی خاں کے ساتھ صرف سو سواروں کو دیکھکر اسپر حملہ کر دیا اور پنڈارے اس طرح بھاگے کہ انہیں حقیقت میں شکست ہو گئی ہے۔ اس تھوڑی سی فوج کے تعاقب میں مرہٹی فوج یہاں تک آگے بڑھی۔ جہاں ٹیپو سلطان کی کمینگاہ تھی۔ مرہٹی فوج کا یہاں تک پہنچنا ہی تھا کہ

ٹیپو سلطان نے اپنی کمینگاہ سے نکلکر ایک ایسا سخت حملہ کیا۔ کہ مرہٹی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مرہٹوں کی بڑی جمعیت جب اس طرح سے دور ہو گئی۔ تو محمد علی کمیدان نے ترمک راؤ کے خاص باڈی گارڈ پر حملہ کر دیا۔ اور دوسری طرف نواب حیدر علی اپنی کمینگاہ سے نکلے اس فوج کو دیکھتے ہی مرہٹوں میں پریشانی پھیل گئی۔ اور انہوں نے فرار ہونا شروع کر دیا۔ عین اس موقع پر حیدری فوج نے گولے برسانا شروع کئے۔ جس سے مرہٹوں کے نشان اور نقاروں کے ہاتھی مارے گئے۔ ترمک راؤ اس حال کو دیکھکر دریا سے نکلا۔ اور اسی طرح بھیگی دھوتی سے جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے بھاگا۔ تمام فوج تتر بتر ہو چکی تھی۔ حیدری پنڈارے اور ٹیپو سلطان کی فوجیں کیمپ لوٹ رہی تھیں۔ ترمک راؤ نے موتی تالاب پر جو سرنگاپٹم سے تیس میل دور ہے۔ جا کر دم لیا۔ یہاں پھر اپنی پریشان فوج کو جمع کرنے لگا۔ حیدری فوج کے ہاتھوں کئی ہزار سپاہی مارے گئے۔ اور سات ہزار سپاہی اسیر ہو چکے تھے۔ اب ترمک راؤ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ پھر سرنگاپٹم پر بڑھے۔ اس لئے اس نے اپنی فوج کو پائین گھاٹ و بالا گھاٹ پر بڑھا دیا۔ کہ ان پر قبضہ کر لے۔ تاکہ رسد نہ ملنے کی وجہ سے خود نواب عاجز آ جائے۔ یہاں مرہٹے ملک کو کچھ اس طرح ویران کرنے لگے۔ کہ گھانس تک بھی باقی نہ چھوڑی۔ مگر حیدری فوج کے دستے بھی ساتھ ساتھ تھے۔ اور جب کبھی موقع پاتے شبخون مارتے تھے۔

پائین گھاٹ پر مرہٹی حملے

ترمک راؤ کے رخصت ہوتے ہی نواب نے شہزادہ ٹیپو سلطان اور کمیدان محمد علی کو پائین گھاٹ کی طرف روانہ کیا۔ اور یہاں ٹیپو سلطان نے رائے کوٹہ میں کیامپ قایم کیا۔ اور کمیدان محمد علی کشنگری میں مقیم ہوا۔ محمد علی کو خبر ملی کہ ترمک راؤ کا خزانہ کنکندری کی راہ سے

جارہا ہے۔ محمد علی رات کے وقت کشنگری سے نکلکر کوہ ماٹ کے دامن میں چھپ گیا۔ جب مرہٹوں کا خزانہ میدان سے نکلکر درۂ کوہ میں داخل ہوا تو محمد علی کمیدان نے ان پر حملہ کیا۔ مرہٹے اس اچانک حملے سے بھاگ نکلے۔ کیئے ایک قتل ہوگئے۔ اور تمام نقد و جنس محمد علی کے ہاتھ آئی۔ جس کو لیکر محمد علی کشنگری پہنچ گیا۔ جب یہ خبر ترمک راؤ کو معلوم ہوی۔ تو اس نے اپنا کیمپ تپور گھاٹ سے اٹھاکر قصبہ اوتا لیگری میں قایم کیا۔ دوسرے دن محمد علی نے ٹیپو سلطان کو اطلاع دی کہ مرہٹی فوج اوتا لیگری سے دھرمپوری پر حملہ کرنے والی ہے۔ ٹیپو سلطان اپنی فوج لیکر دھرمپوری طرف بڑھے۔ دیکھا کہ مرہٹے دھرمپوری کے اطراف میں لوٹ کرکے گھوڑوں پر سامان لادرہے ہیں۔ ٹیپو سلطان نے بھی مرہٹوں کو دھوکہ دینے کے خیال سے مرہٹی لباس میں خود بھی ایک طرف لوٹنا شروع کیا۔ اور جب سب سامان گھوڑوں اور بیلوں پر لد چکا تو مرہٹے اوتا لیگری واپس ہوے۔ یہاں راستے میں ٹیپو سلطان کی فوج کا ایک حصہ کمینگاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جنہوں نے مرہٹوں پر حملہ کردیا۔ اور خود مرہٹی فوج کے اندر تلوار چلنا شروع ہوگئی۔ ٹیپو سلطان کی فوج مرہٹی لباس پہنے ہوئے ان میں ملی ہوئی تھی۔ اب تو مرہٹوں کو سوائے فرار ہونے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لوٹ میں ٹیپو سلطان کے ہاتھ چار ہزار گھوڑے، صدہا بیل اونٹ اور بیس ہاتھی ہاتھ لگے۔ ترمک راؤ ان پے درپے حملوں سے حواس باختہ ہوگیا۔ اوتا لیگری سے کیمپ اٹھاکر کاویری پٹن پہنچا۔ ٹیپو سلطان نے کوہ کنگن گڈھ میں کیامپ قایم کیا۔ اور محمد علی کمیدان کی فوج خانخان ہلی کے قلعہ کو روانہ ہوگئی۔

مرہٹے کاویری پٹن میں چند دن قیام کرکے خانخانہلی پر حملہ آور ہوے۔ یہاں محمد علی کمیدان کی فوج قلعہ گیر تھی۔ ترمک راؤ نے ایک فوجی دستہ بھیجکر قلعہ کا محاصرہ

کرلیا۔ خانخاہلی میں محمد علی نے رات کا وقت قلعہ کی دیوار پراپنی فوج کے کپڑے لکڑیوں پر لگا دئیے۔ اور قلعہ کے اندر آگ سلگا دی۔ جس سے مرہٹی فوج کو اطمینان ہوگیا کہ حیدری فوج قلعہ میں رہیگی۔ مگر جب نصف شب گذری تو اپنی فوج کو صحیح وسالم قلعہ کے پیچھے گھنے جنگل سے اتار کرلے گیا۔ صبح کو جب مرہٹے قلعہ پر حملہ آور ہوئے تو قلعہ خالی تھا۔

ترمک راؤ نے میل کوٹہ میں کیامپ قایم کیا۔ اس کیلئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی۔ کہ اسکی کثیر فوج کو ملک کی تباہی و ویرانی کے باعث سامان ورسد نہیں مل سکتا تھا۔ گھوڑوں اور بیلوں کو گھانس ملنا بھی دشوار تھی۔ اور اسکے ساتھ ساتھ ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان کے شبخون نے مرہٹوں کا قافیہ تنگ کردیا تھا۔ مگر فوج کی کثرت کی وجہ سے انہیں ان نقصانات کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا۔ ترمک راؤ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح حیدرعلی سے کھلے میدان میں مقابلہ ہوجائے۔ اور ادھر حیدرعلی کو معلوم تھا کہ اس کثیر فوج سے جم کر مقابلہ کرنا کس حد تک خطرناک ہے۔ لہذا انکی فوج یا تو دن کو چھپکر حملہ کرتی تھی یا رات کو شبخون مارتی تھی۔

جس وقت ترمک راؤ نے میل کوٹہ میں کیمپ قایم کیا۔ تو حیدرعلی نے صلح کی درخواست بھیجی۔ مگر مرہٹی سپہ سالار نے اس بناء پر انکار کردیا کہ جب تک حیدرعلی کامل طور پر اطاعت نہ کرلیں۔ صلح نہیں ہوسکتی۔ لہذا حیدرعلی کے سفیر واپس ہوگئے۔ ترمک راؤ کسی طرح حیدرعلی کو کھلے میدان میں مقابلہ کیلئے لانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے تجویز کی کہ بدنور پر قبضہ کرلیا جائے۔ اس لئے مرہٹی فوج بدنور پر بڑھی۔ اور ادھر نواب نے بھی محمد علی کمیدان کو چھ ہزار بندوقچی اور بارہ ہزار سوار اور ایک زبردست توپ خانہ دیکر مرہٹوں پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ محمد علی کی فوج کورگ کے جنگلوں سے بدنور کی طرف بڑھی۔ مگر جنگلات گھنے

ہونے کا باعث توپ خانہ کا لیجانا مشکل تھا۔ اس بھاری توپ خانہ کو واپس کر دیا گیا۔ ترمک راؤ کو جب محمد علی کمیدان کی خبر پہنچی تو اس نے ایک زبردست فوجی دستہ کو اسکی طرف روانہ کیا۔ اور انعام بھی مشتہر کر دیا کہ کسی طرح یا تو محمد علی کو زندہ پکڑ لائیں۔ یا اسکا سر لائیں۔ اتفاق سے دونوں فوجوں کا مقابلہ ایک کھلے میدان میں ہوگیا۔ جہاں دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے دن مرہٹوں نے ترمک راؤ سے مدد مانگی۔ جس پر ترمک راؤ خود توپخانہ لیکر میدان میں آپہنچا۔ یہاں حیدری فوجوں نے مرہٹی مقتولین کو جمع کرکے حفاظت کے لئے دمدمہ تیار کیا۔ اور اسی کی پناہ لیکر بندوقیں چلاتے رہے۔ اپنے مقتولین کی یہ حالت دیکھکر مرہٹی فوج میں ایک قسم کی سراسیمگی چھاگئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ترمک راؤ کو اور بھی طیش آگیا۔ شام تک معمولی لڑائی ہوتی رہی۔ اور اس عرصہ میں ترمک راؤ کا توپ خانہ میدان جنگ میں مناسب مقامات پر جما دیا گیا۔ جب شب ہوی اور لڑائی تھم گئی تو محمد علی اپنے زخمیوں کو بھی میدان جنگ میں چھوڑکر جنوب کی طرف چل نکلا۔ مگر زخمیوں سے یہ کہہ کر گیا۔ کہ مقام استارہ پر پہونچکر ان کیلئے ڈولیاں بھیجی جائیں گی۔ صبح کو جب مرہٹوں نے دیکھا تو میدان خالی تھا۔ زخمیوں سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محمد علی استارہ کو چلا گیا ہے۔ مرہٹے بھی شمال کی طرف استارہ پر بڑھے۔ یہاں محمد علی کا پتہ نہیں تھا۔ ترمک راؤ اور اسکی فوج کا بڑا حصہ رائے پٹن کی ندی کے کنارے تھا۔ جس پر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے صحرائے ماگڑی درگ سے نکل کر شبخون مارا۔ جس میں بہت سا سامان حیدری فوج کے ہاتھ آیا۔

ترمک راؤ نے محمد علی کے نہ ملنے سے مایوس ہوکر اپنی فوج کو اور آگے بڑھایا۔ اور ادہر نواب حیدر علی بھی فوج لیکر ماگڑی درگ کے گھنے جنگلوں میں محمد علی اور ٹیپو سلطان کی

فوجوں سے آکر مل گئے۔ اور ایک زبردست شبخون مارنے کا انتظام کرنے لگے۔ نواب حیدر علی کی خوش قسمتی سے یہ موقع بہت جلد حاصل ہو گیا۔ مرہٹوں کی تمام فوج ایک گھنے جنگل کے کنارے کیمپ ڈالے ہوئے پڑی تھی۔

مرہٹی فوج پر شبخون

نواب حیدر علی نے ان تمام بیلوں کو جو ترمک راؤ کی فوج سے ملے تھے۔ جمع کیا۔ اور اطراف واکناف سے بھی قریب دس ہزار بیل جمع کیے گئے اور ان تمام بیلوں کی سینگوں پر کپڑے لپیٹ کر انہیں تیل سے تر کر دیا گیا۔ جس وقت رات بہت زیادہ آئی تو حیدری فوج نے چاروں طرف سے ترمک راؤ کی کیمپ کا محاصرہ کرتے ہوئے بیلوں کی سینگوں کو آگ لگا کر کیمپ کی طرف ہانک دیا۔ مرہٹی فوج جاگ اٹھی اور جب خیموں سے باہر نکلی تو دیکھا کہ تمام جنگل چراغاں بنا ہوا ہے۔ اور ہر طرف چراغ نظر آرہے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی زبردست فوج حملہ کرنے کیلئے آگئی ہے۔ وہ ابھی تیاری میں ہی تھے کہ بیل آگ کی گرمی سے پریشان ہو کر ہر چہار طرف دوڑنے لگے۔ جسکی وجہ سے مرہٹوں کے خیموں میں آگ لگ گئی۔ اور خود انکی سواری اور باربرداری کے جانور گھبرا کر رسیاں تڑا کر بھاگ نکلے۔ اور دوسری طرف اطراف سے حیدری فوج جنگل میں چھپی ہوئی گولیاں برسا رہی تھی۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ تھا جس کو فرو کرنے سے مرہٹے عاجز تھے۔ اگر غنیم کی فوج انکے آگے آجاتی تو وہ اور بات تھی۔ مگر یہاں غنیم کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اندھیری رات تھی اور کیمپ جل رہا تھا۔ اور خود انہیں کے بیل، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ ہر چہار طرف دوڑ دوڑ کر قیامت برپا کر رہے تھے۔ اس حالت میں محمد علی کمیدان کی فوج نے گولے اور بان برسانا شروع کر دیئے۔ مرہٹوں کو اب سوائے فرار ہونے کے اور دوسری راہ نظر نہیں آئی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کسطرف جائیں

ہر شخص جدھر راستہ نظر آیا۔ بھاگنا شروع کردیا۔ توپیں لیجانے کیلئے بار برداری کے جانور ہی نہیں تھے۔ اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں ترمک راؤ اور دوسرے مرہٹہ سردار بھی جان بچاکر بھاگ نکلے۔ اسوقت حیدری فوج کے پنڈاروں نے کیمپ لوٹنا شروع کردیا تھا۔ اور انکے ساتھ خود مرہٹی فوج کے پنڈارے بھی شامل ہو گئے۔ دوست دشمن کی تمیز اڑ گئی۔ اور آپس میں تلوار چلنے لگی۔ ترمک راؤ فرار ہوا۔ اور جب صبح کو اس میدان سے ہٹ کر دس میل دور قیام کیا۔ تو اسکے پاس سوائے چند ہزار سپاہیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اب اس نے یہاں پھر اپنی فوج کو جمانا شروع کیا۔ اور پونہ سے امداد کا طالب ہوا۔

نواب حیدر علی کا نیرِ اقبال زوروں پر تھا۔ پونا میں پیشوا مادھوراؤ کا انتقال ہو گیا اور تخت نشینی کیلئے نارائن راؤ اور رگھوبا میں کشمکش شروع ہو گئی تھی اس موقع سے حیدر علی نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور ایک سفیر کو ترمک راؤ کے پاس بھیجدیا کہ صلح کرلیجائے۔ ترمک راؤ بھی پونا کی حالت کو دیکھتے ہوئے اور اپنی موجودہ کمزوری کا احساس کرتے ہوئے فوراً صلح پر راضی ہو گیا۔ اور مطالبہ کیا کہ حیدر علی اخراجاتِ جنگ ادا کریں۔ مگر یہاں حیدر علی نے ملک کی تباہی و بربادی کا حوالہ دیتے ہوئے انکار کردیا۔ آخر بہت سے رد و قدح کے بعد چھتیس ۳۶ لاکھ روپیہ پر معاملہ طے ہو گیا۔ اور ترمک راؤ پونا واپس چلا گیا۔ اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہوا اس جنگ کا آغاز ۱۷۷۰ء سے شروع ہوا تھا۔ اور اور ۱۷۷۲ء میں خاتمہ ہوا۔

مرہٹوں کی مذکورۂ بالا جنگ کے متعلق بہادر نامے میں لکھا ہے:۔

"کروں کیا بیاں ماجرائے ستیز — کہ برپا تھی اس جا پہ اک رستخیز
سر و حلقِ مردانِ جنگ آزما — نثارِ دمِ خنجر و تیغ تھا

رواں خوں تھا مانند دریائے آب — سرِ پہلواناں تھے مثلِ حباب
جوانمرد جتنے تھے اس فوج کے — سبھی دفعتہً واں پہ مارے گئے
ہوئے کشتہ اعدا بہت وقتِ جنگ — زمیں خوں سے یکسر ہوئی لالہ رنگ
کوئی لوٹتا تھا پڑا خاک پر — کوئی کھا کے نیزہ گرا آہ کر
ہوئے کشتہ کتنے کروں کیا بیاں — سوا لاش کے کچھ نہ واں تھا عیاں

منظفّر ہوئی غازیوں کی سپاہ
ہوئی فوجِ یوناں سراسر تباہ"

مگر سب سے دلچسپ ملّا فیروز کی وہ فارسی نظم ہے۔ جو انہوں نے اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھی ہے۔ ملّا فیروز اپنی تاریخ جارج نامہ یعنے فتوحات برطانیہ انگریزی تاریخوں سے مرتب کی ہے اس کتاب میں انہوں نے اس جنگ کا پورا نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے۔ اس کا اقتباس ناظرین کی دلچسپی کیلئے یہاں دیا جاتا ہے۔

اس وقت جب حیدر علی کو موتی تالاب پر شکست ہوئی۔ اور وہ تن تنہا سرِ ننگا پٹم فرار ہوئے تو حیدر علی کی زبان سے ملّا فیروز لکھتے ہیں:-

اگر سوخت باروت بان و شتر — ازاں جنس دارم بسے قلعہ پر
چو باشد بعالم خدا مہرباں — ندارم غم از سوخت باروت و باں
نباشد اگر خیمہ ام نیست ننگ — بود خیمہ ام آسماں روز جنگ
دگر فرش نبود ازاں ننگ نیست — بمرداں بسیطِ زمیں تنگ نیست
بہ حورِ بہشتی مرا نیست کار — عروسِ ظفر بایدم در کنار

اور پھر جب ٹیپو سلطان اور سردارانِ فوج آکر ملے اور نئی فوج کی بھرتی شروع

کی تو فرماتے ہیں :-

ہمیرانِ من نیک خواہ من اند — ہوا دارِ فرقِ کلاہِ من اند
خزائن بمن دادہ حق بے شمار — بپاسم بفرقِ فلاں وقت کار
چو یکدل شنا بیم در روز جنگ — شود دشمن ما دو دل بے درنگ

فوج اور سرداران لشکر کو نئے حملہ سے پیشتر یوں مخاطب فرماتے ہیں :-

الا اے سوارانِ شمشیر زن — جوانانِ شیر افگن و پیل تن
سواری بر اسپانِ تازی کنید — زفرق عدو گوئے بازی کنید
حرام است آرام در روز جنگ — برآئید از خانہ ہا چوں خدنگ
بفوجِ عدو تیر باراں کنید — ہوا را چو ابرِ بہاراں کنید
بہ پیلاں بہ بندید کوس و درائے — کہ تا گاؤ و ماہی بجنبند زجائے
چو سر بر کشید آفتاب برین — من و ترمک و تیغ میدان کین

پھر خاتمۂ جنگ پر اس طرح فرمایا جاتا ہے :-

"چو بود مرا در خزائن کمی — فراہم بزر می شود آدمی
چناں رخنہ بندیم بر بد سگال — کہ ترمک چو کرمک شود پائمال
چو شمشیر ما برق ریزاں شود — بہ پونا چو دوناں گریزاں شود"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

" پونا میں پیشوا مادھوراؤ کی وفات کے باعث حیدر علی سے ترمک راؤ نے چھتیس لاکھ روپیہ لیکر صلح کرلی۔ اور حیدر علی نے مادھوگری اور گرم کنڈہ کے اضلاع مرہٹوں کو دبا لئے"

فتح کورگ ۱۷۶۲ء

جب مرہٹے پونہ واپس چلا گئے۔ تو نواب حیدر علی کو اپنا خزانہ بھرتی کرنے کیلئے نئے فتوحات کی سوجھی۔ اور نواب کی خوش قسمتی سے ملک کورگ میں تخت کیلئے خانہ جنگی برپا تھی۔ اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ (کورگ موجودہ وقت میں ریاستِ میسور کی مغربی جانب ایک چھوٹا انگریزی صوبہ ہے۔ جس کا رقبہ ۱۵۸۰ مربع میل اور آبادی پچیس ہزار کے قریب ہے) جس میں ایک طرف مرکرے کا راجہ تھا۔ اور دوسری طرف بیل کا راجہ تھا۔ حیدر علی بیل کے علاقے کی طرف بڑھے۔ راجہ نے قلعہ بند ہو کر نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ چند دن بعد اپنے اہل و عیال کو قلعہ سے نکالکر اندرونِ ملک میں کسی مقام کو روانہ کر دیا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ خبر ملی تو ایک فوجی دستہ لیکر جنگل میں راجہ کے خاندان پر حملہ کیا۔ اور اچانک تمام سپاہیوں اور راجہ کی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ اس حال کے معلوم ہوتے ہی بیل کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ نواب حیدر علی قلعہ پر قبضہ کر کے مرکرا پر بڑھے۔ یہاں کے راجہ نے بہت سا مال و زر دیکر نواب کی اطاعت قبول کر لی۔

فتح ملیبار ۱۷۶۳ء

نواب۔ فتح کرگ سے واپس ہو کر ملیبار کی طرف بڑھے۔ جہاں علی راجہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ استقبال کیا۔ ملیبار کے جنوبی حصہ میں اس وقت مختلف راجاؤں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ نواب حیدر علی نے چیرکل پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں راجہ مارا گیا۔ اور اس کا ایک ہفت سالہ فرزند قید ہو گیا۔ جس کو نواب نے مسلمان بنا کر ایاز خاں نام رکھا۔ اور بطور اپنے ایک فرزند کے اس کی پرورش کی۔

نوٹ:۔ آگے چلکر یہی ایاز خاں یہاں کا نواب بنا۔

یہاں کے انتظام سے فارغ ہو کر نواب نے کوچین کی بندرگاہ پر چڑھائی کی۔ کوچین کا راجہ اٹھائیس[۲۸] ہاتھی اور سات لاکھ روپیہ نقد دیکر نواب کا مطیع ہو گیا۔ ان فتوحات سے مغرب میں پورا جنوبی کنارا، ملیبار، کوچین، وائناڈ اور نیلگری نواب کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ اس لئے نواب نے ان تمام علاقوں کو صوبہ کنارا کے نام سے ایک صوبہ بنا کر سردار خاں کو صوبہ دار مقرر کیا۔

واقعاتِ پونا

مادھو راؤ کی وفات کے ساتھ ہی پونا میں واقعات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا اور نارائن راؤ میں پیشوا کے منصب کیلئے کش مکش شروع ہو گئی۔ جس سے مرہٹے مختلف پارٹیوں میں منقسم ہو گئے۔ اور آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ رگھوبا قید کر دیا گیا۔ اور نارائن راؤ پیشوا بنا۔ مگر بعد میں نارائن راؤ سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اور رگھوبا پھر قید سے چھوٹ کر پیشوا بنا۔ مگر مرہٹوں کی ایک جماعت نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کو پیشوا بنانے پر تُلی ہوی تھی۔ اس لئے رگھوبا نے انگریزوں سے سازش شروع کی۔ اور دوسری طرف نارائن راؤ کے بچے کی حمایت پر نانا فرنویس اور دوسرے مرہٹہ سردار تھے۔ مرہٹوں کی اس خانہ جنگی کے اسباب میں انگریزوں کا ہاتھ کس قدر تھا۔ اس کیلئے ایک علیحدہ تفصیل کی ضرورت ہے۔ اور اس کے علاوہ سوانح حیدر علی سے اس کو زیادہ تعلق بھی نہیں۔ بہر طور مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور اس حالت کو دیکھتے ہوئے نواب حیدر علی نے اپنا کھویا ہوا ملک دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

تسخیر بلاری ۱۷۷۴ء

یہ موقع انہیں اس طرح حاصل ہوا کہ بسالت جنگ ناظم ادھونی نے اس وقت بلاری پر حملہ آور

ہوا۔ بلاری کے پالیگار نے حیدرعلی سے امداد طلب کی۔ حیدرعلی اپنی فوج لے کر بلاری کی طرف بڑھے۔ اور بسالت جنگ کی فوج پر جو موسیو ڈی لالی کے زیر کمان تھی اچانک حملہ کردیا جس کی وجہ سے حیدرآبادی فوجوں کو کامل شکست ہوی۔ اور نواب حیدرعلی کا بلاری پر قبضہ ہوگیا۔ اور بلاری کا راجہ بجائے نظام الملک کے نواب حیدرعلی کا خراجگذار بن گیا۔

فتح گتی ۱۷۷۴ء

گتی جنوبی ہندوستان کا ایک مشہور قلعہ ہے۔ جہاں عرصہ دراز سے مرہٹے حکمران ہوتے چلے آئے تھے۔ گتی کے راجہ اس قدر زبردست ثابت ہوئے تھے۔ کہ اطراف واکناف میں انکی ہیبت چھائی ہوی تھی۔ اور آج تک بھی ضلع اننت پور اور بلاری میں راجگان گتی کے کارنامے اور گتی کی عظمت کی داستانیں لوگ ذوق وشوق سے بیان کرتے ہیں۔ نواب حیدرعلی نے بلاری کی فتح سے فارغ ہوکر انتقام لینے کیلئے گتی پر چڑھائی کی۔ کیونکہ یہاں کا راجہ مرار ی راؤ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر میسور پر حملہ آور ہوتا تھا۔ اور انگریزوں سے جو پہلی جنگ ہوی تھی۔ اس میں بھی نواب والا جاہ محمد علی کے ساتھ تھا۔ نواب حیدرعلی نے گتی کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ کی مضبوطی کی وجہ سے محاصرہ نے نہایت طول کھینچا۔ آخرکار جب سخت محاصرہ کی وجہ سے رسد پہنچنا بند ہوگئی۔ اور قلعہ کے اندر تالاب وباؤلیاں سوکھ گئیں۔ تو راجہ نے اطاعت قبول کرلی۔ راجہ اور اس کے عورتوں کو سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔ اور حیدرعلی تمام مضافات گتی پر قابض ہوگئے۔ جن میں کنچی کوٹہ اور بلینی کنڈہ اور سندور شامل ہیں۔ گتی کے فتح ہونے سے گرم کنڈہ کے قلعہ دار نے بھی اپنا قلعہ خود بخود نواب حیدرعلی کے حوالے کردیا۔

تسخیر بلاری سے متاثر ہوکر نظام الملک مرہٹوں سے مل گیا۔ اور ادھر مرہٹوں کو بھی گتی کے ہاتھ سے نکلجانے سے حیدرعلی سے رنجش پیدا ہوگئی تھی۔ پیشوا رگھوبا نے ۱۷۷۶ء سولہ

ہزار کی ایک فوج نظام الملک کی کمک کے لئے بھیجدی۔ نواب حیدر علی نے ان دونوں فوجوں کے ملنے سے پیشتر ہی مرہٹی فوج کو رشوت دیکر ان میں پھوٹ ڈالدی۔ جس کی وجہ سے آپس میں لڑکر وہ واپس ہوگئے۔ حیدر آباد کی جانب سے ابراہیم خاں دہونسہ آیا ہوا تھا۔ جس کی سرکوبی کیلئے نواب نے محمد علی کمیدان کو دہونسہ کے مقابل گھونسہ کا خطاب دیکر بھیجا۔ اور نواب برق سرعت سے راہ طے کرتے ہوئے تیسرے دن اچانک حیدر آبادی فوجوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس جنگ میں گولوں کے عوض بان مارے گئے۔ اور حیدر آبادی فوج پریشان ہوکر بھاگ نکلی۔ اور کہا جاتا ہے کہ دہونسہ برہنہ سر ہوکر فرار ہوگیا۔ اور فرانسیسیوں کے دستۂ فوج میں جاکر پناہ لی۔ مرہٹوں کے چلے جانیسے حیدر آبادی فوجیں بے دل ہوکر گولکنڈہ طرف واپس چلی گئیں۔ نواب حیدر علی انکا تعاقب کرتے ہوئے آدہونی پہنچکر اسکا محاصرہ کرلیا۔ اور اپنے ایک سفیر کو بسالت جنگ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ دارالامارت سرنگاپٹم دور ہونیسے سپاہیوں کی تنخواہ دو مہینوں سے نہیں دیگئی ہے۔ اس لئے ضروری مصارف کیلئے دس لاکھ روپیہ بھیجدیا جائے۔ بسالت جنگ نے اسکو غنیمت جانکر فوراً روپیہ پیش کردیا۔

"ادہونی کے متعلق مقامی روایت ہے کہ نواب حیدر علی نے قلعہ کا محاصرہ کرکے چند گولے قلعہ پر برسائے۔ جس کی وجہ سے بسالت جنگ کی حرم سرا میں تہلکہ پڑگیا تو بسالت جنگ نے خود بخود ایک بڑی رقم نواب حیدر علی کو دیکر آئندہ دوستی کا وعدہ کرکے رخصت کردیا۔"

شہزادوں کی شادیاں ۱۱۷۴ھ

شمالی اضلاع کی فتح سے فارغ ہوکر نواب سرنگاپٹم واپس پہنچے۔ اور انہیں دنوں میں شہزادہ ٹیپو سلطان

کی شادی اپنی مرضی سے امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے، اور خواتین محل کی مرضی کے مطابق رقیہ بانو سے کی۔ رقیہ بانو لالہ میاں شہید چرکولی کی دختر تھیں۔ خواتین محل کو پہلی نسبت اسلئے پسند نہ تھی کہ وہ خاندان کی لڑکی نہ تھی۔ مگر نواب حیدر علی کو اپنی بات قایم رکھنے پر اصرار تھا۔ اگر مقامی روایات پر یقین کیا جائے تو یہ شادی جو امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے ہوی۔ اس قدر دوررس نتائج رکھتی ہے۔ کہ ٹیپو سلطان کے زوال سلطنت میں اسکا بہت بڑا دخل ہے۔ اس رشتہ سے ناراض ہوکر اہل نوائط نے انگریزوں سے سازشیں شروع کردی تھیں۔ نائطہ کو اپنی شرافت و نسب پر حد درجہ غرور تھا۔ اور اس شادی کو وہ اپنی توہین سمجھ رہے تھے۔ اور درپردہ انتقام کی فکر میں تھے۔ ٹیپو سلطان کی شادی کے بعد حیدر علی کی صاحبزادی کا نکاح حافظ سید علی سے ہوا۔ اور شاہباز صاحب کی دولڑکیوں کا نکاح بھی تربیت علی خان نائطہ اور یاسین صاحب سے ہوا۔ ان شادیوں کا جشن سرنگاپٹم میں ایک ماہ تک ہوتا رہا۔

پونا میں پیشوائی کیلئے کش مکش ۱۷۷۴ء

پونا میں واقعات بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے۔ اور حالت یہاں تک پہونچ گئی کہ رگھوبا پونا چھوڑ کر فرار ہوا۔ اور جنوب میں میسور میں آکر حیدر علی سے مدد مانگی اور اس کے عوض وہ تمام علاقہ جو دریائے کرشنا سے جنوب کی طرف جو مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ حیدر علی کو لکھکر دیدیا۔ مگر اس کی فوجوں میں پھوٹ پڑگئی۔ اور ایک کثیر حصہ اس کو چھوڑ کر پونا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے رگھوبا علاقہ میسور چھوڑ کر گجرات کی طرف چلا گیا۔ چونکہ رگھوبا کی کارروائیوں میں انگریزوں کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اس لیئے دوسری طرف نانا فرنویس نے انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کیلئے تمام سرداران

ملک کو مجتمع کرنا شروع کیا۔ اور اس سلسلہ میں نواب حیدر علی کو بھی لکھا کہ انگریزوں پر حملہ کرے۔ مگر حیدر علی نے مقتضائے وقت کے لحاظ سے کچھ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ نواب حیدر علی شروع سے دیکھ رہے تھے کہ کس طرح بے وجہ مرہٹے حملے کر کے میسور کو تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔

بعض ہندو مورخین نواب حیدر علی پر معترض ہیں کہ انہوں نے نانا فرنویس کا وہ راز جو انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے تھا۔ انگریزوں پر ظاہر کر کے اپنے تدبر اور حب الوطنی کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کیا مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۶ء تک مرہٹوں نے میسور پر چار حملے کیئے۔ اور ہر وقت انکی یہی خواہش رہی کہ کسی طرح حیدر علی کو مٹا دیا جائے۔ مادھو راؤ اور ترمک راؤ کے اخیر حملے کچھ اس غضب کے تھے کہ اگر قسمت حیدر علی کا ساتھ نہ دیتی تو انکے مٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ نواب حیدر علی کی درخواست صلح کو بھی مرہٹے ٹھکرا چکے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے حیدر علی نے مرہٹوں کے راز کو انگریزوں پر ان سے دل برداشتہ ہونے کی وجہ سے منکشف کر دیا۔ تو ان پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ حیدر علی نے جو کچھ کیا۔ وہ اقتضائے وقت، نزاکتِ حالات، حفاظتِ خود اختیاری اور مجبوری کی وجہ سے تھا۔

اس کے بعد نواب حیدر علی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی سرکوبی کے لئے نکلے۔ شاہنور کا نواب مرہٹوں سے سازش کر رہا تھا۔ اسلئے نواب حیدر علی نے اس پر چڑھائی کی۔ اور شاہنور کی فوجوں کو شکست دے کر عبدالحکیم خاں کو اسیر کر لیا۔ جس پر اس نے اپنی خاص سواری اور نشان کے ہاتھی و نیز ڈیڑھ لاکھ روپیہ حیدر علی کی نذر کر دیا۔ اور ہمیشہ اطاعت گذار رہنے کا وعدہ کیا مصلحتِ وقت جان کر شہزادہ

کریم شاہ کی شادی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی بیٹی سے کردی گئی۔

اس شادی کے بعد نواب اپنی فوجوں کو سرہٹی، ڈامل اور کوپل کے راستے سے بادامی اور دھاڑواڑ پر بڑھایا۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ افواج میسور خاص مرہٹہ واڑی پر حملہ آور ہوئیں۔

فتح بادامی۔ دھاڑواڑ و دیگر فتوحات ۱۷۷۵ء

بادامی ایک معمولی جنگ کے بعد فتح ہو گیا۔ مگر قلعہ دھاڑواڑ نہایت مضبوط تھا۔ اور اس کی حفاظت پر مرہٹوں کی ایک زبردست فوج متعین تھی۔

فتح دھاڑواڑ کے متعلق سر آلفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو مرہٹی لباس پہنا کر دھاڑواڑ پر روانہ کیا اور قلعہ دار کو ایک جعلی خط بھیجا کہ اسکی کمک کیلئے مرہٹی فوج آرہی ہے۔ چونکہ حیدر علی نواح دھاڑواڑ میں تھے۔ مرہٹی قلعہ دار نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ حیدر علی کی یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی۔ اس وقت قلعہ دھاڑواڑ پر پہنچی۔ جب حیدر علی اپنی فوج کے دوسرے حصہ سے قلعہ پر حملہ کر رہے تھے۔ اب یہ فوج جو مرہٹہ لباس میں پہنچی، تو حیدر علی نے مصنوعی طور پر خالی کارتوس چلانا شروع کر دیئے۔ ادھر تو یہ مصنوعی لڑائی ہونے لگی۔ اور ادھر یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی قلعہ پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔ اور اسی طرح لڑتے ہوئے دروازے پر پہونچ گئی۔ جہاں قلعہ دار نے اپنی ہی مرہٹی فوج سمجھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ یہ فوج قلعہ کے اندر داخل ہو گئی اندر داخل ہونیکے بعد قلعہ پر قبضہ کرنا ایک معمولی بات تھی۔ اس طرح دھاڑواڑ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا"

حیدر علی دھاڑواڑ سے نکلکر آناگندی پر آئے۔ سلطنتِ وجیانگر کے زوال کے بعد وہاں کے راجہ کا خاندان اناگندی میں مقیم تھا۔ اور اس وقت وہاں کا حاکم تمراج نامی راجہ تھا۔ جسکی نسبت مشہور ہے کہ دستور کے موافق کسی کو سلام نہ کرتا تھا۔ راجہ نے ایک لاکھ ہُن (اس تین روپیہ) بطور پیش کش اپنے بیٹے کے ہاتھ سے روانہ کیا۔ اور حاضری سے معافی کا خواستگار ہوا۔ نواب نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ یہاں سے نکلکر نواب حیدر علی کجاپٹن کی راہ سے ہاکل واڑی پہنچے۔ یہاں کا راجہ اپنی سفاہت اور حماقت کے لئے مشہور تھا۔ کئی کوٹھیاں افیون سے بھری پڑی تھیں۔ مگر اس کی حرص کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ

"کاش یہ پہاڑ جو میرے شہر میں ہے۔ افیون کا بن جاتا۔"

کبھی کبھی باغ کی سیر کو نکلتا۔ تو باغ میں اونگھتا ہوا پھرتا۔ اور خادموں سے دریافت کرتا کہ ہم کو محل سے نکلے ہوئے کئی روز ہوئے۔ خدام کہتے کہ آپ جلد چلیں۔ محل نزدیک ہی ہے۔ یہ سن کر ہنستا ہوا جواب دیتا کہ جلد چلنا جانوروں کا کام ہے۔ محل میں رانی کے پاس تو جاتا ہی نہیں تھا۔ رانی کے خدام زبردستی اٹھا کر لیجاتے۔ نواب حیدر علی نے ہاکل واڑی پہونچکر راجہ کو حضوری میں طلب کیا۔ اور اس کے علاقے اور حال کی کیفیت پوچھی۔ اور یہ بھی دریافت کیا۔ کہ آپ مجھے کیا نذر دیں گے۔ راجہ نے جواب دیا کہ آپ کے اقبال سے کئی سو من افیون بھری پڑی ہے۔ اور دودھ پینے کے لئے صدہا گائیں موجود ہیں۔ اور کنیزی کیلئے میری رانی موجود ہے۔ جس کے پاس زیور بھی ہے۔ یہ جواب سنکر نواب مسکرا دیئے۔ اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خلقِ خدا کے محافظ اور ان کے جان و مال کے نگہبان" بعد ازاں وہاں اپنا ناظم مقرر کر دیا اور راجہ کے خرچ کیلئے ایک گاؤں جاگیر دیدی۔

یہاں سے نواب حیدر علی کڑپہ اور کرنول کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں کے نواب

ہمیشہ مرہٹے۔ والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کے ساتھ ملکر ملک پر تاخت کرتے رہتے تھے۔ جب حیدری فوج سواوکڈپہ پہونچی تو حاکم کڈپہ نواب عبدالحلیم خاں نے پانچ لاکھ روپیہ نقد اور دو ہاتھی بطور پیش کش بھیجکر خراج گذار رہنے کا وعدہ کرلیا۔ نواب حیدر علی نے پیش کش قبول کرلی۔ اور بیگن پلی طرف کوچ فرمایا۔ یہاں ایک معمولی مقابلہ ہوا۔ جس میں حیدری افواج غالب آئیں۔ بیگن پلی کے نواب نے سات لاکھ روپیہ پیش کش دیکر اپنی جان بچائی۔ اور خراجگذار رہنے کا بھی وعدہ کیا۔ یہاں سے حیدری افواج کرنول طرف بڑھی۔ نواب کرنول مقابلہ کیلئے آیا۔ اس کے ساتھ ایک پیر مسکین شاہ نامی تھے۔ جنہوں نے اس کو یقین دلایا تھا کہ:۔

"میرے رہتے ہوئے کرنول کی فوج کو شکست نہ ہوگی"

مگر جب مسکین شاہ نے نواب حیدر علی کے جلال و جبروت کو دیکھا تو آپ خود لاپتہ ہوگئے۔ انکے علیحدہ ہوتے ہی نواب منور خاں حاکم کرنول نے پچاس لاکھ روپیہ نقد بطور نذر دے کر خراجگذار اور مطیع رہنے کا اقرار کیا۔

اب نواب حیدر علی کے مقبوضات قلعۂ دھاڑواڑ سے لیکر مشرق میں کرنول تک اور جنوب میں کوچین تک پھیلے ہوئے تھے۔ صرف ایک چتلدرگ کا علاقہ باقی تھا۔ یہاں کا راجہ نہایت زبردست فوج اور قلعے رکھتا تھا۔ نواب حیدر علی پیشتر بھی اس علاقہ کو فتح کرنیکی غرض سے اس پر تاخت کرکے قلعۂ چتلدرگ کا محاصرہ پانچ ماہ تک کرچکے تھے۔ مگر ناکامیاب رہے۔ چتلدرگ کا راجہ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر حیدر علی کا مخالف رہا۔ اسلئے اب حیدری افواج بغرض انتقام چتلدرگ پر بڑھیں۔ یہاں راجہ کی فوج نے ایک ایک قدم پر انکا مقابلہ کیا جس کی وجہ سے نواب حیدر علی کو قلعۂ چتلدرگ تک پہنچنے کیلئے کئی مہینے لگے۔ آخرکار نواب حیدر علی نے چتلدرگ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ چتلدرگ کے اطراف میں گھنا جنگل تھا۔ اور

نواب کو معلوم تھا کہ مدافعت بہت سخت ہو گی۔ اس لئے انہوں نے پہلے جنگل چھانٹنا شروع کر دیا اور توپ خانہ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھا دیا گیا۔ جس سے قلعے پر گولے برسائے جاتے تھے۔ دن بھر میں جتنا نقصان دیوار قلعہ کو پہونچتا تھا۔ اس کو شب میں چیلدرگ والے درست کر لیتے تھے۔ کیونکہ فصیل قلعہ کے اطراف بھی جنگل نہایت گھنا تھا۔ نواب حیدرعلی نے محمد علی کمیدان کو ایک دستۂ فوج دیکر حکم دیا کہ کسی طرح قلعہ کی ایک بازو پر حملہ کر کے قابض ہو جائے۔ کمیدان محمد علی اپنی فوج لیکر رات کا وقت آگے بڑھا۔ رات نہایت اندھیری تھی اپنے نہایت ہوشیاری اور جرأت سے ایک سنگین اور پختہ مکان پر قابض ہو گیا۔ جو دیوارِ قلعہ سے باہر کی طرف تھا۔ اس مکان سے جنگل میں ہر سمت مخفی راہیں گئی ہوئی تھیں۔ دوسرے دن نواب حیدرعلی سات ہزار پیادے اور ایک ہزار سوار لیکر قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اسپر حیدرعلی نے راجہ کو کھلے میدان میں لانے کیلئے محاصرہ اٹھاکر بارہ میل پیچھے ہٹ گئے۔ جب تقدیر یاور ہوتی ہے تو بگڑی ہوئی بھی بنجاتی ہے۔ حیدرعلی کے طالع اقبال سے ایکدن چیلدرگ کے راجہ کے دو سالے قلعہ سے باہر مندر میں پوجا کرنے کیلئے گئے تھے۔ ادھر غمازوں نے راجہ سے کہدیا کہ یہ نواب حیدرعلی کے پاس گئے ہیں۔ راجہ نے فی الفور اپنے خسر کو قتل کر کے اسکا مکان لوٹ لیا۔ ادھر یہ خبر جب راجہ کے سالوں کو پہونچی تو وہ جان کے خوف سے نواب حیدرعلی کے کیمپ میں آگئے۔ اور سارا حال بیان کیا۔ جس پر نواب حیدرعلی نے راجہ ہرپن ہلی کی معرفت سے انہیں بلا کر خلعتِ فاخرہ اور جواہر گراں بہا سے سرفراز فرمایا۔ نیز ان کو جاگیر دینے کا وعدہ فرمایا۔ ان دونوں نے راجہ سے انتقام لینے کی غرض سے حیدری فوج کو ایک تنگ مخفی راستہ پہاڑ کی چوٹی تک دکھلا دیا۔ جہاں سے گولے قلعے کے اندر پہونچ سکتے تھے۔ حیدری فوج نے پہاڑ کی چوٹی پر قابض ہو کر سات دن تک قلعہ پر گولے برسائے۔ جس کی وجہ سے راجہ کی فوج قلعہ

چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ آخر کار جب راجہ نے دیکھا کہ فوج کے اکثر سپاہی بھاگ رہے ہیں۔ اور اکثر وفادار مر چکے ہیں۔ تو وہ نہایت طمطراق سے مسلح ہو کر مقابلہ کیلئے باہر نکلا۔ کیدان محمد علی کی فوج کمینگاہ میں چھپی ہوئی تھی۔ جس نے پیچھے سے حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ راجہ کے گرفتار ہوتے ہی قلعہ پر محمد علی کا قبضہ ہو گیا۔ جس میں راجہ کے حرم سرا اور دوسرے معتمد و متعلقین تھے۔ ان سب کو گرفتار کر کے نواب حیدر علی کے پاس بھیجدیا گیا راجہ اور اس کے خاندان کو ایک زبردست دستہ فوج کی حفاظت میں سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ چیلدرگ کی جنگ میں افواج حیدری نے بڑی تکلیفیں اٹھائی اور جاں توڑ کوششیں کی تھیں۔ اس لئے ہر ایک سپاہی کو معقول انعام دیا گیا۔ اور چیلدرگ کا انتظام دولت خاں کے سپرد ہوا۔ جو نواب حیدر علی کا ایک لے پالک لڑکا تھا۔ اور یہ لڑکا نواب کو ستی منگل میں وزیر نندراج کے یہاں کام کرتا ہوا ملا تھا۔ نواب نے اسکی ہوشیاری و فرزانگی سے خوش ہو کر اس کی پرورش کی تھی۔

فتح چیلدرگ کے متعلق لیون بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"چیلدرگ ناہموار اور ویران کوہستان کے دامن میں کئی میل تک آباد تھا۔ اور جنگلوں کی طولانی قطار سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں کا سردار مرہٹوں سے ملا ہوا تھا۔ حیدر علی جب چیلدرگ پر بڑھے۔ تو اس سردار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر اس کی فوج میں تین ہزار مسلمان بھی تھے۔ جن کو حیدر علی نے اپنی طرف ملا لیا۔ یہ دیکھکر مدکیسری نایک پالیگار (راجہ) نے مجبور ہو کر حیدر علی کے قدموں پر سر رکھدیا۔ حیدر علی نے اس مقام کو لوٹکر راجہ اور اس کے خاندان کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیجدیا۔ اور اس کی قوم کے بیس ہزار باشندے گرفتار کر کے ان کو جبراً مسلمان بنایا گیا۔ ان میں سے لڑکوں کو تربیت دیکر سپاہی بنایا گیا۔ یہ جماعت ٹیپو سلطان کے زمانہ میں بہت

ترقی کر گئی تھی۔ ورنہ یہ فوج چیلوں کی فوج یا فوج مریدان کہلاتی تھی"

تاریخ رولرس آف انڈیا میں بھی اسی روایت کو دھرایا گیا ہے۔

انگریزی مورخین کی یہ فطرت ہے کہ وہ دیسی حکمرانوں کو بدنام کرنے کیلئے ایک نہ ایک الزام تراش لیتے ہیں۔ کسی پر مذہبی دیوانگی اور تعصب کا، کسی پر فضول خرچی و عیاشی کا۔ اور کسی پر ظلم وستم شعاری کا۔ اگر بالفرض نواب حیدر علی اور انکے جانشین فرزند ٹیپو سلطان شہید تلوار کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ایسا کرنے سے انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ اور آج جنوبی ہندوستان میں خصوصاً علاقہ میسور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی کا جو تناسب نظر آتا ہے۔ وہ یہ نہ رہتا۔ آج ریاست میسور کی ساٹھ لاکھ آبادی میں صرف چار لاکھ مسلمان ہیں۔ اگر جبریہ اشاعتِ اسلام ہوتی تو مسلمانوں کی کثرت ہونا لازمی تھا۔ پایہ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور آج بھی یہاں کے کثیر منادر زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ یہاں کے مسلمان حکمران کس قدر بے تعصب، رحمدل اور رعایا پرور تھے۔

تنظیمِ مملکت و فوج

فتح چیلدرگ سے فارغ ہو کر نواب نہایت جاہ و احتشام کے ساتھ سرنگاپٹم واپس آئے۔ اور تنظیم مملکت و فوج پر توجہ کی۔

امتحانِ وفاداری

انتظام مملکت و فوج سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی نے سوچا کہ اپنے امیروں اور دوسرے نوابوں راجاؤں اور پالیگارانِ ماتحت کی وفاداری کا امتحان لیا جائے۔ چند خاص رفقا کے ساتھ نواب حیدر علی سرنگاپٹم سے حیدر نگر کی طرف گئے۔ راستے میں ان رفقا کو بلا کر سمجھا دیا کہ تمام انتظام بطور خود

قایم رکھیں۔ اور ایک فرضی تابوت بناکر سرنگا پٹم روانہ کر دیا۔ اور مشہور کر دیا کہ نواب حیدر علی کا جنازہ جا رہا ہے۔ اس تجویز کے مطابق نواب ایک خیمہ میں خلوت گزین ہوگئے۔ رفقا نے ایک نہایت آراستہ تابوت۔ زرتار دوشالہ ڈالکر زرین شامیانے کے زیر سایہ سرنگا پٹم کو روانہ کیا۔ جنازہ کے سامنے عود وعنبر کی انگیٹھیاں اور آگے پیچھے حفاظ آیات قرانی پڑھتے جاتے تھے۔ بدرقہ کے لئے سپاہی ساتھ تھے۔ جو کہ فی الواقع اپنے آقا کے غم میں سوگوار روتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب اس واقعہ کی خبر مشتہر ہوی تو تمام ملک میں ایک تہلکہ اور طلاطم برپا ہوگیا۔ اور حیدری فوج بوجہ اپنی خاص عقیدت ومحبت کے نہایت غمگیں ہوگئی۔ جس طرح دوستوں کو رنج پہنچا۔ اسی طرح دشمنوں اور منافقوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ چنانچہ نواب عبدالحلیم خاں حاکم کڈپہ نے حیدر علی کے وفات کی خبر سنکر لوگوں میں شیرینی تقسیم کی۔ اور مجلس عیش ترتیب دیکر خوشی کے شادیانے بجائے۔ اور حیدر علی کے پرچہ نویس کو جو بطور رزیڈنٹ کڈپہ میں مقیم تھا۔ شہر بدر کر دیا۔ جب تمام ملک کی حالت معلوم ہوگئی۔ تو نواب حیدر علی نے اپنے خلوت کدہ سے نکلکر ایک بہت بڑا دربار اور جشن شاہانہ منایا۔ اس کے چند دن بعد ایک زبردست فوج اور توپ خانہ لیکر کڈپہ کی جانب کوچ فرمایا۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب عبدالحلیم نے اپنا ایک سفیر بھیجکر معافی کا خواستگار رہا۔ مگر نواب بہادر نے اسکو بے نیل ومرام واپس کر دیا۔

تسخیر کڈپہ ۱۷۷۹ء

اب نواب کڈپہ کو سوائے جنگ کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اپنے دو بھتیجوں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ اس فوج کا کڈپہ سے بارہ میل پر حیدری فوج سے مقابلہ ہوا۔ جو میر علی رضا خان کی کمان میں تھی۔ اس لڑائی میں افغان غالب آگئے۔ جس پر نواب حیدر علی نے اپنی پوری

فوج کے ساتھ رات کو افغانوں پر شبخون مارا۔ پٹھان منتشر ہو کر کڈپہ کی طرف بھاگے۔ نواب حیدر علی نے انکا تعاقب کیا۔ افغانوں نے پھر ایک جگہ مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں حیدری فوج کے دو ہزار آدمی کام آئے۔ حیدر علی نے توپخانہ کو آگے بڑھایا۔ اور قلعہ کی دیوار میں تھوڑے ہی وقت میں رخنے پڑ گئے۔ حیدر علی کے خاص دستۂ باڈی گارڈ نے شہر کڈپہ میں گھس کر افغانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے افغانوں کی وہ فوج جو دوسری طرف نہایت جوانمردی سے لڑ رہی تھی۔ ہتھیار رکھدی۔ شہر کڈپہ مسخر ہو گیا۔ نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے دونوں بھتیجے علیحدہ علیحدہ قید کر دیئے گئے۔ نواب حیدر علی نے حکم دیا کہ تمام افغانوں سے ہتھیار لے لیئے جائیں۔ جس پر بعض افغانوں نے جو نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے بھتیجوں کے ساتھ تھے۔ ہتھیار دینے سے انکار کر دیا۔ اور نواب نے بھی انکی بہادری کی قدر کرتے ہوئے ہتھیار دینے پر مجبور نہ کیا۔ یہ افغان جب آدھی رات گذری تو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مغلوب کر کے قتل کر دیا۔ اور چند افغانی حیدر علی کے خیمے تک جا پہنچے۔ آواز سن کر حیدر علی چونک پڑے اور اپنے بستر پر تکیئے وغیرہ رکھکر اس پر چادر ڈالدی۔ اس طرح کہ کوئی سو رہا ہو۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے۔ اب پورا کیامپ جاگ اٹھا۔ افغان چن چن کر قتل ہونے لگے۔ اس ہنگامہ میں نواب عبدالحلیم خاں سدہوٹ بھاگ گیا۔ نواب حیدر علی نے ایک دستۂ فوج قلعۂ گنجی کوٹہ کو روانہ کیا۔ اور خود سدہوٹ پر بڑھکر اسکا محاصرہ کر لیا۔ میر علی رضا خان نے گنجی کوٹہ فتح کر لیا۔ یہ سن کر حلیم خاں اپنے وکیل محمد غیاث کو حیدر علی کے پاس معافی مانگنے کیلیئے روانہ کیا۔ حیدر علی نے کہا کہ جبتک قلعہ کے تمام سپاہی باہر نہ نکال

دیئے جائیں۔ معافی نہیں مل سکتی ۔ لہذا یہ تمام افغان سپاہی باہر نکال دیئے گئے۔ نواب حیدر علی کی فوج اندر جاکر قلعہ پر قابض ہوگئی۔ عبدالحلیم خاں اپنے دیوان خاص میں مسند امارت پر بیٹھا ہوا تھا۔ حیدری فوج کے چند افسروں نے اندر مسند کے روبرو پالکی لیجاکر رکھدی۔ حلیم خاں سمجھ گیا۔ اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر پالکی میں سوار ہوگیا۔ نواب حیدر علی نے حلیم خاں اور اسکے حرم کو نہایت حفاظت وعزت کے ساتھ سرنگا پٹم بھیجدیا جہاں گنجام میں انکے رہنے کا بندوبست اور انکے مصارف کا خاطر خواہ انتظام کردیا گیا۔ چند دن بعد نواب عبدالحلیم خاں کا انتقال ہوگیا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں الحاق کڈپہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنے نسبتی بھائی میر علی رضا خاں کو نواب کڈپہ کے مطیع کرنے کیلئے روانہ کیا مگر علی رضا خاں مضبوط اور جفاکش افغانوں کو مطیع نہ کرسکا۔ اور مقابلہ نہایت سخت ہوا۔ حیدر علی فوج لیکر کمک کو جا پہنچے۔ کڈپہ کے شمال میں مقام گھوڑ میں افغانوں سے جنگ ہوی۔ افغانوں کو حیدری فوج کثیر نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس لئے وہ اطاعت پر مجبور ہوئے۔ اور حیدر علی نے ان لوگوں کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ جنہوں نے اپنی نمک حلالی کی ضمانت دیدی۔ لیکن ان میں اسی سوار ایسے بھی تھے جو ضمانت نہ دے سکے۔ اور ہتھیار دینے سے بھی انکار کردیا۔ حیدر علی نے بھی انکی جوانمردی کا پاس کرکے ان کو ہتھیار دینے کیلئے مجبور نہ کیا۔ اور وہ ہتھیار سمیت ٹھہرائے گئے۔ مگر افغانوں کی دغابازی مشہور ہے وہ آدھی رات کو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مار کر حیدر علی کے خیمے تک جا پہنچے۔ لیکن آہٹ پاکر حیدر علی چونک پڑے۔ ا۔ اپنے بستر پر تکیے وغیرہ رکھکر ان پہ چادر اڑھادی

گویا کہ حیدر علی بے خبر سو رہے ہیں۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے اتنے میں سب جاگ اٹھے۔ اور ان افغانوں کا قتل شروع ہو گیا۔ اور کچھ گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ اور ہاتھی کے پاؤں سے باندھکر انہیں تمام کیمپ میں گھسیٹا گیا۔ کڈپہ کا نواب سدہوٹ کی طرف بھاگ گیا۔ جو کڈپہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ لیکن چند دن کے بعد جب اسکی جان، ناموس اور عزت کی ضمانت دیدی گئی تو اس نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اس کو سرنگا پٹم بھیجدیا گیا۔ وہاں جاکر اس کی حسین ہمشیرہ سے حیدر علی نے شادی کر لی۔ وہ بخشی بیگم کے نام سے سرفراز ہوئی۔"

انگریزوں کی سازشیں

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ پونا میں مرہٹوں میں نا اتفاقی اور پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اور مرہٹے دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک جماعت رگھوبا کی حمایت پر تھی۔ اور دوسری جماعت پیشوا نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کی حمایت پر۔ اور یہ جماعت نانا فرنویس وزیر اعظم کے ماتحت تھی۔ اس جانشینی کے مسئلہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ انگریز رگھوبا کی حمایت میں جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جب جنگ نے طول کھینچا تو نانا فرنویس نے حیدر علی سے مدد مانگی اور اس کو بتلایا کہ کس طرح انگریز دن بدن اپنی چیرہ دستیوں سے ہندوستان پر قبضہ کر رہے ہیں۔ تحفظ وطن کی خاطر اب ضروری ہے کہ دیسی حکمرانان ملک متحد ہو کر انگریزوں کو ملک سے نکالدیں۔ اسی طرح نظام علیخاں نظام الملک نے بھی نواب حیدر علی سے مدد طلب کی۔ اسلئے کہ انگریز اس کے علاقہ گنٹور پر بغیر اسکی مرضی کے قابض ہو چکے تھے۔ اور انکا اثر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ نواب حیدر علی بھی ان واقعات کو

دیکھ رہے تھے اور انکے دل میں بھی انگریزوں کی طرف سے عناد پیدا ہو چکا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے ۱۷۶۹ء میں معاہدہ مدراس کی رو سے امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جس وقت مرہٹے میسور پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح نواب حیدر علی کو نظام الملک پر بھی بالکل بھروسہ نہیں تھا۔ ان کی دوربین آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ کہ حیدر آباد میں انگریزوں کا کس قدر رسوخ ہے۔ خود نظام الملک اور انکا وزیر رکن الدولہ کس قدر طوطا چشم ہیں۔ اور حیدر آبادی فوجیں کہاں تک صعوبات جنگ کی متحمل ہو سکتی ہیں۔ ابھی پونا و حیدر آباد سے نامہ و پیام جاری ہی تھا۔ کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں پانڈیچری فتح کر لیا۔ اور بندرگاہ ماہی پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھے۔ یہ بندرگاہ ملیبار میں واقع ہے۔ اور تمام ملیبار حیدر علی کے زیر حکومت تھا انگریزی فوج نے ماہی پر چڑھائی کی۔ اور باوجود حیدر علی کی ممانعت کے ان کے ملک سے گذری۔ اس پر فرانسیسیوں نے حیدر علی سے مدد مانگی۔ اور چونکہ وہ حیدر علی کے ملک میں تھے۔ اس لحاظ سے وہ حیدر علی کی ہی حمایت میں تھے۔ اور انکی امداد کرنا حیدر علی پر فرض تھا سر آلفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

" فرانسیسیوں کی حمایت کے علاوہ حیدر علی کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔ کہ ہندوستان کی کمزوری کی اصلی وجہ ہندوستان کی بحری طاقت کا فقدان ہے۔ اور بحری طاقت ہی کی وجہ سے یوروپین اقوام ہندوستان پر تسلط جما رہی ہیں۔ اس خیال سے حیدر علی نے بھی بحری طاقت کا انتظام شروع کر دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ماہی بندر حیدر علی کے لئے یوروپ سے رسل و رسایل قایم رکھنے اور انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں سے سامان جنگ حاصل کرنے کیلئے ایک عمدہ بندرگاہ تھا

حیدر علی کو پہلے ہی سے انگریزوں سے بدظنی تھی۔ اور جبکہ انگریزوں نے ماہی پر قبضہ کر لیا۔ تو اس نے پوری قوت کے ساتھ انگریزوں پر حملہ کر دیا"

اس حملہ کے ہوتے ہی انگریزوں نے اپنی قدیم روایات سے کام لیکر حیدرآباد میں سازش شروع کر دی۔ اور یہ جھوٹی خبر مشہور کر دیگئی۔ کہ شہنشاہ ہندوستان دکن کی صوبہ داری نواب حیدر علی کو تفویض کرنیوالا ہے۔ اسکے ساتھ ہی گنتوڑ کا علاقہ نظام الملک کے حوالے کر دیا گیا۔ نظام الملک اس خبر سے گھبرا گیا۔ مگر انگریزوں نے تسلی دی کہ حیدر علی سے وہ خود سمجھ لیں گے۔ جس پر نظام الملک خاموش رہ گیا۔ نواب محمد علی والا جاہ نے جس کو نواب حیدر علی سے حد درجہ حسد تھا۔ اس سازش میں بہت بڑا حصہ لیا:۔

"انگریزوں نے عہدنامہ مدراس کو ردی کا کاغذ سمجھ کر پھینک دیا۔ اور جب حیدر علی کو امداد کی ضرورت تھی۔ تو انہوں نے مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ نواب والا جاہ محمد علی کے تمام ملک پر یہ قبضہ کر چکے تھے۔ جو حیدر علی کیلئے تشویش کا باعث بن گیا۔ دوسری طرف انگریزوں نے گنتوڑ پر قبضہ کر لیا۔ جس کے باعث نظام الملک بھی ان سے بگڑ بیٹھا۔ اور انگریزی فوج حیدر علی کے علاقے سے بغیر اسکی اجازت کے گذر کر ادھونی پر بڑھنا چاہی۔ ایک طرف تو مرہٹے انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ اور دوسری طرف نظام الملک آمادۂ جنگ تھا۔ ان مواقع سے حیدر علی نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر انگریزوں نے گنتوڑ کا علاقہ نظام الملک کو واپس دیکر اس کو اپنی طرف ملا لیا۔ لیکن جنگ کی ابتدا اس طور پر ہوئی کہ یورپ میں انگریز اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ جانے سے ہندوستان میں انگریز تمام فرانسیسی علاقوں پر قبضہ کر کے ماہی پر بڑھے جو حیدر علی کے علاقہ ملیبار میں

فرانسیسیوں کی ایک بندرگاہ تھا۔ حیدر علی کو فرانسیسیوں کی حمایت اور دوستی لازمی تھی۔" (تاریخ ہند از تھامپسن)

یہی مورخ آگے چلکر لکھتا ہے :۔

"نواب حیدر علی سے اگر انگریز اپنا وعدہ ایفا کرتے۔ تو وہ انکا بہترین دوست ثابت ہوتا۔ کیونکہ اس کو انگریزوں پر کامل اعتماد تھا۔"

مورخ ڈی لافوسی لکھتا ہے :۔

"انگریزوں نے اپنی وعدہ شکنی اور چیرہ دستی سے حیدر علی کو اپنا دشمن بنالیا۔"

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے :۔

"نواب حیدر علی خان کو خیال ہوا کہ انگریز بدعہد ہیں۔ اور نظام علی خاں خود غرض ہے۔ اس لئے اس نے اپنے پرانے دوست فرانسیسیوں کو پھر شریک حال بنانا چاہا۔ اس خیال سے اس نے فرانسیسیوں کی طرف توجہ کی۔"

رسالۂ انگلش ملٹری بیاگرافی میں تحریر ہے :۔

"انگریزوں کو نواب حیدر علی خان کے ساتھ بموجب عہدنامہ ۱۷۶۹ء دوستی اور اتفاق رکھنا مناسب تھا۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مرہٹے جب بار بار اس کے ملک پر حملہ آور ہوئے تو اس نے متعدد مرتبہ انگریزوں سے مدد مانگی لیکن انہوں نے نہیں دی۔ جب نواب نے انگریزوں کے قول و فعل میں یکسانیت نہیں دیکھی تو وہ فرانسیسیوں کی حمایت کرکے انکی دوستی کا متلاشی ہوا۔"

انگریزوں سے دوسری جنگ
۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک

انگریزوں کو جسوقت نانا فرنویس، نظام الملک اور حیدر علی کے نامہ و پیام کی خبر ملی۔ تو

انہوں نے بھی اپنے دو سفیر پادری شوارٹز اور بعد میں مسٹر گرے کو دربار حیدری میں دوستی بڑھانے کیلئے بھیجا۔ مگر نواب حیدر علی اسوقت جان چکے تھے۔ کہ انگریزوں کے وعدے کس قسم کے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان سفیروں کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ نوٹ۔ ان دو انگریزی سفیروں میں پادری شوارٹز جاسوس تھا۔ جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر علی کی فوجی طاقت کا اندازہ کرنے اور حیدر علی کے خلاف جو جماعت تھی۔ ان سے اطلاعات حاصل کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ سلطنت خداداد کے زوال کے زیرِ عنوان اس پر مفصل بحث کی گئی ہے (محمود)

اس کے بعد ہی فوراً انگریزوں نے فرانسیسیوں کے بندرگاہ ماہی پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے نواب حیدر علی اپنی پوری طاقت کے ساتھ ملکِ کرناٹک پر حملہ آور ہوئے۔ نواب حیدر علی کے اس حملے کے متعلق سر آلفرڈ لائل بسنکایر۔ ڈی۔ لافوسی وغیرہ متفق اللفظ ہیں کہ ایک طوفان برق و باد تھا۔ جو میسور سے اٹھا۔ اور ملک کرناٹک پر چھا گیا۔ نواب کے زیر کمان تقریباً اسّی ہزار کی فوج تھی۔

حقیقت میں نواب حیدر علی کا یہ حملہ اس قدر مہیب اور زبردست تھا کہ ملک کرناٹک نے اس سے پہلے اس قدر فوجوں کی کثرت اور خونریزی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو مختلف سپہ سالاروں اور شاہزادہ ٹیپو سلطان و کریم صاحب کی زیر کمان دیکر خود بھی ایک دستہ فوج کے ساتھ جولائی ۱۷۸۰ء میں پائین گھاٹ علاقہ والا جاہ محمد علی کیطرف پیش قدمی کی۔ اور محمد علی کی فوجوں سے جنگ شروع ہو گئی۔

شہزادہ ٹیپو سلطان کی فوجوں نے پائین گھاٹ سے نکلکر آرنی کا محاصرہ کر لیا۔ اسکے بعد بخشی بدرالزماں کو اسی محاصرہ پر مامور فرماکر ٹیپو سلطان تھری کی طرف بڑھے۔

حملات حیدری کا مصنف لکھتا ہے:۔

"والا جاہ محمد علی کے قلعہ دار حسین علی خاں نے شہزادہ کے حضور میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں قلعہ کی حفاظت کیلئے تیار ہوں۔ مگر اس جگہ کثرت سے اہلِ سادات آباد ہیں۔ اور خواتین سادات آپ کی گولہ باری سے خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ اس لئے گولہ باری موقوف کرکے آپ قلعہ پر قبضہ کرلیں۔ ٹیپو سلطان نے ہنسکر قلعہ کی کنجیاں لے لیں۔ اور قلعہ کا انتظام سیدی امام کے سپرد کردیا"

فتح ارنی کے بعد ترو تور، کلوہ اور کاویری پٹن معمولی لڑائیوں کے بعد فتح ہوگئے۔

شاہزادہ کریم صاحب نے بندرگاہِ محمود بندر پر چڑھائی کرکے اس کا محاصرہ کرلیا اور چند دن کی جنگ کے بعد محمود بندر پر حیدری افواج کا قبضہ ہوگیا۔

نواب حیدر علی چنگما گھاٹ سے نکلکر ارکاٹ پر قابض ہوگئے۔ راستہ میں جو چھوٹے چھوٹے قلعہ تھے۔ حیدری افواج کے سیلاب کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اور نواب کی فوج ۔ ار اگست ۱۷۸۰ء میں کنجی ورم کے نواح میں تھی۔ اور فوج کے ہراولی دستے مدراس کے بالکل قریب پہونچ گئے تھے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے :-

"حیدری فوجوں کی لوٹ مار اور آتش افروزی سے دھویں کے بادل جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں ملی ہوئی تھیں۔ مدراس سے صاف نظر آرہے تھے"

جنگِ پولی لور ۱۷۸۱ء

حیدری فوج کنجی کوٹہ پر قابض ہوگئی۔ اور خود نواب حیدر علی نے محمد علی والا جاہ پر ضرب لگانے کیلئے ارکاٹ کا محاصرہ کرلیا۔ انگریزوں نے ارکاٹ کو بچانے کیلئے مدراس سے جنرل سر ہکٹر منرو کو (جس نے جنگ بکسر بنگالہ

بیں ۱۷۶۴ء میں ناموری پیدا کی تھی) اور علاقہ نظام سے کرنل بیلی کو جو گنٹور کی طرف جا رہا تھا۔ روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ دونوں فوجیں متفق ہو کر حیدر علی پر حملہ آور ہوں۔ نواب حیدر علی کو جس وقت یہ خبر ملی تو ارکاٹ میں ایک دستہ فوج کو چھوڑ کر مقابلہ کے لئے مقام کنچی پر آگئے اور ٹیپو سلطان کو پولی پور کی طرف بڑھایا۔ کہ انگریزوں کی دونوں فوجوں کو ملنے نہ دیں۔ سر ہکٹر منرو کی فوج بھی پولی پور سے دو میل آگے ندی کے کنارے کیمپ کی ہوی تھی۔ جس وقت کرنل بیلی پولی پور پہونچا تو لڑائی شروع ہو گئی۔ نواب حیدر علی نے دوسری طرف سے ایک دستہ فوج لیکر کرنل بیلی پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا۔ کہ کرنل بیلی ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اب حیدری توپ خانہ باغ پر گولے برسانے لگا۔ اور ایک گولہ کرنل بیلی کی میگزین پر ایسا پڑا کہ تمام باروت جل اٹھی۔ اور تمام باغ دہویں سے بھر گیا۔ حیدر علی نے اپنے سواروں کو لڑائی کا حکم دیا۔ انگریزی فوج کٹ کٹ کر گرنے لگی اور کرنل بیلی اسیر ہو گیا۔ باقی ماندہ فوج نے ہتھیار رکھ دیا۔ جس کو اسیر کر لیا گیا۔ نواب حیدر علی کو کامل فتح حاصل ہوئی۔

سر آلفرڈ لائل لکھتا ہے :-

"ہندوستان میں اس سے بڑھکر مصیبت انگریزوں پر اور کوئی نہیں پڑی۔ جس میں دو ہزار انگریزی سپاہ اسیر ہو گئی۔ ان میں ڈیوڈ بیرڈ بھی تھا۔ جس نے بعد میں محاصرۂ سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء میں نام پیدا کیا۔"

ملا فیروز اپنی تاریخ جارجنامہ میں لکھتے ہیں :-

ز ماہِ نہم روز نہ رفتہ بود　　بہ بیلی زمانہ بر آشفتہ بود
شدہ اخترش کند بر آسمان　　بہ شوریدہ و تند گشتہ جہاں

خود و لشکر از شہر پیرم بکام — سوئے مندر و تیز برداشت گام
فزوں پنج صد بود بر پنج ھزار — زہندو یورپ مردم کارزار

میدانِ جنگ میں ٹیپو سلطان کی آمد کا حال اس طرح بیان کیا جاتا ہے :-

بناگاہ ٹیپو بداں جا رسید — سر آتشِ جنگ بالا کشید
ستیزہ بہ پیوست از دو گروہ — چو انگریز بود درمیانِ دو کوہ
بگاہ گذر رہ بر و تنگ بود — نہ میدانِ آویزشِ جنگ بود

کرنل بیلی کی اسیری کے متعلق لکھتے ہیں :-

فراواں بہ شمشیر و بارانِ تیر — بکشتند و افتاد بیلی اسیر
شش وسی زنام آورانِ سپاہ — تبہ گشتہ افتادہ بر خاک راہ
ہماں نیز پنجاہ از مہتراں — پُر از زخم بستہ بہ بندِ گراں
فرومایہ لشکر براں تل خاک — ازاں ہر کہ وارستہ بد از ہلاک
بیفتاد در دست دشمن بہ بند — گر از تیغ بد خستہ گر بے گزند
یکے تن نہ گشتہ رہا از سپاہ — کسے خستہ کس بستہ کس شد تباہ
چنیں است پایانِ رزم و نبرد — سرے زیر تاج و سرے زیر گرد

بہادر نامے کا مصنف لکھتا ہے :-

یعنی ٹیپو سلطان

جہاں شہ جونے لشکر جو دیکھا کھڑا — تو آسامنے اسکے باندھا پرا
سوارانِ جنگی و مردانِ کار — ہوئے قایم آکر یمین و یسار
لگی لڑنے پھر دونوں جانب کی فوج — لگا مارنے خون ہر طرف موج
ہوا اس گھڑی اس قدر کشت و خوں — کہ حیرت میں تھا چرخِ فیروزہ گوں

عدو اس قدر وال پہ کٹنے پڑے ۔۔۔ کہ میدان میں کشتوں کے پشتے ہوئے

ہوا موت کا وال پہ بازار گرم ۔۔۔ دلوں میں رہا رحم اور نہ آنکھوں میں شرم

برستی تھی یوں گولیاں اس گھڑی

کہ بھادوں کی جس طرح برسے جھڑی"

رسالہ ملٹری بیاگرافی مطبوعہ لنڈن میں تحریر ہے کہ اس جنگ میں ساڑھے چار ہزار فرنگی سپاہی مقتول ہوئے۔ کرنل فلیچر بھی اسی جنگ میں مارا گیا۔ کرنل بیلی اور کپتان بیرڈ باقی ماندہ فوج کے ساتھ اسیر ہو گئے۔"

جسوقت کرنل بیلی کی شکست کی خبر منرو کو پہنچی تو وہ اپنی بڑی بڑی توپوں کو دریا میں پھینک کر مدراس فرار ہو گیا۔

تسخیر ویلور و ارکاٹ ۱۷۸۱ء

حیدر علی نے کرنل بیلی اور اسکی فوج کو سرنگاپٹم روانہ کرکے ویلور پر قبضہ کرتے ہوئے پھر ارکاٹ کا محاصرہ کرلیا۔ چونکہ قلعۂ ارکاٹ کی فصیل بہت اونچی تھی۔ اس لئے نواب حیدر علی نے مٹی کے بڑے بڑے دمدمے بناکر ان پر توپیں چڑھا دیں۔ اور قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی۔ قلعہ کی والاجاہی اور انگریزی افواج بھی نہایت مستعدی سے مدافعت کرتی رہیں۔ اور حیدری فوجوں کو فصیل تک پہنچنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ تین مہینے کا محاصرہ اور متواتر گولہ باری سے فصیل قلعہ میں رخنے پڑگئے۔ جس پر حیدری سواروں نے ایک زبردست حملہ کردیا۔ اس حملہ میں نواب حافظ علیخاں (داماد نواب حیدر علی خاں) شہید ہوگئے۔ مگر حیدری سپاہ نے حصار قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ اور دست بدست جنگ شروع ہوگئی تھوڑے ہی عرصہ میں والاجاہی اور انگریزی فوجیں مغلوب ہوگئیں۔ اور والاجاہ محمد علی کے تمام

سردار اسیر ہو گئے۔ ارکاٹ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔

والاجاہ محمد علی کے سرداروں میں سے سید حمید کمیدان۔ راجہ بیربر اور میر صادق نے نواب حیدر علی کی ملازمت اختیار کر لی۔ سید حمید کو چار ہزار سپاہ کی سرداری پر مقرر کیا گیا۔ راجہ بیربر کو ارکاٹ کی گورنری دی گئی۔ اور میر صادق افسر محاصل مقرر ہوا۔

فتح بدنور کے بعد نواب حیدر علی خاں نے ارکاٹ میں ایک جشن شاہانہ اور دربار منعقد کیا۔ جس میں روضۂ ٹیپو مستان کے متولی نے نذر گذرانی اور نواب نے ایک سو ایک اشرفی اور شامیانۂ زربفت مع چوبہائے طلائی درگاہ کو روانہ فرمایا۔

۱۷۶۵ء میں نواب والاجاہ محمد علی موضع کولار کو جو حیدر علی کا مولد تھا۔ قبضہ کر کے سمجھ بیٹھا تھا کہ حیدر علی مطیع ہو جائیں گے۔ مگر خدا کی شان کہ اس کے صرف بارہ سال بعد حیدر علی نے ارکاٹ پر جو محمد علی کا دارالامارۃ تھا۔ قبضہ کر کے دربار شاہانہ منایا اور محمد علی ایک مفرور کی حیثیت میں انگریزوں کے سہارے مدراس میں ایک پناہ گزین کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اس دربار میں نواب حیدر علی نے فرمایا:-

"والاجاہ محمد علی کی وطن دشمنی اور ہر وقت کی غداری سے اس قدر تنگ آ گیا ہوں کہ اس دفعہ میں کرناٹک کے باشندوں کے حق میں غضب الٰہی کا آلہ بنکر آیا ہوں"۔

(نشان حیدری)

میدان جنگ حقیقت میں نمونۂ محشر تھا۔ دشمنوں کے ساتھ جو لوگ میل جول رکھتے تھے۔ یا جو لوگ دشمنوں کو علانیہ یا خفیہ تائید پہونچاتے تھے۔ ان سے نہایت سختی کے ساتھ انتقام لیا گیا۔ بلکہ اس جرم میں کئی ایک مواضعات تباہ کر دئیے گئے۔ ہزارہا عورت اور مرد اسیر ہوئے۔ مگر جب کامل طور پر قبضہ ہو گیا تو نواب حیدر علی نے جو سلوک وہاں کی

رعایا سے کیا۔ اس کے متعلق مسٹر ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۸ پر لکھتا ہے :-

"ایک مہیب و خونریز حملہ کے بعد ارکاٹ پر ۳۱ر نومبر کو حیدرعلی کا قبضہ ہوگیا۔ قبضہ کے بعد رعایا سے نہایت انسانیت کا سلوک کیا گیا۔ لوٹ اور قتل وغارت قطعی طور پر روک دیئے گئے۔ ہر شخص کو عام اجازت تھی کہ امن و آسائش کے ساتھ اپنا کاروبار جاری رکھے۔ بلکہ ان ملازموں کو جو والا جاہ محمد علی کے تھے۔ ان کے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا گیا۔ جو انگریز قیدی حیدرعلی کے قبضہ میں آئے۔ انہیں حیدرعلی کی جانب سے روپیہ دیا گیا کہ اپنی ضروریات مہیا کرلیں۔"

حیدرعلی کی یہ جنگ جس قدر ہیبت ناک تھی۔ اسکے متعلق ایمپائر اِن ایشیا کا مصنف لکھتا ہے :-

"انگریزوں نے جب ماہی پر قبضہ کرلیا۔ تو حیدرعلی کے غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ وہ کرناٹک پر ایک طوفان بلا بنکر چھا گیا۔ شہر دیہات اور گاؤں پر نہ صرف قبضہ کیا گیا۔ بلکہ انہیں تباہ کردیا گیا۔ وہ لوگ (یعنے انگریز) جو محمد علی کی نیابت کرتے ہوئے حکمرانی کررہے تھے۔ رعایا کی حفاظت کرنے کے بجائے ان کو اپنی قسمتوں پر چھوڑ کر چلا گئے۔ عذر یہ تھا کہ فوج مدافعت کے قابل نہیں رہی۔

مدراس پہونچکر انگلستان کو خطوط لکھے گئے۔ جس میں حیدرعلی کے ظلم وستم کی داستانیں بیان کی گئیں۔ اور اشتعال دلایا گیا کہ حیدرعلی سے انتقام لینا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ملکی لوگ حیدرعلی سے متنفر ہیں۔ لیکن وہ ایک ثبوت بھی اس کا دے نہیں سکے۔ بلکہ [illegible] کرناٹک کے لوگ حیدرعلی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اس کی مثال

کرنل کاسبی کے واقعہ سے ملتی ہے :۔

" کرنل کاسبی اپنے ایک خط میں اقرار کرتا ہے کہ لوگ اس کی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کی اطلاع حیدر علی کے کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں۔"

ایک اور دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے :۔

" کرنل بیلی جب پولی پور میں حیدری فوج میں گھر گیا۔ تو جنرل منرو اسکی تائید کو پہنچنا چاہا۔ لیکن اس کو راستہ معلوم نہیں تھا۔ مقامی لوگوں میں سے چند اشخاص کو پکڑ کر راستہ دکھانے کیلئے کہا گیا۔ انکے گلے میں طوق پہنائے گئے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر وہ سیدھا راستہ دکھائیں۔ اور مقام مقصود تک پہونچا دیں تو انہیں انعام دیا جائیگا۔ ورنہ مار دئیے جائیں گے۔ یہ لوگ با دل ناخواستہ چلے۔ اور دن بھر کے سفر کے بعد انگریزی فوج کو ایک ایسی جگہ لے گئے۔ جہاں ایک تالاب تھا۔ اور آگے جانے کا راستہ مسدود۔ اس لئے منرو بر وقت بیلی کی تائید کو نہ پہونچ سکا۔"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کے لوگ بھی جو انگریزوں کے محکوم تھے حیدر علی سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔

انگریزوں کی جانب سے صلح کی درخواست

نواب حیدر علی ارکاٹ میں مقیم تھے۔ مدراس سے انگریزوں کا ایک وفد صلح کی درخواست لیکر آیا۔ دورانِ گفتگو میں نواب نے کہا :۔

" مجھے گمان تھا کہ انگریزی قوم میں سچائی اور وفائی ہے۔ مگر آزمایش سے اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ ان صفات سے معرا ہے۔"

نواب نے اس سفارت کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

فتحِ چندرگیری وچتور ۱۷۸۱ء

ارکاٹ کے جشنِ شاہانہ سے فارغ ہوکر نواب حیدر علی خاں نے میر معین الدین خاں کو چتور روانہ کیا۔ میر علی رضا خان مضافات ارکاٹ پر قبضہ کرنے کیلئے اور شاہزادہ ٹیپو سلطان جنوبی قلعوں کی تسخیر پر روانہ ہوئے۔

میر معین الدین بخشی چتور فتح کرکے چندر گیری کی طرف بڑھا۔ جہاں نواب نصیرالدولہ عبدالوہاب خاں عرف محفوظ خاں برادر نواب والا جاہ محمد علی مقیم تھا۔ میر معین الدین بخشی نے عبدالوہاب خاں کو اطاعت کیلئے لکھدیا۔ اور ابھی اس کا جواب آیا نہیں تھا کہ ایک واقعہ پیش آ گیا۔ یعنے سوارانِ حیدر علی قلعہ کی ایک جانب گھانس، لکڑی جمع کرنے کیلئے دامن کوہ میں پھر رہے تھے۔ کہ قلعہ دار نے جاسوس سمجھ کر ان پر فائر کا حکم دیدیا۔ جب یہ خبر معین الدین کو پہنچی۔ تو اس نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔ اور اتفاق سے دو گولے عبدالوہاب خاں کے حرم سرا میں گرے۔ مورخ نشانِ حیدری وحملات حیدری لکھتے ہیں کہ عبدالوہاب خاں کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ اور وہ بیہوش ہوگیا۔ اور ادھر تمام عورتیں گھبرا گئیں۔ بیگم عبدالوہاب خان نے میر معین الدین کو اطلاع دی کہ قلعہ پر قبضہ کرنا مقصود ہو تو قلعہ حاضر ہے۔ گولہ باری موقوف کی جائے۔

گولہ باری موقوف ہوئی۔ اور بیگم اپنے شوہر کو پالکی میں ڈالکر مع خواص و خدام میر معین الدین کے کیمپ میں آگئی۔ میر معین الدین قلعہ پر قبضہ کرتے ہوئے اسیرانِ جنگ کو نواب حیدر علی کے پاس لے آیا۔ جہاں سے انہیں سرنگاپٹم روانہ کردیا گیا۔

شہزادہ ٹیپو سلطان قلعۂ ماہی منڈل اور کیلاس گڈھ فتح کرتے ہوئے سات گڈھ

کیطرف بڑھے۔ جہاں کا قلعہ نہایت مضبوط اور اسکی حفاظت کیلئے ایک زبردست فوج تھی۔ مگر حیدری سپاہ کی شانِ سپہگری اور فتوحات دیکھکر بغیر کسی لڑائی کے قلعہ ٹیپو سلطان کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں سے ٹیپو سلطان آمبور کی طرف بڑھے۔ جہاں انگریزی فوج اور والا جاہی فوج مقیم تھی۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد آمبور فتح ہو گیا۔

دوسری طرف حیدری افواج نے اپنے مختلف سپہ سالاروں کے ماتحت کوہ موکل۔ کشن گڈھ، جنید گڈھ، ترنا ملے۔ علی آباد، کرناٹک گڈھ فتح کر لئے۔

فتح آمبور کے بعد ٹیپو سلطان نے کوہ رادت اور نیلور پر قبضہ کر کے نیاک گڈھ پر حملہ آور ہوئے۔ جہاں انگریزی سپاہ متعین تھی۔ چند دن کی لڑائی کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا۔ اور قلعہ داروں کو اماں دیگئی۔ مگر قلعہ والوں نے ٹیپو سلطان کے کیمپ میں آکر غداری کی۔ جس پر انہیں قتل کر دیا گیا۔ اور انگریز اسیروں کو سرنگا پٹم بھیجدیا گیا۔

نواب حیدر علی خود بھی اپنی فوج لیکر اطراف واکناف میں قتل و غارت کرتے ہوئے ۔ ار اگست کو نواح مدراس میں پہنچے۔ انگریز خوفزدہ ہو کر قلعہ اور جہازوں میں پناہ گزین ہو گئے۔

نواب حیدر علی خان کے فتوحات کا دائرہ اسقدر وسیع ہو گیا تھا کہ تمام ملک کرناٹک سوائے چند ساحلی مقامات کے حیدری فوجوں کے قبضہ میں تھا۔ وارن ہیسٹنگس کو جب یہ خبر ملی کہ پورا مدراس کا علاقہ انگریزوں کے ہاتھ سے چلا گیا ہے۔ تو اس نے جنرل سرائر کوٹ کو جس نے بنگال میں بہت ناموری پیدا کی تھی۔ بحری راستہ سے مدراس بھیجا۔

جنرل سرائر کوٹ اور والا جاہ محمد علی کی گفتگو

جس وقت انگریزی جنرل سرائر کوٹ مدراس پہنچا تو والا جاہ محمد علی اپنا قصر امارۃ ترملکھڑی چھوڑ کر منتیال پیٹ میں بالکل پریشانی کی حالت میں دن بسر

کر رہا تھا۔ سر آئر کوٹ نے محمد علی سے اسکی فوجوں کے متعلق دریافت کیا۔ جس پر والاجاہ نے جواب دیا کہ:۔

"میں نے انگریزی فوج کی حمایت کی توقع پر اپنی سپاہ کو موقوف کر دیا تھا۔ اور جو باقی تھی۔ وہ اب حیدر علی کے قبضہ میں ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ سر آئر کوٹ کو اس جواب پر ہنسی آگئی اور اس نے کہا:۔

"بغیر فوج کے بادشاہت کرنا اور کاسہ گدائی لیکر بھیک مانگنا دونوں برابر ہیں۔"

نواب محمد علی والاجاہ نے دو لاکھ ہون (چھ لاکھ روپیہ) جنرل کے سامنے پیش کئے۔ اور کہا کہ اب سوائے دو ہزار پیادے اور پانچ سو سوار کے اور کچھ فوج نہیں ہے۔

جنرل سر آئر کوٹ نے اپنی سپاہ کے ساتھ نئی فوج بھی بھرتی کی۔ اور مدراس سے نکلکر کڑک بالا اور آجراوالکم ہوتا ہوا کوہ مور کے دامن میں کیمپ قایم کیا۔ کہ محمود بندر پر چڑھائی کرے۔

ٹیپو سلطان نے اس عرصہ میں نطہرنگر (ترچناپلی) اور تنجاور پر حملہ کرکے تمام ملک کو لوٹ لیا۔ اور اسی نواح میں انکی فوجوں کا میجر ہال کی متعینہ فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ چند دن کی لڑائی کے بعد میجر ہال کی فوج ہتھیار ڈالکر اسیر ہو گئی۔ جہاں سے انہیں سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔

حیدری فوج کی شکست ۱۷۸۱ء

جنرل سر آئر کوٹ کوہ مور سے نکلکر وانڈی واش پہنچا۔ جہاں کپتان فلنٹ محصور تھا۔ انگریزوں کی اس نئی فوج کے آتے ہی حیدری فوج محاصرہ اٹھا کر وانڈی واش ہوتے ہوئے محمود بندر چلی گئی۔

جنرل کوٹ نے وانڈی واش پر قبضہ کرکے محمود بندر پر چڑھائی کی۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان محمود بندر پہنچ گئے۔ یہاں انگریزی اور حیدری افواج

میں ایک خونریز جنگ ہوی. دورانِ جنگ میں سرائر کوٹ کو معلوم ہوا کہ نواب حیدرعلی میدانِ جنگ میں موجود ہیں. تو اس نے انگریزی جہازوں کو اس مقام پر گولہ باری کرنیکا حکم دیا. جس کی وجہ سے نواب دوسری جگہ ہٹ گئے. اور انکے ہٹتے ہی انگریزی فوجوں نے حصار قلعہ پر قبضہ کر لیا. عین لڑائی میں میرعلی رضاخاں پر ایک گولہ گرا. جس سے وہ شہید ہوگئے (میرعلی رضاخان کی لاش دفن کے لئے گرم کنڈا روانہ کردی گئی) یہ پہلا وقت تھا کہ انگریزی جہازوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا. اور چونکہ حیدری فوج اسکا جواب دے نہیں سکتی تھی. اس لیے انکا بہت سخت نقصان ہوا. نواب حیدرعلی اپنی فوجوں کو یہاں سے نکال کر تنڈی وانم چلے گئے. اور محمود بندر انگریزوں کے قبضہ میں آگیا.

اب میدان جنگ کی یہ حالت تھی. کہ انگریز اپنی فتح پر مسرور تھے. مگر انہیں اس قدر جرأت نہیں تھی کہ جہازوں کی پناہ چھوڑ کر اندرونِ ملک بڑھیں. اس لئے وہ بنگال سے آنے والی مدد کا انتظار کرنے لگے. بنگالہ سے کرنل گال اور اسٹورٹ کے ماتحت پانچہزار کی فوج اور گولہ بارود کی ۲۵ کشتیاں آگئیں. اس نئی فوج کے آنے پر کرنل کوٹ اندرونِ ملک قسمت آزمائی کرنے کیلئے نکلا. اور اس وقت اس کے ہمراہ نواب والاجاہ محمد علی کا فرزند سیف الملوک بھی تھا. جنرل کوٹ نے پولی پور میں اسی جگہ قیام کیا. جہاں کرنل بیلی مقیم ہوا تھا. تیسرے دن حیدرعلی بھی اپنی فوجیں لیکر آگئے. اور میدان کارزار گرم ہوگیا.

اس جنگ میں کرنل اسٹورٹ اور سیف الملوک زخمی ہوگئے. شام تک لڑائی ہوتی رہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا. انگریزوں کو اپنی تازہ دم فوج کی وجہ سے توقع تھی کہ حیدرعلی کو شکست ہوگی. مگر نتیجہ انکے حسب خواہش نہیں نکلا. دوسرے دن شہزادہ ٹیپو سلطان نے پیچھے سے انگریزی فوجوں پر حملہ کیا. جس کی وجہ سے انگریزی افواج پولی پور چھوڑ کر شولنگر کی طرف

بڑھیں۔ راستہ میں حیدری افواج سے چھوٹے چھوٹے مقابلے ہوئے۔ جس میں کبھی حیدر علی غالب آتے اور کبھی انگریز۔ جنرل کوٹ ۱۷۸۱ء میں شولنگر پہنچا۔ جہاں حیدری فوج کے ایک دستے کو سخت شکست دیکر شولنگر پر قابض ہوگیا۔ اسکے بعد اس کی فوجیں آرنی کی طرف بڑھیں۔ اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ سیدی امام قلعہ دار نے سختی سے مدافعت کی۔ مگر انگریزی فوجوں نے رات کے وقت شبخون مار کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ جس وقت نواب حیدر علی کو سقوط شولنگر اور آرنی کی خبریں پہنچیں۔ تو ایک زبردست فوج سے وہ آرنی پر بڑھے۔ مگر اس سے پیشتر جنرل کوٹ محاصرہ کے خوف سے قلعہ خالی کرکے مدراس کی طرف واپس ہوگیا تھا۔ کیونکہ ٹیپو سلطان نے راستے میں انگریزی سامان رسد جو مدراس سے آرہا تھا۔ لوٹ لیا تھا۔ مدراس پہنچکر جنرل کوٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور جنرل سٹورٹ سپہ سالار بنا دیا گیا۔

مدراس گورنمنٹ میں ردّوبدل ۱۷۸۱ء

اس عرصہ میں انگلستان سے نیا گورنر لارڈ میکارٹنی مدراس آگیا۔ اور چونکہ یوروپ میں انگریزوں اور ڈچ والوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس لئے اس نے آتے ہی انگریزی افواج کو ڈچ علاقہ ناگ پٹم پر قبضہ کرنے کا حکم دیدیا۔ کرنل بریٹ وائیٹھ کے ماتحت ایک زبردست فوج بھیجی گئی۔ جس نے ناگ پٹم پر قبضہ کرکے تلچری پر چڑھائی کی۔ مگر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے کاویری ندی کے قریب اس کو گھیر لیا۔ چند دن کی لڑائی کے بعد انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ انگریزی فوج قریب قریب کل کٹ گئی۔ اور باقی رہی سہی اسیر ہوگئی۔ کرنل بریٹ وائیٹھ بھی مقید ہوگیا۔

فرانسیسی جہاز حیدر علی کی کمک پر ۱۷۸۲ء

ہندوستان میں فرانسیسی حیدر علی کی حمایتی تھے۔ اور موجودہ جنگ کی ابتدا بھی انہیں

کو انگریزوں سے بچانے کیلئے ہی تو تھی۔ اسکے علاوہ حیدر علی کی ملازمت میں موسیو آلن کے علاوہ موسیو ڈی لالی بھی تھے۔ جنہوں نے فرانس کو یہاں کے حالات سے خبردار کردیا تھا۔ فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے مقبوضات بچانے اور حیدر علی کی امداد کے خیال سے ایک جنگی جہازوں کا بیڑا بھیجدیا۔ جو امیرالبحر سفرن کے ماتحت تھا۔

یہ بیڑا جس وقت خلیج بنگالہ میں آیا۔ تو اس کے اور انگریزی بیڑے کے درمیان جو امیرالبحر ہیوجز کے ماتحت تھا۔ جنگ چھڑ گئی۔ اور فرانسیسی متواتر غالب آئے۔ انگریزوں کا مدعا یہ تھا کہ فرانسیسی اپنے سپاہی ساحل پر اتارنے نہ پائیں۔ مگر فرانسیسیوں نے محمود بندر پر اپنی فوج اتار دی۔

اب سمندر میں فرانسیسی جہازات کے آجانے سے حیدر علی کی ہمت اور بڑھ گئی۔ اس سے پہلے انگریز ساحلی مقامات چھوڑ کر آگے نہ بڑھتے تھے۔ ادھر حیدر علی کو محمود بندر کی لڑائی نے سبق دیدیا تھا۔ فرانسیسی سپاہ نے محمود بندر پر اتر کر چدم برم اور ترماکول پر قبضہ کرلیا۔ اس پر انگریزوں نے ایک زبردست فوج کڈلور پر اتار دی۔ جو جنرل اسٹورٹ کے ماتحت تھی۔ نواب حیدر علی بھی اپنی فوجوں کے ساتھ کڈلور کی طرف بڑھے۔ اسوقت سمندر میں فرانسیسی جہازات انکی کمک کیلئے موجود تھے۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوئی۔ جس میں انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ حیدری افواج خشکی پر سے حملہ کررہی تھیں۔ اور فرانسیسی جہازوں پر سے گولے برسا رہے تھے۔ اس فتح کے بعد نواب حیدر علی نے اپنی فوجوں کو وانڈی واش اور پانڈیچری پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود آرنی کی طرف بڑھے۔ آرنی کا قلعہ فتح ہوگیا۔ اس کے بعد نواب بیمار ہوکر ارکاٹ میں مقیم ہوگئے۔

میدانِ جنگ کی حالت

سمندر میں انگریزی اور فرانسیسی بیڑے ایک دوسرے

کے ساتھ آمادہ پیکار تھے۔ اور ادِھر اُدھر حملے کرتے ہوئے پھر رہے تھے۔ ایک وقت فرانسیسی بیڑے نے مدراس پہونچکر گولہ باری بھی کی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا! اس کے بعد انگریزی فوجیں کڈلور سے واپس آکر مدراس میں جہازوں کی پناہ میں مقیم ہو گئیں۔ اور ساحل چھوڑ کر کھلے میدان میں حیدری افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں اس کی خبر جب وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کو معلوم ہوئی تو اس نے ایک زبردست فوج جنرل پیرس کے ماتحت اوڑیسہ اور شمالی سرکار کے راستہ سے روانہ کی۔ وارن ہیسٹنگس کی حکمت عملی نے چھوٹے ناگپور کے راجہ کو جس کے علاقہ میں اڑیسہ تھا۔ اپنی جانب ملا لیا تھا اور راجہ کو راستہ دینے کیلئے سولہ لاکھ روپیہ کی رقم دیگئی۔ یہ راجہ نانا فرنویس کا طرفدار تھا۔ جو اس وقت پونا میں انگریزوں سے برسر جنگ تھا مگر اس کے دربار میں کچھ ایسی سازشیں ہوئیں کہ یہ نانا فرنویس کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے مل گیا۔ بلکہ روپیہ لیکر انکی فوجوں کے گذرنے کیلئے راستہ بھی دیدیا۔ تمام انگریزی مورخین وارن ہیسٹنگس کی حکمت عملی کی تعریف کرتے ہیں۔ کہ اس نے راجہ کو اپنی طرف ملا کر ہندوستان کو مرہٹوں سے بچا لیا۔ اور جنوب میں بھی حیدر علی کے مقابلہ میں فوج بھیجنے کے قابل ہوا۔

حیدر علی کی وفات ۱۷۸۲ء

جس وقت نواب حیدر علی ارکاٹ کے قریب نرسنگ رائن پیٹ میں مقیم تھے۔ تو انکے مرض نے اور زور پکڑا۔ نواب حیدر علی کو سرطان کا مرض تھا۔ پیٹھ کے پھوڑے نے تمام پیٹھ کو چھلنی کر دیا تھا جراح و حکیم علاج سے عاجز آچکے تھے۔ مشیروں نے عرض کیا کہ آپ مہمات سے کنارہ کش ہوکر آرام فرمائیں۔ اور شہزادہ ٹیپو سلطان کو طلب کر کے انتظام سپرد کر دیں۔ نواب حیدر علی نے شہزادہ کے نام رقعہ لکھا۔ جو اس وقت ملیبار میں لڑائی میں مصروف تھا کرناٹک میں نواب کی مصروفیت کو دیکھکر باشندگان کورگ اور ملیبار نے بغاوت کر دی تھی۔ نواب نے میر مخدوم علی کو

کورگ پر روانہ کر دیا گیا۔ جنہوں نے جاتے ہی بغاوت فرو کر دی، مگر خود بھی ایک ہنگامہ میں شہید ہو گئے۔ ٹیپو سلطان نے ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کامل طور پر دبا دیا۔ شہزادہ کو رقعے لکھنے کے بعد دوسری صبح ۶ر ڈسمبر ۱۷۸۲ء میں نواب نے کل فوج کو ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دینے کا حکم دیا۔ اور فوج کے ساتھ محتاجوں کو بھی زر نقد اور کھانا تقسیم کیا گیا۔

نواب حیدر علی خان کی آخری گھڑیاں

قریب شام کے نواب نے تاریخ دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ محرم کی چاندرات ہے۔ تو آپ نے غسل کرانے کا حکم دیا۔ غسل کے بعد دوسرا لباس پہن کر کلمہ اور درود شریف پڑھکر منہ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اسی وقت چند سرداران فوج کو طلب کر کے دس ہزار فوج شمالی ارکاٹ پر اور پانچہزار فوج نواح ارکاٹ پر حملہ کرنے کیلئے روانہ فرمائی۔ اور اس کے چند ساعت بعد اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

یہ وہ شب تھی کہ ۱۱۹۵ھ رخصت اور ۱۱۹۶ھ کا آغاز ہو رہا تھا۔ اور انگریزی تاریخ ۷ر ڈسمبر ۱۷۸۲ء تھی۔

امرائے سلطنت نے سلطان ٹیپو کی آمد تک نواب حیدر علی کی وفات کی خبر کا اظہار خلافِ مصلحت ملکی سمجھ کر مخفی رکھتے ہوئے جنازہ خفیہ طور پر سرنگاپٹم بھیجدیا۔ جہاں گنبد میں دفن کر دیا گیا۔ ایک شاعر نے

"تاریخ وفات:۔ "حیدر علی خان بہادر" کہی ہے۔

۱۱۹۵ھ

نواب حیدر علی خان کی وفات کا ہندوستان پر اثر

"نواب حیدر علی خان بہادر" کی بے وقت موت ہندوستان کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان اور صدمۂ جانکاہ تھا۔ جس سے انگریزوں کے اکھڑتے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ نواب حیدر علی کے اٹھنے کے ساتھ گویا ہندوستان کا اقبال بھی رخصت ہوا معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ قدرت کو بھی شاید یہی منظور تھا۔ کہ یہ ہندوستان جنت نشان اغیار کی طوق غلامی میں گرفتار ہو جائے۔

"نواب حیدر علی خان بہادر" جس زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پونا میں جو مرہٹے نانا فرنویس کے ماتحت انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ اور باوجود فاتح ہونے کے جس وقت "نواب حیدر علی خان" کی وفات کی خبر پہونچی تو انہوں نے صلحنامۂ سالبی پر جس کو وہ پہلے ٹھکرا چکے تھے۔ اب سر اطاعت خم کر کے دستخط کر دئے۔ نواب حیدر علی خان کی وفات کے وقت انگریزوں کی ہندوستان میں جو حالت تھی وہ مسلمان مورخین سے نہیں بلکہ انگریزی مورخین کی زبانی سنئے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے :-

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت اس سے زیادہ خطرے میں کبھی نہیں تھی۔ بنگال پر ناگپور کا راجہ حملہ کرنیوالا تھا۔ وسطی ہندوستان میں نانا فرنویس کے ماتحت مرہٹے انگریزوں سے ایک کامیاب جنگ میں مصروف تھے۔ جنوب میں انگریزی فوجیں جہازوں کی پناہ لیتے ہوئے ساحل مدراس پر مقیم تھیں۔ معلوم تو یہ ہو رہا تھا کہ انگریز ملک میں کوئی دم کے مہمان ہیں"۔

مورخ ڈی لا فوسی لکھتا ہے :-

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت انتہائی درجہ کمزور ہوگئی تھی۔ کہ حیدرعلی کی وفات نے پھر انہیں سنبھال لیا۔"

اور ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے :-

"حیدرعلی کی وفات انگریزوں کی خوش قسمتی کا باب تھی۔ اس کی وفات سے نہ صرف میسوریوں کو بلکہ مرہٹوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ نانا فرنویس کو حیدرعلی کی فتوحات سے امید ہو چلی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہونیوالے ہیں۔ مگر اسکی وفات نے نانا فرنویس کو مایوس اور مجبور کردیا کہ انگریزوں کی شرائط صلح پر دستخط کردے"

ایک اور انگریزی مورخ کی زبانی سنئیے :-

"قسمت ہندوستان کے خلاف ہو چکی تھی۔ اس لئے حیدرعلی کی غیر متوقع وفات نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جما دئیے۔"

اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی کا جوا مقدر ہو چکا تھا۔ حیدرعلی کی وفات نے انگریزوں کے اکھڑے ہوئے قدم کو پھر ہندوستان میں جما دیا۔

ہم آگے لکھ چکے ہیں کہ ہندو مورخین کا اعتراف ہے کہ حیدرعلی نے نانا فرنویس کی اس تجویز کو جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے متعلق تھی انگریزوں پر ظاہر کرکے اپنی فراست و حب الوطنی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا۔ وہ اب نانا فرنویس کی عجلت پسندی اور فقدان سیاست کو بھی دیکھیں کہ ابھی میسور کی اس جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اور حیدرعلی کے بہادر فرزند ٹیپو سلطان نے ابھی جنگ جاری رکھی تھی۔ لیکن نانا فرنویس نے انگریزوں سے دبکر صلح کرلی۔ نانا فرنویس ٹیپو سلطان کی شخصیت سے ناواقف نہیں تھا۔ حالیہ جنگ میں بیلی اور بریتھ وائیٹھ کی شکست سے سلطان کی شہرت تمام ہندوستان بلکہ انگلستان تک پہنچ چکی تھی۔ اب یہ امر

لاحاصل ہے کہ ہم نانا فرنویس پر اعتراض کریں۔ یا انگریزوں کی سازشوں کا ماتم؟
ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کا محکوم بنکر رہنا مقدر تھا۔ حیدر علی کی وفات نے انکے قیام و ثبات کی ایک صورت پیدا کردی۔

نواب حیدر علی کی تدفین

تاجدارِ میسور کی وفات کی خبر ملکی و جنگی مصلحتوں کی وجہ سے اسوقت تک مخفی رکھی گئی۔ جب تک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہ آگئے، سلطان کے آنے کے بعد جنازہ نہایت تزک و احتشام سے سرنگاپٹم بھیجا گیا۔ جہاں لال باغ میں دفن ہوا۔ ٹیپو سلطان نے اس پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا۔ اسوقت کے کسی شاعر نے تاریخ وفات لکھی ہے جو گنبد کی مغربی دیوار پر کندہ ہے

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	اللہ محمدؐ ابوبکرؓ عثمانؓ علیؓ
زہے گنبد کز شکوہِ بنا	فلک زیر دستش بود در علو
تو خواہی مہ و خواہ خورشید خواں	فلک داغ کردید از رشک او
بود شمسہ اش نور چشم فلک	قمر یافتہ ضوء تعلیم ازو
تراوش کناں بحر رحمت ز خاک	کروبے زکروبیاں گرد او
سحرگہ پئے کسب فیض و شرف	گذشتم ازیں خوابگاہ نکو
چوں ایں مضجع تازہ آمد بچشم	نمودہ چو روحانیاں جستجو
کہ ایں شاہ آسودہ راچیست نام	چہ تاریخ رحلت نمودست او

یکے زاں میاں گفت تاریخ و نام
کہ۔ حیدر علیخان بہادر۔ بگو
۱۱ ۹ ۵

نواب حیدر علی خاں کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار

حلیہ، لباس و طرز گفتگو

نواب حیدر علی پورے گرانڈیل جوان تھے۔ قد چھ فیٹ کا، رنگ گندمی، چہرہ پر رعب، درشتی۔ چستی و چالاکی کے آثار نمایاں تھے۔ داڑھی، مونچھ اور ابروؤں کا صفایا کرتے تھے۔ لباس ہندوستانی، سفید ململ یا تنزیب کا۔ جس کی آستین چست اور دامن فراخ تھا۔ پہنتے تھے۔ سر پر اونچا عمامہ باندھتے تھے۔ فوجی لباس ایک خاص وضع کا تھا۔ اور تمام فوج میں یہی لباس رائج تھا۔ نواب کا لباس سفید اطلس کا ہوتا تھا۔ جس میں سنہری گل و بوٹے ہوتے تھے۔ پیلے مخمل کے موزے۔ سفید ابریشمی کمر بند، اور سر پہ گلناری پگڑی رہتی تھی۔ اکثر بید کی چھڑی ہاتھ میں رہتی تھی۔ جس کے سرے پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

طرزِ گفتگو

حیدر علی بات چیت نہایت سہولت اور آسانی سے کیا کرتے۔ ہر شخص کی بات پوری سنتے۔ اور اس کا جواب دیتے۔ مذاق کی بھی عادت تھی نواب کی مذاقیہ گفتگو کی شہرت اب تک میسور میں ہر جگہ ہے۔

زبان

حیدر علی کی مادری زبان فارسی تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی مروجہ زبانوں یعنی "دکھنی اردو، کنڑی، ٹمل، مرہٹی اور تلنگی" میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ جن میں کنڑی کو بوجہ ملک میسور کی مروجہ زبان ہونے کے امتیاز حاصل تھا کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی زبان میں بھی کچھ کچھ گفتگو کر لیتے تھے۔

دل و دماغ

نواب حیدر علی کی دماغی قوتیں ایسی زود رس اور قوی تھیں۔ کہ ایک ہی وقت میں بہت سے کام سرانجام دیتے تھے۔ دربار میں کئی کئی منشی ایک ہی وقت میں عرضیاں سناتے۔ نواب سنتے جاتے اور دوسری طرف جواب اور حکم احکام بھی دیتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ کھیل تماشے بھی دیکھتے جاتے تھے۔ ذہن اور حافظہ اس قدر تیز کہ بچپن کی باتیں یاد تھیں۔ اور جس کسی کو ایکبار دیکھ لیتے۔ پھر کبھی نہ بھولتے۔ اور اپنے ہر سپاہی کو پہچانتے تھے۔ جنگی و ملکی پیچیدہ مسائل اس قدر آسانی سے حل کر لیتے تھے۔ کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا کہ آپ بغیر سوچے بول رہے ہیں۔ میدانِ جنگ کے مختلف محاذوں پر سپہ سالاروں کو ہدایات جنگ بھیجتے تھے۔ گویا کہ موقع پر حاضر ہیں۔

موسیو مڈلٹ لکھتا ہے :-

"نواب حیدر علی خاں کے عزم بلند کا پلہ کسی طرح تیمور و نادر سے کم نہیں تھا۔"

ادب شناسی

شہنشاہ اکبر کی طرح نواب حیدر علی بھی اُمّی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے تمام فرامین و احکام جب لکھاتے تو دوسرے منشی سے پڑھوا کر اپنی مہر جو انگوٹھی پر کندہ تھی۔ چسپاں کرتے تھے۔ اور جس کاغذ پر دستخط کی ضرورت ہوتی۔ اس پر علاوہ مہر کے دستخط بھی کرتے۔ جو صرف لفظ "ح" تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ بعض لوگ مجھ کو اُمّی کہتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میرے پیغمبرؐ بھی اُمّی ہی تھے۔ باوجود بے علم ہونے کے اس قدر ادب شناس تھے کہ انکی محفل میں خلافِ ادب گفتگو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ نواب حیدر علی کے فرامین اور خط و کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ انکی ادب شناس نظر نے کس قدر بلند پایہ ادیبوں اور منشیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی تھی۔

ملک داری

فرائض ملک داری پر پورا عبور حاصل تھا۔ رعایا کے آرام و آسائش کا خیال ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر ملک اور رعایا کے حالات دریافت فرماتے۔ دادخواہوں کو حکم تھا کہ جب عمالانِ حکومت کے انصاف سے انہیں تسلی نہ ہو تو سر دربار حاضر ہو کر اپنا معروضہ پیش کریں۔ انگریزی مورخین کو اعتراف ہے۔ کہ حیدر علی کی حکومت میں پولس کا انتظام اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اور محاصل وصول کرنے کیلئے رعایا پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ظالم اور رشوت خوار عاملوں کو تازیانہ سے پٹواتے تھے۔ تمام جنوبی ہند میں بہادری کوڑا یعنے بہادر (حیدر علی) کا کوڑا مشہور ہے۔ فوج کی ساخت و پرداخت میں خاص ملکہ تھا۔ سپاہیوں سے غیر معمولی محبت اور انکے آرام و آسائش کا اس قدر خیال رکھتے کہ انکے آرام کے ساتھ اپنا آرام اور ان کی تکلیف کے ساتھ خود بھی تکلیف برداشت کرتے تھے۔ اس لئے تمام فوج ہمیشہ جاں نثاری پر تیار رہتی تھی۔ اگر کوئی سپاہی ذرا بھی بہادری کا کام کرتا تو اس کو انعام دیتے۔ اور اس کے ساتھ ہی سپاہیوں پر فوجی قانون کے مطابق نہایت سخت تاکید بھی رہتی کہ وہ بر وقت اپنے کام پر مستعد رہیں۔ یہی نہیں بلکہ رعایا کے کسی فرد سے بھی بہادری اور وفاداری ظاہر ہوتی تو انعام و اکرام دیا جاتا۔ چنانچہ جس وقت انگریزوں سے پہلی جنگ ہوئی تو انگریزوں نے قلعۂ کاٹ مینا کا محاصرہ کر لیا۔ اور سیڑھیاں لگا کر فصیل قلعہ پر چڑھنے لگے۔ یہاں حیدری فوج بالکل کم تھی۔ اس لئے مدافعت میں رعایا نے بھی حصہ لیا۔ جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ عورتوں نے چڑھنے والے انگریزی سپاہیوں پر فصیل قلعہ سے گرم گرم پانی جس میں گوبر گھولا ہوا تھا۔ ڈالنا شروع کیا۔ اور یہ کام انہوں نے اس مستعدی سے کیا کہ انگریزی سپاہی فصیل پر چڑھنے سے باز آگئے یہ خبر جب نواب تک پہنچی تو ٹیپو سلطان کی معرفت ان سب عورتوں کو طلائی کڑے اور

روپے بطور انعام بھیجے گئے۔

نواب حیدر علی کو کسانوں پر خاص توجہ تھی۔ ہمیشہ ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کی جاتی۔ لیکن غنیم کے حملوں کے وقت اپنے ملک کے سرسبز قطعات اور لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کر دینے میں انہیں کوئی دریغ نہ ہوتا تھا تاکہ دشمن کو سامان رسد نہ مل سکے۔ سوداگروں کی خوب آؤ بھگت کی جاتی۔ اور باہر سے جو سوداگر ملک میں آتے۔ ان کی خاطر تواضع حد درجہ کی جاتی تھی۔ اور ان کی تمام جنس خرید کر دوبارہ ان کو اپنے ملک میں آنے کی ترغیب دلائی جاتی تھی۔

نواب کو اپنی سوار فوج پر خاص توجہ تھی۔ اور نواب کی لڑائیوں میں اکثر اچانک دھاوے اور شبخون زیادہ ہوتے تھے۔ اس لئے فوج میں ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی تھی۔ نواب کے حکم سے میسور میں دو جگہ گھوڑے، بیل اور ہاتھیوں کے فارم (چراگاہ) کھلے ہوئے تھے۔ جہاں ان جانوروں کی نسل کشی اور پرورش ہوتی تھی۔ وہی سلسلہ آج بھی ریاست میسور میں قایم ہے اور اس محکمہ کا نام میسور میں محکمہ امرت محل ہے۔ اس میں زیادہ تر گائے اور بیل رکھے جاتے ہیں۔ گھوڑوں کیلئے بھی ایک علیحدہ فارم قایم تھا۔

خوراک

وہ خود مختار بادشاہ جس کے سلطنت کی وسعت اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) مربع میل سے زیادہ ہو۔ اور اس وقت کے تمام ہندوستان کے بادشاہوں سے بلحاظ وسعتِ ملک سب سے بڑھکر طاقتور ہو۔ اسکے سفرے کے متعلق تمام مورخین خاموش ہیں۔ مگر مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایام جشن دسہرہ میں ان کا دسترخوان اسقدر وسیع ہوتا تھا کہ شاہانِ دہلی کے دسترخوان پر رشک ہوتا تھا۔ ورنہ معمولی طور پر بالکل سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ چونکہ بچپن سے طبیعت محنتی اور جفاکش تھی۔ اس لئے ہمیشہ غذا

بھی سادہ اور دو وقتہ تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ کئے وقت جو یا راگی کی سوکھی روٹی اور پانی پر گذر ہوتا تھا۔ دوسرے وقتوں میں بھی دستر خوان پر راگی (ایک قسم کا غلہ جو میسور میں بکثرت ہوتا ہے اور عام لوگوں کی غذا ہے) کی روٹی ضرور ہوتی تھی۔

روزانہ مشاغل

نواب حیدر علی ہر صبح قبل طلوعِ آفتاب بیدار ہو کر گذشتہ دن اور رات کے ضروری اخبار سنتے۔ ذمہ دار افسروں کو اجازت تھی کہ جب کوئی بالکل ہی ضروری خبر سنانی ہو تو رات اور دن میں کسی وقت بھی حاضر ہو کر سنائیں۔ قریب آٹھ بجے دیوان خانہ میں تشریف فرما کر خطوط اور عرضیاں سنتے۔ اور انکے جواب لکھاتے اس سے فارغ ہو کر گھوڑے، ہاتھی اور شکاری چیتے وغیرہ ملاحظہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب بعض خوبصورت چیتوں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔ اور انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔ اور چیتے بھی نواب سے اس قدر مانوس تھے کہ نواب کو دیکھتے ہی بطور کتوں کے خوشی سے کودتے اور دُم ہلاتے۔ ان چیتوں کو نوکر پکڑے ہوئے رہتے۔ اور انکے سروں پر ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی۔ جو رسّی کے ایک ادنیٰ اشارے سے وقتِ ضرورت آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی۔ قریب دس بجے ناشتہ کر کے پھر دیوان خانہ میں آتے۔ یہاں باہر کے آئے ہوئے سفیروں کو شرفِ باریابی بخشا جاتا۔ اسکے بعد دربار عام (نواب کا دربار عام ایک زردوزی شامیانے میں ہوتا تھا) میں تشریف لاتے۔ یہاں فریادی بذاتِ خود پیش ہوتے۔ اور مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا۔ ماتحت راجگان اور امراء کے وکیل اس دربار میں ضرور شامل رہتے تھے۔ جب عرضیاں ور مقدمات کی سماعت ختم ہو جاتی تو تاجروں کو حضوری میں طلب کیا جاتا۔ اور ان میں بعض کو خصوصیت سے بیٹھنے کا حکم بھی ملتا۔ تاجروں کو پان دیکر رخصت کیا جاتا۔ یہ دربار قریب تین بجے کے ختم ہوتا۔ جس کے بعد محل میں جا کر آرام کرتے۔ اور پھر پانچ بجے باہر

آکر فوج کا معائینہ فرماتے میٹنیوں کو ہمیشہ ساتھ رہنے کا حکم تھا. یہاں بھی احکام صادر کیئے جاتے جس کے بعد ہوا خوری کو جاتے تھے۔

رات کو رقص وسرود کی محفل گرم ہوتی. اس میں عود وعنبر کی انگیٹھیاں سلگتیں۔ اور خوب روشنی کی جاتی. اِن محفلوں میں امراءِ مصاحب اور امیرزادے بھی شامل ہوا کرتے تھے ان امیرزادوں سے چار امیرزادے کمربستہ مع شمشیر رہتے تھے. گیارہ بجے تک یہ جلسہ ہتا جس کے بعد محل میں تشریف لیجاتے .

حیدرعلی کے مشاغل زندگی میں یہ معمول صرف ان ایام کا ہے۔ جبکہ وہ سرنگاپٹم میں رہتے تھے. ورنہ انکی تمام زندگی جنگ اور سفر میں کٹی. سفر میں اکثر ہفتے میں دو دفعہ شیر، چیتے اور ہرن وغیرہ کے شکار کو جاتے. اور اس وقت ساتھ صرف نیزہ اور تلوار رکھتے تھے۔

جب حیدرعلی کسی بڑی مہم سے فتح پاکر آتے تو جشن منایا جاتا. جس میں شعرا قصائد پڑھتے اور انعام پاتے تھے .

عدل و انصاف

حیدرعلی کے عدل و انصاف کی روایات بھی اسی قدر مشہور ہیں جس قدر ان کی بہادری ۱۷۶۷ء میں ایک روز حیدرعلی کوئمبتور میں ہوا خوری کیلئے نکلے. راستے میں ایک بڑھیا نے نواب کو روک کر فریاد کیا کہ اسکی عرضی کی داد نہیں ملی. دریافت کرنیسے معلوم ہوا کہ عرضی. عرض بیگیوں کے سردار حیدرشاہ کے ہاتھ میں دیگئی تھی. اور کیفیت یہ تھی کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اسکی لڑکی چھین لی ہے. حیدرشاہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے بڑھیا اور اسکی لڑکی کو طوائفوں سے بتلایا. اور اسی لئے پیش نہ کر سکا حیلہ کیا. نواب نے کل واقعہ دریافت کرکے حیدرشاہ کو دو سو کوڑے

لگا کر معزول کر دیا۔ اور آغا محمد کا سر قلم کر دیا گیا۔ کہ آئندہ رعیت کو کوئی نہ ستائے لڑکی بڑھیا کو واپس دلائی گئی۔

نواب حیدر علی کی صولت وسطوت کا یہ حال تھا کہ شریر اور مفسدان کے نام سے کانپتے تھے۔ نواب نے خاص خاص جرموں کی سزا دینے کیلئے دو سو لشقچی ملازم رکھے تھے۔ جن کا کام مجرموں کو کوڑے لگانا ہوتا تھا۔ اس طرح سزا دہی میں امیر، غریب، سپاہی، اور افسر سب برابر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی جرم پر شاہزادہ ٹیپو سلطان کو بھی حیدر علی نے اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے

شاہانِ مغلیہ کا طمطراق سرنگاپٹم میں روما کے تماشے

نواب حیدر علی کے حکم سے آتشبازی کا تماشہ بھینسوں اور بیلوں کی لڑائیاں۔ ہاتھیوں کی باہم ٹکریں۔ پہلوانوں کی کشتیاں ہمیشہ شام محل کے روبرو ہوا کرتیں۔ فوج کے بہادر سپاہی زرہ بکتر پہنکر ریچھوں اور شیروں سے لڑتے۔ اگر سپاہی غالب آجاتے تو انہیں خلعت اور انعام کے علاوہ تنخواہ میں اضافہ ہوتا اگر جانور غالب آنے والا معلوم ہوتا تو فوراً اسکی پیشانی پر گولی ماری جاتی۔ ایسے وقت نواب ہر وقت بندوق ہاتھ میں لیئے رہتے تھے۔ اور گولی وہی مارتے تھے۔

تاریخ ہند بتلاتی ہے کہ شاہان بیجاپور نے بھی ہاتھیوں کی باہم لڑائیاں اپنے یہاں رائج کی تھیں۔ مگر جسوقت یہ خبر شہنشاہِ ہندوستان شاہجہاں کو پہونچی۔ تو اس نے فوراً سفیر کے ذریعہ باز پرس کی۔ کیونکہ یہ کروفر صرف شہنشاہ ہندوستان ہی کیلیئے زیبا سمجھا جاتا تھا۔ مگر نواب حیدر علی کے زمانے میں سلطنت دہلی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اور ہندوستان بھر میں حیدر علی کے پایہ کا اور کوئی خود مختار زبردست بادشاہ نہیں تھا۔

اقوال

نواب حیدر علی کے مقولے کثرت سے لوگوں کی زبان پر ہیں۔ مگر ان میں جو زیادہ مشہور اور تاریخی شہرت پا چکے ہیں حسب ذیل ہیں :-

(۱) ایک بہادر آدمی میدان جنگ میں تن بے سر کا اچھلنا و کودنا دیکھکر رقص بسمل کا لطف حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) توپ اور بندوق کی آواز آہنگ سرود سے زیادہ مزہ دیتی ہے۔

(۳) مردوں کی عمدہ نشست گاہ خانۂ زین ہے۔

(۴) لڑائی کے فتح کر لینے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ کسی جشن سے حاصل نہیں ہو سکتی

(۵) میرا پیغمبر بھی امّی اور میں بھی امّی۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک ادنے نمونہ ہے کہ مجھ ایسے جاہل سے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوں۔ جو ہزاروں عاقلوں سے وقوع میں آئیں

(۶) اگر مجھے مجھ ایسا ایک اور شخص ملجائے تو خدا کی تائید سے ہفت اقلیم فتح کر ڈالوں۔ اور دنیا کو پھر حضرت عمرؓ کی فتوحات کا نقشہ دکھادوں۔

لونڈی بچّہ

نواب ہمیشہ جب کسی کو پکارتے تو لونڈی بچہ پکارتے۔ ایک وقت ایک مصاحب نے عرض کی کہ بادشاہوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلنا زیب نہیں دیتا۔ اس پر نواب نے اس مصاحب کو انہیں الفاظ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور تم اور جو کوئی بھی ہے۔ وہ تمام لونڈی بچے ہیں۔ بی بی بچے تو صرف دو ہی ہیں۔ جن کا نام حسنینؓ ہے۔ بی بی تو وہی ایک ہوئیں۔ جن کا نام حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہے۔ اور باقی تمام لونڈیاں ہیں۔

شجاعت اور بہادری

نواب حیدر علی یہ جانتے ہی نہیں تھے۔ کہ خوف وہراس کیا چیز ہے۔ مشکل سے مشکل امر میں بھی انہوں نے کبھی

ہمت نہیں ہاری۔ سرنگاپٹم میں جب راجہ کی سازش کی وجہ سے جان پر بن گئی تھی۔ تو تن تنہا دریائے کاویری میں کود کر بنگلور آگئے تھے۔ ترمک راؤ کے مقابلہ میں جب کامل شکست ہوگئی تو سرنگاپٹم فرار ہو کر پھر فوج جمع کر کے مقابلہ کیلئے نکلے۔ میدانِ جنگ میں شجاعت اور بہادری کا یہ حال تھا۔ کہ صفِ دشمن میں گھس جانے سے کبھی خوف نہ کھاتے تھے۔ مستقل مزاجی کا یہ حال تھا۔ کہ کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ نواب پریشان خاطر ہیں۔ کڈپہ میں رات کے وقت جب افغان ان پر حملہ آور ہوئے تو نہایت اطمینان سے اپنے بستر پر تکیئے رکھکر چادر اڑھا دی تاکہ حملہ آوروں کو گمان نہ ہو۔ اور اس کے بعد خود باہر نکلے۔

فراست و قیافہ شناسی

نواب کو قیافہ شناسی میں بھی خاص ملکہ تھا۔ انسان کو دیکھکر اس کے ظرف و کم ظرفی، پست نظری و بلند خیالی، شجاعت اور بزدلی پہچان جاتے تھے۔ نواب حیدر علی تو بالکل لکھے پڑھے نہ تھے۔ دستخط بھی مشکل سے کرتے تھے۔ ایک دن کسی فرمان پر اپنا نشان بنا رہے تھے۔ سامنے ایک شخص کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ نواب حیدر علی تاڑ گئے۔ کہا کہ دستخط کو کیا دیکھتا ہے۔ پیشانی کو بتلایا کہ یہاں دیکھ۔ یعنے میرے طالع کو دیکھ۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پہ ہو جائے۔)

بے تعصبی اور مذہبی رواداری

نواب حیدر علی خاں حد درجہ غیر متعصب تھے ان کی تمام زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ مذہب کی بنا پر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض کیا ہو۔ ان کے مشیر، وزراء اور فوج میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں تھے۔ مصنف حملات حیدری نے اپنی تاریخ میں بہت سے ہندوؤں کے نام لکھے ہیں۔ جن میں قلعہ دار بھی ہیں۔ اور فوجی افسر بھی۔ وزراء میں

کشن راؤ اور پورنیا مشہور ہیں۔ حیدر علی کا پہلا پرائیویٹ سکرٹری کھنڈے راؤ برہمن تھا۔ جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ اس کے بعد اس منصب جلیلہ پر کئی ایک ہندو فائز رہ چکے ہیں۔ سفارت کے اہم عہدوں پر بھی ہندو فائز تھے۔ نواب حیدر علی کو ہندوؤں پر اس قدر اعتماد تھا کہ سیاسی مجرم بھی ہندو پالیگاروں کے قلعے میں قید کئے جاتے تھے۔ میتھک سوسائیٹی کے تاریخی کاغذات میں ایسے بہت سے ہندو سیاسی مجرموں کے نام دیئے گئے ہیں۔ جو ان پالیگاروں کے قلعہ میں مقید تھے۔ انگریزوں سے پہلی جنگ کے دوران میں مدراس سے دو انگریز پادریوں نے حیدری فوج میں آکر اپنے آپ کو فرانسیسی مشہور کر دیا۔ اور نواب کی فرانسیسی فوج کے ملازموں کو ورغلانا شروع کیا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوئی تو صرف ان کے ظاہری لباس و تقدس کی بنا پر انہیں بجائے سزا دینے کے قید کر کے پانڈیچری روانہ کر دیا۔

رواداری کی مثالیں عام طور پر میسور میں ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ جس قدر قدیم مندر ملک میسور میں ہیں۔ سب کی جاگیریں حیدر علی نے نہ صرف بحال رکھا۔ بلکہ اپنی طرف سے بھی انعامات دیئے۔ جنکی سندات مندروں میں موجود ہیں۔ اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو بہت طویل ہو گی۔ یہاں صرف دو تین مثالیں دی جاتی ہیں۔ جن کی صحت کیلئے میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے سالانہ رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ڈیون ہلی کے مندر میں جو ناقوس استعمال ہیں ہے۔ وہ نواب حیدر علی کا عطیہ ہے۔

میسور ارکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۴ء

(۲) سرنگاپٹم میں سری رنگا ناتھ کے مندر میں جو برتن استعمال ہیں ہیں وہ حیدر علی کے دئیے ہوئے ہیں

(۳) سرینگری کے مندر میں نواب حیدر علی کے لکھے ہوئے تین اسناد ملے ہیں۔ جو بطور ریکارڈ محفوظ ہیں۔ ان میں ایک وہ خط ہے جو نواب حیدر علی نے ۱۷۶۹ء میں یہاں کے گرو کو لکھا تھا۔ اس خط

میں بعد ہدیۂ آداب وسلام کے نواب نے لکھا ہے کہ :-

"آپ نے بالاجی نیٹا اور وینکٹ رامنیا کے ذریعہ جو اطلاع دی ہے۔ اس سے آگاہی ہوئی۔ آپکی شخصیت واجب التعظیم اور آپ کا تقدس باعث برکت ہے۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہر شخص کے دل میں آپ سے ملنے اور سعادت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو معلوم ہوا ہے کہ صاحب رگھوناتھ راؤ پیشوائے پونا آپ سے ملنا اور آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ کو انکے پاس بغرض ملاقات بھیجا جائے۔ اس لئے میں اب آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پونا تشریف لیجاکر صاحب موصوف کی خواہش پوری کریں۔ آپکے اس سفر کیلیئے ایک ہاتھی۔ ایک پالکی۔ پانچ گھوڑے۔ اور پانچ اونٹوں کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دیوتا کیلیئے زرین کپڑے (آپ کے عَلَم نشان) کیلیئے پانچ ریشمی تھان۔ اور خاص آپ کیلیئے دو خلعتیں اور ایک جوڑی شال بھی ارسال خدمت ہے۔ اخراجات سفر کیلیئے ساڑھے دس ہزار روپیہ ارسال ہیں"

اس خط میں حیدر علی نے اپنے نام کے ساتھ شروع میں "نواب" اور آخیر میں "خان بہادر" کا خطاب استعمال کیا ہے۔ یہ خط مطلا و مذہب ہے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

دوسرا خط جس پر تاریخ نہیں ہے۔ سوامی ابھینو انسیمہا بھارتی کے نام ہے۔ جس میں سوامی جی کے خط اور تحفوں کی وصولی لکھی ہوئی ہے۔ اس خط میں نواب حیدر علی نے گروجی کو یقین دلایا ہے کہ مندر کے نام جو انعام ہیں وہ بحال رکھے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی درخواست کی گئی ہے کہ سوامی جی مندر میں جاکر اقامت کریں۔ اور سوامی جی سے یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ ارسال شدہ تحائف کو قبول کیا جائے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

تیسرا خط ۱۷۶۹ء کا ہے۔ دراصل یہ ایک حکمنامہ ہے۔ جو عمالان حکومت کے نام ہے۔ اس

ہیں انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ سرنگیری مندر کی جاگیرات میں مندر کے ملازم اپنی جانب سے جو محصولات وصول کرتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔ اس حکم نامہ کے عنوان پر نواب حیدرعلی کی مہر اور سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ (میسور کولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

سری رنگناتھ کا مندر

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر جو سری رنگناتھ جی کے مندر کے نام سے مشہور ہے۔ نواب حیدرعلی کا تعمیر کردہ ہے بیتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اپریل ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۴۵۴ پر تحریر ہے:-

"۱۷۷۴ء میں قدیم الدین خاں نامی ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی۔ جسکی وجہ سے بہت سی جانوں کے اتلاف کے علاوہ سری رنگناتھ کا مندر بھی جلکر تباہ ہو گیا۔ حیدرعلی نے اس مندر کو دوبارہ تعمیر کیا۔" (اپی گرافی کرناٹکا جلد نہم صفحہ ۲۷)

"بیلور میں گنگا سیوا کے مندر کا درمیانی قبہ حیدرعلی کا تعمیر کردہ ہے۔"

(اپی گرافی کرناٹکا جلد پنجم صفحہ ۳۷)

رحم دلی

نواب کی درشتی وسختی جس قدر مشہور ہے۔ اسی قدر انکی رحمدلی بھی مشہور ہے محمد علی کمیدان جو سپہ سالار افواج حیدری تھا۔ اور جس کے کارنامے ہم سوانح حیدری میں لکھ چکے ہیں۔ ایک وقت عہدہ سے اس لئے معزول کر دیا گیا تھا کہ اسکے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ خود اسکے دل میں نواب بننے کی خواہش تھی۔ حیدرعلی نے اس کو معزول کر دیا۔ مگر پھر چند دن کے بعد اس کو اسکے سابق عہدے پر بحال کر دیا۔

حیدرعلی کی رحمدلی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انکے حکم سے ہر بڑے شہر میں سرکاری خرچ سے ایک یتیم خانہ موجود تھا۔ جہاں لاوارث بچے پرورش پاتے تھے۔ جس کی نظیر اس زمانہ میں اور آجکل کی مہذب ومتمدن سلطنتوں میں بھی نہیں ملتی۔ انگریزی مورخین نے ان یتیم خانوں

کے وجود کا اعتراف تو کیا ہے۔ مگر اپنی روایتی تعصب دوستی سے یہ بھی لکھا ہے کہ ان یتیم خانوں میں جو لڑکے پرورش پاتے تھے۔ وہ بڑے ہونیکے بعد فوج میں بھرتی کر لئے جاتے تھے۔

تعمیرات نواب حیدر علی کو فن تعمیر قلعہ میں کامل دستگاہ تھی۔ انکے بنائے ہوئے بہت سے قلعے موجود ہیں۔ جب کوئی نیا قلعہ فتح ہوتا تو پھر اسکی درستگی و تعمیر نواب کے حسب مرضی ہوتی تھی۔ بنگلور، میسور، بلاری، چیلدرگ اور سرنگاپٹم کے قلعہ جات نواب نے از سر نو تعمیر کئے۔ نواب حیدر علی کے فن تعمیر قلعہ کے متعلق انکے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ نواب کامل الفن تھے۔ قلعہ بلاری کے متعلق انگریزی تاریخ میں مشہور ہے۔ کہ ایک فرنچ انجنیر نے اس کو تعمیر کیا۔ نواب حیدر علی نے جس وقت اس قلعہ کا معائنہ فرمایا تو انہوں نے فرنچ انجنیر کو اس بنا پر پھانسی چڑھا دی کہ قلعہ جس پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے ملی ہوئی اور ایک اونچی پہاڑی ہے۔ جس پر غنیم کی فوج قابض ہو کر قلعہ والوں کو تنگ کر سکتی تھی۔ انجنیر کو پھانسی پر چڑھانے کی روایت صرف چند انگریزی مورخین کی زبانی ہے۔ ورنہ دوسری تاریخوں میں اسکا کہیں ذکر نہیں۔ بہر طور اس سے پتہ چلتا ہے کہ نواب حیدر علی کو کس قدر اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ ان قلعوں کے ساتھ ساتھ حیدر علی نے بعض اہم مقامات پر جیسے سرنگاپٹم، حیدر نگر، گرم کنڈہ، ڈنڈیگل وغیرہ میں توپ ڈھالنے اور بارود گولہ اور دوسرے ہتھیار بنانے کے کارخانہ بھی قایم کئے تھے۔

چونکہ نواب حیدر علی کا اکیس ۲۱ سالہ عہد حکومت تمام تر لڑائیوں اور جنگوں میں گذرا۔ اس لئے نواب کی بنائی ہوئی کوئی مسجد یا عمارت سوائے دریا دولت باغ اور محل سلطانی کے دوسری اور نہیں ہے۔ محل کا بہت سا حصہ ٹیپو سلطان نے بعد میں تعمیر فرمایا تھا۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ دریا دولت باغ میں جو تاریخی تصاویر دیواروں پر ہیں

وہ نواب حیدر علی کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ ان تصاویر میں ایک میں کرنل بیلی کی شکست کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اور دوسرے میں ایک کارٹون ہے۔ جس میں میر نظام علیخاں نظام الملک کی دوستی و دشمنی دکھائی گئی ہے۔

اطاعتِ والدین

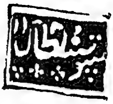
نواب حیدر علی کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ نواب حیدر علی اپنے سے بڑے خویش و اقارب کا حد درجہ ادب کرتے تھے ایک دفعہ جبکہ ۱۷۸۱ء میں انگریزوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ تو حیدر علی کی والدہ بیٹے کے دیکھنے کیلئے حیدنگر سے پائین گھاٹ کے میدانِ جنگ میں تشریف لائیں۔ جس وقت حیدر علی کو خبر ہوئی تو آپ نے تین میل آگے تمام فوج کو دست بستہ کھڑا کر دیا۔ اور آپ مع شہزادہ ٹیپو سلطان و کریم شاہ استقبال کو بڑھے۔ جب محافہ قریب آگیا۔ تو نواب اور شہزادے دہنے بائیں جلو میں ساتھ ہوئے۔ جب سواری فوج کے آگے آئی تو کل فوج نے نہایت تعظیم سے سلامی اتاری۔ والا بیگم کے جلو میں دو سو کنیزیں برقعہ پہنے ہوئے عربی گھوڑوں اور گجراتی بیلوں پر سوار تھیں اور محافے کے پیچھے آٹھ رتھ تھے۔ جن پر زردوزی پردے پڑے ہوئے تھے۔ سواری کے آگے فرانسیسی سوار اور چھ سو نیزہ بردار اور پیچھے چار سو ہندوستانی سوار تھے۔ والا نواب بیگم دو روز قیام فرما کر جب واپس گئیں۔ تو نواب بھی اسی مقام تک ہمرکاب رہے جہاں پہلے استقبال ہوا تھا۔

تعلیم و تربیت اولاد

حیدر علی اگرچہ خود ان پڑھ تھے۔ مگر انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے نہایت اہتمام کیا تھا۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ امورِ جنگی و سیاسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ حیدر علی جنگوں میں ٹیپو سلطان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان کو عالم بننے کا بہت شوق تھا۔ اور وہ ہمیشہ لکھنے پڑھنے ہی میں مصروف

عکس تحریر سلطانی

اور نامہ



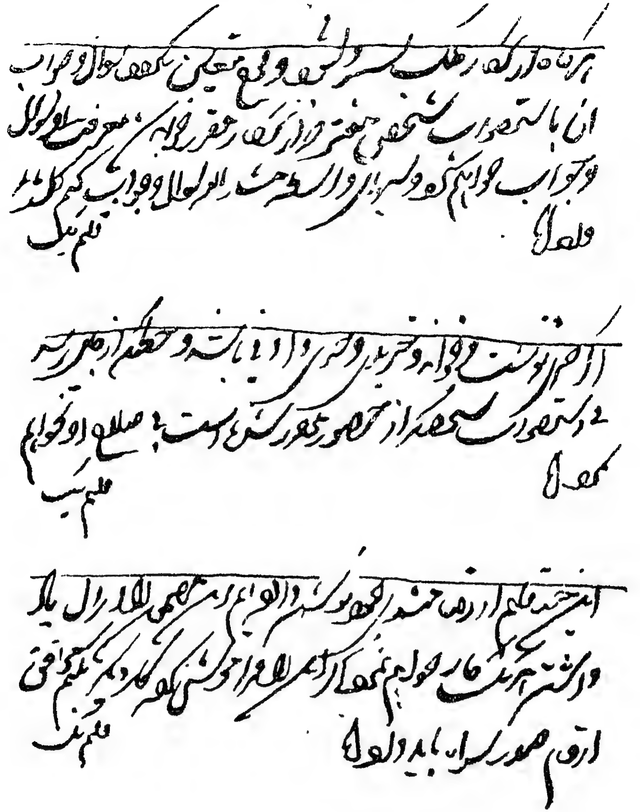
بدول حرفی مدلک حضرت خداوند نعمت سلک کاف نخواہم کہ
اگر کنم کہ در خاطر ہیں بود بکند تو سزاواہ باید ملاحظہ   قلم بیت

در امور کہ رود داد و تعلقات کہ در تقصیر نیم سرکار اسست عمل
باید ملاحظہ   قلم بیت

خلاف کوشش و کحا باری نیم سرکار امہی عمل کرت
قلم بیت

بدول خدام کہ برلیعہ کسے بدر وجہ نخواہم رفت و حرفیکہ از
کسے نخواہم گرفت اگر کنم سہ سری دربار بی ملاحظہ الہی و قلم بیت

باہر کس سرکار اموالات کہ بود و بہر قلم در غلام اعتباری
منعم سرادالشہ و ار باید نمسہ ملاحظہ   قلم بیت



عکس تحریر سلطانی

یہ عکس سلطان کے اقرار نامہ سے لیا گیا ہے۔ جس کا ذکر حالات نواب حیدر علی میں آچکا ہے۔ غالباً یہ تحریر اس وقت کی ہے۔ جب سلطان کی عمر ۱۶ - ۱۷ سال کی تھی۔

نظر آتے تھے۔ حیدر علی کو جب ٹیپو سلطان کا یہ انہماک معلوم ہوا تو ایک دن انہوں نے کہا:- کہ

"جانِ پدر! سلطنت کیلئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے۔"

حیدر علی نے اپنے فرزند کو امور سلطنت میں ماہر ہونے کیلئے جس قسم کی تعلیم دی تھی اور ہر کام مشورہ سے کرنے کے متعلق جو ہدایت کی تھی۔ اسکی ایک جھلک اس اقرار نامہ سے ملتی ہے۔ جو باپ نے بیٹے سے لیا تھا:-

ٹیپو سلطان نے یہ اقرار نامہ اپنے قلم سے فارسی زبان میں لکھکر دیا تھا نیچے اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

اقرار نامہ

(۱) بغیر مرضی مبارک حضرت خداوند نعمت کوئی کام نہیں کرونگا۔ اگر کروں تو جو سزا مناسب سمجھی جائے۔ دی جائے۔

(۲) اگر سرکاری امور میں چوری یا تغلبی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۳) اگر جھوٹ بولوں یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۴) بغیر مرضی مبارک حضور کے کسی سے نذر یا کوئی اور چیز لوں تو میری ناک کاٹ کر شہر بدر کر دیا جائے۔

(۵) سوائے امور سرکاری کے اگر میں کسی سے کلم و کلام یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے

(۶) اگر سرکار کی جانب سے مجھے کسی ملک کی حکومت تفویض کی جائے اور میرے ماتحت فوج رکھی جائے تو میں تمام متعلقہ امور ان لوگوں کے مشورہ سے سرانجام دونگا۔ جنہیں سرکار نے اس غرض کیلئے مقرر کیا ہے۔ اگر اس کے عوض کسی دوسرے ذریعہ سے یہ کام کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے

(۷) اگر کبھی خط و کتابت یا خرید و فروخت یا کوئی خط کسی جگہ سے آئے تو سوائے حضور کے مقرر

کردہ مشیروں کی صلاح کے کوئی کام نہیں کرونگا۔

(۴) یہ چند قلم اپنی رضامندی سے لکھکر دے رہا ہوں اور انکے مضمون کو دل میں بطور یادداشت رکھتا ہوا اقرار کرتا ہوں کہ ہر کام ان دفعات کے مطابق کرونگا۔ اگر نہ کروں تو جو سزا چاہے دی جائے۔

نواب حیدر علی کی بلند نظری اور اتحادِ اسلامی کی کوششیں

نواب حیدر علی اس قدر دُور اندیش اور بلند نظر تھے۔ کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری ان کے آپس کے نفاق کا باعث ہے۔ اس لئے حیدر علی نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد قایم رہے۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ہر طرح کوشش کی۔ چنانچہ جب کبھی والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کی طرف سے ذرا بھی صلح کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو آپ نے اتحاد بین المسلمین کے خیال سے فوراً صلح کرلی جس کا ثبوت اسی کتاب کے گذشتہ اوراق میں ملتا ہے۔

بحری طاقت

حیدر علی کے کارناموں میں یقیناً یہ سب سے بڑا اور نمایاں کارنامہ ہے کہ بندرگاہ منگلور پر قبضہ کرنیکے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف تجارت بلکہ ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہاں جہازات بنانے کا ایک کارخانہ قایم کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل جنگوں میں مصروفیت اور ہندوستانیوں کو جنگی جہازوں کی تعمیر سے ناواقفیت کی وجہ سے اس شعبہ کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ تاہم ان کی وفات کے وقت ایک بڑا اور ساٹھ چھوٹے جہازات موجود تھے۔ اگر اس شعبہ کو ترقی ہوتی تو یقیناً میسور کی دوسری جنگ میں ان جہازات سے بہت مدد ملتی۔ اس سے قطع نظر یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ حیدر علی کی بلند نظری کسقدر وسیع تھی۔ انگریزی مورخین نے حیدر علی کی تعریف میں سب سے بڑھکر انکے اسی کارنامہ کی تعریف کی ہے۔

نواب حیدر علی کے متعلق مورخین کی آراء

تاریخ رولرس آف انڈیا میں نواب حیدر علی کی نسبت لکھا ہے :-

" حیدر علی کو تمام جانوروں میں شیر زہ نہایت پسند تھا۔ حیدر علی میں بھی یہی صفات موجود تھے۔ ان میں شیر زہ کی سی شجاعت و بہادری موجود تھی۔ اور جس طرح جانوروں میں شیر زہ کی صفات میں خوبصورتی اور فطرت میں شرافت موجود ہے۔ حیدر علی میں بھی موجود تھی۔ اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حیدر علی ہندوستان کا شیر زہ تھا۔

بہت سی باتوں میں وہ ایک ایسا شخص تھا۔ جس نے اپنے وقت میں دوسروں سے اپنے آپ کو برتر و فائق ثابت کیا۔ اور خصوصاً اس کی سچائی اور معاملات میں راستی نے اس کو ممتاز بنا دیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھکر طاقتور رقیب اور کوئی نہیں ملا۔ حیدر علی کی فراست اور دانائی کا اس سے بڑھکر اور کوئی ثبوت ہی نہیں ہو سکتا۔ کہ حیدر علی نے ہندوستان کی اصلی کمزوری کا راز پہچان لیا تھا۔ یعنے یہ کہ خشکی پر قبضہ رکھنے کیلئے بحری طاقت کی ہندوستان کو سخت ضرورت ہے۔ جس کے فقدان کی وجہ سے ہندوستان کے ساحل غیروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس لئے اس نے ایک بحری طاقت کی بنیاد رکھی۔ حیدر علی کے پیش نظر دو خاص مقاصد تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک زبردست بحری طاقت قایم کی جائے۔ اور دوسرا جنوبی ہندوستان میں ایک بڑی شہنشاہیت قایم ہو۔ پہلے مقصد میں حیدر علی کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ جتنی کہ دوسری میں۔ چنانچہ بیس سال کے قلیل عرصہ میں اس نے ایک ایسی سلطنت اور

شہرت حاصل کرلی. جس کی وجہ سے آج بھی لوگ اسکے نام کی تعریف، توصیف و تعظیم کرتے ہیں۔"

حقیقت میں حیدر علی نے ایک ایسی وسیع اور زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی، جو اسّی[۸۰] ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی۔ اور انکے ماتحت کئی نواب اور راجگان خراجگذار تھے۔ اور اس لحاظ سے اگر حقیقت دیکھی جائے تو نواب حیدر علی ایک بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ تھے۔ (چونکہ حیدر علی کے نام کے ساتھ نواب عام طور پر مشہور ہوگیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اپنی تاریخ میں حیدر علی کو نواب کے خطاب ہی سے منسوب کیا ہے)

ایک ہندو مورخ اپنی تاریخ میں جو انگریزی زبان میں ہے لکھتا ہے :-

"انگریزوں کو اپنی سلطنت قایم کرنے کیلئے ہندوؤں، مرہٹوں، جاٹوں، گورکھے اور سکھوں سے کئی مشہور و معروف زبردست لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ اگر کوئی طاقتور دشمن انہیں ملا تو وہ حیدر علی تھا۔ جس کو انگریز شکست نہ دے سکے ۱۷۶۷ء سے ۱۷۸۲ء تک اس نے اپنی بہادری کا سکہ انکے دل پر بٹھا دیا اس کا مدراس کا مشہور دھاوا، ایک ایسا تاریخی اور جنگی کارنامہ ہے کہ مدت العمر یاد رہیگا۔ مگر اسکے ساتھ ہی اسکے دل میں اس قدر رحم اور وسعت تھی کہ اس نے مدراس پر قبضہ نہیں کیا۔ جو اس کیلئے ایک آسان بات تھی۔ اگر اس وقت مدراس پر حیدر علی کا قبضہ ہو جاتا تو جنوبی ہندوستان میں اسی وقت انگریزوں کا قصہ ختم تھا۔ اس کے بعد کی جنگ میں بھی اس کو اس قسم کے مواقع حاصل ہوئے۔ مگر قسمت ہندوستان کے خلاف تھی۔ حیدر علی کی وفات میسوریوں اور مرہٹوں کیلئے ایک نقصان عظیم کا باعث ہوئی۔ اسکے وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹوں نے ہتھیار رکھکر انگریزوں سے بمقام سالبی

انگریزی شرائط پر صلح کر لی۔

حیدر علی اگرچہ ایک جاہل مسلمان اور زبردست سپاہی تھا۔ مگر تعصب مذہبی سے بالکل مبرا تھا۔ وہ ایک مادر زاد سپاہی اور ایک عمدہ شہسوار تھا۔ حیدر علی کی زندگی میں اس کے مقابل کا کوئی اور جنرل ہندوستان میں نہیں نکلا۔ بلکہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں بھی اس پایہ کے لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ حیدر علی ہی صرف وہ ہندوستانی بادشاہ تھا۔ جس نے اپنے ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت قایم کی۔"

پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم آیا تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"حیدر علی کا محل ہندوستانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ محل کے آگے ایک وسیع میدان ہے۔ اور محل کے دونوں طرف متعلقہ کمروں میں سلطنت کے دفاتر ہیں۔ یہاں شاہانہ سطوت حکومت نہیں کرتی۔ بلکہ باقاعدگی اور سلیقہ شعاری کی حکومت ہے۔ سزا دینے کیلئے دو سو نسقچی ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ سے نہ افسر بچتے ہیں اور نہ شہزادے۔ جب میں حیدر علی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس نے تھوڑے وقت میں ایک ہی دفعہ کئی عرضیاں سنیں۔ اور جواب لکھوایا۔ اس کو یہ پرواہ ہی نہیں تھی کہ لوگوں کا مذہب کیا ہے۔ اس نے ہر ایک کو اپنی خواہش اور عقیدے پر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ صبح سے شام تک کام میں منہمک رہتا۔ گویا کہ وقت اور کام کا غلام ہے۔ ہر ایک کام خواہ کتنا ہی چھوٹا ہوتا۔ خود ہی نگرانی کرتا۔ یہاں تک کہ خیموں کیلئے رسیاں ہیں یا نہیں۔ وہ بھی خود ہی دیکھتا۔"

نوٹ۔ پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم میں خاص جاسوسی کے لئے آیا تھا۔ اس نے واپس جا کر میسور کی رانیوں کی جانب سے ایجنٹ کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا

اس معاہدہ کی تفصیل کتاب سد انڈ ٹر سٹیز میں موجود ہے اور شوارٹز کا دستخط بھی۔ اس سازش کا ذکر "سلطنتِ خدا داد کے خلاف سازش" کے عنوان کے تحت کسی اور جگہ دیا گیا ہے

حیدر علی کے مظالم کی داستان

انگریزی مورخین نے نواب حیدر علی کو جو بے رحم اور ظالم مشہور کر رکھا ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ ملک کرناٹک نواب کے ہاتھوں سے اُجڑ گیا۔ بلکہ ان کو نواب پر اس لئے غصہ ہے کہ انگریزی اسیروں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا۔ اور انکی ختنہ کر کے ان کو مسلمان بنایا گیا۔ ان الزاموں کے ثبوت میں جو کتابیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک مسٹر جے۔ مرے کی کتاب میموئرس آف دی لیٹ وار۔ اور دوسری جمیس اسکری کی اسیری کے حالات ہیں۔ یہ کتاب لنڈن میں ۱۸۲۴ء میں شائع ہوی۔

جے مرے اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"ہمارا قید خانہ میسور کے کمسن راجہ کے وسیع محل کے قریب تھا۔ محل کے سامنے میدان کے مشرقی جانب سلطان کا محل تھا۔ ہمارا قید خانہ اس جگہ تھا کہ ہم انگریزی قیدیوں کو سلطانی محل کے چھت پر چلتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ مگر ان کی باتیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ یہاں ہم نے ۲۷ ستمبر ۱۷۸۳ء کو دسہرہ کا تماشہ دیکھا۔ جبکہ میسور کا راجہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا دسہرے کے کھیل تماشہ دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے حکم سے انگریزی قیدی علیحدہ علیحدہ رکھے گئے تھے۔ جنرل بیلی ایک مسافر خانہ میں مقید تھا۔ جان میتھیوز اور بیرڈ دوسری جگہ تھے۔ عام سپاہیوں کو علیحدہ ایک مربع کمرہ میں قید کیا جاتا تھا۔ اس طرح شہر کے مختلف حصوں میں قید خانے تھے۔ ہمارا قید خانہ دراصل ایک گھر تھا۔

جس میں ایک فراخ صحن تھا۔ اوراس کے گرد اٹھارہ فیٹ کی مٹی کی بنی ہوئی چار دیواری تھی۔ ہمیں ان قیدیوں سے جو دوسری جگہ تھے۔ بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے قیدی ان نوکروں کے ذریعہ جوان پر متعین تھے۔ ایک دوسرے کو پیغام بھیجتے تھے۔ ایک دھوبی جو ہمارے کپڑے دھونے کیلئے متعین تھا۔ اکثر اسی کے ذریعہ ہم آپس میں پیغام اور پیسہ بھیجتے تھے۔ افسروں کو بیڑیاں ڈالکر رکھا جاتا تھا۔ بیمار ہونے پر سوائے معمولی بازاری ادویات کے اور کوئی خاص دوائیاں دی نہیں جاتی تھیں۔ لکھنے پڑھنے کیلئے کتابیں مہیا نہیں تھیں۔ ہم اپنا فرنیچر (پلنگ کرسی وغیرہ) خود بنا لیتے تھے۔ بیلی اور جنرل میتھیوز اور بہت سے دوسرے افسر اسی حراست میں مرگئے۔ فریزر۔ رمنی اور سیامسن ان تینوں افسروں کو میسور لیجا کر قتل کر دیا گیا۔ معائینہ کے دن ہم کو سخت خوف رہتا کہ کہیں ہم کو جبریہ مسلمان بنا کر ملازمت میں داخل نہ کرلیا جائے۔ قید خانہ کا افسر سید ابراہیم قیدیوں پر نہایت مہربان تھا۔ یہ شخص کسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھا۔ اگرچہ وہ سلطان کی ملازمت میں تھا۔ مگر ہمارے متعلق سلطان کی کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ سید ابراہیم کے مرنے کے بعد اس کی اس وفاداری کی قدر کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کا مزار تعمیر کیا۔ اوراس کو عمدہ حالت میں رکھا ہے۔

(نوٹ :۔ سید ابراہیم کی قبر چن پٹن میں عاقل شاہ کے مقبرے کے قریب واقع ہے۔ اس پر ایک سادہ گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ (محمود)

ہم اس قید کی حالت میں دن گذار رہے تھے۔ کہ ایک دن سلطان کی جانب سے ایک برہمن نے آکر ہم کو خوشخبری سنائی۔ کہ سلطان اور کمپنی میں صلح ہو گئی ہے

اور ہم کل رہا کر دئے جائیں گے۔ اس خبر کو سن کر ہم نے ہمارے پاس جو کچھ پیسہ تھا اس کو جمع کر کے آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی۔ رات بھر اس خوشی میں ہم کو نیند نہیں آئی۔ صبح کو ایک لوہار بیڑیاں کاٹنے آیا۔ ہم ایک پر ایک گرے پڑتے تھے۔ کہ جلد بیڑیاں کٹ جائیں۔ یہاں تک کہ ہم جو بالکل دوست بنے رہتے تھے۔ بیڑیاں جلد کٹانے کیلئے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ آخر کار شام کے تین بجے تک سب بیڑیاں کٹ گئیں۔ جس کے بعد ہم کو سلطانی محل کے پاس لیجایا گیا۔ میدان سے گذرتے وقت ہم نے بہت سے یوروپین لڑکوں کو دیکھا۔ جن کو ختنہ کر کے مسلمان کیا گیا تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ مدراس پہونچکر ان کی رہائی کی تجویز کرینگے۔ محل میں ہمارے نام لکھ لیکر ہم کو کرنل بریٹ وائٹھ کے قید خانہ میں بھیجدیا گیا۔ شام تک تمام یوروپین یہاں جمع ہو گئے۔ اور ہم قلعہ سے نکلکر سومنات پیٹ پہنچے۔ جو دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم کو یہاں اجازت دی گئی۔ کہ بازار دیکھیں۔ اور دریائے کاویری میں غسل کریں۔ اگرچیکہ ہماری بیڑیاں کٹ چکی تھیں۔ مگر ہمارے ہاتھ پیر جواب دے رہے تھے۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا۔ کہ ابھی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آزادی کے ساتھ ہاتھ پیر استعمال کرنے کیلئے ہم کو ایک عرصہ لگا۔ ہماری رفتار دیکھکر ہمیں خود ہنسی آرہی تھی۔"

جیمس اسکری کی کتاب کا اقتباس :-

"ہمارا جہاز "ہنی بال" فرانسیسیوں کے ہاتھ آگیا۔ امیر البحر سفرن نے جون ۱۷۸۲ء میں ہم کو کڈلور میں حیدر علی کے افسروں کے حوالے کر دیا۔ قیدیوں میں بعض لڑکے بھی تھے۔ یہاں ان لڑکوں کی ختنہ کر کے ان کے کانوں میں بالیاں ڈالی گئیں۔ ان کو قواعد

سکھلانے پر سعرجن ڈکیسٹر مقرر ہوا۔ جو کمپنی کا ایک مفرور سپاہی تھا۔ قیدیوں کی جملہ تعداد ایک سو تھی۔ ہم اس اسیری میں دس سال تک رہے۔ ہماری طویل اسیری درحقیقت ان انگریزی کمشنروں کی غلطی ہے۔ جنہوں نے صلح کے وقت ہماری رہائی کا مطالبہ نہیں کیا۔

ہمیں سرنگاپٹم لاکر فوجوں میں بھرتی کرلیا گیا۔ میرے چار ساتھیوں کو چیلدرگ کی فوج میں کام کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ یہاں سے ہم فرار ہوکر سرحد پر پہونچے۔ اس وقت ہمارے جسم پر سلطانی فوج کی وردی، ڈوپٹہ، بھری کپڑے کی قمیص اور کمبل تھی۔ سرحد پار ہوکر ہم ڈاکٹر لٹل کے گھر پہونچے۔ یہاں ہم نے اس کو اپنا حال سنایا"

جیمس اسکری کے حالات کا مصنف لکھتا ہے:-

"جیمس اسکری جان میڈوس کے ماتحت میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھا۔ جس کے بعد وہ انگلستان گیا۔ یہاں شہر پلائی موتھ میں اس نے ایک دوکان کھولی تھی۔ مصنف کتاب لکھتا ہے۔ کہ جیمس دوکان پر بیٹھا ہوا آہیں بھرا کرتا تھا۔ کہ کاش پھر اس کو سرنگاپٹم کی قید نصیب ہو۔ اس کتاب میں سرنگاپٹم میں شام کا وقت جو کھیل تماشے ہوتے تھے۔ انکا حال بھی مفصلاً درج ہے۔

اسی کتاب میں اسکری کی زبانی مصنف لکھتا ہے کہ کس طرح سرنگاپٹم میں انگریز لڑکوں کی شادی ہوئی۔ سلطان کا مقصد شاید یہ تھا۔ کہ اگر ان لوگوں کی شادی ہو جائے تو وہ ملک میں مقیم ہوجائیں گے۔ کرناٹک کے حملوں میں بے شمار لڑکیاں حیدر علی کے ہاتھ لگی تھیں۔ جن میں سے چند لڑکیوں کو ہمارے لئے بھیجا گیا تھا۔ انتخاب کا

طریقہ یہ تھا کہ لڑکیاں ایک قطار میں کھڑی کر دی جاتی تھیں۔ اور ان کی پشت پر ہمیں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ داروغہ حکم دیتا تھا کہ دونوں صف ایک ساتھ پلٹیں۔ اور جو مقابل ہو لے ہیں۔ اس طرح ہر ایک کے حصہ میں چار و ناچار ایک لڑکی آئی۔ ہم کو اس کے بعد صندوق پلنگ وغیرہ دیا گیا۔ اور ہم کو حکم دیا گیا کہ ان لڑکیوں کو لیکر اپنی اپنی رہائش گاہ پر چلے جائیں۔ ہم کو آسائش گاہ کو جانے کیلئے بازار میں سے گذرنا ہوتا تھا۔ یہاں لوگوں کا ہجوم اس قدر کثرت سے تھا کہ لڑکیوں میں خلط ملط ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مقام پر پہونچنے پر ایک کی عورت دوسرے کے قبضہ میں تھی۔ اس طرح نہ صرف آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ بلکہ لڑکیاں بھی ایکدوسرے سے لڑتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے دشمن ہمارے اس طریق سے خوش ہیں دو ماہ کے بعد ایک قاضی نے آکر ہمارا نکاح کیا۔ جیمس اسکری اپنی عورت کے متعلق کہتا ہے۔ کہ ارکاٹ کی ایک نوخیز لڑکی تھی۔ جو میری غربت اور تمام مصائب میں وفاداری کے ساتھ رہی۔ ہماری رجمنٹ کو جس وقت چتلدرگ سے دوسری جگہ جانے کا حکم ملا تو میں اور میرے چار ساتھیوں نے فرار ہونے کا تہیہ کر لیا حکم شام کے وقت آیا تھا۔ میدان میں سپاہی جمع ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص میرا نام (شمسو خاں) لیکر پکارا۔ یہ وہ وقت تھا کہ میں اپنی عورت اور بچے کی صورت کو آخری دفعہ دیکھ رہا تھا۔ میری صورت اور میری حالت سے اس کو کچھ شبہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ ایک قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی کے ساتھ مجھ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھے مختلف سوالات پوچھ رہی تھی۔ جن کا مجھ سے جواب نہ بن آتا تھا میں نہیں چاہتا تھا کہ جدائی کا لفظ منہ سے نکالوں۔ بغیر بات کئے ہوئے میں باہر گیا

اور ہم فرار ہو کر انگریزی علاقہ میں آگئے۔"

(نوٹ :۔ مذکورۂ بالا دونوں مضامین کتاب "سیج آف سرنگا پٹم" محاصرۂ سرنگا پٹم سے لئے گئے ہیں۔)

یہ ہیں وہ مظالم جن کی بنا پر حیدر علی اور سلطان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس کے خلاف یہی قیدی جب تک فرانسیسیوں کی قید میں تھے۔ اور ان کی جو حالت تھی۔ وہ اسی جیمس اسکری کی زبانی سنئے :۔

کپتان اسکری اپنی کتاب اسکریس کیپٹیوٹی میں لکھتا ہے :۔

"ہم لوگوں نے ایک مدت تک فرانسیسیوں کی قید میں طرح طرح کی اذیتیں پائیں۔ آخران سنگدلوں نے ہماری قوم کے اسیروں کو جو تعداد میں پانچسو تھے۔ کئی جہازوں پر سوار کرا دیا۔ چھ ماہ کے بعد سب کے سب ہم قلعہ کڈلور میں پہنچے۔ جب یہاں کچھ دن گذرے تو ہم کو چدمبرم جو نواب کے قلعہ جات میں خاص استحکام رکھتا ہے۔ لے گئے۔ وہاں اس قلعے کے درمیان ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جا بجا سینکڑوں آدمی بحال تباہ پڑے ہوئے مردہ معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر مارے بھوک کے ایسی حالت میں تھے۔ کہ اگر گندے مقام پر ایک سڑی ہڈی کہیں پڑی دیکھتے تو اس کی طرف بھی ہاتھ بڑھا دیتے۔ خوراک ہم لوگوں کی یہاں یہ تھی کہ فقط گائے کا گوشت اور موٹے چاول کھانے کو ملتے۔ اسی غذا اور شور زمین کا باعث تھا۔ جو ہمارے ساتھ کے اکثر آدمی رو رو کر مر گئے۔ اور اکثر تن و توش والوں کو ہم نے دیکھا کہ گھڑی بھر کے تشنج میں انکے اعضا اکڑ گئے۔ خدا جانے فرانسیسیوں کو انگریزوں سے ایسی کیا عداوت تھی: جو ہم سب کو ایسے ظالموں کے حوالے کر دیا۔ کپتان اسکری کہتا ہے کہ جب ہم قریب

دو ماہ کے اس مقام پر رہے۔ تو ہم میں سے ۱۹ آدمیوں نے لفٹنٹ وِلسن کے ہمراہ بھاگنے کا قصد کیا۔ اور ایک رات ہم کئی کملوں کی رسّی بنا کر اس کے سہارے سے حصار کے باہر نکل گئے۔ ہم کو کچھ معلوم نہیں ہوا کہ ہم رات بھر بھاگ کر کہاں پہنچے۔ لیکن صبح ہوتے ہی ہم سب گرفتار کر کے واپس لائے گئے۔ ایک شخص ندی میں ڈوب کر مر گیا۔ باقی ۱۹ پھر وہیں آ گئے۔ لفٹنٹ وِلسن کو ننگا کر کے املی کی ایک چھڑی سے سخت سزا دی گئی۔ باقی لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ بعد دو دن کے ہم کو اور ایک مستحکم زندان میں لے گئے۔ جہاں ہماری پنڈلیاں چھید کر آہنی بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور ہمارے پاسبانوں کی تعداد دو چند کر دی گئی۔ دو مہینے کے بعد حیدر علی نے حکم بھیجا کہ ہمیں بنگلور لے جایا جائے۔"

حیدر علی پر ایک نظرِ بازگشت

یوں تو ہندوستان کی خاک سے بہت سے نامور شہنشاہ اور جلیل القدر فاتح پیدا ہوئے۔ لیکن حیدر علی کی زندگی کے حالات ان سے بہت مختلف ہیں۔ بیشک وہ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا۔ جب ایک جری انسان اپنی تلوار سے کام لیکر اپنے لئے دولت و ثروت بلکہ تاج و تخت بھی پیدا کر سکتا تھا۔ مگر حیدر علی نے جن مصائب و آفات میں گھر کر ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اسکی مثال کم از کم ہندوستان میں تو نہیں مل سکتی۔ اسکی پشت پر کوئی ایسی خاندانی روایات نہیں تھیں۔ جو لوگوں کو اس کا گرویدہ کر دیں۔ یا دولت و امارت نہیں تھی کہ لوگ خود بخود اسکی طرف کھنچ کر آتے۔ اس کا آغاز ایک معمولی آغاز تھا۔ ملازمت کے سلسلے میں اگرچہ وہ سپہ سالار کے عہدہ تک پہونچ گیا تھا لیکن کبھی اس کو یہ خیال تک پیدا نہ ہوا۔ کہ اپنے آقائے نعمت سے غداری کرے۔ اگر اس زمانہ میں جب یہ ڈنڈیگل کا گورنر رہا یا مرہٹوں پر فتح پاکر انہیں ملک سے نکال باہر کیا تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اپنے استقلال کی کوشش کرے تو اس کے لئے بہت سی آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں۔ اور اس کا شمار بھی ان غداروں میں ہوتا جن کی حالات سے تاریخ ہند لبریز نظر آتی ہے۔

یہ ایک حیرتناک امر ہے کہ وہ اسی وقت اپنے استقلال کی کوشش کرتا ہے۔ کہ جب مصائب و آفات کی گھنگور گھٹائیں اسکی زندگی پر بلے طرح چھا جاتی ہیں۔ اور اسکی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ وہ جن سے نیک سلوک اور اپنی وفاداری کے صلہ کی توقع رکھتا تھا۔ وہی لوگ اسکی جاں کے دشمن بنجاتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے کہ اسکا جوہر اصلی ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے بے مثل تدبر کو حرکت ہوتی ہے۔ آزاد ہو کر وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے۔ لیکن یہ انتقام وہ ذلیل انتقام نہیں ہوتا جس کی مثالیں ادنیٰ دل و دماغ والوں میں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں ایک بہادر تھا۔ اور ایک بہادر انسان اپنے دشمن سے جو سلوک کرتا ہے۔ وہی سلوک اس نے اپنے دشمن سے کیا۔

ان ابتدائی مشکلات سے نپٹ لینے کے بعد حیدر علی جیسی دل و دماغ والی شخصیت کے لئے راجہ میسور کی چھوٹی سی راجدھانی پر قانع رہنا ایک ناممکن امر تھا۔ اس نے ہندوستان کی وسیع سرزمین پر نظر کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ مغلیہ سلطنت کی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی۔ اور ملک پارہ پارہ بن چکا تھا۔ ایک طرف تو مرہٹی طوفان برق باد بنکر مسلمانوں کی خرمن ہستی کو نشانہ بنا رہا تھا۔ تو دوسری طرف مغربی قومیں اپنی عیاری و مکاری کا جال بچھا کر تمام ملک کو اپنے تسلط میں لانا چاہتی تھیں۔

ایسے وقت حیدر علی ایک آہنین عزم لیکر اٹھا۔ اسکے مطمح نظر مسلمانوں کی سربلندی کے ساتھ ساتھ ابنائے ملک کی فلاح و بہبودی بھی تھی۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے اس نے اپنی ذات کو وقف کر دیا۔ لیکن ملک کی بدقسمتی اور مسلمانوں کے طالع کی خرابی نے نہ صرف ابنائے وطن بلکہ اس کے خاص ہم مذہبوں کو بھی اس کا دشمن بنا دیا۔ مرہٹوں کو گوارا نہیں تھا کہ حیدر علی کو عروج حاصل ہو۔ ارکاٹ اور حیدرآباد کو منظور نہیں تھا کہ یہ بہادر سپاہی اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ انکی سیاست بالکل سطحی تھی۔ انکے دل و دماغ خودغرضی سے ماؤف ہو چکے تھے۔ انہیں ملک کے مستقبل کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کے ساتھ ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی جس کو حیدر علی کے عروج میں اپنی موت کا سامان نظر آ رہا تھا۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسکا اکیس[۲۱] سالہ عہد حکومت ہمیشہ میدانِ جنگ میں گذرا۔

اسکو اپنی وفات تک ہمیشہ دشمنوں سے برسرِ پیکار رہنا پڑا۔ بلکہ اسکی موت تک میدانِ جنگ ہی میں ہوئی وہ اگر دولت و امارت چاہتا یا عیش و عشرت اسکا مقصود ہوتا تو اس کیلئے میسور کی راجدھانی جس پر وہ قبضہ کرچکا تھا کافی تھی۔ لیکن ہندوستان کی آزادی کی تڑپ، اور مسلمانوں کی سربلندی کی آرزو اس کو آمادہ کی کہ حصولِ مقصد کے لئے ہمیشہ سر اور دھڑ کی بازی لگاتا رہے۔ اور یہ بہادر سپاہی اس سے ایک لمحہ کیلئے بھی کبھی نہیں جھجکا۔ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۸۲ء تک اگر حیدر علی کی زندگی پر نظر کیجائے تو اس کو کسی ایک سال بھی آرام و چین کی زندگی میسر نہیں ہوئی۔ ۲۱ سال کی یہ زندگی ایک طوفانی زندگی تھی۔ جس میں اسکو کامیابی و ناکامی اور فتح و شکست سے ہمیشہ دوچار ہونا پڑا۔ ارکاٹ و حیدرآباد کے مسلمان، پونا کے مرہٹے، مدراس کے انگریز اور خاص میسور اور اس کے اطراف کے پالیگار، کڑپہ، کرنول اور ساونور کے نواب۔ ان سب میں کوئی نہیں تھا جو حیدر علی کا دوست تھا۔ مگر اس جانباز سپاہی کی مستقل مزاجی یا سخت جانی اور اس کے بے پناہ تدبر نے ان تمام مشکلات میں گھر جانے کے باوجود بھی ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ملک و ملت کی آزادی کی ضامن تھی۔ اس نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی سلطنت مسلمانوں اور ابنائے ملک کے لئے چھوڑی۔ جس کا رقبہ اسّی ہزار میل اور اس کے حدود دھاڑواڑ سے لیکر ٹراونکور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے آگے تلوار کے روبرو قلم ایک بے معنی شے تھی۔ اس کا مقولہ تھا کہ "اگر مجھے اپنے جیسا ایک اور شخص ملجائے تو میں دنیا کو فتوحاتِ عمریؓ کا نقشہ دکھادوں" وہ اُمّی محض تھا۔ لیکن اس کی تدبیر، سیاست دانی و بیدار مغزی کا لوہا دوست و دشمن دونوں تسلیم کرچکے تھے۔ موت کا بے رحم ہاتھ یا ملک کی بدقسمتی ۱۷۸۲ء میں اس کا اگر خاتمہ نہ کردیتی تو یقیناً ملک کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

وہ جان چکا تھا کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب کیا ہیں۔ اس کو اس بات سے آگاہی تھی کہ مغرب کا تفوق مشرق پر صرف بحری طاقت کی وجہ سے ہے۔ مغرب سے مشرق کو آنے کیلئے راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) کا راستہ اسلامی ممالک کے تمدن، تجارت اور خوشحالی پر ایک کاری ضرب لگا چکا ہے۔ اس لئے کہ جو تجارت مغرب کی مشرق سے یا مشرق کی مغرب سے ہو رہی تھی۔ وہ بری راستے کے ذریعہ تھی۔ اور اس کا گذر ایران و عراق اور عرب و مصر کے درمیان سے تھا۔ راس امید کا بحری راستہ کھل جانے سے تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلکر یوروپین اقوام کے ہاتھوں میں آچکی تھی جو ایسی مہلک ضرب تھی کہ جس سے اسلامی ممالک کی عام خوشحالی فنا ہو گئی۔ اور ادھر ہندوستان کا ساحل بحری مدافعت کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے اپنا آغوش ہر سمندری قزاق و ڈاکو کیلئے کھلا رکھتا تھا۔ پرتگیزوں نے جو مظالم ہندوستان کے مغربی ساحل پر کئے۔ فرانسیسی اور انگریزوں نے مغربی و مشرقی ساحلوں پر اپنا جو اقتدار جمایا وہ صرف ان بحری طاقت کی وجہ سے تھا۔ حیدر علی نے اس راز کو سمجھ لیا تھا کہ جبتک ہندوستان کے پاس اسکی اپنی بحری طاقت نہ ہو گی۔ اسوقت تک ملک کو مغربی قوموں سے نجات ملنا مشکل ہے۔ اس لئے اس نے ایک بحری بیڑے کے قیام کی طرف توجہ کی۔ اسکے دوسرے کارنامے اگر نظر انداز بھی کر دئیے جائیں تو یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو اس کو تمام سلاطین ہندوستان میں ممتاز کر دیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے ہندو یا مسلمان فرمانرواؤں نے کبھی بحری طاقت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہندوستان کے ساحل ہمیشہ غیر محفوظ رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو راجاؤں کو معلوم تھا کہ محمد بن قاسم کا ساحل سندھ پر کامیاب حملہ عربوں کی بحری طاقت کا نتیجہ تھا۔ لیکن ہندوستانیوں نے پھر بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی۔ کہ اس کے ساحلوں پر

کوئی قوم حملہ آور نہیں ہوئی۔ اور جو حملے بھی ہوئے۔ وہ بری راستوں سے ہوئے۔ یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا کہ بحری راستوں سے مغربی قومیں ہندوستان میں آئیں۔ اکبر کے بعد سلاطین مغلیہ میں جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب نہایت شان وشوکت کے شہنشاہ ہوئے۔ اور یہی وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ باوجود اس فراست ودانائی کے اور باوجود تمام ذرائع مہیا رہنے کے بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سلاطین مغلیہ نے کبھی اس آنیوالے خطرہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو نہ صرف انکی سلطنت بلکہ آخرکار تمام عالم اسلام کیلئے زوال کا باعث ہوا۔ انہیں معلوم تھا کہ تجارت غیروں کے ہاتھ میں جارہی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ حاجیوں کے جہازات لٹ رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ہندوستان کے ساحل بالکل غیر محفوظ اور خصوصاً جنوب مغربی ساحل پرتگالیوں کی جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ انکی اس وقت کی سیاست کچھ اور ہو۔ انہیں اپنی بری طاقت پر گھمنڈ تھا۔ اور وہ مستقبل سے بے نیاز تھے۔

اسی طرح جنوب کی وہ زبردست اور عظیم الشان سلطنت جس کا نام وجیانگر ہے۔ اس نے بھی اپنے ساحلوں کی حفاظت اور بحری بیڑے کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ بلکہ اس کے خلاف وہ پرتگالیوں کو مدد دیکر ان کے ذریعہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو ختم کر دینا چاہی۔ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو بھی کبھی اس طرف خیال نہیں آیا۔

یہ سعادت صرف میسور کے اس جانباز سپاہی کے حصہ میں آئی جو جان چکا تھا کہ ہندوستان کا مستقبل کسقدر خطرے میں ہے۔ اسی لئے اس نے بحری جنگی بیڑے کی بنیاد رکھدی۔ ہندوستان کی تاریخ اس کے اس زرین کارنامے پر جسقدر بھی فخر کرے۔ بجا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بات پر ناز ہے کہ اس کا جنگی نظام ہمیشہ ہندوستانیوں سے

ممتاز رہا ہے۔ اور اسی لئے انہیں ہندوستانیوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ لیکن اسی قوم کو اعتراف ہے کہ حیدر علی کا جنگی نظام ان کے اپنے اس وقت کے نظام جنگ سے بھی بہتر تھا۔ کرنل اسمتھ کی ناکامیابی، کرنل بریٹ وائیٹ کی شکست، سر ہکٹر منرو اور سر ائر کوٹ کی پسپائی، اور مدراس کا محاصرہ اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسکی جنگی چالیں اس کے حریفوں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔۔ اسی لئے تمام مغربی مورخین کو بھی اپنی تاریخوں میں اعتراف کرنا پڑا۔ کہ

"ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھکر اور کوئی زبردست حریف نہیں ملا۔ تمام بڑے بڑے معرکوں میں اس نے انگریزوں کو شکست فاش دی۔ بلکہ ہندوستان میں انگریزوں کی ہستی اسکے رحم و کرم پر منحصر ہو گئی تھی"۔

یہ ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ وہاں موجودہ زمانہ میں **مصطفٰے کمال** کی ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جسکی زندگی کے حالات بالکل **حیدر علی** سے ملتے جلتے ہیں۔ مصطفٰے کمال بھی ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالار کے عہدہ پر ترقی کرتا ہے۔ دروانیال (گیلی پولی) میں ملک وملت کے دشمنوں کو وہ زبردست شکست دیتا ہے کہ پھر انکو اس طرف رخ کرنیکی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن اسکا صلہ اسکو یہ ملتا ہے کہ اسکو اناطولیہ میں جلاوطن کرکے اس کے سر کیلئے انعام مشتہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی بھی ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالار کے عہدے پر ترقی کرتا ہے۔ ملک کو مرہٹوں کے آہنی پنجے سے رستگاری دلاتا ہے۔ اسکا صلہ بھی اسکو وہی ملتا ہے جو مصطفٰے کمال کو ملا۔ جس طرح مصطفٰے کمال پر یونانیوں کو مسلط کردیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی پر مرہٹوں کو مسلط کیا جاتا ہے۔ جس طرح مصطفٰے کمال نے سقاریہ کی جنگ میں ٹڈی دل یونانیوں کے پرخچے اڑاکر ایک آزاد سلطنت قایم کرلی ہے۔ اسیطرح مرہٹوں اور میسور کے راجہ کی ٹڈی دل فوج کو شکست فاش دیکر حیدر علی نے بھی ایک آزاد سلطنت قایم کی تھی۔

مصطفٰے کمال بھی ہر وقت اپنے سر کی بازی اسی طرح لگاتا ہے۔ جس طرح حیدر علی نے لگائی تھی۔ حیدر علی پر جس طرح آفات و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ اور جس طرح اس نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اسی طرح مصطفٰے کمال بھی کبھی ہراساں نہیں ہوا۔ استقلال حاصل کرنے کے بعد مصطفٰے کمال کو مہلت ملی کہ اپنی قوم کو بام ترقی پہ پہنچا۔ لے کے وسائل اختیار کرے۔ اس کی پوری قوم اسکی شریک حال رہی۔ لیکن حیدر علی کو کوئی ایسا موقع نہیں ملا۔ اس کے اہلِ وطن (جیسے مرہٹے) اور اس کے ہم مذہب مسلمان (ارکاٹ و حیدرآباد) اور بیرونی دشمن (ایسٹ انڈیا کمپنی) نے اس کی پوری زندگی میں اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنی وفات کے وقت ایک ایسی طاقت اور زبردست سلطنت چھوڑ جاتا ہے۔ جو ترکوں کی موجودہ سلطنت سے زبردست اور رقبہ میں اس سے کئی گنا بڑھکر تھی۔ اور جو دشمنوں کے دلوں میں خار بنکر کھٹکتی رہی۔ اور جب تک اس کو بالکل ختم نہ کر دیئے ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹے تو خیر خود مسلمانوں کو بھی صبر نہ آیا۔

خدا رحمت کرے ہندوستان اور عالم اسلام کے اس زبردست ہیرو پر۔ جو ہندوستان کا نجات دہندہ بنکر آیا تھا۔

ابوالفتح

فتح علی ٹیپو سلطان رحؒ

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطانؒ

پیدائش تھا کہ دیون ہلی کی تقدیر چمک اٹھی۔ ۱۱۶۳ھ (مطابق ۱۷۵۲ء) ۲۰ ماہ ذی الحجہ روز شنبہ کی پہلی ساعت میں بطنِ حیدر و فاطمہ (سلطان کی والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا) سے وہ لعل شب تاب پیدا ہوا۔ جس کی نذیر ہندوستان ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ بھی بمشکل پیدا کر سکے گی۔ جس طرح اسکی پیدائش عجیب و غریب حالات کے تحت میں ہوی۔ اسی طرح اسکی زندگی اور موت کے حالات بھی حیرت انگیز ہیں۔

نوٹ :- ڈیون ہلی بنگلور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً بائیس میل پر ایک قریہ ہے۔ یہاں قلعہ سے باہر جس مکان میں سلطان کی پیدائش ہوی۔ وہاں پر ایک چبوترہ اور چار دیواری باندھکر ایک کتبہ نصب کیا گیا ہے۔ جس میں سلطان کی تاریخ پیدائش کندہ ہے۔ یہ مکان اب نہیں ہے۔ صرف چار دیواری کے اندر چبوترہ اور کتبہ موجود ہے۔

نواب حیدر علی کا کاشانۂ اقبال اس درِ مقصود سے خالی تھا۔ جس کو اولاد کہتے ہیں اس لئے بذریعہ روحِ پُر فتوح حضرت ٹیپو مستان ولی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی مزار شہر ارکاٹ میں ہے) بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی گئی۔ کہ بخشش اولاد سے یہ خاندان بہرہ ور ہو۔ دعا مقبول ہوئی۔ اور حسبِ منت جب شہزادۂ بلند اقبال پیدا ہوا۔ تو حضرت ٹیپو مستان کے نام نامی پر اس کا نام ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رکھا گیا۔

اس شہزادۂ بلند اقبال کے تولد کے ساتھ ہی آسمانی برکات کا نزول اس طرح ہونے

لگا کہ فوجی ملازمت سے ترقی کرتے ہوئے ایک سال کے اندر ہی اندر حیدر علیؒ ڈنڈیگل کے گورنر بھی ہو جاتے ہیں۔ (اور دن بدن ترقی کرتے ہوئے) تھوڑے ہی عرصہ میں رئیسوں کی ریاست اور بادشاہوں کے تخت و تاج ان کی قوتِ بازو کے مرہونِ احسان بنجاتے ہیں۔ انکے اسپ صبار فتار کی جولانی سرزمین جنوبی ہندمیں زلزلہ ڈالدیتی ہے۔ ایک جانب تو ارکاٹ اور حیدر آباد کی اسلامی ریاستیں کبھی ان کا دم بھرنے لگتی ہیں۔ اور کبھی ان کو مٹانے کیلئے غیر اقوام کے ساتھ ملکر سازش کرتی ہیں۔ دوسری جانب مرہٹے، انگریز اور فرانسیسی بھی اس بڑھتی ہوی طاقت سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ دریائے کرشنا سے جنوب میں جس قدر ملک ہے۔ وہ نشانِ حیدری کے سایۂ عاطفت میں آجاتا ہے۔ ریاستِ میسور جو صرف ۳۳ دیہات پر مشتمل تھی۔ ایک وسیع اور عریض سلطنت بنجاتی ہے۔

بچپن

سلطان کی پیدائش جن حالات کے تحت میں ہوئی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی پرورش اور تربیت کے متعلق والدین نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ جس وقت سلطان کی عمر کا پانچواں سال شروع ہوتا ہے۔ تو عربی اور فارسی کی تعلیم کے علاوہ امور جہانبانی کی تعلیم کیلئے اعلےٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ فنونِ سپہ گری اور شہسواری سکھلانے کیلئے بڑے بڑے مشہور استاد ملازم رکھے گئے۔ ٹیپو سلطان نے پندرہ۱۵ سولہ۱۶ برس کی عمر میں خود کو ایک لائق شہزادہ اور بہادر سپاہی ظاہر کیا۔ اور باپ کے ساتھ لڑائیوں میں شامل ہونے لگا۔ اس کے بعد باپ کے حکم سے بطور خود میدان کارزار میں جاکر طریقۂ جنگ سے کامل واقفیت حاصل کی۔

بچپن کے حالات میں سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ٹیپو سلطان کی عمر چھ۶ یا سات۷ سال کی تھی۔ تو وہ سرنگاپٹم میں اس جگہ جہاں اب مسجد اعلیٰ ہے کھیل

رہا تھا. کہ ایک فقیر روشنضمیر کا گذر اس طرف سے ہوا. (حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں نایک کے عہدے پر تھے. اور اسوقت زیر عتاب تھے) اُس نے بچے کو دیکھکر کہا کہ:-

"تیری خوش نصیبی ایک دن تجھے اس ملک کا حکمراں بنائیگی. اور جب وہ وقت آئیگا. تو اس جگہ ایک ایسی مسجد تعمیر کر جو زمانہ میں تیری یادگار رہے"

بچے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:-

"جب وہ بادشاہ ہوگا تو ضرور ایسا کریگا"

خدا کی شان کہ باپ شہر سے دور، راجۂ میسور کا معتوب ہوکر اپنی آخری بازی میدانِ جنگ میں کھنڈے راؤ سے کھیل رہا ہے. ماں اور دوسرے عزیز و اقارب قلعہ میں اسیر ہیں. مگر بچہ یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ فقیر کی ہدایت کی تعمیل لفظ بلفظ کریگا. اور دنیا نے دیکھ لی کہ فقیر کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی. اور سلطان نے اپنا وعدہ کس خوبی سے پورا کیا.

جوانی اور ایامِ ولیعہدی

شہزادہ ٹیپو نے جبکہ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اپنے نامور و شجیع باپ حیدر علی خان بہادر کے ساتھ رہکر فنون جنگ کی عملی تعلیم حاصل کی. یہاں تک کہ دو سال کے عرصۂ قلیل میں وہ اپنی خداداد قابلیت سے ایک بہت بڑا سپاہی، لائق جنرل اور فاضل اہل قلم بن گیا. یہاں تک کہ فوجوں کی علیحدہ کمان اس کے تفویض کر دی گئی. تخت نشینی تک سلطان کے کارنامے حالات نواب حیدر علی میں لکھے جا چکے ہیں. مگر یہاں دوبارہ سلسلہ قایم رکھنے کیلئے اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے.

جس وقت ۱۱۶۳ھ میں سلطان کی عمر ۲۱ سال کی تھی: تو نواب حیدر علی خاں نے

اس کو آٹھ ہزار سوار جوشن پوش اور بائیس ۲۲ ضرب توپ دیکر مرہٹہ سپہ سالار ترمک راؤ کے مقابلے میں بھیجا۔ سلطان نے پائین گھاٹ میں اتر کر میدان کاویری میں ڈیرے نصب کئے اسوقت معلوم ہوا کہ مرہٹہ فوج دہیر میوری کو لوٹ رہی ہے۔ اور کسی گاؤں کی لوٹ کا سامان بھی ان کے ساتھ ہاتھی گھوڑوں پر لدا ہوا موجود ہے۔ سلطان یہ حالت دیکھکر خود بھی بھیس بدلکر لوٹنے والوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔ گویا کہ وہ بھی مرہٹی فوج کا کوئی سردار ہے۔ جب لوٹ ہوچکی تو مرہٹے سامان لاد کر چلنے لگے۔ اسی وقت یکایک بحکم سلطانی مرہٹی سپاہ پر گولیاں برسنی شروع ہوگئیں۔ آخر دشمن سب اسباب وہیں چھوڑ کر فرار ہوا سلطان چار ہزار گھوڑے، سینکڑوں بیل اور اونٹ، مع بیس ہاتھی۔ جن پر تمام اسباب و سامان لدا ہوا تھا اپنے قبضہ میں لیکر صحرائے ماگڑی کیطرف واپس ہوا۔

اس جنگ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ صحرائے ماگڑی درگ میں سلطان چھ ہزار سوار اور تین ہزار شتر سوار اور تین ہزار پیادے اور توپ خانہ کے ساتھ خیمہ زن تھا رائے پتی کی ندی کے قریب مرہٹی فوج کے رسد کا قافلہ آکر اترا۔ اس قافلہ میں اڑتیس ۳۸ ہاتھی سینکڑوں اونٹ اور بیل۔ بہت بڑا خزانہ اور حفاظت کے لیئے دس ہزار سوار موجود تھے۔ سلطان نے رات کے وقت شبخون مارا۔ اور قتل عام شروع کردیا۔ صبح ہوتے ہوتے دشمن کی سب فوج کٹ گئی۔ اور جو کچھ بچے وہ بھاگ گئے۔ آخر کار صبح ہوگئی۔ ٹیپو سلطان نے اس تمام باربرداری اور اسلحہ کو سرنگاپٹم روانہ کردیا۔

جب یہ خبر ترمک راؤ سپہ سالار افواج مرہٹہ کو پہونچی تو اس کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ اور اس کے ساتھ ہی پونا میں کچھ ایسے واقعات ہوے کہ وہ نواب حیدر علی سے صلح کرکے پونہ کو روانہ ہوگیا۔

انگریزوں سے پہلی جنگ

اس جنگ کا آغاز ۱۷۶۷ء میں ہوا۔ اسوقت سلطان کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ اس جنگ میں نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنے لائق فرزند ٹیپو سلطان کو سات ہزار کی جرار فوج دیکر نگر کی جانب روانگی کا حکم دیا۔ ٹیپو سلطان نے بندرگاہ کوڑیال میں پہونچکر انگریزی فوج کو دیکھتے ہی اندازہ کرلیا۔ کہ وہ اپنی سات ہزار کی فوج سے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے ایک طویل مراسلہ والد کی خدمت میں مزید کمک کیلئے بھیجا۔ حیدر علی بذاتِ خود ایک بہت بڑی کمک لیکر آ پہنچے۔ اور ٹیپو سلطان کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان نے قلعہ فتح کرلیا۔ انگریزی سپہ سالار شکست کھاکر ساحل کی طرف مع اپنی فوج کے چلا گیا۔ اور وہاں سے جہاز میں سوار ہو گیا۔ اس نمایاں کامیابی پر باپ نے بیٹے کی بہت تعریف کی۔

اسی جنگ میں جبکہ نظام، مرہٹے اور انگریز ملکر مختلف محاذ پر حملے کر رہے تھے۔ تو نواب حیدر علی نے فوج دیکر ٹیپو سلطان کو مدراس پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ سلطان کا دھاوا ایسی عجلت اور سختی سے ہوا کہ مدراس کے انگریز سراسیمہ اور پریشان ہوکر نواب حیدر علی کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے کیلئے مجبور ہو گئے۔

اسی سال کڈپہ، کرنول، بلاری، اناگندی اور دھارواڑ پر لشکر کشی ہوئی اور بہ حیثیت سپہ سالار نوجوان شہزادہ نے ان سب میں حصہ لیا۔ جہاں جاتا تھا۔ فتح و ظفر اس کے ہمرکاب رہتی تھی۔

شادی

جب ان لڑائیوں سے فرصت ہوئی اور نواب حیدر علی خان مظفر و منصور سرنگاپٹم واپس آئے۔ تو مناسب جانا کہ شہزادہ والا تبار اور خاندان کی دوسری شادیوں سے فرصت پائیے۔ چنانچہ ۱۷۷۴ء میں ٹیپو سلطان کی شادی

حسبِ مرضیٔ نواب حیدر علی خان امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے اور حسبِ تجویز خواتین محل رقیہ بانو صبیۂ لالہ میاں شہید چپر کولی و خواہر برہان الدین سے ہو گئی۔ دونوں نکاح ایک ہی شب میں ہوئے۔

نظام اور مرہٹوں سے جنگ

ابھی ان شادیوں سے فرصت نہ ہوئی تھی۔ کہ نواب حیدر علی خاں بہادر کو نظام، مرہٹے اور انگریزوں سے جنگ پیش آئی۔ ۱۱۸۷ھ مطابق ۱۷۷۶ء میں قلعہ گمتی فتح ہوا۔ اور ۱۱۸۸ھ سے لیکر ۱۱۹۱ھ تک (مطابق ۱۷۷۷ء سے ۱۷۷۹ء) قلعہ چیلدرگ، علاقہ کڑپہ اور کنجی کوٹہ فتح کر لئے گئے۔ اور ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں پھر میسور کی دوسری جنگ شروع ہو گئی ان مذکورۂ بالا جنگوں میں سلطان ہر جنگ میں شریک رہا۔

میسور کی دوسری جنگ

تاریخ شاہد ہے کہ نواب حیدر علی خان کو جن انگریز جنرلوں سے مقابلہ پڑا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ ہشیار کرنل بیلی اور سرائر کوٹ تھے۔ بیلی کو جو شکست فاش ہوئی۔ اس میں ٹیپو سلطان کی کارگذاری کو بہت بڑا دخل ہے۔ جنرل سرائر کوٹ ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار اور بڑا آزمودہ جنرل تھا۔ جس نے نواب حیدر علی کی فوجوں کو بھی شکست دی تھی۔ جس وقت محمود بندر پر لڑائی ہو رہی تھی۔ تو نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنی فوجوں کی کمان شہزادۂ والا تبار ٹیپو سلطان کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے کہاں تک فنون جنگ میں ترقی کی تھی۔

حیدر علی کی رحلت

ابھی میسور کی دوسری جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی۔ کہ ملیبار کے نائروں نے بغاوت کر دی تھی چنانچہ سلطان اپنے باپ

کے حسب الحکم نائروں کی تنبیہ کیلئے روانہ ہو گیا۔ اور حیدر علی خان ارکاٹ سے سولہ[16] میں شمال کی جانب خیمہ زن تھے۔ کہ پیام اجل آپہنچا۔ اور ۱۱۹۵ھ کی اخیر شام یعنے ۱۱۹۶ھ (مطابق ۱۷۸۲ء، دسمبر) کی چاندرات کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

سلطان کو منگلور کے قریب نواب حیدر علی کا خط ملا۔ جو کہ وفات سے ایک روز پیشتر لکھا گیا تھا جس میں یہ تحریر تھی :-

"نور چشم راحت جانِ پدر!

درصورتے کہ تم کو اس نواح کے متمردوں کی تنبیہ و تادیب سے قرار واقعی جمعیت خاطر اور اطمینان کلی حاصل ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدار راحت آثار سے جلد روشن اور منور کرو۔ اور اگر کچھ کمک اور فوج کی احتیاج ہو تو اس کا حال گذارش کرو۔ فقط"

خط کے ملتے ہی سلطان بسرعت تمام ارکاٹ کی جانب روانہ ہوا۔ نواب حیدر علی کی وفات کو امراء اور سردارانِ فوج نے ملکی مصلحت کے پیش نظر نہایت پوشیدہ رکھا تھا۔ سلطان کو جب والد کے انتقال پُر ملال کی خبر ملی تو اسکے رنج و غم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس عرصہ میں شہزادہ کریم شاہ نواب حیدر علی کے عوض کاروبار سلطنت چلا رہا تھا سلطان جس وقت سرنگا پٹم پہونچا تو کریم شاہ نے بڑھکر استقبال کیا۔ اور تمام امور مملکت کو سلطان کے تفویض کر دیا۔

سُلطان کی تخت نشینی

حیدر علی کی وفات کے بعد اب وہ وقت آپہنچا کہ فقیر کی پیشین گوئی پوری ہو۔

یعنے ٹیپو سلطان نے ۲۰ محرم ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء روز یکشنبہ کو تاج شاہی زیب سر کیا۔ ارکانِ دولت کو خلاع فاخرہ سے سرفراز کیا گیا۔ فوج کو انعام دیا گیا۔ محفلِ جشن آراستہ ہوئی۔ امرائے دولت و اعیانِ سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ مبارک سلامت کی دھوم ہوئی۔ تخت نشینی کی اطلاع کیلئے خط، رقعے، فرمان، پروانے چاروں طرف روانہ کئے گئے۔ تمام ملک کے ناظموں، قلعداروں اور افسرانِ فوج کو لکھا گیا۔ کہ جو جہاں ہے اپنا فرضِ منصبی نہایت خوبی اور اطمینان سے ادا کرتا رہے۔ اسی طرح میر صادق اور پورنیا دیوان اور وزیر مالیات مقرر ہوئے۔

ملا فیروز اپنی تاریخ فتوحات برطانیہ میں سلطان کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

سرانِ سپہ محفل آراستند — ہمہ دست بر سینہ برخاستند
بگفتند کای شاہِ گردوں سریر — ہمہ چاکر انیم فرماں پذیر
سرِ ماست بر خط فرماں بری — ز تو حکم کردن ز ما چاکری
تن ما سیم از آتش و آب و خاک — فدائی ہوا خواہیت جانِ پاک
چوں سلطاں لقب یافتی از نخست — کنوں تخت و تاج شہی زان تست
پسر در جہاں آں بود نیک نام — کہ برتر نہد از پدر چند گام
ز رخسار چوں ماہ برکش نقاب — نہاں چند داری بابر آفتاب
چوں ایزد ترا داد فرِ شہی — بتقدیم فرماں مکن کوتہی
سکندر صفت ملک تسخیر کن — سرِ دشمناں زیرِ شمشیر کن
بزن سکۂ خویش بر سیم و زر — کہ از سکہ نام شہاں شد سمر

بسر جائی دہ تاج شاہنشہی | بنا پائے بر تخت فرماں دہی
بفتح و ظفر پائے نہ در رکاب | جہانگیر شو چوں بلند آفتاب
بسے نامداراں و گردن کشاں | پئے خدمت تنگ بستہ میاں
اگر حکم سازی بہ وقتِ وغا | چو جوہر در آہن بسازیم جا
بفرمانت ای شاہ مالک رقاب | بدریا بنازیم ہمچوں حباب
بفرمانت ای شہ در آذر رویم | نداریم غم چوں سمندر رویم
باقبالت اے سرور دیں پناہ | ربائیم از فرق کیواں کلاہ
خدا یاور و بخت یار تو باد | جہاں از کرم زیر بار تو باد
سریر تو بادا سپہر بریں | سم مرکبت باد تاج زمیں
سر حاسداں زیر پائے تو باد | ہمہ عیش عالم برائے تو باد"

جس وقت حیدر علی کی وفات ہوئی تھی۔ اس وقت انگریزوں سے جنگ کا خاتمہ نہ ہوا تھا۔ اور مختلف محاذ پر لڑائیاں برابر جاری تھیں۔ رسوم تخت نشینی سے فارغ ہو کر سلطان نے پھر جنگ کی طرف توجہ کی۔ دو ہزار فرانسیسی سپاہی کمک کے لئے روانہ کیے گئے۔ اس وقت انگریزی فوج جنرل اسٹیورٹ اور جنرل لانگ کے ماتحت وانڈی واش میں پڑی ہوئی تھی۔ سلطان نے ہمرواور عملور کے راستے سے وانڈی واش پر بڑھکر پانچ میل پر قیام کیا۔ اور جنگ کیلئے فوجوں کو ترتیب دی۔ مگر دوسرے ہی دن انگریزی فوج بغیر کسی جنگ کے گورنر مدراس کے حکم پر اپنا بوریہ بستر سنبھال کر مدراس چلی گئی۔ سلطان اپنی فوجوں کو لیکر ترو تور کی طرف بڑھا۔ اور ڈیرے ڈال دئیے۔

بغاوتیں

اسی اثنا میں خبر آئی کہ نواب کے لے پالک لڑکے ایاز خاں نے ملیبار

میں باغی ہوکر کوڑیال بندر اور نگر کو بمبئی کی انگریزی فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف اپنے شاممیّا دارالسلطنت سرنگاپٹم میں قلعہ دار سے سازش کر رہا ہے کہ حرم سرائے سلطانی کو مقید کرکے دارالسلطنت پر قبضہ کر لے۔ تیسری طرف کڈپہ کے نواب عبدالحلیم خاں کے بھائی نے انگریزوں سے مچھلی بندر میں خفیہ طور پر معاہدہ کرکے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اسی طرح کنانور میں بالیا ہونے سرکشی کی ہے۔

ان خبروں کے موصول ہوتے ہی سلطان نے بدرالزماں خاں نائطہ صلابت خاں بخشی۔ میر غلام علی اور میر معین الدین کو تسخیر پایان گھاٹ کیلئے یعنے انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے چھوڑ کر حیدر نگر کا رخ کیا۔ چنگی گھاٹ پر پہونچکر محمد علی کمیدان کو دارالسلطنت پر بھیجا۔ قمرالدین خاں کو کڈپہ کی جانب روانہ کیا۔ سلطان ونوہلی۔ مدگری اور تیسرا کی راہ سے ہوتے ہوئے نواح چیلدرگ میں مقیم ہوا۔

محمد علی سرنگاپٹم میں

محمد علی کمیدان نے سرنگاپٹم کے قریب آکر مشہور کیا کہ وہ براہ کورگ تسخیر حیدر نگر کیلئے جا رہا ہے۔ اس نے قلعہ دار سرنگاپٹم کو ایک نہایت دوستانہ خط لکھا۔ اور درخواست کی کہ جنگ پر جانے سے پہلے اس کو ایک شب قلعہ سرنگاپٹم میں اہل وعیال کے ساتھ گذارنے کا موقع دیا جائے قلعہ دار نے محمد علی کی عاجزی اور درخواست پر اجازت دیدی۔ ان میں اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ ابھی تک چونکہ اسکی اور شاممیّا کی سازشیں پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی تھیں۔ اس لئے ابھی سے محمد علی کو روکنا مناسب نہ تھا۔ اندرونی طور پر محمد علی نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دیا کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہوکر بگل بجائے تو تمام کے تمام دیوار پر چڑھکر قلعہ پر قبضہ کرلیں۔ اس کے تمام سپاہی قلعہ کے اطراف میں چھپ گئے۔ محمد علی منتخب پچاس ساتھیوں کے ساتھ

قلعہ کو روانہ ہوا۔ اور آنے کی اطلاع دی۔ جونہی قلعہ کا اندرونی دروازہ کھلا۔ ان پچاس ساتھیوں نے محافظوں کو قابو میں کر کے بگل بجا دیا۔ باہر جو فوج کمینگاہوں میں تھی۔ فوراً نکل آئی۔ اور آناً فاناً میں تمام قلعہ پر قابض ہوگئی۔ محمد علی نے قلعہ دار اور راجے شامیا کے مکانات کا محاصرہ کرلیا۔ اور اس وقت تک انہیں یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ قلعہ پر کیا گذری۔ قلعہ دار اور راجے شامیا گرفتار کر لیئے گئے۔ دوسرے دن صبح کو حسب الحکم والدہ سلطان بعض مجرموں کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ اور راجے شامیا کو بھاری بھاری طوقِ آہنی پہنا کر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ قلعہ کی کمان اسد خاں رسالدار کو دیگئی۔ اور سید محمد خاں مہدوی گورنر سرنگاپٹم بنایا گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونیکے بعد محمد علی اپنی فوج کے ساتھ نگر کیطرف بڑھکر حضور سلطانی میں باریاب ہوا۔ جہاں سلطان نے اس نمک حلالی اور مستعدی پر اس کو خلعت فاخرہ بخشی۔

تسخیر حیدر نگر

محمد علی کمیدان کی فوج کے آنے پر سلطان حیدر نگر کیطرف بڑھا۔ اور اٹھارہ دن کی سخت جنگ کے بعد انگریزی فوج نے پسپا ہو کر قلعہ سلطان کے حوالہ کر دیا۔ مورخ سلطانی نے اس وقت

"حیدر نگر گرفتہ"

۱۱۹۷ھ

تاریخ نکالی۔

تسخیر حیدر نگر سے فارغ ہو کر سلطان کوڑیال بندر کی طرف بڑھا۔ راستہ میں اس انگریزی فوج سے جو کرنل کیمبل کے ماتحت حیدر نگر کی طرف جا رہی تھی۔ لڑائی ہوگئی۔ صبح سے دوپہر تک جنگ ہوی۔ جس میں افواج سلطانی مظفر و منصور ہوئیں۔ انگریزی فوج تمام کی تمام یا تو ماری گئی یا قید ہوگئی۔ اور کل سامان جنگ و ہتھیار وغیرہ

سلطانی قبضہ میں آگئے۔ کوڑیال بندر پر جس وقت سلطانی فوج پہنچی۔ تو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ مگر باوجود اس کے فوج نے نہایت جوش کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا۔ اور چند ہی گھنٹوں کے اندر قلعہ پر علم سلطانی لہرانے لگا۔ انگریزی سپہ سالار جنرل میتھیوز افواج سلطانی کے ہاتھوں اسیر ہوا۔

کڈلور کی شکست، جنرل میتھیوز کی اسیری اور تمام ملک کرناٹک ہاتھ سے نکل جانے سے مدراس کی گورنمنٹ اس درجہ سراسیمہ ہوی کہ انگریزوں نے فوراً صلح کی درخواست کی۔ جس کو سلطان نے منظور کر لیا۔ اور صلحنامۂ منگلور مرتب ہوا۔ اس صلحنامہ کی رو سے تمام ممالک حیدری پر جو اس جنگ سے پیشتر قلمروئے سلطنت خداداد میں شامل تھے۔ سلطان کی سیادت کو قبول کر لیا گیا۔

تسخیر نگر کے بعد محمد علی کمیدان کی موت

تسخیر نگر کے بعد ہی محمد علی کمیدان نے خودکشی کر لی۔

انگریز مورخین اپنی فطرت سے مجبور ہو کر لکھتے ہیں کہ محمد علی کی خودکشی کا باعث سلطان ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا جاتا کہ محمد علی کی خودکشی کے اسباب کیا تھے۔ اس لئے اس واقع پر روشنی ڈالنے کیلئے مورخ سلطانی کی تحریر کے علاوہ یہاں ان تمام علل و اسباب کو بتلایا جاتا ہے جو محمد علی کی خودکشی کا باعث ہے۔ ورنہ سلطان نے جو کچھ اس معاملہ میں کیا۔ اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے:۔

"تسخیر حیدرنگر کے موقع پر جب انگریزوں نے عاجز آکر صلح کی درخواست کی۔ اور صلحنامۂ منگلور مرتب ہوا۔ تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قلعہ دار قاسم خاں کی جان

بخشی کی جائے۔ اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے"

فتح کوڑیال بندر سے فارغ ہوکر سلطان نے قاسم خاں کو حضوری میں طلب کیا۔ کیونکہ اس نے نمک حرامی کرتے ہوئے نگر ایسے مضبوط قلعہ کو بغیر جنگ کئے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اس پر سلطان نے اسے سزائے موت کا حکم دیدیا۔ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے انگریزوں کے ماتحت نگر کی لفٹننٹ گورنری قبول کر لی تھی۔ جب سلطانی فوج نے نگر کا قلعہ دوبارہ فتح کر لیا۔ تو قاسم خاں محمد علی کی پناہ میں آگیا۔ دوسرے دن صبح کو حسبِ حکم سلطانی کے بموجب قاسم خاں کو ملازمانِ شاہی مقتل کو لیکر چلے۔ تو محمد علی نے مزاحمت کی اور فوج کو قاسم خاں کے قتل سے روک دیا۔ جب سلطان کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ تو اس نے محمد علی کو بلاکر فہمایش کی اور کہا کہ قانونِ سیاست کی رو سے اور نیز سلطنت کا نظم و نسق بحال رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ قاسم خاں ایسے غدار کو سزائے موت دیجائے مگر محمد علی نے سلطان کی بات کو نہایت بے توجہی اور لاپرواہی سے سنا اور بغیر سلام کئے چلدیا۔ اگرچہ سلطان کو محمد علی کی اس نازیبا اور نالائق حرکت پر بہت ہی غصہ آیا۔ مگر اسکی سابقہ نمک حلالی اور جانثاری کا پاس کرکے سلطان خاموش رہگیا۔

دوسرے دن پھر قاسم خاں کو سزائے موت دینے کیلئے سپاہی اس کو مقتل لے گئے۔ مگر اسی وقت محمد علی ہاتھی پر سوار ہوکر مقتل میں داخل ہوا۔ اور قاسم خاں کو سپاہیوں سے چھڑاکر اپنے ہاتھی پر سوار کر لیا۔ اور اعلان کر دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینے کیلئے تیار ہے۔ وہ ہمارے ساتھ چلے۔ فوج کے دو تین سو آدمی محمد علی کے ساتھ ہو گئے۔ اور ان سب نے مل کر سرنگاپٹم کی طرف رخ کیا۔ جب سلطان کو اس کی خبر پہونچی تو سید حمید اور غازی خاں کو بھیجا کہ محمد علی کو لیکر آئیں۔ یہ ابھی چار کوس ہی گئے تھے۔ کہ افواج سلطانی نے انہیں گھیر

لیا۔ اور حضور سلطانی میں لے آئے۔

جونہی سلطان کی نظر قاسم خاں پر پڑی۔ اس نے اسکے قتل کا حکم دیدیا۔ اور فوراً اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ ان باغیوں کو جنہوں نے محمد علی کا ساتھ دیا تھا۔ حسب واقعی سزا دیگئی۔ محمد علی کو نظر بند کر دیا گیا۔ رات کے وقت خود اس نے اپنی زبان کو کھینچکر خودکشی کر لی۔ بعض کہتے ہیں کہ ہیرے کی کنی نگل کر خودکشی کر لی تھی۔ بہرطور مورخین نے اس شجیع و نامور جنرل کی موت کی تاریخ اس طرح نکالی۔

"رکنِ دولت باُفتاد"

اس میں شک نہیں کہ محمد علی کمیدان نے خودکشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا لیکن اس کے لئے سلطان کو کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں گردانا جا سکتا۔ سلطان کا منشا صرف قاسم خاں کو سزا دینا تھا۔ لیکن محمد علی ناحق میدان میں کود پڑا اور وہ قاسم خاں کی (جس نے کہ غداری اور نمک حرامی کر کے اپنے آقا کے ایک مضبوط قلعہ کو دشمنوں کے سپرد کر دیا تھا۔) ناجائز حمایت کر کے اقتدار سلطانی کو صدمہ پہنچانے کا باعث ہوا۔ محمد علی کا یہ فعل کہاں تک حق بجانب تھا۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے۔ محمد علی نے خودکشی اس لئے کر لی کہ سلطان نے اسکی بات کی پروا نہیں کی۔ اگر آئین جہانبانی کی رو سے دیکھا جائے تو سلطان قاسم خاں کو سزائے موت دینے میں یقیناً حق بجانب تھا۔

دورِ حاضرہ کی مہذب حکومتوں نے اکثر بڑی بڑی شخصیتوں اور اعیانِ سلطنت کو محض اختلاف رائے یا شبہ کی بنا پر بلا تکلف موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ قاسم خاں کے علاوہ محمد علی کمیدان کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں تھا۔ کہ وہ ایک نمک حرام اور غدارِ سلطنت کی بیجا حمایت کر کے سلطان کی صریح حکم عدولی کر رہا تھا۔ لیکن رحمدل سلطان نے اس کے

خلاف کوئی سخت کارروائی کرنے کے بجائے صرف اسے نظر بند کرنیکا حکم دیدیا۔

یہ اور بات ہے کہ محمد علی کی غیور طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اور اس نے خود کشی کرلی۔ سلطان کو بھی اس کا افسوس تھا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ محمد علی کی موت کے بعد ماور سلطان نے محمد علی کی بیوہ کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر محل سلطانی میں اسکی پرورش کی۔ اور سلطان نے کبھی بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔

کمیدان محمد علی کے صفات

محمد علی ایک نہایت قابل اور ہوشیار سپہ سالار تھا۔ اس نے متعدد مواقع پر ایسی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیا کہ میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ نواب حیدر علی کی زندگی میں انکا قوت بازو بنا رہا۔ اور نواب کی وفات کے بعد بھی سلطان کا ساتھ اسی طرح دیا۔ مگر اسکی طبیعت میں شروع ہی سے خودسری رہی۔ جسکی وجہ سے نواب حیدر علی نے بھی اس کو ایک دفعہ منصب سے معزول کردیا تھا۔ اور یہی خودسری سلطان کے وقت میں اسکی موت کا باعث ہوی۔

محمد علی نہایت فقیر دوست تھا۔ اسکی موت کے بعد اسکے پاس جو چیزیں نکلیں۔ ان میں سوائے چند بوسیدہ کپڑے اور ایک ٹوپی کے کچھ نہ تھا۔ جس قدر مال ملتا تھا۔ وہ سب فقیروں میں اسی وقت تقسیم کردیتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض وقت جنگوں میں شاہی خزانہ بھی ہاتھ آجاتا تو وہ فقیروں کی نذر ہوجاتا۔

میسور کی دوسری جنگ کا سلسلہ

ہم یہ آگے لکھ چکے ہیں کہ پائین گھاٹ میں انگریزوں سے جنگ جاری رکھنے کیلئے سلطان اپنے سپہ سالاروں کو چھوڑ آیا تھا۔ جب سلطان نگر کی لڑائی میں مشغول تھا تو ادھر پائین گھاٹ میں اسکے سپہ سالار انگریزوں سے نبرد آزما ہوئے۔ کرنل لانگ ترچناپلی سے

نکل کر کرور اور ڈنڈیگل پر قبضہ کرنے کیلئے بڑھا۔ میر معین الدین نے بدرالزماں خان ناظم کو مقابلہ کیلئے بھیجا۔ جس وقت بدرالزماں خاں نواح کرور میں پہنچا۔ تو قلعدار کرور انگریزوں سے مل گیا تھا۔ اور قلعہ پر انگریزی علم نصب تھا۔ کرنل لانگ یہاں سے فارغ ہو کر آروا کرچی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بدرالزماں نے اس قلعہ کی دوسری طرف دریائے امراوتی کے کنارے کیمپ ڈالا۔ دوسرے دن باوجود بدرالزماں کی سخت کوششوں کے انگریزی فوج قلعہ پر قابض ہو گئی۔ اور بدرالزماں اپنی فوج کو لیکر دھاراپور آ گیا۔

دوسری قابل ذکر جنگ جو پائین گھاٹ میں ہوئی۔ وہ کڈلور کی جنگ تھی۔ جس میں تمام افواج سلطانی کے علاوہ فرانسیسیوں نے بھی حصہ لیا۔ ادھر انگریزی جنگی جہازوں نے بھی اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کڈلور پر گولہ باری کی۔ ایک نہایت خونریز جنگ کے بعد جس میں کئی مرتبہ دست بدست لڑائی ہوئی۔ افواج سلطانی اور فرانسیسی غالب آئے جب یہ خبر مدراس پہنچی تو والاجاہ محمد علی کے مشورہ سے مدراس کی گورنمنٹ نے صلح کی درخواست بھیجی۔ محمد علی والاجاہ نے اس صلح کیلئے بہت کوشش کی۔ اور بالآخر ۱۷۸۴ء میں صلح ہو گئی۔

شرائط صلح میں طے پایا کہ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر جو قبل از جنگ ان کے قبضہ میں تھے قابض رہیں۔

مگر مورخ سنکلیر اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۷۸ میں لکھتا ہے :۔

"انگریز جب صلح کی درخواست کئے تو سلطان کا پیمانہ غرور لبریز ہو گیا۔ اس کی منہ مانگی مراد بر آئی۔ کہ اس کا دشمن اس کے آگے سر جھکاتے ہوئے طالب صلح تھا۔

سلطان نے فوراً دعوت صلح قبول کر لی۔"

سلطان باوجود فاتح ہونیکے جب اسکے دشمنوں نے اس کے آگے سر جھکا دیا تو اپنی

دریادلی سے بغیر تاوانِ جنگ یا کوئی حصہ ملک لینے کے صلح کیلئے رضامند ہوگیا۔

کیا اس سے بڑھکر دریادلی اور فراخ حوصلگی کا ثبوت تاریخ اور کوئی دیتی ہے؟

تعزیری مہمات

انگریزوں سے جنگ ختم ہونے پر سلطان نے اندرونی سازشوں کے استیصال پر توجہ فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں تعزیری مہمیں بھیجی گئیں۔ سید غفار اور امام خاں کابلی اور سید عمر سپہ دار بنگنور اور مدن پلی پر بڑھے یہاں پہنچکر راجہ بنگنور کے پاس پیغام صلح و اطاعت بھیجا۔ لیکن وہ بارہ ہزار کی فوج لیکر مقابلہ کیلئے نکلا۔ جنگ میں راجہ مارا گیا۔ فوج منتشر ہوگئی۔ سلطانی فوج تعاقب کرتی ہوئی کنڈہ کے جنگل کا محاصرہ کرلی جس میں یہ سب پناہ گزین تھے۔ یہاں کا راجہ چک رائل اول پلی کو فرار ہوگیا۔ ڈھائی ماہ تک اول پلی کا محاصرہ رہا راجہ محاصرہ کی تاب نہ لاکر جیتور بھاگا۔ اول پلی پر سلطانی افواج کا قبضہ ہوگیا۔ یہاں سے بڑھکر شیخ عمر سپہ دار نے بنگنور پر قبضہ کرلیا۔ بنگنور کے قریب کوہستان کیوار میں ایک بہت بڑے بلند پہاڑ پر ایک تالاب تھا۔ یہ پہاڑ کی بلندی اور اس پر تالاب کا ہونا شیخ عمر کو نہایت پسند آیا۔ شیخ عمر نے سلطان سے سفارش کی۔ کہ اس جگہ ایک قلعہ بنوایا جائے۔

جس وقت سلطان وہاں آیا۔ تو آپ خود جاکر پہاڑ دیکھا اور قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور اس قلعہ کا نام رحمان گڑھ رکھا۔

تعزیری مہمات کے سلسلہ میں دوسری فوج سپہ سالار برہان الدین کے زیر کمان نرکنڈہ پر بھیجی گئی۔ مرہٹوں کی اور خصوصاً پرسرام ناظم مرج کے اشتعال پر یہاں کا راجہ خود مختار بن بیٹھا تھا۔ یہاں پہونچکر برہان الدین نے اسکے پاس صلح و آشتی کا پیغام بھیجا۔

جس کا جواب نہایت تلخ آیا۔ دوسرے دن برہان الدین نے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا۔ اسی دن رات کو راجہ کی فوج نے قلعہ سے اتر کر سلطانی سپاہ پر شبخون مارا۔ جس میں بخشی صلابت جنگ اور دو سو سپاہی مارے گئے۔ یہ حالت دیکھکر برہان الدین نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ تمام گرمی کا موسم محاصرہ قایم رہا۔ باوجود سخت تدابیر کے بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ ادھر راجہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ اس نے پرسرام ناظم مرچ سے کمک طلب کی۔ پرسرام کی جانب سے پانچ ہزار سوار پونا سے نکلے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے میر قمر الدین کو برہان الدین کی کمک پر بھیجا۔

راستہ میں میر قمر الدین کی فوج کا پیرزادہ سید محمد داماد عبدالحلیم خاں حاکم کڈپہ کی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ جو کہ سلطانی علاقوں میں لوٹ مار کر رہا تھا۔ پھل مامڑا میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ کڈپہ کی فوج قریب قریب سب ماری گئی۔ سید محمد فرار ہو گیا۔ یہاں سے میر قمر الدین دریائے کرشنا کی جانب بڑھا۔ جہاں سے مرہٹی فوج نرکونڈہ کی امداد کیلئے آرہی تھی جس وقت میر قمر الدین کی فوج پہنچی۔ تو اس وقت مرہٹی فوج دریائے کرشنا عبور کر رہی تھی۔ اسی حالت میں اس پر حملہ کیا گیا۔ مرہٹی فوج منتشر ہو کر فرار ہوی۔ یہاں سے میر قمر الدین نرکونڈہ پہنچکر محاصرہ میں شامل ہو گیا۔

جب کمک کی امید منقطع ہو گئی تو راجہ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ راجہ کو طلب کر کے اس کو مع اہل و عیال قید کر کے سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔

اس جگہ سپہ سالار برہان الدین کو میر قمر الدین کی نیت پر شبہ ہوا۔ اس کو معلوم ہوا۔ کہ میر قمر الدین خفیہ طور پر میر نظام علی خاں حیدرآباد سے خط و کتابت کر رہا ہے۔ تو برہان الدین نے سلطان کو معلوم کرایا کہ قمر الدین حیدرآباد جانے کے خیال میں ہے۔ اور چادر

گھاٹ میں مکان تعمیر کر رہا ہے۔ سلطان نے قمرالدین اور اسکے منشی کو حاضری کا حکم بھیجا۔ قمرالدین منشی کو حیدرآباد روانہ کر کے آپ حاضر ہوا۔ سلطان نے منشی کے متعلق دریافت کیا تو عرض کیا کہ وہ رخصت لیکر اپنے خاص کام کیلئے حیدرآباد گیا ہے۔ سلطان کا شک اور بڑھ گیا۔ اور اس کو نظر بند کر دیا۔

بغاوت کورگ

۱۷۸۸ء

اہل کورگ ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ نواب حیدر علی کے زمانہ میں کئی بار یہاں بغاوتیں ہوئیں۔ سلطان بارہ ۱۲ ہزار پیادہ اور دس ۱۰ ہزار سوار اور بائیس ۲۲ ضرب توپ لیکر نکلا۔ سرحد کورگ پر پہنچکر سواروں کو پریاپٹن، سداپور، منظرآباد پر حملہ کا حکم دیا۔ اور آپ پیادہ فوج لیکر اندرون ملک بڑھا۔ رتن منڈل میں باغیوں سے مقابلہ ہو گیا۔ سلطانی سپاہ موسیو لالی کے زیر کمان قلعہ پر حملہ آور ہوئی۔ ایک سخت اور گھمسان کی جنگ کے بعد باغی فوج پیچھے ہٹنا شروع ہوئی۔ اس وقت سلطان نے اس پر اپنی باڈی گارڈ سے حملہ کر دیا۔ باغیوں کی صف بندی ٹوٹ گئی۔ اور وہ فرار ہوئے۔ سلطانی فوج نے تہل کا دیری ملن ہلی اور خوشحال پور پر قبضہ کر لیا۔

اب باغیوں نے باقاعدہ جنگ چھوڑ کر پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں چھپ چھپ کر چھاپے مارنا شروع کیا۔ مگر سلطان کی عمر اپنے نامور و شجیع باپ کے ساتھ ایسے ہی جنگوں میں گذری تھی۔ لہذا سلطان نے تمام جنگلوں کو کاٹنے کا حکم دیدیا۔ اور باغیوں کے مقابلہ کیلئے حسین علی خان بخشی، میر محمود، امام خان اور موسیو لالی کو روانہ کیا۔

سلطان آٹھ ماہ تک کورگ میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں تمام کورگ کامل طور پر از سر نو تسخیر کر لیا گیا۔ ان جنگوں میں میر حسین علی خان بخشی نے نہایت ناموری پیدا کی تمام کورگ میں اس کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس نے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے آٹھ ہزار مرد و عورت گرفتار کر لیا۔ ہزارہا باغی مارے گئے جنگلات اور مواضع تباہ کر دیے گئے۔ اور کئی ایک جگہ آگ لگا دی گئی۔ تمام کورگ میں حسین علی خاں کا نام "بنکی نواب" مشہور ہو گیا۔

نوٹ :۔ کنڑی زبان میں "بنکی" آگ کو کہتے ہیں۔ بنکی نواب کے نام سے بنگلور اور میسور میں ابھی تک دو راستے منسوب ہیں۔ بنکی نواب کا مزار سرنگاپٹم میں گنبد کے احاطہ میں ہے۔

دوسرے سردار بھی ہزارہا باغیوں کو گرفتار کر کے لائے۔ مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:۔

"اس جنگ میں اسّی ہزار مرد اور عورت گرفتار کر لیے گئے"

جس وقت بغاوت کورگ کامل طور پر فرو ہو گئی۔ تو بآلیابیو (کنانور کی رانی) جو خود مختاری کا اعلان کر بیٹھی تھی۔ پیش کش لیکر حضور سلطانی میں آئی۔ اور از سر نو تجدید فرمان اطاعت کر کے واپس لوٹی۔

کورگ کا نئے طور پر انتظام کر کے سلطان مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوا۔ باغیوں کے سرگروہ تھموٹی نائڑ اور رنگا نائر جوگی گرفتار ہوئے۔ ان میں اول الذکر چند دن بعد مر گیا اور دوسرا مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام شیخ احمد رکھا گیا اور اسکو عہدۂ رسالداری دیا گیا۔

جب تمام قیدی سرنگاپٹم پہونچے تو انکو دعوت اسلام دیگئی۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:۔

"ان کے آگے مذہب اسلام پیش کیا گیا۔ اور اس کے فوائد و برکات سمجھائے گئے۔
یہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔"

ان کو فوج میں داخل کر لیا گیا۔ اور اس فوج کو "جماعت احمدی" کا نام دیا گیا۔ اس فوج کو آٹھ رسالوں پر تقسیم کر کے ان کو ہری کپڑے کی وردی سے آراستہ کیا گیا۔

نوٹ:۔ آسٹریا کی جنگ میں جب ہزارہا اسیر ہاتھ آئے تو سلطان ترکی نے انکی ایک علیحدہ فوج بنائی۔ جو تاریخ میں "ینگ چری" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فوج سلطانی باڈی گارڈ میں شامل تھی۔ شاید سلطان نے بھی ترکوں کی تقلید کرتے ہوئے اسیران کورگ کو مسلمان بنا کر انکی ایک خاص فوج "جماعت احمدی" کے نام سے مرتب کی ہو۔

مورخ سلطانی کورگ کے حالات اپنی کتاب "نشان حیدری" میں اسطرح لکھتے ہیں:۔

"اس ملک کی خوبیوں کا حال کیا بیان کیا جائے۔ کمر کمر تک وہاں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور جنگل میں انواع و اقسام کے درخت مثل ساگوان، صندل، رال سفید، عود جام وغیرہ کے۔ قدرت کا شاندار نمونہ ظاہر کرتے تھے۔ کالی مرچ (فلفل سیاہ) کے درختوں کا مسلسل جال نہایت دلفریب معلوم ہوتا تھا۔ اور چھوٹی الائچی کے درختوں کے نیچے الائچیاں، جوار مکا کے کھیتوں کی طرح پھیل رہی تھی۔ دارچینی کے درخت آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اور باغستانی درختوں میں فالسہ، موز، بیری، ہیلی، اناس سفرجل، کٹھل، بڑھل، جامون وغیرہ کے درختوں سے اس زمین پہ باغ کی کیفیت نظر آتی تھی۔ اور پھولوں میں گل مہندی، گیندا، نسرین، سوسن، چنپا، گلزار ہمیشہ بہار کی کیفیت ظاہر کرتے تھے۔ ہاتھی اور ہتھنیوں کے گلے اور ان کے بچے کثرت سے جنگل میں پھرتے اور پہاڑیوں کے نیچے سونڈوں سے درختوں کی شاخیں

توڑتے نظر آتے تھے۔ اور یہ جنگل اُن کا جولانگاہ تھا۔ اس ملک کے لوگوں نے ان ہاتھیوں کی تاخت سے محفوظ رہنے کیلئے ایک بہت بڑا حصار مع بروج و فصیل کے بنا کر اس کے آس پاس بہت گہرا خندق کھود دیا تھا۔ اور حصار کے اندر رہنے کے مکان بنائے گئے تھے۔ کہ ہاتھیوں کی تاخت سے انکو پناہ ملے۔ لوگ ان گھروں میں رہتے۔ اور اس لالہ زار کا لطف اٹھاتے تھے۔ گلے سے گھٹنوں تک کا ایک لباس پہنتے چمڑے کی ٹوپی سر پر لگاتے۔ ایک رومال کمر میں باندھتے، تیر لگانے اور بندوق چلانے میں ہر شخص مشاق پایا جاتا۔ انکی عورتیں حسن کی دیویاں نظر آتیں۔ انکے حُسن و جمال سے اس زمین پر پرستان کی کیفیت معلوم ہوتی۔ اور ان کے حسن کو انکا لباس پوشیدہ نہ کرتا۔ بلکہ وہ دو ہاتھ کا رومال سینے پر باندھ لیتے۔ اور ناف سے زانو تک دھوتی باندھتیں، باقی سب جسم کھلا رہتا۔ وہاں کے مردوں میں قوت رجولیت کم ہوتی۔ اس لئے چار چار حقیقی بھائی ایک عورت کو بی بی بناتے یا چار دوست ملکر ایک عورت کو زوجہ قرار دیتے۔ اور ایک روز کی باری سے اسکے پاس رہتے۔ یا سب کے سب ایک ہی رات کو یکے بعد دیگرے ہمبستر ہوتے۔ اور جو اولاد ہوتی۔ وہ سب کے ورثہ کی مستحق قرار پاتی۔

اس جنگل میں مذکورۂ بالا خوبیوں کے ساتھ بعض خوفناک چیزیں بھی کثرت سے پائی گئیں۔ مثلاً وہاں کے سبز و شاداب درختوں پر پانی کی نمی سے جونکیں چمٹی ہوی رہتی ہیں وہ آدمی پر کود کر گرتی اور کہیں نہ کہیں اسکے جسم سے چمٹ جاتی ہیں اور جب پیٹ بھر کر خون پی لیتی ہین۔ تب علیحدہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے اژدھے، زہریلے سانپ، بچھو اور دوسرے زہریلے جانور کثرت سے اس جنگل میں رہتے پائے گئے۔"

برہان الدین کی شادی اور سادات و نائطہ کی مخالفت

جب بغاوتیں کامل طور پر فرو ہوگئیں۔ اور ملک میں امن و امان ہوگیا۔ تو سلطان نے تنظیم ملک و فوج پر توجہ کی۔ اور اپنے نسبتی برادر برہان الدین بن لالہ میاں کی شادی بھی کردینا مناسب سمجھا۔ اسکے لئے نواب بدرالزمان نائطہ گورنر نگر کی دختر منتخب ہوئی۔ اور نواب کو حیدر نگر سے حضوری میں طلب کیا گیا۔ جس وقت بدرالزمان حضوری میں آئے تو سلطان نے خود ان کا استقبال کرتے ہوئے تحفہ تحائف نذر کیئے۔ اور درخواست کی کہ برہان الدین کو اپنی دامادی میں قبول کریں۔ حیدر علی کے حالات میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ کس طرح اہل نوائط سلطان کے خاندان کو نسب کے اعتبار سے اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر یہی بات پیش آئی۔ مگر بدرالزمان خاں نے خاص حضور سلطانی میں انکار کرنا خلاف مصلحت سمجھا۔ شادی کی خبر جب معلوم ہوئی تو اہل نوائط حد درجہ برہم ہوئے۔ بدرالزماں کی بیوی اور بیٹی بھی اس شادی کی مخالف ہوگئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شادی کی شب کو اس لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کرلی۔ اہل نوائط اور سادات کے دلوں میں کدورت آگئی۔ اور یہی وہ کدورت ہے جسکی وجہ سے سادات اور نائطہ سلطان کے خلاف ہوکر سلطنت خداداد کے زوال کا باعث ہوئے۔

نائطہ

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ کہ جب مسلمان ہندوستان میں ملک گیری میں مصروف تھے۔ اور انکی سلطنت دہلی میں قائم ہوگئی تھی تو عراق ایران و عرب سے لوگ ہند کو آرہے تھے۔ کہ مسلمان بادشاہوں کی علم دوستی و غریب پروری سے

فائدہ اٹھائیں۔ مسلمان بادشاہوں نے ان نوواردوں کا جو اس نئے ملک میں نائطہ کہلائے گئے۔ بوجہ اسکے کہ وہ عرب سے متعلق تھے۔ عرب کی محبت میں ان سے حد درجہ سلوک کرنا شروع کیا۔ اور ملک میں تمام مذہبی عہدے۔ قاضی محتسب وغیرہ انہی لوگوں کو دئے جانے لگے۔ اور اس طرح اہل نوائط کی تمام لوگوں پر ایک مذہبی سیادت قایم ہوگئی۔ بس اس وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے برتر سمجھنے لگے۔ اور شادی وبیاہ کے معاملہ میں انہوں نے یہاں تک احتیاط کی۔ کہ ملک کے کسی طبقہ سے بھی اختلاط جائز نہیں سمجھا گیا۔ ان لوگوں میں مذہبی علم وفضل کا نہایت چرچا تھا۔ اور مذہبی عہدے انہیں میں محدود تھے"

اس تفوق وبرتری کی وجہ سے جو نواب بدرالزماں کو بحیثیت نائطہ ہونے کے تھی۔ خاندان سلطان سے نسب کرنے میں عار تھا۔

حیدرآباد اور مرہٹوں سے جنگ

۱۷۸۴ء۔ ۱۷۸۷ء

مرہٹوں اور نظام الملک نظام علیخاں کو امید تھی کہ سلطنتِ خداداد اپنی اندرونی بغاوتوں اور انگریزوں سے جنگ ہونیکا باعث سر نہیں اٹھا سکیگی۔ اور ٹیپو سلطان کا خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر انکی امیدوں کے خلاف سلطنتِ خداداد ابھری۔ اور اس شان سے ابھری کہ تمام جنوبی ہندوستان میں سلطانی شان وشکوہ اور جلالت وجبروت کا پرچم اڑنے لگا۔ دریائے کرشنا سے لیکر ٹراونکور تک سلطان کی ہیبت چھائی ہوی تھی۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

"جنوبی ہندوستان نے کسی سلطان کو نہیں دیکھا بلکہ صرف ٹیپو سلطان ہی ایک ایسا سلطان ہوا کہ جسکی شاہانہ عظمت و جبروت ہر ایک کو متحیر کر دیتی تھی۔"

حیدر آباد اور پونا کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ حریف جس کو وہ ہمیشہ زک دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ اس طرح سر اٹھائے۔ لہٰذا دونوں سلطنتوں میں بمقام ایت گیر ۱۸ مارچ ۱۷۸۴ء میں ایک معاہدہ ہوا۔

نظام علی خاں مطبوعہ حیدر آباد کے مصنف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کرنے کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوئی۔ جو ٹیپو سلطان کی ترقی سے خائف ہو گئے تھے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا گیا ہے:-

"جب پیشوا کو یہ معلوم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدہ سالبی کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت و وصول پیشکش اپنے ایلچی روانہ کئے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا۔ کہ انکے والد نے چند ضرب توپ اور بندوقوں کے سوائے اور کوئی چیز متروکہ نہیں چھوڑی ہے۔ جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف و بزدل ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علیخاں کے ساتھ اتحاد قایم کرکے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔"

اس معاہدہ کے بعد انکی متفقہ فوجیں ممالک محروسہ سلطنت خداداد پر بڑھیں۔ اس وقت قلعہ دھارواڑ پر حیدر بخش کمانڈر تھا۔ جس نے رشوت لیکر قلعہ ڈھارواڑ کے علاوہ کنجن گڈھ، نولگنڈہ، نرگنڈہ اور بھدرا ندی کے اس پار کا تمام علاقہ دشمنوں

کے حوالے کر دیا۔

جس وقت سلطان کو یہ خبر پہونچی، تو ماہ شعبان کی چھ تاریخ کو ایک جرار فوج لیکر دار السلطنت سے نکلا۔ بنگلور کے راستے سے ادہونی کیطرف بڑھا۔ اسوقت ادہونی میں میر نظام علیخاں کا داماد نواب مہابت جنگ تھا۔ جس نے اپنے دیوان اسد علی خاں کو حضور سلطانی میں صلح کیلئے بھیجا۔ اس موقع پر سلطان نے سفیر سے کہا :-

"مجھے تم لوگوں سے کچھ دشمنی نہیں ہے۔ مگر چونکہ نواب نظام علیخاں نے بے وجہ ہم سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔ اور مرہٹوں سے اتفاق کر کے اس سلطنت خداداد کی تباہی پر کمر باندھی ہے۔ میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نظام الملک کو اسلام کا کچھ بھی پاس نہیں۔ اس نے ہمیشہ اس اسلامی سلطنت کو مٹانے کیلئے اعدائے اسلام سے سازشیں کی ہیں۔ اور اس موقع پر بھی جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ مساجد اور اہل اسلام کے گھروں کو بت پرستوں نے بے حرمت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ نظام الملک ہم سے اتفاق کر لے۔ اور دونوں سلطنتوں کی فوجیں متفق و متحد ہو کر پونا پر چڑھائی کریں۔ مذہب و ملت کی لاج رکھتے ہوئے خدا کی رضامندی اور خلق اللہ کی رفاہ کیلئے جہاد پر کمر باندھیں۔ جو ایک مسلمان کی سرفروئی کا باعث ہے۔"

اتمام حجت اور مسلمانوں میں یکجہتی و اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے سلطان نے محمد غیاث کو ایلچی بنا کر حیدر آباد روانہ کیا۔ اور نظام الملک کے نام ایک خط بھی لکھا۔ جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے :-

"میں یعنی ٹیپو سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان اور مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو

میرے ساتھ ہونا چاہیئے ۔ نہ یہ کہ میرے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں ۔ اور ان کے ساتھ ہوکر اسلامی ممالک کی تاخت وتاراج کرنا ذریعہ حصول جاہ خیال کریں ۔ جیسا کہ نواب نظام علیخاں بہادر نظام حیدرآباد وبار بار پیشوائے پونا کا ساتھ دیتے اور دونوں فوجیں ملکر میرے ملک کو پامال اور میری رعایا کو شکستہ حال کرتی رہتی ہیں ۔ اور افسوس کہ میں نے مخفی طور پر نظام علی خاں بہادر کو سب کچھ سمجھایا لیکن وہ مرہٹوں کی یلغار کو اپنے ملک سے دور رکھنے کیلئے انکی دوستی کو مقتضائے مصلحت جانتے ہیں ۔ حالانکہ مرہٹوں نے آپ کو بہت سا نقصان پہونچایا ۔ اور ملک کو تاخت وتاراج کیا ۔ مسجدوں کو ڈھایا اور خانقاہوں کو گرایا ۔ اس کا اقتضا یہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہتے ۔ اور جب میری اور انکی دو طاقتیں ایک جگہ ملجاتیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنے ملک سے ایک قدم باہر نکالنے کا حوصلہ کرتے ۔ لیکن اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے جو نظام حیدرآباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی ۔ اور وہ نظام کو مرہٹوں سے متفق کرکے میرے خلاف فوج کشی پر ابھارتے رہتے ہیں ۔ اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق ویکجہتی کی ہوسکتی ہے تو وہ یہ کہ میرے خا[illegible] نظام کے بیٹوں بھتیجوں اور نظام کے خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں [illegible] بھتیجوں کو بیاہی جائیں ۔ تاکہ طرفین سے ابواب یگانگت کشادہ ہوجائیں ۔ اور سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کے متحد ہوجانے کا علم ویقین ہوجائے ۔"

اس خط کے ساتھ سلطان نے اعلیٰ درجہ کے قیمتی تحائف وجواہرات اور امراء ووزراء کیلئے قیمتی خلعتیں روانہ کیں ۔ غیاث الدین نے حیدرآباد پہونچکر وہ خط



ٹیپو سلطان شہیدؒ

اور تحائف وغیرہ پیش کرکے نظام الملک کو اتفاق و یک جہتی پر توجہ دلائی نظام الملک کے دل پر بھی اس تصریہ کا اثر ہوا۔ مگر جب نظام الملک حرم سرا میں گئے۔ تو اس وقت شاطروں نے مزاج کا رنگ بدل دیا۔ اور سب سے بڑا عذر جو پیش کیا گیا۔ وہ یہی تھا کہ اعلیحضرت نظام کا درجہ ایک نایک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہوسکتا۔ نظام الملک نے ایلچی کو بے نیل و مرام واپس کردیا۔ اس پر رائے زنی کرتے ہوئے نشان حیدری کا مصنف مورخ کرمانی جو سلطان کا مصاحب بھی تھا طنزاً لکھتا ہے :-

"یہ ایک دعویٰ باطل ہے کہ نظام الملک سوائے اپنی ذات کے دکن کے اور دولتمندوں کو شریف نہیں سمجھتا تھا۔ اور اپنی دولت و حشمت پر آپ ناز کرتا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ سلطان ذی شان نسب کے اعتبار سے دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی کمینہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ اور حسب میں اس کا اقتدار اسباب دنیاداری اور امارت و جلالت یگانۂ روزگار ہے۔ اور وہ شجاعت و بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ بعض نادان لوگوں نے جو لقب نایک کو اسکے نام پر ایزاد کیا ہے۔ اس سے وہ صریح مغالطہ میں ہیں۔ نایک لقب سپہ سالار فوج کا ہے۔ قوم کا نام نہیں۔

خدائے قادر برحق کی قدرت نامتناہی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے۔ دین و دنیا میں اس کو سعادتمند بنا دیتا ہے۔ اور دنیا کے مال و دولت اور مرتبہ سے سرفراز کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہند اور دکن کے ان سلاطین سے جو بارگاہ خداوندی میں مقبول اور جن کی بارگاہ مرجع انام تھی۔ واقف نہیں ہیں۔ کہ وہ نسب حسب کے اعتبار سے کیا تھے۔ اور کیا ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ سلطان حسن گنگوہ (جو سلطنت بہمنی کا بانی اور حسن شاہ بہمنی کے نام سے مشہور ہوا)

کا حسب و نسب کیا تھا۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے۔ کہ باوجود اس سیادت کے
اسکی وفات کے بعد اسکی قبر پر بجلی گری۔

اللہ اللہ کہ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کے اثر سے رذیل لوگ
بھی دعوائے صحیح النسبی کر رہے ہیں۔ اور کمظرف و کم فطرت لوگ اپنے غرورِ
بیجا سے سیادت اور شرافت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنے برابر کسی کو اشراف
نہیں سمجھتے۔ ؎

زشتی ظرف رواعمالت ہست در دولت نہاں
عیب پوش قحبہ بدشکل زرین چادر است"

سلطان کا ایلچی بے نیل و مرام واپس آ گیا۔ اور نظام الملک بدستور مرہٹوں سے
ملکر تاخت و تاراج میں مصروف رہا۔ اب سلطان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ اور یہ اپنی فوجوں
کو لیکر برق و باد کی طرح حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں پر گرا۔ اور ایک ایسا سبق دیا کہ
مرہٹے اور نظام ذیل سے ذلیل شکست کھا کر میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے۔ اور دوسری طرف
باوجود اس سطوت و نصرت کے سلطان کا سلوک خاندان حیدرآباد اور دوسرے اسیرانِ
جنگ سے ایسا ہے کہ اسکی نظیر بمشکل تاریخ دے سکے گی۔

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قلعۂ ادھونی پر مہابت جنگ داماد نظام الملک کا تسلط
ہو گیا تھا۔ افواج سلطانی نے اس کا محاصرہ کرتے ہوئے ایسا سخت حملہ کیا کہ دوسرے دن
صبح قلعہ کا دروازہ کھل گیا۔ مگر سلطان کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ نظام الملک کی بیٹی
مہابت جنگ کی ناموس قلعہ میں موجود ہے۔ اسکے پاسِ خاطر سے سلطان نے فوجوں کو
قلعہ پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ اگرچہ اسوقت رستم جنگ اور موسیو للی فرانسیسی سپہ سالار

نے جو ملازم سلطانی تھے۔ بہت کچھ سلطان سے کہا کہ یہ وقت ہاتھ نہ آئیگا۔ مگر سلطان نے اپنا حکم واپس نہ لیا۔ اور اس طرح آدہونی کا قلعہ حیدرآبادی فوج کے ہاتھ میں اور چند دن رہا۔ سلطان اپنی تھوڑی فوج کو اس نواح میں چھوڑ کر خود پیچھے ہٹ گیا۔ جس کی وجہ سے مہابت جنگ کا زنانہ اور دیگر حیدرآبادی خواتین ادھونی چھوڑ کر رائچور چلا گئے۔ جب سلطان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے فوجوں کو تسخیر ادھونی کا حکم دیدیا۔

اٹھارہ دن کی سخت لڑائی اور محاصرہ کے بعد قلعۂ ادھونی جو کہ نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ سلطانی فوجوں نے فتح کر لیا۔ اور مال غنیمت میں نواب بسالت جنگ مرحوم کا سلاح خانہ اور کتب خانہ بھی ہاتھ آیا جو سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔ سلطان نے قطب الدین خاں کو قلعدار اور دولت رائے کو ادھونی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ قلعہ اور اطراف کی پہاڑیوں کے پائیں حصار تمام توڑ ڈالے گئے۔ (قلعۂ ادھونی ضلع بلاری میں ہے۔ یہ قلعہ راجگان وجیا نگر کا بنایا ہوا نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا) ادھر سے فارغ ہو کر سلطان مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے پہلے کنجن گدھ پر قابض ہوا۔ رانی فرار ہو گئی۔ اور اس کا بیٹا گرفتار ہو گیا۔ جو بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور علی مردان خاں نام رکھا گیا۔ (جامع اوراق)

کنجن گدھ سے افواج سلطانی ساندور میں مقیم ہوئیں۔ حاکم ساندور نے اطاعت قبول کر لی۔ اب سلطانی افواج کمپلی کی طرف بڑھیں۔ اور ایک سخت لڑائی کے بعد کمپلی پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ کے دوران میں سلطان کے بعض سپاہیوں کی چیرہ دستیوں کے باعث چند عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے ان سپاہیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔

اس کے بعد جب سلطان قلعہ دھاڑواڑ پر قبضہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ تو موسم باراں کی وجہ سے دریائے تنگبھدرا میں طغیانی آ گئی۔ اور سلطانی فوج کو مجبوراً رک جانا پڑا۔ جب اقبال عروج پر ہوتا ہے۔ تو اس وقت ناممکن کام بھی ممکنات میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور ہر بگڑی ہوی سنور جاتی ہے۔ سلطان نے کئی دن تک انتظار کیا۔ کہ دریا اتر جائے۔ مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ آخر سلطان نے حکم دیا کہ دریا میں اکیس گولے مارے جائیں اور کہا کہ "یہ بھی گویا ہمارے دشمن کا ہراول ہے۔ جو ہمارا راستہ روکے ہوئے ہے۔" قدرت الٰہی دیکھیے کہ گولے پھٹتے ہی دریا کا پانی کم ہونے لگا۔ اور دریا پایاب بن گیا۔ اس واقعہ کا اثر ایسا ہوا کہ تمام دیکھنے والے اور اہلِ فوج نے اس کو سلطان کی کرامت قرار دیا۔ اور اس کی فتح و نصرت کے نعرے لگائے۔ سلطان دریا پار ہو کر دھاڑواڑ کی طرف بڑھا۔

حسین علی خاں اور مہا مرزا خاں کے ماتحت غازی خاں ولی محمد خاں کابلی ابراہیم خاں اور فاضل خاں سپہدار اپنی فوج لیکر بڑھے۔ اور دوسری طرف قادر خاں میر محمد اور امام خاں بڑھے یہ فوجیں کچھ اس طرح بڑھیں کہ مرہٹی فوج نرغے میں گھر گئی۔ اور سرداران مرہٹہ اپنی جانیں بچانے کیلئے اپنے اہل و عیال کو میدانِ جنگ ہی میں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اور جس وقت افواج سلطانی انہیں اسیر کر کے لائیں تو سلطان نے ازراہ کرم و مراحم خسروانہ ان سے نہایت عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا۔ اور بہت سے زر و جواہر دیکر انہیں پونا روانہ کر دیا۔ کہ وہاں جاکر صلح و آشتی کا پیغام دیں۔

شاہنور کا میدان جنگ

شاہنور کے گرد و نواح میں مرہٹوں اور نظام کی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ اور یہیں ایک فیصلہ کن

جنگ کا انتظار تھا۔ تمام مرہٹی سپہ سالار اور نظام الملک میدان جنگ میں حاضر تھے۔

سلطان نے اپنی فوج کو اس طرح سے ترتیب دیا کہ میمنہ پر میر معین الدین اور فرانسیسی سپاہ تھی۔ اور میسرہ پر برہان الدین اور قلب میں خود مقیم رہا۔ اس فوج نے رات کے وقت پیش قدمی کی۔ اور علی الصباح برہان الدین کی فوج نے مرہٹی فوج پر جو ہری پنت اور راستیا کے ماتحت تھی۔ حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے میر معین الدین کا حملہ ہوا۔ اسی وقت سلطان نے بھی قلب پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مرہٹوں کی فوج کو میدانِ جنگ میں قایم رہنا مشکل ہو گیا۔ اور حیدر آبادی فوجیں فرار ہونے لگیں۔ مرہٹے پیچھے ہٹے۔ اور قریباً تین میل جا کر پھر مجتمع ہوئے۔ اور انکا توپخانہ سلطانی افواج کو سخت نقصان پہونچانا شروع کیا۔ یہ دیکھکر سلطان نے سید حمید، شیخ النصر، احمد بیگ اور موسیو لالی کو توپخانہ چھین لینے پر بھیجا۔ یہ فوج ایک خشک تالاب میں سے گذر کر اچانک غنیم کے سر پر پہونچی۔ اور اس قدر گولیاں برسائی گئیں۔ کہ مرہٹی فوج سراسیمہ ہو گئی۔ اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ مرہٹوں کے دو سردار مارے گئے۔ مرہٹوں اور نظام کا کل سامان جنگ اور اسباب وغیرہ سلطانی فوج کے ہاتھ آیا۔ یہ فتح ایسی تھی کہ مرہٹے اور نظام بہت دور تک پیچھے ہٹ گئے۔ اور اس کے بعد انہیں میدانِ جنگ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس فتح کے بعد سلطان نے سید حمید اور سید غفار کو شاہنور بھیجا۔ کیونکہ نواب حکیم خاں باغی ہو کر مرہٹوں اور نظام سے مل گیا تھا۔ جس وقت اس فوج کی آمد کی خبر ملی تو نواب اپنے بیٹے عبد الخبیر خاں کو شہر میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ سلطانی افواج بغیر کسی سخت لڑائی کے شاہنور پر قابض ہو گئیں۔ اور جو کچھ مال و دولت شاہنور میں مل سکا۔ سب حضور سلطانی میں بھیجدیا گیا۔ عبد الخبیر خاں بھی گرفتار ہو کر حضور سلطانی میں پیش ہوا۔ اور سلطان نے اسے نظر بند کر دیا

عزم سلطانی

میدان شاہنور میں جو فتح کامل سلطانی فوج کو حاصل ہوئی تھی۔ اس سے سلطان کا دل بہت بڑھ گیا۔ اور کُل فوج آگے بڑھنے کیلئے بے تاب تھی

سلطان نے از سرِ نو فوجوں کو ترتیب دیکر ایک حصہ کو تسخیر حیدر آباد کیلئے اور دوسرے کو تسخیر پونا کیلئے نامزد کیا۔ اور خود امی جگہ ضروریات جنگ مہیا کرنے اور کمک دینے کی غرض سے مقیم رہا۔ جب یہ خبر نظام الملک اور مرہٹوں کو ملی تو ان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ برہان الدین نے بڑھکر ہنکا پورا اور مصری کوٹہ پر قبضہ کر لیا۔ اور سید حمید و سید غفار نے مندرگی درگ پر دھاوا بول دیا۔ وہ فوج جو خاص سلطان کے زیرِ کمان تھی۔ ہری پنڈت پھڑکیا کی فوج کی طرف بڑھی۔ جو کہ شاہنور کی جنگ میں پسپا ہو کر بہت فاصلہ پر مقیم تھی۔ سلطانی فوج شبخون مارتی ہوئی رات کے وقت مرہٹی کیمپ میں داخل ہو گئی۔

راجہ ہولکر جو مرہٹی فوج کی پوری کمان پر تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنی حرم سرا چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اسکے فرار ہوتے ہی فوج میں بھی بدولی پیدا ہو گئی۔ اور سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ افواج سلطانی کے ہاتھ تمام خیمے مال و اسباب آیا۔ ہولکر کی حرم سرا اور دوسرے تمام سرداروں کی عورتیں اسیر ہو کر سلطان کے روبرو حاضر ہوئیں تو سلطان نے دوسری دفعہ ان عورتوں کو پالکیوں میں سوار کرا کر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ پونا روانہ کر دیا۔ اس کا اثر دربار پونا پر نہایت ہی اچھا پڑا۔ تمام مرہٹی سردار جنگ سے عاجز آچکے تھے۔ اور ہولکر نے سب سے زیادہ صلح کر لینے کیلئے زور دیا۔ چنانچہ صلح کی گفت و شنید شروع ہو گئی۔

ہری پنڈت کی سفارش سے سلطان نے عبد الحکیم خاں کو دوبارہ شاہنور کی ریاست واپس دیدی۔

(شاہنور :- آج کل شانور کہلایا جاتا ہے۔ یہ ایک بالکل چھوٹی ریاست ہے۔ جو ہوبلی اور گدگ کے قریب ہے)"

جنگ کے خاتمہ پر ہری پنڈت کو اس کی جوانمردی کے صلہ میں کنجن گڈھ کا علاقہ بطور جاگیر دیدیا گیا۔

ہری پنڈت مرہٹی سپہ سالار تھا۔ اور اس جنگ میں سلطان کا مدمقابل رہا تھا۔ باوجود اس کے سلطان اپنے اس دشمن کی شجاعت اور جوانمردی کے کارناموں کو دیکھکر اس سے یہ سلوک کرتا ہے کہ صلح ہونے پر اس کو ایک بہت بڑی جاگیر بطور انعام دیدیتا ہے سلطان چونکہ خود نہایت بہادر تھا۔ اس لئے وہ بہادر دشمن کی بھی قدر کرتا تھا۔ تاریخ میں اس قسم کی رواداری کی مثالیں ہمیں مشکل سے ہی ملیں گی۔

مرہٹوں سے صلح کرنا گویا نظام علی خاں سے بھی صلح کرنا تھی۔ لہٰذا حیدرآباد سے بھی جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ سلطان مظفر و منصور نہایت شان و تزک سے ۱۷۸۷ء میں سرنگاپٹم واپس ہوا۔ راستے میں رائے درگ اور ہرپن ہلی کے پالیگاروں کو جو دوران جنگ میں دشمنوں سے مل گئے تھے، قید کرکے بنگلور بھیجدیا گیا۔

انتظامِ سلطنت

ان مہمات سے فارغ ہوکر سلطان مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوا۔ جہاں اس نے سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی غیر موجودگی میں دیوان میر صادق نے خزانے میں دستبرد کی ہے اور رعایا اس کی سختی سے سخت نالاں ہے۔ سلطان نے بعد تحقیق میر صادق کو معزول کرکے مہدی علی خاں نائطہ کو دیوان مقرر کیا۔ اور تمام سلطنت میں

جدید نظم و نسق کی ایک روح پھونکی گئی۔ اس سال یعنے ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں جامع امور کے نام سے ایک یونیورسٹی قایم کی گئی۔ اور مسجد اعلےٰ کی بھی بنیاد رکھی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور ٹیپو سلطان

اس چار سال کے عرصہ میں یعنے ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۷ء تک، سلطان جب تک حیدرآباد اور مرہٹوں سے جنگ میں مصروف رہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی خاموشی سے اپنی فوجی تنظیم میں لگی رہی۔ اس کو امید ہونے لگی کہ ان متواتر جنگوں سے سلطانی طاقت بالکل کمزور ہو جائیگی۔ لیکن جب سلطان اس جنگ میں بھی مظفر و منصور نکلا تو انگریزوں نے اس کو مہلت نہیں دینا چاہی وہ جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ اور اس کیلئے ان کو بہانہ کی تلاش تھی۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ ہے کہ امریکہ کے مقبوضات اسکے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ اس لئے انہیں نئے مقبوضات کی تلاش تھی۔ جنوبی ہند انکے لئے ایک وسیع میدان تھا لیکن متواتر دو جنگوں میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے شکست کھانے کے بعد انہیں اپنی امیدیں منقطع ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ اس لئے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے اپنی ساری توجہ اس طرف مرکوز کردی۔ اس نے مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز اور گورنر جنرل کے عہدہ کے لئے لارڈ [illegible]والس کا انتخاب کیا تھا۔ جنرل میڈوز ایک نہایت آزمودہ کار جنرل تھا [illegible]والس بھی۔ ان دونوں کا انتخاب اس لئے ہوا تھا۔ کہ ٹیپو سلطان [illegible] شکستوں کا بدلہ لیا جائے۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کو ہندوستان میں وسیع کیا جائے۔ جنرل میڈوز مدراس پہونچکر میسور کی رانی کے ایجنٹ تریل راؤ سے خط و کتابت شروع کردیتا ہے۔ اور موقع کا منتظر رہتا ہے کہ سلطان سے جنگ چھیڑ دیجائے۔ اور خوش قسمتی سے یہ موقع جلد حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنے ملیبار میں سلطان کے

خلاف بغاوت ہو جاتی ہے۔

سرکشان ملیبار کی بغاوت

۱۷۸۹ء میں سلطان باوجود ملکی انتظام میں مشغول ہونے کے کالیکٹ کے باغی نائروں کی سرکوبی کیلئے نکلا۔ بغاوت کو فرو کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پسِ پردہ راجۂ کوچین اور راجۂ ٹراونکور کے ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ سلطان ان دونوں ممالک پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ خیر خواہوں نے عرض کیا کہ راستہ ناہموار ہے۔ اور دریا درمیان میں حائل ہے۔ مگر سلطان نے اسی رات کی تاریکی میں صرف دو پلٹنیں اور دو ہزار سوار لیکر کوچین پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ لیکن مکار دشمنوں نے ازرہِ فریب رات خاموشی سے بسر کر کے صبح ہونیسے پہلے دریا کے منبعوں کا منہ کھولدیا۔ جس سے کھاری اور چشمے لبریز ہو گئے۔ کمک یا واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ جس کے بعد انہوں نے چاروں طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اس معرکہ میں سلطان کے چار ہزار جری سپاہی کام آگئے۔ سلطان بصد مشکل دریا عبور کرتا ہوا واپس ہوا۔ مگر سلطانی جلوداروں میں سے کوئی نہ بچ سکا۔ سلطان کی پالکی اور کٹار جو پالکی ہی میں تھی۔ دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی۔ پھر سلطان نے دریا پار ہو کر اپنی فوج کو جمع کر کے سپہداروں کو عام حملہ کا حکم دیا۔ سلطانی سپاہ کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ صبح کو جو واقعات ہوئے تھے۔ ان کا دل کھول کر بدلہ لیا گیا۔ سلطان نے بصد شان و شوکت قلعہ میں داخل ہو کر سب مال و متاع اور تمام اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔

جب ان واقعات کی خبر مدراس پہونچی تو جنرل میڈوز جو پہلے سے سلطان کے خلاف تیاریوں میں مصروف تھا۔ اور میسور کی رانیوں کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط و کتابت

کیا ہوا تھا۔ بغیر اعلان جنگ کے سرحد سلطنت خداداد پر فوجیں بھیج دیا ہے۔ سلطان کو جب اسکی اطلاع ملتی ہے تو وہ حیران رہجاتا ہے۔ کہ انگریز بغیر کسی وجہ کے اس سے کس لئے جنگ پر آمادہ ہیں؟۔ دریافت حالات کیلئے وہ جنرل میڈوز کو خط لکھتا ہے۔ اس خط کا مضمون اور اس کا جواب بورنگ اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۴۶ پر اس طرح لکھا ہے :۔

" دونوں حکومتوں کے درمیان اگر کوئی رنجش کی وجہ پیدا ہوگئی ہے تو باہمی مفاہمت سے معاملہ طے ہوسکتا ہے۔"

جنرل میڈوز نے جواب دیا کہ ٹراونکور حکومت مدراس کی حلیف ہے۔ اور اس کی سرحد پر جو واقعات ہو رہے ہیں۔ ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اس جواب سے سلطان نے سمجھ لیا کہ انگریز جنگ پر آمادہ ہوگئے ہیں۔"

سلطان کو جب یہ جواب پہونچا تو اس نے بھی اپنی مدافعت کیلئے پائین گھاٹ کی طرف بڑھا۔ کہ انگریزی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ کوئمبتورا اور ستی منگل کی نواح میں جنرل میڈوز کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جس میں سلطان فتحیاب ہوا۔ دوران جنگ جب انگریزی فوج کے خیمے لوٹے گئے تو اکثر مرد و عورت اسیر ہوئے۔ اور ان میں کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو خود کو مسلمان کہتی تھیں اور گوروں سے زنا کرتی تھیں سلطان نے ان کو قتل کرادیا۔

بنگالہ سے کرنل میکسویل کے ماتحت اور انگریزی فوج براہ سرکارس آکر ترپاتور اور وانمباڑی پر قابض ہوچکی تھی۔ جب سلطان کو اسکی خبر پہونچی تو میر برہان الدین سپہ سالار کو مدافعت کیلئے روانہ کیا۔ اور خود تیاگر کی جانب بڑھا۔ برہان الدین اور اس کے ماتحت سپہ دار سید غفار نے کنڈلی پہنچکر انگریزی فوج پر حملے کئے اور دیڑھ سو

سوار اور دو سو سپاہی قید کر لئے گئے ۔ یہ خبر پاکر جنرل میڈوز جو شکست کھا کر ستی منگل کی نواح میں تھا ۔ کرنل میکسوئل کی امداد کیلئے بڑھا ۔ اور دونوں فوجیں پتور گھاٹ پر مل گئیں ۔ جن کے باعث افواج سلطانی کو بہت نقصان پہنچا ۔ انگریزی فوج کشی کی جب خبر پہونچی تو سلطان نے رسالے اور توپ خانے لیکر بہ نفس نفیس انگریزی افواج کے سر پر پہنچا ۔ اور جاتے ہی حملے کا حکم دیدیا ۔ اس جنگ میں انگریزی فوج کو سخت شکست ہوی ۔ اور انکا ناطقہ یہاں تک بند ہو گیا کہ وہ ترچنا پلی کی طرف فرار ہو گئی ۔ لیکن سلطانی سپاہ نے آگے بڑھ کر ان کی راہ روک لی ۔ اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ۔ اور اس دلیری و بہادری اور با قاعدہ معرکہ آرائی سے اپنا فن جنگ ظاہر کی ، کہ انگریز بھی لوہا مان گئے ۔ قریب تھا کہ سلطانی فوج کو کامل فتح حاصل ہوتی ۔ کہ رات ہونیکی وجہ سے جنگ موقوف ہو گئی رات ہی رات انگریزی سپہ سالار بہت سا سامان اور اسباب وہیں چھوڑ کر آگے روانہ ہوا ۔ مگر سلطانی سواروں نے پیچھا نہ چھوڑا ۔ ناگاہ ان حملوں میں میر برہان الدین کو گولی لگی ۔ اور وہ وہیں شہید ہو گئے ۔ سپاہیوں نے انکی لاش کو فوراً پالکی میں رکھکر سلطان تک پہنچا دیا ۔ سلطان اپنے ایک ایسے تجربہ کار اور جاں نثار سپہ سالار کے مارے جانے سے بے اختیار رو پڑا ۔ اور اس غم میں اپنی فوج کو انگریزوں کے تعاقب سے منع کر دیا ۔ اگرچہ دوسرے سپہ سالار اور سپاہیوں نے بہت کچھ زور دیا ۔ کہ جب کامل فتح اور دشمن کی پوری بربادی آنکھوں کے سامنے ہے تو ضرور تعاقب کرنا چاہئے ۔ مگر سلطان نہ مانا ۔ اس سے جنرل میڈوز کو غیر متوقع فرصت مل گئی ۔ وہ اس کو غنیمت جانتے ہوئے اور دوسری آنے والی مصیبتوں کا خیال کر کے اپنی سپاہ لیکر مدراس بخیر و عافیت پہونچ گیا ۔ مگر راستہ بھر سلطانی سپاہ اس کو پریشان کرتی رہی ۔ ان واقعات کے دوران میں سلطانی

سپاہ نے ستی منگل، چینجی اور کوہ پرموکل کو فتح کر لیا۔ اور بہت سے انگریزی عورت اور مرد جو اسیر ہوئے سرنگاپٹم پہنچا دیئے گئے۔

اس جنگ کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۸ پر لکھتا ہے :۔

"سلطان کے مقبوضات پر کامیاب حملہ کرنے کیلئے ضروری تھا کہ ضلع بارا محل اور درہ گجل ہٹی پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس خیال سے جنرل میڈوز نے کرنل میکسول کو کرشنا گری پر بھیجا جو ضلع کا صدر مقام تھا۔ لیکن ابھی میکسول کرشنا گری بھی نہیں پہونچا تھا کہ سلطان برق سرعت سے بڑھکر میکسول سے جنگ شروع کر دی۔ اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ دوسری جانب سے خود جنرل میڈوز کے ماتحت ایک انگریزی فوج آ رہی ہے۔ ٹیپو جو ایک ماہر فن اور بہترین جنگی جنرل تھا۔ سمجھ گیا کہ وہ دو فوجوں کے نرغے میں پھنس جائیگا۔ اسلئے اپنی فوج لیکر پیچھے ہٹا۔ اور درۂ تپار سے نکلکر ان آنے والی انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج نقصان اٹھا کر واپس ہوئی۔ یہاں سے سلطان دریائے کلرون کو عبور کر کے ترنا ملے اور پرماکوئل پر بڑھا۔ اور یہ مقامات اس کے قبضہ میں آ گئے۔ یہاں سے وہ پانڈیچری پہونچکر فرنچ گورنر سے درخواست کی کہ اس کو چھ ہزار فرانسیسی سپاہیوں سے مدد دے۔ کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ ٹیپو نے اس وقت یہ بھی وعدہ کیا کہ انگریزی مقبوضات فرانس والوں کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ گورنر نے اس درخواست کو فرانس کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ لیکن لوئی شانزدھم نے انقلاب فرانس کے ڈر سے اس درخواست پر اس وقت توجہ نہیں دی"۔

ایک فرانسیسی مورخ بصد حسرت لکھتا ہے :۔ کہ

"فرانس والوں نے اس زرّین موقع کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اس وقت جب سلطان کل جنوبی ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک اور انگریز اس کے رحم پر تھے۔ اگر فرانس والے سلطان کی تائید کرتے تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی"

جب یہ خبریں لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کو پہنچیں تو وہ انہیں واقعات کو بنائے جنگ قرار دیکر تیاری میں مصروف ہوا سلطان نے جو کچھ کیا وہ اپنے ملک کی اندرونی بغاوتوں کے روکنے کیلئے کیا۔ لیکن انگریزوں نے بلا وجہ باغیوں کی حمایت کی۔ اور جب انہیں اور باغیوں دونوں کو شکست ہوئی۔ تو لارڈ کارنوالس نے باقاعدہ جنگ کی بنیاد ڈالدی۔ کہ کسی طرح سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑ دیا جائے۔

سلطان سے جنگ کرنے کیلئے انگریزوں کے پاس کوئی معقول وجوہ نہیں تھے۔ لیکن ایک عرصہ سے نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کی فتوحات انگریزوں کے دلمیں خار کیطرح کھٹک رہی تھیں۔ اور گذشتہ شکستوں کا زخم ان کے سینوں میں اتنا گہرا تھا کہ وہ دن رات انتقام لینے کے درپے تھے۔ جب تنہا انگریز سلطان سے نبرد آزما نہ ہوسکے تو آخرکار نظام الملک اور مرہٹوں کو ساتھ ملاکر سلطان کے خلاف "اتحاد ثلاثہ" قایم کرلیا گیا۔

اِن حالات کو بہتر طور پر سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ مجملاً اس وقت کی تاریخ لکھ کر علیحدہ علیحدہ طور پر انگریز، فرانسیسی، نظام الملک اور مرہٹوں کے حالات دکھلائے جائیں والا جاہ نواب کرناٹک کے حالات کو اس لئے نظرانداز کیا گیا ہے کہ اس وقت وہ انگریزوں کے ہاتھ میں بالکل ایک کٹھ پتلی کی طرح تھا۔

حیدرآباد

۱۷۰۷ء میں شہنشاہِ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنتِ مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ اور ہر جگہ طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر مختلف صوبہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھے۔ ان صوبہ داروں میں جو دو ممتاز ہستیاں نظر آتی ہیں۔ وہ ایک تو صوبہ دار اودھ کی ہے اور دوسری نظام الملک آصفجاہ اول حیدرآباد کی ہے اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے جانشین اس دل و دماغ کے نہیں تھے جو سلطنت کو قابو میں رکھ سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمامِ سلطنت وزراء کے ہاتھ میں آگئی۔ اور شہنشاہ برائے نام رہ گئے۔ ان وزراء میں عبداللہ خان اور حسین علیخاں دو بھائی تاریخ میں خاص طور پر مشہور رہیں۔ بلکہ دراصل یہ دونوں بھائی تاریخ میں (کنگ میکرس) بادشاہ ساز مشہور ہیں۔ جس کو چاہتے تخت پر بٹھاتے۔ اور جس کو چاہتے معزول کردیتے تھے (باوجود اسکے تاریخ اس کا ثبوت نہیں دیتی کہ وہ سلطنت کے دشمن یا بدخواہ تھے) یہ لازمی بات تھی کہ جب وزراء میں سے دو طاقت پکڑ لیں۔ تو دوسرے امراء و وزراء انہیں رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی دہلی میں ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے دہلی میں سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھائی تو قید ہوگیا۔ اور دوسرا شہید کردیا گیا۔ اور یہی وہ تاریخ ہے کہ اس دن سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر مہرِ تصدیق ثبت ہوگئی۔

رائز آف دی کرسچین پاور اِن انڈیا میں ڈاکٹر باسو مورخ صفحہ ۲۵۱ پر لکھتا ہے:۔

"اگر زوالِ سلطنتِ مغلیہ کی گھتی کو سلجھایا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان دونوں،

بھائیوں کے زوال میں اگر کسی کا ہاتھ تھا تو وہ نظام الملک کا ہاتھ تھا۔ وزرأ و امراء میں جو نا اتفاقی تھی۔ وہ نظام الملک کی پھیلائی ہوئی تھی۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی سلطنت کمزور ہو گئی۔ اور اس کمزوری سے دور دراز کے صوبہ داروں نے فائدہ اٹھا کر خود مختار بننا شروع کیا۔ باوجود اس افراتفری کے سلطنت میں ابھی دم خم باقی تھا۔ اور صرف شاہنشاہ مغلیہ کا نام اس امر کیلئے کافی تھا۔ کہ سرکش سے سرکش کو فوراً نیچا دکھا دے۔ چنانچہ جس وقت گجرات میں بغاوت ہوئی جو دراصل نظام الملک کی خفیہ سازشوں کا باعث تھی۔ تو شاہی فوجوں نے نہایت آسانی سے اس کو فرو کر دیا۔ مگر زمانہ مغلیہ شہنشاہ ہند کی اس ہیبت و صولت کو بھی مٹانے پر آمادہ تھا۔ اور وہ وقت ۱۷۳۹ء میں آگیا۔ جبکہ نادر شاہ ایک طوفانِ بلا کی طرح ہندوستان میں آکر دہلی لوٹا۔ اور شہنشاہانِ ہند کی عظمت و صولت کو پیوند خاک کر دیا۔ اب صرف یہ معمہ رہ گیا ہے۔ کہ آیا نادر شاہ خود بخود ہندوستان میں آیا یا اس کو کسی نے آنے کیلئے ابھارا۔

اگر نادر شاہ طمع سلطنت لئے ہوئے آتا تو اس کیلئے یہ مشکل نہ تھا کہ ہندوستان میں سریر آرا ہو کر تاج ہندوستان سر پر رکھے۔ بجائے اس کے تاریخ پتہ دیتی ہے۔ کہ وہ لوٹ و غارتگری کر کے ہندوستان سے واپس ہو گیا۔

مصنف سیر المتاخرین اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"نادر شاہ کو افغانوں سے شکایت تھی۔ اور اس کو رفع کرنے کیلئے اس نے اپنا ایک ایلچی دربار دہلی میں روانہ کیا۔ جس وقت ایلچی دربار دہلی میں پہونچا۔ تو امرائے سلطنت نے بھانپ لیا کہ اسکی تہ میں نظام الملک کا ہاتھ ہے۔ اور خصوصاً ذکریا خان کا جو کابل میں وائسرائے اور نظام الملک کا رشتہ دار تھا۔"

قطع نظر اس سے اگر اس کو دیکھا جائے کہ جس وقت نادر شاہ ہندوستان پہونچ گیا تو دربارِ دہلی سے نظام الملک اور خان دوران کو حکم ملا کہ اپنی فوجیں لیکر نادر شاہ کو روکیں۔ صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں :-

"نظام الملک اور خان دوران نے شہر میں جانے کی خبر مشہور کرکے وقت گنوانا شروع کردیا۔ اور ہر روز نئے حیلے تراشنا شروع کردیا"

اور پھر جس وقت دہلی پر حملہ ہوا تو سعادت خان صوبہ دار اودھ جو اپنی فوجوں سمیت شہنشاہ ہند کی حمایت کر رہا تھا۔ نظام الملک سے امداد مانگی۔ نظام الملک نے اس وقت جواب دیا۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں :-

"اب شام کا وقت قریب ہے۔ اب وقت ہے کہ شہنشاہ سعادت خاں کی فوج کو آرام لینے کا حکم دے۔ کل صبح تمام فوج کو اکٹھا کرکے دشمن سے مقابلہ کیا جائے"

اسلئے اب اس تشریح کی ضرورت نہیں کہ نظام الملک سعادت خاں کی امداد کو گیا یا نہیں دہلی پر جو گذرنا تھا۔ گذرا۔ اور اس میں نظام الملک کا کہاں تک ہاتھ تھا اس کے متعلق مورخ باسو لکھتا ہے :-

"دہلی کی تباہی میں نظام الملک کا ہاتھ تھا"

ادھر نادر شاہ ہندوستان سے واپس ہوا۔ اور ادھر نظام الملک اپنے بھائی غیاث الدین کو وزارت پر چھوڑ کر دکن واپس آیا۔ اورنگ آباد سے پایۂ تخت حیدرآباد کو بدلدیا گیا۔ جہاں وہ اپنی سلطنت کو وسعت دینے اور زبردست بنانے میں منہمک ہوگیا۔ مگر جو طاقت کہ اسکے سد راہ تھی۔ وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوی طاقت تھی۔

مرہٹے

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب میں جہاں نظام الملک کا ہاتھ ہے۔ وہاں مرہٹوں نے بھی کچھ کم کام نہیں کیا۔ اورنگ زیب کے زمانے ہی میں مرہٹے دکن میں طاقت پکڑ چکے تھے۔ اوراب جبکہ سلطنتِ دہلی پر انقلاب آرہے تھے۔ تو انہوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگر صوبہ دار دکن مغلیہ سلطنت کا وفادار رہتا۔ تو مرہٹوں کو بھی وہ عروج حاصل نہ ہوتا جو انہیں حاصل ہو کر رہا۔ مگر اسکے عوض صوبہ دار دکن نے اپنے اغراض و مقاصد کی حصول کیلئے یہی مناسب جانا کہ مرہٹوں کو اور حوصلہ دلائے۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے اپنے چچا حمید خاں کو شہنشاہ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ اور مشورہ دیا کہ سیلاجی اور کنتاجی مرہٹہ سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے"۔

پھر باجی راؤ پیشوا کے زمانہ میں شمالی ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب جس شخص نے مرہٹوں کو دی۔ وہ نظام الملک ہی تھا۔

مصنف سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے باجی راؤ کے آگے تجویز پیش کی کہ مالوہ اور گجرات فتح کرلے۔ یا کم ازکم انہیں ایسا اجاڑ دے کہ وہ صوبے دشمن (سلطنت مغلیہ) کے کسی کام کے نہ رہیں باجی راؤ اور دیگر مرہٹہ سرداروں نے اس تجویز پر عمل کرنے کیلئے فوراً ایک زبردست فوج تیار کی۔ اور گجرات و مالوہ پر چڑھائی کردی"۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ نظام الملک نے جو خود ایک زبردست سلطنت کی بنیاد

رکھنا چاہتا تھا۔ مرہٹوں سے ساز باز کیوں کی؟ اس کا جواب صرف یہی ہے۔ کہ :- نظام الملک موقع کا منتظر تھا۔ اس کو نہ سلطنتِ مغلیہ سے ہمدردی تھی۔ اور نہ مرہٹوں سے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ دونوں حریف لڑ کر کمزور ہو جائیں تو خود طاقت حاصل کر لے۔ مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مرہٹے گجرات و مالوہ پر قبضہ کر کے کُل ہندوستان پر چھا گئے۔ اور ان کی طاقت یہاں تک زبردست ہو گئی تھی کہ نظام الملک کی سلطنت ان کے رحم پر منحصر ہو گئی۔ اگر ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی میدان پانی پت میں انہیں شکست نہ دیتا۔ تو ہندوستان پر انہیں کی حکومت ہوتی۔ اور حیدرآباد کا نام و نشان بھی مٹ گیا ہوتا۔ مگر باوجود اس شکست فاش کے یہ قوم پھر اپنی گم شدہ عظمت حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھی۔ اور کُل ہندوستان ان کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔

۱۷۶۱ء ہندوستان کی تاریخ میں وہ انقلاب انگیز سنہ ہے۔ جب ہندوستان پر بہت سے انقلابات آئے۔ مرہٹی طاقت جو ہندوستان میں کوس لمن الملک بجا رہی تھی میدانِ پانی پت میں دفن ہو گئی۔ اور نئی نئی طاقتیں ہوس ملک گیری لیکر منصۂ شہود پر آئیں۔ مرہٹوں کی طاقت اگرچہ ٹوٹ گئی تھی۔ مگر ان میں اب بھی ہوس ملک گیری برابر قایم تھی۔ حیدرآباد میں آصف جاہ نظام الملک کا انتقال ۱۷۴۸ء میں ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حیدرآباد خود بھائیوں کی ہوس کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ جنوب میں حیدر علی کی نئی طاقت ابھر رہی تھی۔ دوسری طرف انگریز اور فرانسیسی ملک پر قبضہ جمانے کیلئے دست بگریباں تھے۔ اس لئے اس موقع پر ان دونوں قوموں کی مختصر تاریخی حالات کا لکھنا تسلسل قایم رکھنے کیلئے ضروری ہے۔

انگریز اور فرانسیسی

تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں قومیں کس غرض سے ہندوستان آئیں۔ اور کسطرح انگریزوں نے فرانسیسیوں کو شکست دیکر رفتہ رفتہ ملکی معاملات میں دخل دیتے ہوئے بنگالہ اودھ اور سرکارس پر قابض ہوگئے۔ اگر میر قاسم و میر جعفر کا وجود بنگالہ میں نہ ہوتا تو شاید انگریزوں کے قدم بھی بطور حکمران ہندوستان میں نہ جمتے۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ دراصل یہ "میر" ہی تھے۔ جنہوں نے ہندوستان کو غلامی کا طوق پہنا دیا۔ اور آپ بھی غلام بنکر رہگئے۔ اگر تاریخ ہند کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شمالی ہند میں میر جعفر و میر قاسم۔ حیدرآباد میں میر عالم اور میسور میں میر صادق و میر غلام علی لنگڑا ایک ہی وقت میں ایسی ہستیاں تھیں۔ جنہوں نے ہندوستان کی سلطنتوں کو برباد کرکے رکھدیا۔

انگریز تو ہندوستان میں محض تجارت کی غرض سے آئے۔ مگر مواقع ایسے پیش آئے کہ وہ بنیاد حکومت ہی رکھ چکے۔ وارن ہیسٹنگس اور لارڈ کلایو نے بنگالہ میں جو کچھ کیا۔ اور جس طرح بنگالہ اور اودھ انگریزوں کے قبضہ میں آگئے۔ محتاج تشریح نہیں۔ فرانسیسی بھی انگریزوں کی طرح ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے۔ مگر قسمت نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور انگریز اپنی پالیسی میں کامیاب ہوگئے۔

ہندوستان کی مجمل تاریخ ہم لکھ چکے ہیں۔ اب صرف یہ بتلانا باقی ہے۔ کہ سلطنت خداداد میسور کو اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ بھی ہم دکھا چکے ہیں کہ سلطنت مغلیہ کے زوال سے جو طاقت فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ حیدرآباد دکن کی ریاست تھی۔ مگر اسکی راہ میں جو چیز حائل ہوگئی۔ وہ خود نظام الملک اوّل کی پالیسی کا نتیجہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت

تھی ۔جس کے سیلاب کو روکنا اس کیلئے اب مشکل ہو گیا تھا ۔ نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدر آباد خانہ جنگیوں میں پھنس گیا ۔ ۱۷۶۱ء میں مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی ۔ از نظام الملک نظام علیخاں مسند آرائے دکن ہوا ۔ اور یہ بھی وہی شہنشاہیت ہند کا سودا سر میں لیکر آیا ۔ جو نظام الملک اوّل لیکر آئے تھے ۔ انگریز اور فرانسیسی تاجر تھے ۔ سات سمندر پار سے آئے ہوئے تھے ۔ نظام علیخاں کے خیال میں وہ مستقل بود و باش اور حکمرانی کیلئے نہیں آئے تھے ۔ انکی فوجیں زیادہ تر ہندوستانی تھیں ۔ جو شہنشاہِ ہند کے جھنڈے تلے بوقتِ ضرورت آسانی سے لائی جا سکتی ہیں ۔ اس لئے اس نے اپنی زیادہ تر توجہ ان ہی اُبھرنے والی طاقتوں پر مرکوز کر دی ۔ جو اس کے خیال میں شہنشاہیت ہند کے راستے میں سدِ راہ ہونے والی تھیں ۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اسکی نظرِ انتخاب انگریزوں اور مرہٹوں پر پڑی ۔ اول الذکر یہاں کے رہنے والے نہیں تھے ۔ اور موخر الذکر کی طاقت آسانی آسانی سے مٹائی جا سکتی تھی ۔ کیونکہ ہندوستان کے کل مسلمانوں سے امداد مل سکتی تھی ۔ اور ایران و افغانستان سے بھی تائید کی توقع تھی ۔ اس لئے نظام الملک مرہٹوں اور انگریزوں سے مل گیا کہ نئی طاقت کو ابھرنے نہ دے ۔

اگر بساطِ ہند پر حیدر و ٹیپو سے مہرے نہ آتے ۔ اور اس اسلامی سلطنت خداداد کی بنیاد نہ پڑتی تو یقینی ہے کہ سرزمین دکن کی تاریخ حیدر آباد اور مرہٹوں کی جنگ سے پُر ہوتی ۔ کیونکہ جہاں نظام الملک ہندوستان کی شہنشاہیت کے خواب دیکھ رہا تھا وہاں مرہٹے بھی سیادت ہند کیلئے بے تاب تھے ۔ جس طرح سلطنت خداداد کی بنیاد نظام الملک کو کھٹک رہی تھی ۔ اسی طرح مرہٹے بھی اس نوزائیدہ سلطنت کو مٹانے کے لئے آمادہ تھے ۔ اور چونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا ۔ لازمی طور پر دونوں میں یعنے

نظام الملک اور مرہٹوں میں اتفاق ہوگیا۔ اور دراصل یہی وجہ ہے کہ ہم شروع سے اخیر تک سلطنت خداداد کے خلاف ان ہردو طاقتوں کو متحد و متفق دیکھتے ہیں۔

مرہٹوں کو خراج کی ضرورت تھی۔ وہ صرف اپنی سیادت منوانا چاہتے تھے۔ مگر نظام الملک کے خیال میں سلطنتِ خداداد سنگ راہ تھی۔ اس لئے ہر سازش و ہر جنگ کی ابتدا نظام الملک سے ہوی۔ نواب حیدر علی کے بعد ٹیپو سلطان کے عہد سلطنت میں بھی نظام الملک ہی کا نام آرہا ہے (نظام الملک کی ایک آرزو تو پوری ہوگئی کہ سلطنتِ خداداد مٹ گئی۔ مگر دوسری آرزو کی حسرت رہگئی۔ بلکہ خود حیدرآباد کی سلطنت اسی نظام کے حینِ حیات میں انگریزوں کی باجگزار بنکر رہگئی۔ گذشتہ اوراق میں ہم بتلاچکے ہیں کہ تخت نشینی کے بعد ہی ٹیپو سلطان کو نظام الملک اور مرہٹوں سے جنگ پیش آئی۔ جس میں سلطان مظفر و منصور ہوکر نکلا)

یہ ہم بتلا چکے ہیں کہ کس طرح انگریز ہر دفعہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے مقابلے میں ناکامیاب رہے۔ مگر ان کی سلطنت بنگالہ و اودھ میں مستقل ہوچکی تھی۔ جنوبی ہند میں نظام الملک اور محمد علی والا جاہ نواب کرناٹک ان کے بندۂ بے دام بن گئے تھے لہٰذا قدرتی طور پر انگریزوں کو بھی ہندوستان کی اس افراتفری اور نفاق سے فائدہ اٹھاکر سلطنت کی بنیاد رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ انگریزوں کی دُوربین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ مرہٹے اور نظام الملک میں کس قدر بل اور طاقت ہے۔ اس لئے انکے راستے میں جو شئے سدراہ تھی۔ وہ یہی سلطنت خداداد تھی۔ جس کے مٹانے پر یہ بھی تل گئے۔ اور ٹیپو سلطان کے ان جنگوں کی بنیاد پڑی۔ جس کو تاریخ میں میسور کی پہلی، دوسری، تیسری، اور چوتھی جنگ کہا جاتا ہے۔ ان میں دو تو حیدر علی کے زمانہ میں اور دو ٹیپو سلطان

کے عہد سلطنت میں ہوئیں۔ اب جس جنگ کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ میسور کی تیسری جنگ ہے۔

لارڈ کارنوالس

وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کی کارستانیوں نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی کے ساتھ جما دیے تھے۔ اور انکی سلطنت کی بنیاد بنگالہ و کرناٹک میں پڑ چکی تھی۔ اس لئے قدرتاً انگلستان میں ہندوستان سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اسی زمانہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ انگلستان سے باغی ہو کر آزاد ہو گئے تھے۔ اور سلطنت انگلستان کو ان کا نعم البدل پیدا کرنیکی فکر تھی۔ جس شخص نے ریاستہای متحدہ امریکہ کو کھویا تھا۔ وہ نیرتے لارڈ کارنوالس ہی تھا اور اسی لئے اہل برطانیہ کی نظروں میں اس کا وقار اب بالکل زائل ہو گیا تھا۔ انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے ہیسٹنگس کے بعد اسی شخص یعنے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کی گورنر جنرلی کے لئے منتخب کیا۔ کہ وہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت قایم کر کے امریکہ کا داغ بدنامی دہولے۔ نیز مسٹر پٹ انگریزی مقبوضات کے وسیع کرنے کیلئے حد درجہ بیتاب تھا۔

لارڈ کارنوالس کو بھی اب اپنی گذشتہ بدنامی کی تلافی اور آئندہ شہرت کی فکر تھی۔ اس لئے جس وقت وہ گورنر جنرل کی سند حاصل کر چکا۔ تو سب سے پہلے اسکی نظر ٹیپو سلطان پر اٹھی۔ کہ اگر کسی طرح ٹیپو سلطان کو نیچا دکھا دیا جائے۔ تو پھر ہندوستان انگریزوں کا ہو کر رہیگا۔ یہی وہ ارادہ تھا۔ جس کو لارڈ کارنوالس اپنے دل میں لیکر ساحل ہندوستان پر قدم رکھا۔ اور اسی زمانہ میں جنرل میڈوز بھی مدراس کا گورنر ہو کر آیا۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

لارڈ کارنوالس ۱۷۸۶ء میں گورنر جنرل ہوا۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ ٹیپو سلطان کے

نام کی ہیبت ہندوستان سے نکلکر انگلستان میں پہونچ چکی تھی۔ انگریزی مائیں اپنے بچوں کو ٹیپو کے نام سے ڈراتی تھیں۔ ہندوستان میں جو انگریز مقیم تھے۔ وہ ان شکستوں کی ندامت سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جو گذشتہ جنگوں میں ٹیپو سلطان کے ہاتھوں انہیں ملی تھیں۔ کارنوالس ہندوستان میں آیا۔ اور انگریزی طاقت کو مستحکم بنانے میں مصروف ہو گیا۔ سب سے پہلے سلطنت اودھ پر اس کی نظر پڑی۔ اودھ کو کامل طور پر مطیع کر لینے کے بعد نظام الملک کی طرف متوجہ ہوا۔ اور سرکار س پر قبضہ کر لیا۔ جس طریقہ پر کارنوالس نے سرکارس پر قبضہ کیا۔ مورخ مِل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"کارنوالس کو نظام الملک کی طاقت آزمانا تھی۔ اس لئے اس نے بجائے صاف اور سیدھے طریقے پر سرکارس کی حوالگی کا مطالبہ کرنے کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کیا پٹن کیا نولے (جو بطور سفیر حیدر آباد جا رہا تھا) کے حیدر آباد پہونچنے تک سرکارس کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اور جب کیا نولے حیدر آباد پہونچ جائے تو مدراس کی ایک فوج نواح سرکارس میں اس طرح بھیجے کہ نظام کو شبہ نہ ہو۔ اور جب موقع آئے تو فوراً ان قلعوں پر اس طرح قابض ہو جائے کہ کسی دوسرے کو مزاحمت کرنے کا موقع حاصل نہ ہو۔"

اس طریقہ پر عمل کیا گیا۔ نظام الملک پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کو تو انگریزوں کی دوستی کی ضرورت تھی۔ اس وسیع قطعہ کو اس طرح ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر بھی ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلا۔ اور اس طرح ضلع گنجام، اسحاق پٹن، گوداوری، کرشنا اور گنٹور کے اضلاع انگریزوں کے ہاتھ آ گئے۔ اس طرح جب کارنوالس کا مقصد پورا ہو گیا۔ اور اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ نظام الملک

میں کتنی طاقت ہے تو اس نے مناسب خیال کیا کہ ٹیپو سلطان سے زور آزمائی کی جائے۔ جنگ کی ابتدا کیلئے کوئی ایک بہانہ چاہیئے تھا۔ اور کارنوالس کو بہانے کا ڈھونڈھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ آخرکار ٹیپو سلطان کے خلاف اس بہانے سے لڑائی چھیڑی گئی۔ کہ سلطان راجۂ ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ جو انگریزوں کا حلیف تھا۔

گذشتہ صفحات میں بتلایا جا چکا ہے کہ جنرل میڈوز (گورنر مدراس) نے اسی بہانے سے جنگ چھیڑ دی تھی۔ اور شکستیں اٹھا رہا تھا۔ کارنوالس نے دیکھا کہ میڈوز جیسا تجربہ کار جنرل جب ٹیپو سلطان سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ تو ایسٹ انڈیا کمپنی اگر اپنی پوری طاقت بھی خرچ کر دے تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے اس نے نظام الملک اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لیا۔ اور سلطان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جن کا بیان اگلے صفحات پر ہوگا۔ "زوالِ سلطنت خداداد کے اسباب" میں ان سازشوں پر مفصل بحث کی گئی ہے (محمود)

سلطنت خداداد سے انگریزوں کی تیسری جنگ کے اسباب

انگریز اس جنگ کی ابتدا کیئے۔ اور وہ اس میں کہاں تک حق بجانب تھے۔

تاریخ اس کا جواب دیتی ہے۔

سر جان مالکم جو کارنوالس کا مداح ہے۔ لکھتا ہے:۔

"کارنوالس نے اس عہدنامہ کو نظر انداز کر دیا۔ جو ۱۷۸۴ء میں منگلور میں ٹیپو سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں ہوا تھا۔ اسکے عوض اس نے اس عہدنامہ کو مستند قرار دیا جو ۱۷۶۸ء میں ہوا تھا۔ جس کی رو سے نظام الملک، مرہٹے، سرداروں نوابان اودھ وارکاٹ اور راجگان تانجور و ٹراونکور ایک دوسرے کے حلیف قرار پائے تھے۔

ٹیپو سلطان کا نام عمداً نظر انداز کرنے میں کارنوالس حق بجانب نہیں تھا۔ کیونکہ عہد نامۂ منگلور کی رو سے ٹیپو سلطان بھی انگریزوں کا ایک دوست مانا گیا تھا۔"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے :۔

"کارنوالس جیسے سیاست دان اور انصاف پسند شخص سے یہ امید نہ تھی کہ اس طرح وہ بدعہدی کریگا۔ کارنوالس نے مدراس گورنمنٹ کو فوجوں کی تیاری کا حکم دیا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ مدراس میں اس وقت مسٹر ہالینڈ گورنر تھا جس نے جواب میں لکھا کہ ٹیپو سلطان کا ہماری حکومت سے جنگ کرنے یا عہد نامے توڑنے کا کوئی خیال نہیں۔ مسٹر ہالینڈ گورنر مدراس کو استعفا دینے پر مجبور کیا گیا اور ٹراونکور کا بہانہ جنگ کرنے کیلئے اختیار کیا گیا۔"

آگے چلکر یہی کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"ٹیپو سلطان جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ اور اس نے اس امر کا یقین بھی دلایا کہ اس کا ارادہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کا نہیں ہے۔"

کارنوالس بنگالہ میں تھا۔ لہٰذا مدراس کی گورنمنٹ اس سے بہتر جان سکتی تھی کہ حقیقت میں ٹیپو سلطان ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یا نہیں۔ مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ کو اسی بنا پر مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اور اس کی جگہ جنرل میڈوز مدراس کا گورنر مقرر کیا گیا۔ کیونکہ وہ کارنوالس کے خیالات کا ممد و معاون تھا۔

اس جنگ کی ابتدا کرنے میں لارڈ کارنوالس کس قدر حق پر تھا۔ اس کا فیصلہ خود اس کا وہ خط کر رہا ہے۔ جو اس نے مدراس کے گورنر کو لکھا :۔

"اس ملک میں ہماری شہرت و عظمت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ٹیپو سلطان

سے نبرد آزما ہوں۔ اور نہ صرف نبرد آزما ہوں۔ بلکہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ٹیپو سلطان کی طاقت کو مٹا دینا چاہئے۔ موجودہ وقت سے بڑھکر اچھا وقت ہمیں نہیں مل سکتا۔ جبکہ ملک کی دوسری تمام طاقتیں ہماری امداد پر آمادہ ہیں۔ اگر ٹیپو سلطان کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے۔ اور فرانس والے اس قابل ہو جائیں کہ اسکی کمک کر سکیں تو ہمیں ہندوستان کو خیرباد کہنا پڑیگا۔ (جیمس مل)

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں :۔

"سنہ ۱۷۹۰ء میں جس وقت سلطانی فوج نے تمام پائیں گھاٹ کو مسخر کر لیا۔ اور انگریزی فوج مدراس میں جہازوں کی پناہ میں آگئی۔ تو تمام ملک کرناٹک کو ٹیپو سلطان کے قبضہ میں جاتا ہوا دیکھ کر حیدرآباد کے وزیر اعظم مشیر الملک نے ابو قاسم خاں عرف میر عالم کو کلکتہ بھیجا۔ کہ گورنر جنرل کو سلطان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے"

کارنوالس نے سازش شروع کی۔ نظام الملک اس کے ساتھ مل گیا۔ کارنوالس کو خوف تھا کہ کہیں ناگپور کا راجہ بھونسلے اسکے سدراہ نہ ہو جائے۔ اس لیئے اس نے خفیہ طور پر مسٹر جارج فارسٹر کو بھونسلے اور مرہٹوں کا ارادہ دریافت کرنے ناگپور بھیجا۔ اس وقت مرہٹے، ٹیپو سلطان سے بغیر کسی وجہ کے جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ لارڈ کارنوالس اپنے اس افسر کو لکھتا ہے :۔

"اگر مرہٹے اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتے تو کوئی راہ ایسی اختیار کی جائے۔ جس کی بنا پر وہ ہم سے ملجائیں"

جارج فارسٹر نے کوشش کی اور مرہٹوں کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہو گیا

یہی لارڈ جو صلح جوئی کیلئے مشہور ہے۔ مسٹر مالٹ رزیڈنٹ پونا کو لکھتا ہے:۔

"ہمارے مفاد کیلئے ٹیپو سلطان سے جنگ اٹل ہے۔ اس لئے اس موقع پر مرہٹوں کی امداد اور تعاون حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔"

مسٹر مالٹ نے دربار پونا کو انگریزوں سے موافقت کرنے میں جو کچھ کیا۔ وہ مرہٹی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر اس کی اور فارسٹر کی سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹے انگریزوں سے متفق ہو گئے۔ اور ان میں باہم ایک عہدنامہ ہوا۔

سنکلیر اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۸۷ پر لکھتا ہے:۔

"دول ثلاثہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا ایک عہدنامہ ہوا۔ کہ ٹیپو سلطان کی روز افزوں طاقت کو مٹا دیا جائے۔ اور اس کا ملک انگریز، نظام اور مرہٹوں میں تقسیم کر لیا جائے۔"

عہدنامہ کے ہوتے ہی لارڈ کارنوالس جنوری ۱۷۹۱ء میں مدراس آتا ہے۔ اور ایک ہی مہینے کے اندر اسکی فوجیں اعلان جنگ کئے بغیر خفیہ طور پر مملکتِ میسور میں داخل ہو کر بنگلور پر حملہ کرتی ہیں۔ اور اس کی فتح کے بعد سرنگاپٹم پر بڑھتی ہیں۔

سازشوں کا جال

حملہ کرنے سے پیشتر انگریزوں کیلئے ضروری تھا کہ جہاں انہوں نے ملک کی مختلف طاقتوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اسی طرح سلطنتِ خداداد کے اندر بھی سازشوں کا بازار گرم کر دیں۔ تاکہ سلطان کو انگریزوں کی نقل و حرکت کا پتہ نہ لگے۔ اور بخلاف اس کے سلطان کی ہر حرکت سے وہ مطلع ہو جائیں۔ اس کام کیلئے کرنل ریڈ کو مامور کیا گیا۔ جس نے آمبور کو اپنے مستقر قرار دیکر ریشہ دوانی شروع کر دی۔ سب سے پہلے کرنل ریڈ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا جو سلطنت خداداد

ناراض ہو کر کرناٹک میں مقیم تھے۔ ان میں کنگنڈی کیم، بہتیر، کرور، چک بالاپور، وینکٹ گری، کھٹک میر، بیگن پلی، پنگنور، مدن پلی، آنیگل، انکوس گری کے پالیگاروں کے علاوہ پنکنڈہ کا راجہ اور جیل نایک بھی تھے۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر ملک پر قبضہ ہو جائے تو ان کی ریاستیں انہیں واپس دیدی جائیگی۔ لہٰذا وہ ملک میں جا کر اپنے اپنے مقامات سے خفیہ طور پر حالات معلوم کرائیں۔ اور وقتِ ضرورت انگریزی فوج کے لئے رسد مہیا کریں۔

سلطانی سرداروں کو اپنی طرف ملانے کے لئے سیم و زر کی تھیلیوں کے منہ کھول دئے گئے۔ چونکہ سرحد پار کوئی شخص بغیر سلطانی اجازت کے گذر نہیں سکتا تھا۔ یہ پالیگار تاجروں کا بھیس بدل کر اپنے اپنے مقامات کو گئے۔ تمام ملک میں سازش کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا۔ کیونکہ طمع و زر کی ہوس میں سلطان کے امراء و وزراء نے بھی کرنل ریڈ کو اطلاعات بہم پہنچانی شروع کر دیں۔ سید امام جو دارالسلطنت میں مقیم تھا۔ خاص طور پر دارالسلطنت اور سلطان کی نقل و حرکت سے انگریزوں کو مطلع کرتا تھا۔ حسنِ اتفاق سے اس کی اطلاع سلطان کو مل گئی۔ اور جب اس سازش کا حال معلوم ہوا تو علاوہ اوروں کے لال خاں بخشئ پنگنور، میر نذر علی موکب دار اور اس کا بھائی اسمٰعیل خاں رسالدار پکڑ لئے گئے۔ سلطان نے ان تمام کو سزائے موت دی۔ اور امام الدین باشندۂ کولار فرار ہو کر بچ نکلا۔ جب ان لوگوں کو سزائے موت ملی تو کرنل ریڈ کی ترکش میں ابھی چند تیر اور باقی تھے۔ اس کی قابلیت نے نئے جاسوس اور پیدا کر لئے۔

جنگ کا آغاز

نظام علی خاں چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل لیکر اپنے امراء اور دونوں فرزند عالی جاہ اور سکندر جاہ کے ساتھ حیدرآباد سے کوچ کر کے آنیگل میں خیمہ زن ہوا۔ اور اپنے امیروں کو فوج دیکر ممالک محروسہ سلطانی کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اور لارڈ کارنوالس اپنی انگریزی فوج لیکر موگلی گھاٹ اور وینکٹ گری کو عبور کر کے ملباگل، کولار، ہوسکوٹہ میں چوکیاں قایم کرتا ہوا سیدھا کرشنا راج پور پہونچا۔ جو بنگلور سے صرف تین کوس ہے۔

سازش کا آہنی جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ نامی وزراء اور امراء اس میں شریک تھے۔ اس لئے سلطان کو اسکی خبر اس وقت ہوی۔ جبکہ انگریزی افواج بنگلور میں داخل ہوگئیں۔

سلطان سرنگاپٹم سے نکلکر نواح تنگی میں مقیم ہوا۔ اس وقت انگریزی افواج بنگلور سے تین میل پر تھیں۔ سلطان نے سید حمید سپہ سالار کو قلعہ بنگلور کی حفاظت کیلئے روانہ کیا اور شیخ انصر، محمد خاں بخشی اور بہادر خاں قندھاری کو قلعہ داری کی خدمت پر چھوڑا۔ یہاں ہنوز سب خیمے نصب نہ ہوئے تھے۔ اور چار پلٹن اسد اللہی اور خاص اصطبل کے تین ہزار سوار چاروں طرف سے سواری کو گھیرے ہوئے تھے۔ کہ انگریزی فوج کے ایک دستہ نے کرنل فلائڈ کی ماتحتی میں سلطان پر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں سلطانی توپخانہ نے انگریزی لشکر پر گولے برسانا شروع کر دیئے۔ جس سے انگریزی فوج کو سخت نقصان پہونچا۔ اور خود کرنل فلائڈ بھی زخمی ہوگیا۔ انگریزی فوج میدان سے فرار ہوگئی۔ سلطانی سپاہ نے چار سو انگریزی سپاہیوں کو مع گھوڑوں کے اسیر کر لیا۔

بنگلور پر انگریزی قبضہ

دوسرے دن کرنل مورس اور جنرل میڈوز نے بنگلور پر حملہ کیا۔ طرفین کے کئی ہزار آدمی کام آئے اور کرنل مورس بھی مارا گیا۔ انگریزی فوج دو ہفتہ تک حصار قلعہ توڑنے میں مصروف رہی آخر کار دیوار ٹوٹ گئی۔ اور نمک حرام کشن راؤ کی سازش سے انگریزوں کو قلعہ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ کشن راؤ بنگلور میں معتمد سلطانی کے عہدہ پر مامور تھا۔ قلعہ کے اندر کی رتی رتی خبریں وہ انگریزوں کو پہنچاتا تھا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پہلے سے ہی سلطانی فوج کی کارروائیوں کا مناسب تدارک کر لیتی تھی۔ سید حمید سپہ دار اور قلعہ دار دروازہ کے سامنے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اور شیخ انصر سپہ دار اسیر ہو گیا۔ قلعہ کے تمام رہنے والے گرفتار ہو گئے۔ شہر لوٹا گیا۔ بے حساب زر و جواہر انگریزی سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ یہ خبر جب سلطان کے کیمپ میں پہنچی۔ تو میر قمر الدین اور سید صاحب انگریزی فوج پر حملہ کرنے کیلئے سلطان سے اجازت طلب کی۔ سلطان نے فرمایا کہ جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تو اب سپاہ کی طاقت منتشر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ سلطان کو ابھی یہ حال معلوم نہیں تھا کہ اس شکست کی بڑی وجہ ایک گہری سازش ہے۔ ورنہ ممکن تھا۔ کہ اسی وقت سلطان بنگلور پر حملہ کر دیتا۔ سلطان تنگی سے نکل کر نواح ماگڑی میں مقیم ہوا۔ اسکے چوتھے دن لارڈ کارنوالس نے تین ہزار ہندوستانی سپاہ اور چھ سو گورے قلعہ کی حفاظت کیلئے چھوڑ کر دیون ہلی کے قریب کیامپ قایم کیا۔

دیون ہلی انگریزی قبضہ میں

دیون ہلی کا قلعہ دار بھی اس سازش میں شریک تھا۔ اس لئے بغیر کسی لڑائی کے یہ قلعہ بھی کارنوالس کے ہاتھ آگیا۔ یہاں سے انگریزی فوج نے چک بالاپور کی طرف بڑھکر

قبضہ کر لیا۔ چک بالاپور کا علاقہ سالانہ ایک لاکھ روپیہ پیش کش کے عوض اسکے وارث اولین رام سوامی گوڑھ کو دیا گیا۔ اس سے کارنوالس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے قدیم خاندانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جائے۔ چک بالاپور سے کارنوالس انباجی درگ کی طرف بڑھا۔ راجہ رام سوامی گوڑھ نے جب اپنی قدیم دولت کو آتے دیکھا۔ تو ملک میں سلطان کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانا شروع کر دی۔ سلطان کو جب معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پردے میں وینکٹ نائر اور جوگی پنڈت نائب صوبیدار ارکاٹ اور ہرپن ہلی اور رائے درگ کے پالیگاروں کا ہاتھ ہے۔ تو اس نے انکے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

بالاپور

اس سے فارغ ہو کر سلطان نے کشن راؤ کو دارالسلطنت کے انتظام پر مامور کیا۔ اور خود بالاپور کی طرف انگریزی افواج کے مقابلہ کیلئے بڑھا۔ مگر بالاپور کے لوگ انگریزوں کی شہ پر بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے سلطان کے ہراولی دستے کو قلعہ کے قریب دیکھکر کتوں کی طرح بھونکنا اور جنگی باجے بجانا شروع کر دئے۔ جس سے سلطانی بہادروں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے حملہ کر کے قلعہ کو فتح کر لیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔

(نوٹ:۔ یہ باغی دراصل وہ لوگ تھے۔ جو زمینداروں کے بہکائے ہوئے تھے۔ جنکی زمینداریاں سلطان نے ختم کردی تھیں۔ مفصل حالات سلطان کے ملکی اصلاحات کے تحت دیکھے جائیں)

سلطان کی والدہ کا خط

بالاپور سے سلطانی افواج ہٹتے ہوئے چنتامنی اور طباگل کے راستے سے وینکٹ گری کوٹہ پر بڑھیں۔ صبح جب انگریزی فوج پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو عین اس وقت سلطان کی والدہ کی جانب سے ایک خط سلطان کو پہونچا۔ اس خط میں درج تھا کہ کشن راؤ نے

بھی کھنڈے راؤ کی طرح فتنہ و بغاوت کا جال بچھا رکھا ہے۔ اور خبر ہے کہ بمبئی سے ایک انگریزی فوج عنقریب سرنگاپٹم پہونچنے والی ہے۔ سلطان نے یہ خط پڑھکر اسی روز سیّد صاحب کو ایک کثیر فوج دیکر سرنگاپٹم کو روانہ کیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پر حملہ ہوتے ہوتے رک گیا۔

سیّد صاحب سرنگاپٹم میں

سیّد صاحب "نزلنے گالیڑی، "وانڑہی درگ کے راستے سے آدھی رات کے وقت دارالسلطنت کے قریب پہونچ گئے۔ اور دریا کے اس طرف فوج کو چھوڑ کر خود مع چند خواص اور پانچ سو جرار سوار کے صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے دروازے پر پہونچے۔ آسد خاں رسالدار نے جو دروازے پر متعین تھا، دروازہ کھول دیا۔ قلعہ میں داخل ہوتے ہی اپنے سواروں کو مختلف کاموں پر متعین کر کے سیّد صاحب سلطان کی والدۂ ماجدہ کی حضوری میں آئے۔ قلعہ دار کی طلبی ہوئی۔ تو اس نے کشن راؤ کی نمکحرامی ظاہر کی۔ کشن راؤ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اور اسکی لاش بازار میں ڈالدی گئی۔ کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ اور اسکے مکان کا سب سباب ضبط کر کے توشک خانۂ سلطانی میں داخل کیا گیا۔ کشن راؤ نے اپنے آخری وقت میں کہا:-

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکیگی"۔

اسکے ان الفاظ میں کس قدر صداقت تھی وہ واقعات مابعد سے ظاہر ہے۔

کشن راؤ کی بیوی کا افسانہ

میسور گزیٹیر کا ہندو مصنف (ھیودن راؤ) اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۲۵ پر لکھتا ہے کہ:-

"کشن راؤ کی بیوی جو خوبصورت، وفادار اور باعصمت تھی۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد ایک روایت کے مطابق سلطان کے خاص حرم میں مجبور

(بحوالہ کرمانی) داخل کرلی گئی۔"

کرمانی پر یہ کس قدر اتہام ہے۔ کہ اس کی تحریر میں لفظ "بجبر" ہونا بتلایا گیا ہے کرمانی کی اصل تحریر اس طرح ہے:۔

" اس کی بیوی جو حسین بھی، حیادار بھی اور باوفا بھی تھی۔ ملکۂ زمانہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی۔ اور انہیں کے ذریعہ حرم سرائے سلطانی میں داخل ہوئی۔"

اب یہ فیصلہ قارئین تاریخ پر چھوڑا جاتا ہے۔ کہ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ میسور گزیٹیر کی عبارت میں "اور" و "بجبر" کے الفاظ آکر مطلب میں کتنا بڑا فرق پیدا کردیتے ہیں۔ اس ہندو مصنف نے بیک وقت نہ صرف کرمانی پر تہمت اٹھائی ہے۔ بلکہ سلطان پر بھی ایک نازیبا الزام لگایا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ اس گزیٹیر کی دونوں جلدوں میں یعنے جلد دوم کے دوسرے اور تیسرے حصہ میں جو تاریخ میسور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مصنف کو جہاں کہیں موقع ملا ہے۔ تمام اسلامی سلاطین کو زہریلے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ لیکن پھر بھی بعض مقامات پر "حق" اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا۔ یہی مصنف سلطان کے ذاتی حالات میں گزیٹیر کے صفحہ ۲۶۸۷ پر لکھتا ہے:۔

" اس کو (سلطان کو) عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ وہ اپنے ایک تاکیدی خط میں برہان الدین کو عورتوں سے دور رہنے کیلئے لکھتا ہے۔ اگرچہ اس کو (سلطان کو) تیرہ [۱۳] بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ لیکن بقول بورنگ اس کو عورتوں سے شیفتگی نہیں تھی۔ اسکی جفاکش اعتدال پسند زندگی پاکیزگی کی اس حد تک پہونچی ہوئی تھی۔ جو ایک مذہب کے دلدادہ مسلمان کی زندگی خیال کی جاتی ہے۔ اسکے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی۔ جس سے عالمگیر کی یاد

تازہ ہو جاتی تھی۔"

اب اگر یہی مصنف اپنی دونوں تحریروں کو ملا کر دیکھے، تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ چند صفحات پہلے کیا کچھ لکھ آیا ہے۔ اور اب کیا لکھ رہا ہے۔ کسی نے یہ بالکل سچ کہا ہے کہ :- ع

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

اور یہاں یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس مصنف نے اپنی پہلی عبارت میں یہ الفاظ لکھا ہے:-

"ایک روایت کے مطابق"

انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دوسری روایت بھی لکھ دی جاتی۔ وہ دوسری روایت جس سے وہ بھی واقف ہے اور عمداً نظر انداز کر دی گئی ہے۔ اس طرح ہے:-

"کشن راؤ کی بیوی کے متعلق دوسری روایت جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو جب اپنے حرام خور شوہر (زنار دار) کے باغیانہ خیالات معلوم ہوئے تو اس کو سخت نفرت ہوئی اور بختاور دائی کی زبانی ٹیپو سلطان کی والدہ کو اپنے شوہر کی نامعقول حرکتوں کی اطلاع کرائی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ میسور گزیٹیر کے مصنف نے اس روایت کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس سے سلطان پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اگر اس واقعہ میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو مغربی مصنفوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کو نہ لکھیں؟ وہ تو اس کو اس قدر شہرت دیتے۔ اور پروپگنڈا کرتے کہ ہر تاریخی کتاب میں یہ واقعہ جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا۔ اب صرف یہ لکھنا باقی رہ گیا ہے۔ کہ پھر کرمانی نے یہ کیوں لکھا۔ کہ اسکو حرم میں داخل کر لیا گیا۔ (بدقسمتی سے آج کل "حرم"، شاہی محل کی عورتیں جن میں کنیزیں بھی شامل ہیں، مراد لیجاتی ہیں، ورنہ حرم تو ایک ایسا لفظ ہے جسکی معنی ایسی جگہ کی ہیں۔ جو مقدس ہو۔ اور جہاں گناہ

کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ اور فلسطین کو حرمین کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ مسلمانوں کے گھروں کے زنانہ حصوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ یہاں گھر کی عفت مآب عورتیں رہتی ہیں۔ جنہیں شریعت نے نامحرم نہیں رکھا۔ گھر کے زنانہ حصہ کو حرم کا نام دینے سے مسلمانوں کے زیر نظر یہ مقصد تھا کہ عورتوں کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔ رفتہ رفتہ جب عیاش سلاطین اور امراء جائز و ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی عورتوں کو بھی شامل کرنے لگ گئے تو حرم کا مفہوم ہی کچھ اور ہو گیا۔ اور اسی معنے میں آج کل مغربی اور ہندو مصنفین اس لفظ کو لے رہے ہیں۔ (محمود)

اگر اس پہلی روایت کے بعد دوسری روایت پر بھی غور کیا جائے۔ تو تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ مقامی طور پر بھی جو بات مشہور ہے وہ یہی ہے۔ کہ کشن راؤ کی بیوی نے اپنے شوہر کے کرتوتوں سے سلطان کی والدہ کو مطلع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے کرشن راؤ کے عزیز و اقارب اسکی جان کے دشمن ہو گئے۔ اور یہ ہونا لازمی تھا۔ سلطان کی والدہ نے اس کو پناہ دینے کے خیال سے اسکو محل کے اندر رہنے کی اجازت دیدی۔ اور چونکہ سلطان کی والدہ محل کے زنانہ حصہ میں (جو حرم کہلاتا تھا) رہتی تھیں۔ اس لئے کرمانی نے صحیح طور پر حرم کا لفظ استعمال کیا تھا۔ لیکن آج تعصب میسور گزیٹیر کے مصنف کو اس درجہ دیوانہ بنا دیا ہے کہ وہ حرم کی معنی کچھ اور سمجھے۔ اور الفاظ "خاص" اور "بجبر" اپنی جانب سے شامل کرلے۔ ع ذراسی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

سلطان کی سرنگاپٹم کو مراجعت

سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجکر سلطان نے میر قمرالدین کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اور

اس کو حکم دیا کہ انگریزی فوج پر حملہ کرے۔ اور آپ دارالسلطنت کو روانہ ہو گیا۔ قمرالدین نے اپنی فوج کو حیدرآبادی فوج کا لباس پہنایا۔ اور بیت منگل اور مالور کے راستے سے بنگلور کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں انگریزی فوج کا سامان رسد لوٹ لیا گیا۔ سلطانی سپاہ کے ہاتھ غلہ سے لدے ہوئے پانچ ہزار بیل آئے۔ اور دو سو آدمی اسیر ہوئے اس لوٹ مار کا سلسلہ یہاں تک جاری ہوا کہ انگریزی کیمپ میں رسد کی آمد مسدود ہو گئی اور دن رات میں کسی کو لشکرگاہ سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں کی فتوحات

اس عرصہ میں نظام علی خاں اور مرہٹوں نے ملک کے اطراف میں مختلف قلعوں پر حملے کئے۔ چنانچہ حیدرآباد کے نیپلیہ خاں سیہ ال یار جنگ نے قلعہ گنجی کوٹہ، تاڑپتری، تاڑمری وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حافظ فرید الدین خاں المخاطب بہ موید الدولہ نے قلعہ گتی کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں قطب الدین خاں دولت زئی سلطانی فوجدار نے اس کا مقابلہ کیا۔ حیدرآبادی فوج نے جب یہ دیکھا کہ گتی کا فتح ہونا دشوار ہے۔ تو نواح گتی کو تباہ کر کے شہر کڈپہ اور سدھوٹ پر قبضہ کر لیا۔ نیز گرم کنڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا گیا۔

دوسری طرف مرہٹوں نے پرسرام ناظم مرچ کے ماتحت سرحد پار ہو کر دھاڑواڑ پر قبضہ کر لیا۔ ہری پنڈت پھڑکیا نے ہرپن ہلی پر قابض ہوتے ہی ستراپد فوج کشی کی۔ پرسرام ناظم مرچ نے۔ دھاڑواڑ، انگولہ، مرجان، شاہنور وغیرہ کا انتظام کر کے چتلدرگ پہونچکر قلعہ دار دولت خاں کے پاس خط بھیجا۔ کہ اگر قلعہ مرہٹوں کے سپرد کر دیا جائے تو چار لاکھ روپیہ کی جاگیر دی جائے گی۔ مگر دولت خاں بجائے جواب دینے کے رات کے وقت مرہٹی

لشکر پر شبخون مار کر حیدر نگر چلا گیا۔ مرہٹی فوج سرا سے نکلکر انگریزی فوج سے آکر مل گئی۔ یہاں سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کی تیاری ہوی۔ لیکن قمر الدین کی سلطانی سپاہ ساتھ ساتھ لگی ہوی تھی۔ اور جب کبھی موقع ملتا شبخون مارتی۔ یا سامان رسد لوٹ لیتی تھی۔ یہانتک کہ اس فوج میں جو کوئی سپاہی انگریز کی ناک اور کان کاٹ کر لاتا۔ اس کو ایک طلائی ہُن انعام ملتا۔ اور اناج سے لدے ہوے بیل کا انعام پانچ ہن اور گھوڑے کے دس ہن تھے۔ اس سے انگریزی سپاہیوں میں سخت پریشانی پھیل گئی۔ اور جس وقت یہ کری گٹہ کے قریب پہنچے تو ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کری گٹہ پہنچکر انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور قلعہ پر حملہ شروع ہوا۔ لیکن سلطانی سپاہ نے سختی سے مدافعت کی۔ محاصرہ نے جب طول کھینچا تو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے انگریزی کیمپ میں اجناس کی قیمت بڑھ گئی۔ چھ روپیہ سیر چاول اور تین روپیہ سیر دال اور چار روپیہ کو سیر آٹا۔ اور گھی تو سولہ روپیہ سیر بھی ملنا دشوار تھا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور سامان رسد کی تنگی

انگریزی فوج حد درجہ تنگ آگئی۔ توپ کشی کے بیل تک بھی کھا لئے گئے۔ ملیبار کے راستے سے رسد پہنچنے کی امید تھی۔ معلوم ہوا کہ سلطانی سپاہ نے اس کو بھی لوٹ لیا۔ اس وقت کارنوالس بھاری بھاری توپیں زمین میں دفن کرا کر اور آلات چوبینہ اور وزن دار سامان کو آگ لگا کر کری گٹہ سے واپس ہوا۔ سلطان کو جب کارنوالس کی سراسیمگی کا حال معلوم ہوا تو اس نے کارنوالس کو میوے کے تحائف بھیجے اور صلح کا خط لکھا۔ کارنوالس نے میوہ واپس کر دیا۔ اور خط کا جواب بھی نہیں دیا۔

اس پر تھیس مل لکھتا ہے :-

" انگریزوں کو اس وقت سلطان سے اس درجہ بغض اور حسد تھا کہ جس طرح وحشی اقوام کو اپنے دشمنوں پر ہوتا ہے۔ اور وہ سلطان سے اپنی شکستوں کا انتقام لینا چاہتے تھے "

" **انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر اتری درگ پہونچی - لارڈ کارنوالس بالکل پریشان ہوگیا۔** انگریزی فوج جن مشکلات میں گھر گئی تھی۔ ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر انکا بیان اس طرح دیا ہے :-

" کہنہ باڈی پہونچکر لارڈ کارنوالس کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی طرح محاصرہ کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ سامان رسد کی تنگی اور بار برداری کیلئے جانوروں کی کمی نے اس کو مجبور کر دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ اس لئے اس نے بتاریخ ۲۱ مے جنرل ابر کرامبی کو جو ملیبار کی طرف سے بڑھ رہا تھا۔ لکھ بھیجا کہ ملیبار کو واپس ہو جائے۔ کارنوالس کے خاص کیمپ میں فوجی سپاہی حد درجہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ سپاہیوں کی خوراک نصف کر دی گئی تھی۔ بار برداری پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں بہت سے بھوک سے مر چکے تھے۔ اور جو بچے ہوئے تھے۔ وہ مرنے کے قریب تھے۔ ان ناقابل بیان مشکلات نے لارڈ کارنوالس کو مجبور کر دیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائے "

لارڈ کارنوالس واپس ہوا۔ اگر خوش قسمتی سے مرہٹی فوج اس کو راستے میں ملکر سامان رسد مہیا نہ کرتی تو انگریزی فوج کی مکمل تباہی میں کوئی کسر نہیں باقی رہگئی تھی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر لکھتا ہے :-

" چنکرولی پہنچکر لارڈ کارنوالس کی خوشی اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی یہاں اس کو مرہٹی فوج مل گئی۔ جو پرسرام بھاؤ اور ہری پنتھ کے ماتحت اس کو مدد دینے

کے لیئے آرہی تھی۔ مرہٹی فوج میں سامانِ رسد کی فراوانی تھی۔ اس سامان رسد سے انگریزی فوج کی جان میں جان آئی۔ اور انھوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی کاشتکار رعایا نے انگریزی فوج کو کوئی رسد بہم نہیں پہونچائی تھی۔

چنکرولی سے نکل کر اتحادیوں کی فوج بجائے دوبارہ سرنگاپٹم کا محاصرہ کرنے کے جانب شمال بڑھی۔ اور ماگڑی اور سندی درگ کے قلعوں پر حملہ کر کے ان پر اپنا قبضہ کر لیا۔ لطف علی قلعہ دار اور بخشی سلطان خاں اسیر ہو گئے۔

واقعاتِ ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء

جب انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر واپس ہوئی تو سلطان نے شہزادہ فتح حیدر کو گرم کنڈہ پر روانہ کیا۔ حافظ فریدالدین کے ماتحت حیدرآبادی فوج گرم کنڈہ کا محاصرہ کر لی تھی شہزادہ فتح حیدر اور علی رضا خاں نے حیدرآبادی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ حافظ فریدالدین کا سر کاٹ لیا گیا۔ حیدرآبادی فوج کڑپہ کی طرف فرار ہو گئی۔

سلطانی سپاہ گرم کنڈہ سے نکلکر مورسن ہلی اور وانمباڑی کی طرف بڑھی۔ یہاں سکندر جاہ اور مشیر الملک کی حیدرآبادی فوجیں مقیم تھیں۔ شہزادہ فتح حیدر کی آمد کی خبر سن کر وہ سنگل پالیہ چلے گئے۔ شہزادہ فتح حیدر یہاں سے مدگری ہوتا ہوا سرنگاپٹم پہونچا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد نظام کی فوج خان خانہلی کے نزدیک انگریزی فوج سے آکر ملی۔ موسم برسات کے ختم ہونے پر کارنوالس نے دوبارہ سرنگاپٹم پر چڑھائی کی۔ حیدرآبادی اور مرہٹی فوج ساتھ تھی۔

فریقینِ جنگ کی تعداد

کتاب ملٹری بیاگرافی میں فریقینِ جنگ

کی تعداد حسب ذیل دی گئی ہے:-

انگریزی فوج (بہ ماتحتی کارنوالس)	۲۲	ہزار
حیدرآبادی فوج	۱۸	ہزار
مرہٹی فوج (بہ ماتحتی ہری پنتھ)	۱۲	ہزار
" " (" پرسرام بھاؤ)	۲۰	ہزار
انگریزی فوج (" جنرل ابرکرامبی)	۹	ہزار
جملہ	۸۱	ہزار (اکیاسی ہزار)

اس حملہ آور فوج کے متعلق ایڈورڈ مور اپنی کتاب "کیپٹن لٹل کی یادداشتوں" میں لکھتا ہے:-

" اس قدر کثیر حملہ آور فوج کے ساتھ باربرداری وغیرہ کیلئے جس قدر لوگ تھے ان میں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔ ہری پنتھ کی فوج بارہ ہزار تھی اور پرسرام بھاؤ کے ماتحت بیس ہزار سپاہی تھے۔ لیکن جو لوگ ان سپاہیوں کے ساتھ باربرداری وغیرہ کیلئے تھے۔ ان کی تعداد فی سپاہی بارہ آدمی کے حساب سے تھی۔ اور جانور جن میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، بیل اور گدھے تھے۔ فوجی سپاہیوں سے پندرہ گنا زیادہ تھے۔ اندازہ کیا گیا کہ تین لاکھ بیس ہزار باربردار اور چار لاکھ اسی ہزار جانور کیمپ میں موجود تھے۔ انگریزوں اور نظام کی فوج ان کے علاوہ تھی۔ اتحادیوں کی یہ فوج جب کوچ کرتی تھی۔ تو معلوم ہوتا تھا کہ تمام کائنات حد نظر تک انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۱۵۶)

اتحادی فوج کی اوپر لکھی ہوئی تعداد کے مقابل اندازہ ہے کہ سلطانی سپاہ کی

تعداد قلعہ میں ۴۰ ہزار سپاہی اور پانچ ہزار سوار ہونگے۔ (ملٹری بیاگرافی)

جب یہ فوج سرنگاپٹم کے مقابل آئی۔ سلطان پر حال کھلا۔ کہ قلعداروں نے رشوت لیکر انگریزی فوج کی کہیں بھی مدافعت نہیں کی۔ افواج متحدہ نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کرلیا۔ مہدی علی خاں نائطہ کی سازش سے لارڈ کارنوالس شہر گنجام اور لال باغ پر بغیر کسی جنگ کے قابض ہوگیا۔ اور دوسری فوج جو جنرل میڈوز کے ماتحت تھی۔ عیدگاہ والے مورچہ پر قبضہ کرلی۔ اگرچہ سید غفار سپہ دار نے اپنی پوری طاقت اسکے بچانے پر صرف کردی تھی۔

خاتمہ جنگ اور شرائط صلح

رات ہوچکی تھی۔ دوسرے دن قلعہ سے سلطانی فوج نے باہر نکلکر کچھ ایسی بے جگری سے حملہ کیا کہ انگریزی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہوگئی۔ قلعہ کی دیوار پر خود سلطان گولہ باری کا نگران تھا۔ انگریزی فوجیں کچھ اس طرح پسپا ہوئیں۔ کہ دریا پار آکر کری گٹہ میں پناہ لیں۔ شام ہوجانے سے سلطانی سپاہ واپس آگئی۔ یہ ایک ایسی غلطی ہوی کہ جس کا خمیازہ سلطانی سپاہ کو بہت بری طرح بھگتنا پڑا۔

خود لارڈ کارنوالس کا میر منشی حمید خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"اگر سلطانی فوج اسی طرح تعاقب کرتی تو افواج متحدہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا اسی شب خاتمہ ہوجاتا"

مگر ہندوستان کی قسمت کچھ اور ہی گل کھلارہی تھی۔ محاصرہ طول پکڑا۔ افواج متحدہ رسد کی تنگی اور رات دن کی لڑائیوں سے بددل ہوگئی تھیں۔ اس لئے کارنوالس نے اسوقت سلطان کے اگلے خط کا جواب دیا۔ اور فریقین میں ۲۳ فروری ۱۷۹۲ء میں صلح ہوگئی۔

شرائط صلح

(۱) سلطان حلیفوں کو تین کروڑ روپیوں کا ملک چھوڑ دے۔

(۲) تین کروڑ روپیہ نقد دے۔ اور

(۳) ان روپیوں کے وصول ہونے تک دو شہزادوں کو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال رکھا جائے۔

جب یہ شرائط قلعہ میں معلوم ہوئیں تو سلطان نے پہلے تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر بعد میں امراء و وزراء نے ان کے قبول کر لینے پر زور دیا۔ سلطان کو معلوم ہو گیا کہ تمام کے تمام سازش میں ملوث ہیں۔ تو اس نے بمجبوری ان شرائط کو قبول کر لیا۔

شرائطِ صلح کی رو سے۔ بارہ محل سیلم، انور انگری۔ بسکل درگ۔ ڈنڈیگل اور کالیکٹ انگریزوں کے قبضہ میں آئے۔ دریائے تنگبھدرا سے شمالی جانب کا تمام ملک مرہٹوں کو ملا۔ اور حیدر آباد کی قسمت میں تاڈپتری، پارمری، بلاری وغیرہ آئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ راجہ ٹراونکور جسکی حمایت کے بہانہ سے یہ جنگ شروع کیگئی اس کا شرائطِ صلح کے سلسلہ میں کہیں ذکر ہی نہیں آتا ہے۔

شہزادہ عبدالخالق اور معزالدین کو میر غلام علی لنگڑے کی نگرانی میں انگریزی کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں کارنوالس نے خود انکا استقبال کیا۔ اور میجر ڈفٹن شہزادوں کا نگران مقرر ہوا۔ تاوان جنگ کی رقم میں ایک کروڑ روپیہ فوراً دیدئے گئے۔

جب سلطان کے دو فرزند انگریزی کیمپ میں پہونچ گئے۔ تو لارڈ کارنوالس نے محاصرہ اٹھانے سے پہلے مطالبہ کیا کہ کورگ بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

مسٹر تارنس اپنی کتاب "امپائر ان ایشیا" کے صفحہ ۱۷۷ پر لکھتا ہے:-

"سلطان نے اس مطالبہ پر دریافت کیا کہ جبتک شہزادے اور تاوان کی رقم انگریزی کیمپ میں نہیں پہونچی تھی۔ اس جدید علاقہ کا مطالبہ کس لئے نہیں کیا گیا۔ مگر یہ سب بیکار تھا۔ شہزادے انگریزی قبضہ میں تھے۔ کارنوالس جانتا تھا کہ شاہزادوں کی خاطر سے سلطان دوبارہ جنگ اختیار نہیں کریگا۔ آخر یہی ہوا کہ سلطان نے کورگ دینا قبول کر لیا۔"

یہ ہے لارڈ کارنوالس کی وہ دیانتداری جس پر صلح کے بعد بھی اس نے عمل کیا۔ انگریزوں کو جب کورگ بھی حاصل ہو گیا۔ تو صلحنامہ پر دستخط ہو گئے۔ افواج متحدہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو گئیں۔ اور سلطان کے قبضہ سے آدھا ملک نکل گیا۔

مورخ باسو لکھتا ہے:۔

"یہ موجودہ حکمران خاندان میسور کی خوش قسمتی تھی کہ سرنگاپٹم اسوقت فتح نہیں ہوا۔ ورنہ کارنوالس اتنی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ملک کس کو دیا جائے۔"

ہندو مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

"سلطنت خداداد کا کارنوالس کے ہاتھوں خاتمہ ہو جاتا۔ اور جس شخص نے اس کو بچا لیا وہ نانا فرنویس تھا۔ جو پیشوائے پونا کا وزیراعظم تھا۔ اس محب الوطن کی دوربین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح انگریز ملک پر حاوی ہو رہے ہیں۔"

مگر اصلیت یہ ہے کہ سلطان کی بڑھتی ہوی طاقت خود مرہٹوں کو فنا کا پیغام دے رہی تھی۔ اس لیے نانا فرنویس کی غرض انگریزوں سے اتحاد کرنے میں صرف یہ تھی کہ سلطنتِ خداداد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ نانا فرنویس کا مقصد صرف سلطان کی طاقت کو کم کرنا تھا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو اس نے صلح کی تحریک کی

تو کہنا پڑیگا۔ کہ یقیناً نانا فرنویس باوجود محب وطن ہونے کے دُور اندیش نہیں تھا۔ اس نے خود انگریزوں کے خلاف متعدد بار ساز باز کی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ انگریزوں نے پونا میں نارائن راؤ اور رگھوبا کے وقت میں کیا کچھ سازشیں کی تھیں۔ بنگال اور کرناٹک کے واقعات اسکی آنکھوں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ باوجود یہ جاننے کے کہ انگریزوں کا مدِمقابل سوائے ٹیپو سلطان کے ملک میں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کی طاقت کو کم کرنا سوائے ایک مذہبی تعصب کے اور کچھ نہیں تھا۔ سلطان کی طاقت کو کمزور کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں مرہٹوں بلکہ خود نانا فرنویس کی زندگی انگریزوں کے رحم پر منحصر ہوگئی تھی۔

جس وقت عہدنامہ کی خبر انگلستان پہنچی تو مسٹر فاکس نے پارلیمنٹ میں کہا:۔

"کارنوالس نے لیٹروں کا ایک جتھا تیار کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے وہ حقداروں کا حق لوٹ رہا ہے"۔

مگر پارلیمنٹ پر اس کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس لارڈ کارنوالس کے رتبہ کو بڑھا کر اس کو مارکوئیس کا خطاب دیا گیا۔

لارڈ کارنوالس کے میر منشی حمید خاں جو اس جنگ میں شریک تھے اپنی تاریخ میں لارڈ کارنوالس کی حکمت عملی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جب ہماری (انگریزی) فوج موضع کرار میں تھی۔ اس دن شام کو محرم کا چاند نظر آیا۔ اس لئے لارڈ کارنوالس نے عشرۂ محرم کے احترام میں دس دن تک کیمپ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے سب سپاہی محرم کی دس تاریخ تک بالکل بے لحاظ ہوکر ادل فول بکتے۔ اور عوام الناس عشرہ کے دنوں میں روپ اور بھیس بدلا کر سوانگ بھرتے ہیں تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قایم کرتے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی رسومات سلطنتِ خداداد میں سلطان کے حکم سے ممنوع تھیں
لارڈ کارنوالس نے ہندوستانی سپاہیوں کو چھٹی دیدی کہ محرم منائیں۔ لارڈ صاحب نے
حکم دیا کہ سوانگ بھرنے والے انکے خیمہ پر سے گذریں کہ لارڈ صاحب کو ان کے
دیکھنے کا شوق ہے۔ اور وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ساتویں محرم سے دسویں
محرم تک علم اور تعزیے اٹھے۔ اور لوگ قسم قسم کے سوانگ بھر کر آئے۔ لارڈ صاحب
خیمہ کے باہر کرسی پر رونق افروز تھے۔ جب کبھی علم یا تعزیہ آتا تو اٹھ کر سر جھکا کر
تعظیم کرتے، اور ادب سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جاتے۔ اور رخصتی کے وقت اپنے
سکرٹری چری صاحب کی معرفت چاندی کے طبق میں روپیہ رکھکر نذر گذارتے۔
تیس دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہ خبر اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ تو لوگوں
میں مشہور ہوا کہ انگریزی قوم جس کو اب تک کافر کہا جاتا تھا۔ حسن سلوک اور
اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے اچھی ہے"

لارڈ کارنوالس مغربی دل و دماغ لیکر ہندوستان آیا تھا اور پروپگنڈا کے فن میں اسے غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ سلطان نہ صرف بادشاہ بلکہ شریعت سے پورا باخبر اور عالم باعمل تھا۔ چنانچہ اس نے محرم کی بدعات، قسم قسم کے مکروہ سوانگ اور مشرکانہ رسومات جنہیں اسلام سے کچھ دور کا واسطہ بھی نہیں تھا سلطنت میں بالکل ممنوع قرار دیدیا تھا۔

نوٹ :- کارنوالس نے مسلمانوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کی وجہ سے شیعہ اور سادات جن کا پیشہ پیری مریدی تھا۔ سلطان کے خلاف ہو کر انگریزوں کی دل کھول کر تائید کی۔ اس کا مفصل حال سلطنت خداداد کے زوال کے اسباب میں لکھا گیا ہے۔)

واقعات مابعد جنگ

انگریزوں سے جنگ کے خاتمہ پر سلطان نے از سرِ نو سلطنت کے انتظام پر توجہ کی. میر صادق دیوان مقرر ہوا. اور پورنیا وزیر مالیات تھا. سید صاحب سپہ دار کو حیدر نگر کا صوبہ دار بنایا گیا. اور اس کو نوبت نقارہ، فیل مع عماری طلائی مرحمت ہوئے. افواج متحدہ کے جانے کے بعد جب سلطان کی فوجی طاقت کمزور محسوس ہونے لگی. تو ملک میں کئی راجہ اور پالیگار بغاوت پر آمادہ ہو گئے. ان میں قابل ذکر مدگری اور ہرپن ہلی کی بغاوتیں ہیں. سید صاحب مدگری پر اور میر قمر الدین ہرپن ہلی پر بھیجے گئے. مدگری کی بغاوت بہت جلد فرو کر دی گئی. ہرپن ہلی میں سات مہینوں تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا. آخر میں راجہ گرفتار کر لیا گیا. غرض جب ملک میں کامل طور پر امن و اطمینان ہو گیا. تو سلطان نے کل سلطنت میں فرمان جاری کیا کہ ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں کار پرداز اور عاملان حکومت دار السلطنت میں حاضر ہو کر اپنی کارگذاری سنائیں. اور باہمی مشورہ کیساتھ کام کریں. اسکے علاوہ ملک کے نظم و نسق میں رعایا کو حصہ لینے کیلئے مجلس (پارلیمنٹ) قایم کی جسکا نام زمرۂ غم نباشد رکھا گیا. اور اس کا صدر اعظم میر صادق مقرر ہوا.

۱۷۹۶ء میں سلطان کے دونوں شہزادے جو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال تھے. واپس ہوئے. انکی آمد پر ایک شاہانہ جشن منایا گیا. اور اس موقع پر سلطان نے تمام امراء و اعیانِ سلطنت کی دعوت کی. سب ایک ہی وسیع دستر خوان پر بیٹھے. اور ہر ایک کے سامنے شیر برنج رکھا گیا. سلطان نے سب کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی. جس میں اتحاد، اتفاق، اور جہاد فی سبیل اللہ پر سب کو توجہ دلائی. اور ہر ایک سے اقرار لیا گیا. کہ وہ

دینِ اسلام کی حمایت و حفاظت کیلئے ہمیشہ مستعد رہیں گے۔ اسکے بعد سب کو شہادت کے سرخ خلعت تقسیم کئے گئے۔

سلطان کے مسلمان افسر اور میر صادق نے اس وقت جس قسم کا عہد کیا تھا۔ اس عہد کو کتاب ماڈرن میسور کے صفحہ ۷۲ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

عہدنامہ میر صادق

"میں میر محمد صادق نمک خوار و ملازم سرکار خداداد، اپنے پروردگار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام اللہ کو حاضر و ناظر اور شاہد سمجھ کر اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا سلطان کی اطاعت کروں گا۔ اور اسی کے حکم کو ہر چیز پر مقدم سمجھونگا۔ میرا دل کبھی اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہوگا۔ میری زبان کبھی اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔ میری آنکھ کبھی اسکی برائی نہ دیکھ سکے گی۔ میرے کان کبھی اسکے خلاف نہ سن سکینگے۔ میرے ہاتھ ہمیشہ اس کی برتری و بھلائی کیلئے کوشاں رہیں گے۔ اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کے اسکے خلاف جو کچھ دیکھونگا یا سنوں گا تو اسی وقت حضوری میں بیان کرونگا۔ اگر خدانخواستہ مجھ سے ان مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی ہوجائے یا میری اطاعت میں فرق آجائے تو میں خدائے برتر و توانا کو جس کا دوسرا نام منتقم بھی ہے۔ حاضر و ناظر سمجھکر کہتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے غضب میں پکڑے۔ اور مجھے تباہ کردے۔"

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں :-

" لیکن وہ تو دور ہی پلٹ چکا تھا۔ اور وہ سیاہ دل تھوڑی زندگی، آزادی یا شہادت کو کیا جانتے تھے۔ اس لیے سب زمانہ سازی کی باتیں کر کے واپس ہو گئے۔ اور جو سچے دیندار اور سچے جاں نثار تھے۔ ان کو سلطان کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی "

سلطان کو ہر شخص پر اعتماد تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور دوسرے امور سلطنت پر متوجہ ہو گیا۔

ملک کے تمام قلعوں کی مرمت کی گئی۔ سرنگا پٹم کا قلعہ خاص طور پر مضبوط کیا گیا۔ خاندان کے شہزادوں کی شادیاں کی گئیں۔ اسی عرصہ میں شاہزادۂ ایران اپنا ملک چھوڑ کر بحالتِ غربت سرنگا پٹم پہونچا۔ سلطان نے اس کو نہایت اعزاز سے رکھا۔ اور دس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد تحفہ تحائف دیکر ایران کو رخصت کیا۔

اتحاد بین المسلمین و اتحاد ملکی کے لئے زماں شاہ والیٔ کابل۔ سلطانِ روم فرمانروائے ایران اور ہندوستان کے حکمرانوں سے دوبارہ ایلچی اور خطوط روانہ کیے گئے۔ ۱۷۹۸ء میں یہ ایلچیاں واپس ہوئے۔ فرانس اور زماں شاہ کی طرف سے سلطان کو بوقتِ ضرورت تائید کا یقین دلایا گیا۔

اِن تمام امور کے علاوہ سلطان کی خاص توجہ فوج کی تنظیم کی طرف تھی۔ بحری اور بری فوج کی تعداد بڑھا دی گئی۔ انکی تعلیم کیلئے مدارس جاری کیے گئے۔

انگریزوں سے چوتھی جنگ

جب ملک میں از سر نو تازہ روح پھونکی جانے لگی تو سلطان کی طاقت دوبارہ اپنی گذشتہ حالت سے بدرجہا بہتر ہو گئی۔ سلطان کے عزم و ارادے دشمنوں کی نظروں میں خار بنکر کھٹکنے لگے۔ سب سے بڑھکر خوف ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھا۔ جو اب ملک کی اندرونی حالت اور آپس کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر اپنی سیادت قایم کر چکی تھی۔ کمپنی کی خوش قسمتی سے ارل آف مارننگٹن یعنے لارڈ ولزلی ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل بن کر آیا۔ جس کے دل میں پہلے ہی سے سلطنت خداداد کے مٹانے کا ارادہ موجود تھا۔

لارڈ مارننگٹن
(مارکوئیس آف ولزلی)

ارل آف مارننگٹن کا وطن آئرلینڈ اور تاریخ پیدائش ۲۰ر جون ۱۷۶۰ء ہے۔ اس کا پورا نام رچرڈ کولی ولزلی ہے ۱۷۸۴ء میں پارلیمینٹ کا ممبر بنا۔ اور اسی زمانہ سے سیاست ہندوستان میں دلچسپی لینے لگا۔ اس کو شروع سے پارلیمنٹری طریقہ حکومت سے اختلاف رہا۔ وہ شخصیت اور شاہ پسند تھا۔ فرانسیسیوں سے اس کو خاص طور پر دشمنی تھی۔ اس لئے کہ فرانس میں اس وقت جمہوریت قایم ہو رہی تھی۔ فرانسیسیوں کے ساتھ اس کو جو مخصوص دشمنی تھی ان کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مورخ لکھتا ہے:-

"لارڈ صاحب کی بیوی ایک فرانسیسی عورت تھی۔ جس سے شادی کے قبل ہی لارڈ صاحب کے تعلقات تھے۔ گو بعد میں اس سے شادی ہو گئی۔ لارڈ صاحب جب ہندوستان آرہے تھے۔ تو اس عورت نے آنیسے انکار کر دیا اور گو طلاق

نہیں لی۔ مگر علیحدہ ہو گئی۔ یہی وہ مخصوص وجہ تھی۔ جس نے لارڈ ولزلی کو فرانس والوں کا دشمن بنا دیا۔ (رائیز آف کرسچین پوور ان انڈیا)

لارڈ کارنوالس سابق گورنر جنرل کی لارڈ ولزلی سے گہری دوستی تھی۔ اس وجہ سے ولزلی ہندوستان کے تمام حالات سے باخبر تھا۔

۱۷۹۸ء میں سر جان شور کے جانے کے بعد لارڈ ولزلی گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور جس وقت وہ انگلستان سے ہندوستان آ رہا تھا۔ تو راستہ میں راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) میں اسکی ملاقات بیرڈ کے علاوہ جنرل میڈوز سے بھی ہوئی۔ جو مدراس کا گورنر تھا۔ ان دو کی ملاقات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ولزلی کس قسم کے خیالات لیکر ہندوستان آ پہونچا ہوگا۔ بیرڈ ایک عرصہ تک سلطان کی قید میں تھا۔ اور میڈوز متعدد دفعہ جنگوں میں شکست کھا کر سلطان سے انتقام لینے کیلئے تڑپ رہا تھا۔ اس کا جذبۂ انتقام یہاں تک بڑھا ہوا تھا۔ کہ جب لارڈ کارنوالس نے میسور کی تیسری جنگ میں سلطان سے صلح کر لینی چاہی تو اس نے اپنے آپ کو گولی مار لی تھی۔

ان دو شخصیتوں کے سوا ولزلی نے کیپ آف گڈ ہوپ میں میجر کرک پیاٹرک سے بھی ملاقات کی۔ جو ایک عرصہ تک حیدرآباد میں رزیڈنٹ رہا تھا۔ اسکی زبانی ولزلی کو معلوم ہوا کہ نہ صرف ٹیپو بلکہ حیدرآباد کی ملازمت میں بھی چند فرانسیسی موجود ہیں۔ ولزلی کو یہ پورا یقین تھا۔ کہ جب تک فرانسیسی ہندوستان میں رہیں گے۔ انگریزوں کو ان سے خطرہ لگا رہیگا۔ کرک پیاٹرک کی زبانی اس کو حیدرآباد اور پونہ کی حالت سے بھی پوری واقفیت ہو گئی۔

یہاں ولزلی نے ان تمام سرکاری خطوط کو بھی دیکھا جو سر جان شور گورنر جنرل



مارکوئیس آف ولزلی

کی جانب سے کمپنی کے ڈیرکٹروں کو لکھے گئے تھے۔ ان خطوط سے سیاسیات ہند کے تازہ حالات بھی معلوم ہو گئے۔ ان خطوط میں سر جان شور نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ وہ ٹیپو کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک نہیں سکا تھا۔

یہاں یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ سر جان شور کی خاموش پالیسی انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ کے بالکل ناپسند تھی۔ اس کو انگلستان کی سلطنت کو وسیع کرنے کی دُھن لگی ہوئی تھی۔ جس طرح اس نے کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اب ولزلی کا بھی انتخاب کیا۔ اور یہ انتخاب نہ صرف سیاست ہندوستان بلکہ اس وقت کی یوروپ کی سیاست کو نظر رکھتے ہوئے ہوا تھا۔ یوروپ میں یہ وہ زمانہ تھا کہ نپولین اعظم کی فتوحات کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ہالینڈ، بلجیم، آسٹریا اور اٹلی۔ فرانس کے زیر نگین آچکے تھے۔ اور نپولین مصر اور ہندوستان پر فوج کشی کرنے کیلئے بے تاب نظر آرہا تھا۔ ایسے وقت ہندوستان میں فرانسیسیوں کی موجودگی انگلستان کیلئے اضطراب کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس لئے وزیر اعظم مسٹر پٹ کی نظریں ایک ایسی شخصیت تلاش کر رہی تھیں۔ جس کا مزاج فرانسیسیوں کے خلاف اور جس کی طبیعت میں انقلاب سے بیزاری موجود ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانس میں انقلاب پسندوں نے شاہی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اور یہی انقلاب پسندوں نے اپنی بڑھتی ہوئی قوت سے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ انگلستان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے اسوقت انگلستان پر توجہ نہیں کی۔ انکی تمامتر توجہ آسٹریا اور اٹلی پر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے اس مہلت سے فائدہ اٹھاکر انگلستان اپنے مقبوضات کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت میں جب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں ٹیپو سلطان فرانسیسیوں کا دوست اور انگریزوں سے گذشتہ جنگ کا انتقام لینا چاہتا ہے

تو مسٹر پٹ نے لارڈ ولزلی کا انتخاب کیا۔ جو شاہ پسند طبقہ سے تھا۔ اور جس کے دل میں بھی انگلستان کے مقبوضات کو وسیع کرنے کی تڑپ موجود تھی۔

لارڈ ولزلی کا ہندوستان میں پہلا کام

لارڈ ولزلی جس وقت ہندوستان پہونچا۔ تو اس وقت ہندوستان میں قابل الذکر تین طاقتیں تھیں۔ ایک مرہٹے، دوسری حیدر آباد اور تیسری سلطنتِ خداداد، گو مرہٹوں میں نا اتفاقی تھی۔ مگر انکی طاقت مسلمہ تھی۔ حیدر آباد میں جو کچھ طاقت تھی۔ وہ ۱۷۹۵ء میں جنگ کرڈلا میں مرہٹوں کے ہاتھوں فنا ہو چکی تھی لیکن اب بھی نظام کو ایسٹ انڈیا کمپنی پر بھروسہ تھا۔ کہ تائید دیکر حیدر آباد کی سابقہ حالت کو بحال کردیگی۔ اس لئے وہ کمپنی کی دوستی کا متلاشی تھا۔ تیسری طاقت ٹیپو سلطان کی تھی۔ جو روز افزوں ترقی پر تھی۔ اس لئے لارڈ ولزلی کی نظر سب سے پہلے حیدر آباد پر اٹھی کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:-

"موجودہ وقت میں معلوم ہوتا ہے۔ کہ نظام ہر قسم کی قربانی دیکر ہماری دوستی حاصل کرنے پر آمادہ ہے۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں نظام سے اسکی اپنی فوجیں علیحدہ کرنے کیلئے خط و کتابت کرنا چاہیئے۔"

اس وقت حیدر آباد میں کیپٹن جیمس کرک پیاٹرک رزیڈنٹ تھا۔ جس کو دربار حیدر آباد سے حشمت جنگ کا خطاب بھی حاصل تھا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک نے حیدر آباد میں اس قدر اثر و رسوخ اور دوستی پیدا کرلی تھی کہ اسکی مناکحت میں حیدر آباد کے ایک امیر کی دختر تھی۔

کتاب "میر عالم کے سوانح زندگی" مصنفہ محمد سراج الدین طالب حیدر آبادی مطبوعہ حیدر آباد کے

صفحہ ۹۷ پر اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا گیا ہے :۔

"جیمس اخیلس کرک پیاٹرک اپنی حیدرآباد کی رزیڈنسی کے زمانہ میں اپنی راتیں ایک مکان میں (جو رزیڈنسی کے سرکاری مکان کے قریب واقع تھا) گزارتے تھے. جن میں انکی ایک مدخولہ رہتی تھی۔ اس گھر میں عاقل الدولہ کی نواسی خیرالنساء بیگم بھی (جو مہدی یارخاں اور شرف النساء بیگم کی لڑکی تھی) آیا اور رہا کرتی تھی۔ یہ لڑکی میر عالم کے رشتہ میں بھی ہوتی تھی .سوء اتفاق سے کرک پیاٹرک سے اس کا تعلق ہوگیا۔ اور اسکی دلچسپی اس لڑکی سے زیادہ ہوگئی۔ اور جب بات پھوٹ گئی تو انہوں نے اس لڑکی کو اپنے مکان رزیڈنسی میں داخل کرلیا۔"

کرک پیاٹرک کی چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ علاوہ دوسرے امرائے حیدرآباد کے خود میر عالم تک بھی، جو انگریزوں ہی کا بنایا ہوا تھا۔ لارڈ ولزلی سے اس کی شکایت کی۔

ایک دوسرے مورخ کے حوالے سے مورخ باسو لکھتا ہے :۔

"میر عالم کا عہدۂ وزارت انگریزوں کا رہین منت ہے. عظیم الامراء کی وفات کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا مفاد میر عالم کی ذات سے ہی وابستہ تھا۔

اگرچہ نظام الملک کی یہ خواہش نہیں تھی۔ کہ میر عالم اس عہدہ پر مامور ہو مگر دربار حیدرآباد کی حالت اس وقت اس قدر خراب تھی۔ کہ صحیح معنوں میں وہاں کوئی مدبر سیاست دان نہیں تھا۔

وہی مورخ لکھتا ہے :۔

"جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعد عصائے سلطنت انگریزوں کے ہاتھ

آیا تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عصا ان کے ہاتھ سے بھی گر جانے والا تھا۔ ایسے وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو سہارا دینے والا بھی مسلمان ہی تھا۔ اور وہ حیدر آباد تھا۔"

اگرچہ نظام الملک اول سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ہوا تو اس کا جانشین میر نظام علیخاں انگریزوں کی طاقت کو ہندوستان میں مستحکم بنانے کا سبب بنا۔ تاریخ دان اصحاب جانتے ہیں کہ لارڈ ولزلی اپنے ساتھ ایک اسکیم لایا تھا۔ اور وہ اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں دیسی حکمران اپنی فوج برطرف کر کے انگریزی فوج اپنی حفاظت کے لئے رکھیں۔ اس طریقہ کو تاریخ میں

"سب سی ڈیاری سسٹم"

کہا جاتا ہے۔ جو ہندوستانی حکمرانوں کی آزادی سلب کرنے کیلئے ایک آلہ تھا۔

نظام حیدر آباد سے براہِ راست اس طریقہ کو اختیار کرنے کی تحریک ولزلی کے نزدیک خلاف مصلحت تھی۔ میر نظام علیخاں کی پالیسی خواہ کچھ ہو۔ وہ خوددار تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ کپتان کرک پیاٹرک کو لکھا گیا کہ عظیم الامراء ارسطو جاہ کو اپنے ساتھ ملا کر اس کو آمادہ کیا جائے کہ حیدر آباد کو تباہی سے بچانے کیلئے

"سب سی ڈیاری سسٹم"

قبول کرلے۔ اور یہ کارروائی اس طریق سے ہو کہ خود حیدر آباد ایسٹ انڈیا کمپنی سے اس کیلئے درخواست کرے۔ ارسطو جاہ کرک پیاٹرک کی جال میں پھنس گیا۔

"تاریخ اپنا سبق دھراتی ہے، زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے، کہ جس طرح نظام الملک اول بحیثیت وزیر سلطنت مغلیہ اپنے آقا سے غداری کر کے اپنی سلطنت قایم کی۔ اسی طرح خود اس

کی سلطنت کا وزیر بھی سلوک اپنے آقا سے کرتا ہے۔ لیکن نظام الملک کی خودداری نے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا۔ مگر اتفاق سے اسی موقع پر خاص حیدرآباد کی فرانسیسی فوجوں میں شورش پیدا ہوگئی۔ اس شورش میں کس کا ہاتھ تھا؟ تاریخ اس کے جواب میں خاموش ہے۔ دوسری طرف انگریزی افواج علاقہ گنٹور میں خفیہ طور پر پہلے ہی سے اس مقصد کیلئے تیار رکھی گئی تھیں کہ وقتِ ضرورت حیدرآباد کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ ان افواج نے حیدرآباد کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جب انگریزی فوج حیدرآباد پہونچ گئی تو ارسطوجاہ پر حیرت طاری ہوگئی۔ رزیڈنٹ نے فوراً فرانسیسیوں کو برخاست کرنیکا حکم دیدیا۔ لیکن ارسطوجاہ فرانسیسیوں کو برخاست کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اب انگریزی فوج کی موجودگی کی وجہ سے مجبوری تھی۔ لہٰذا یکم نومبر ۱۷۹۸ء میں ایک عہدنامہ ہوا۔ جس پر نظام الملک نے نزاکت وقت کا احساس کرتے ہوئے بمجبوری دستخط کر دئے۔ جس کی رو سے یہ قرار پایا:-

(۱) نظام الملک چھ ہزار سپاہی مع توپ خانہ رکھے۔ اس فوج کے افسر انگریز ہونگے۔

(۲) اس فوج کے اخراجات حیدرآباد برداشت کریگا۔

(۳) تمام فرانسیسیوں کو ملازمت سے برخاست کر دیا جائے۔ اور آئندہ حیدرآباد میں سوائے انگریزوں کے کوئی یوروپین ملازمت میں نہ رہے۔

کلکتہ کی چیمبر آف کونسل میں ولزلی کی تصویر ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ولزلی کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ جس پر سب سی ڈیاری صلح حیدرآباد ۱۷۹۸ء لکھا ہوا ہے۔ اس صلحنامہ پر دستخط ہوتے ہی حیدرآباد کی آزادی اور خودمختاری کا خاتمہ ہوگیا۔

سلطنتِ خداداد کے مٹانے کی تمہید میں لارڈ ولزلی کا یہ پہلا کارنامہ تھا۔ جو ہندوستان میں آکر اس نے کیا۔

جو کچھ اوپر تحریر کیا گیا ہے۔ وہ تمام انگریزی تاریخوں سے اخذ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حیدرآباد کی تاریخ کہاں تک حیدرآباد کے اس معاہدہ کو حق بجانب ثابت کرتی ہے؟ کتاب نظام عیناں مطبوعہ حیدرآباد کے مصنف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

"

جنگِ میسور

۱۷۹۹ء

۱۲۱۴ھ

اسباب جنگ | ٹیپو سلطان کے لڑکے جو ۱۷۹۲ء (م ۱۲۰۶ھ) کے صلحنامہ کے تحت بطور یرغمال کمپنی کے زیر نگرانی تھے۔ اوائل ۱۷۹۴ء (م ۱۲۰۸ھ) میں باعزاز واکرام واپس کردئے گئے۔ اس کے بعد سے غالباً ٹیپو سلطان اپنی سلطنت کی وسعت کے خیال میں دور دور کے منصوبے قایم کرنے لگے۔ چنانچہ وہ اپنے قلعہ جات کی ترمیم وتعمیر کی طرف توجہ کرنے کے علاوہ دور دور کی خودمختار سلطنتوں سے مراسلت کرنے لگے۔ ایران کے ایک شاہزادے ان کے پاس آئے۔ شاہ افغانستان سے کوئی مفاہمت ہوی۔ اور ایک سفیر کو خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی کے پاس روانہ کیا۔ شاہ فرانس (نپولین اعظم) سے بھی ریشہ دوانی کی۔ یہ اعمال اس قابل نہیں تھے۔ کہ وہ جماعت (یا کمپنی) ان کو صرف نظر کر جاتی۔ جو جلب منفعت اور ملک گیری کی خاطر اپنا وطن (انگلستان) چھوڑ ہندوستان میں قسمت آزمائی کیلئے آئی ہو۔ انگریزی کمپنی کے عہدہ داروں نے اس کو نظرِ تعمق سے دیکھ کر قرار یہ دیا کہ ٹیپو سلطان انگریزوں ہی کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور اسی خیال سے انکے منصوبوں کے دفع ودخل کی

تیاریاں کرنے لگے۔

کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس نے خاص اسی غرض سے لارڈ مارننگٹن (المعروف مارکوئیس ویلزلی) کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنایا۔ جنہوں نے مسائل ہندوستان پر غور کرتے ہوئے مرہٹوں کے مقابلے میں نظام علیخاں کو کمک نہ دینے پر اپنے مراسلہ مورخہ ۲۲ر فروری ۱۷۹۸ء موسومہ پریزیڈنٹ بورڈ آف کنٹرول میں بایں الفاظ اظہار خیال کیا ہے:۔

" یہ کوئی دوراندیشانہ پالیسی نہیں ہے کہ نظام اور مرہٹے آپس میں لڑکر کمزور ہو جائیں۔ درآنحالیکہ ٹیپو سلطان آرام میں ہیں "

اس سے ظاہر ہے کہ انکے مطمح نظر صرف ٹیپو سلطان تھے۔ گورنر جنرل موصوف نے اس امر پر بھی توجہ کی کہ مرہٹوں اور نظام علیخاں کو معاہدوں کے ذریعہ اپنے قابو میں لالیا جائے۔ تاکہ وہ ٹیپو سلطان سے متفق ہو کر ان کی قوت میں اضافہ کرنے کا باعث نہ ہو جائیں۔

مارکوئس ویلزلی بہ حیثیت گورنر جنرل ۱۷ر مئی ۱۷۹۸ء (م یکم ذی الحجہ ۱۲۱۲ھ) کو کلکتہ پہونچے۔ یہاں آنے کے تین ہی ہفتے بعد ان کو یہ اطلاع ملی کہ ٹیپو سلطان کے دو ایلچی فرانس پہونچے۔ جن کے ذریعے انہوں نے حکومت فرانس سے اتحاد قایم کرنیکی تحریک کی اور اسی سلسلہ میں کچھ فرانسیسی عہدہ داروں کو بھی طلب کیا۔ جس پر وہاں سے تقریباً دو سو سپاہی معہ عہدہ دار ٹیپو سلطان کے پاس روانہ کیے گئے۔ جو منگلور کی بندرگاہ پر ۲۶ر اپریل ۱۷۹۸ء (م ۱۰ر ذی قعدہ ۱۲۱۲ھ) کو پہونچے۔

انگریز مورخ اس فرانسیسی فوج کے آنے کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ ٹیپو سلطان

انگریزوں سے سابقہ جنگ کا انتقام لیکر اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس حاصل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم کو اس کے تسلیم کرنے میں اس وجہ سے تامل ہے کہ سپاہیوں کی اسس قلیل تعداد سے اس سوءظن کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ کہ یا تو انگریزی کمپنی کو نیچا دکھانے کیلئے صرف انہی دوسو سپاہیوں کی کمی تھی۔ یا یہ کہ ٹیپو سلطان کو صرف انہیں دوسو[۲] سپاہیوں کی امداد کی ضرورت تھی۔ یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے۔ اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ نہ صرف اپنے منتزعہ حصۂ ملک کو انگریزوں سے واپس حاصل کریں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کر دیں۔ لیکن اس نوبت پر انکے ان اعمال پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاہ کابل و شاہ ایران سے جو مراسلت ہوی تھی۔ وہ مرہٹہ ریاست کے مقابلے کیلئے تھی۔ شاہ ترکی سے جو مراسلت ہوی اسکا امکان محض قومیت کے اعتبار سے تھا۔ یا اس لیئے کہ خلیفۃ المسلمین کے پاس سے اپنی شاہی کیلئے سند طلب کریں۔ جس کے بعد سے وہ مستند طور پر اپنی ریاست کے خود مختار بادشاہ کہلائے جا سکیں۔ کیونکہ جو امور کہ مخالفین ٹیپو سلطان ان کو برا ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا۔ کہ وہ بطور خود بادشاہ یا سلطان کا لقب اختیار کیئے ہوئے تھے۔ شاہ فرانس سے جو مراسلت انہوں نے کی۔ اس لیئے ہو سکتی تھی کہ اپنی فوج کو زیادہ باقاعدہ بنانے اور اس کو یورپی اصول پر فوجی اور حربی تعلیم دلانے کے سامان مہیا کریں۔ اور اس مخالف انگریز قوم سے اس قسم کی مدد حاصل کرنے میں سہولت اسی صورت میں تھی۔ کہ اس قوم کو یہ جتائیں کہ وہ خود بھی انگریزی قوم کے افراد سے خوش نہیں ہیں۔ بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی

نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر اتر آنے کے احکام دیئے اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں۔ جو بورڈ آف کنٹرول کے پریزیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علی خاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس پیش پا افتادہ مہم میں ان دیسی ریاستوں کی فوجی قوت کمپنی کے زیر اثر آجائے۔ اور ان کے خود مختارانہ اقتدارات کمپنی کے صواب دید پر منحصر ہو جائیں۔" (صفحات ۲۰۱ تا ۲۰۴)

لارڈ ولزلی کا دوسرا کارنامہ

چند سال سے دربار پونا آپس کے اختلافات اور سازشوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اور جس وقت لارڈ ولزلی ساحل ہندوستان پر اترا۔ اس وقت نانا فرنویس دولت راؤ سندھیا کی قید میں تھا۔ اور مسند پیشوائی پر باجی راؤ متمکن تھا۔ دولت راؤ سندھیا اس وقت جو مرہٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھا۔ باجی راؤ پیشوا کا محافظ و نگران تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دولت راؤ سندھیا کو پونا سے ہٹا دینا چاہا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے پونا کے انگریزی سفیر کو لکھا گیا کہ نانا فرنویس کی رہائی کے لئے اس شرط پر کوشش کرے کہ وہ انگریزوں کا طرفدار رہے۔ ابھی انگریزی سفیر کو یہ خط ملا بھی نہیں تھا۔ کہ مرہٹوں نے خود آپس میں سمجھوتہ کر لیا۔ اور نانا فرنویس کو رہائی مل گئی۔ جب مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی یہ کوشش ناکامیاب رہی تو اب ضروری سمجھا گیا

کہ دولت راؤ سندھیا کو پونا سے کسی طرح ہٹا دیا جائے۔ لارڈ ولزلی، کرنل پالمر کو جو بطور سفیر پونا میں تھا۔ ۸ رجون ۱۷۹۸ء میں لکھتا ہے :۔

"سندھیا کی طاقتور فوج کا پونا میں رہنا ہی ہمارے مقاصد کیلئے (جو ٹیپو سلطان کے خلاف ہیں) خطرناک ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ سندھیا اور ٹیپو سلطان میں کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں"

مرہٹوں میں دولت راؤ سندھیا کی طاقت ہی ایک ایسی طاقت تھی جو میدان جنگ میں کارگر ہو سکتی تھی۔ ورنہ پونا میں پیشوا کی طاقت تو بالکل محدود تھی۔ لہٰذا دولت راؤ سندھیا کو پونہ سے ہٹانے کیلئے یہ خبر پھیلائی گئی کہ احمد شاہ ابدالی کا جانشین زماں شاہ والی افغانستان ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

کیپٹن گرانٹ ڈف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"مرہٹوں کو احمد شاہ ابدالی کے نام سے ہی خوف آتا تھا۔ خبریں پھیلائی گئیں کہ زماں شاہ جو احمد شاہ کا پوتا ہے۔ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ سندھیا پونہ چھوڑ کر اپنے شمالی ہندوستان کے مقبوضات بچانے کیلئے چلا جائے"

مورخ مل لکھتا ہے :۔

"قندھار میں بغاوت ہوئی۔ تو زماں شاہ والئ کابل بغاوت فرو کرنے کیلئے کابل سے نکلا۔ اس سے نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ افواہ ہی افواہ تھی۔ مگر طرفہ یہ کہ ۱۰ راکتوبر ۱۷۹۸ء کی تاریخ بھی مقرر کی گئی۔ کہ اس دن زماں شاہ۔ ہندوستان پر حملہ کریگا۔ انگریزوں میں اضطراب پھیل گیا۔ کہ زماں شاہ

شمال میں اور جنوب میں ٹیپو سلطان انکے مقاصد کے سدِ راہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا بطور حفظِ ماتقدم دولت راؤ سندھیا کو اپنے مقبوضاتِ شمالی کے بچانے کے لئے شمالی ہند جانے کا مشورہ دیا گیا۔"

مگر دولت راؤ سندھیا نے زماں شاہ کے مفروضہ حملہ کو کچھ بھی وقعت نہیں دی اور برابر پونا میں مقیم رہا۔

اسکے بعد دوسری تدابیر اختیار کی گئیں۔ دولت راؤ سندھیا پونہ میں مقیم تھا۔ کہ لارڈ ولزلی نے کرنل کالنس کو سفیر بنا کر دولت راؤ کے پایۂ تخت گوالیار کو روانہ کیا۔ یہاں کرنل کالنس نے جو کچھ کیا۔ اس پر تاریخ روشنی نہیں ڈالتی۔ مگر اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سندھیا کے وزراء و امراء میں نفاق پھیل گیا۔ دوسری طرف حیدر آباد کے عظیم الامراء ارسطو جاہ کو یقین دلایا گیا۔ کہ سندھیا تاوانِ جنگ کیلئے حیدر آباد پر حملہ کرنے والا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسٹر کولبروک کو سفیر بنا کر برار کے راجہ کے پاس بھیجا گیا۔

لارڈ ولزلی اپنے خط میں حیدر آباد کے رزیڈنٹ کیپٹن کرک پیاٹرک کو لکھتا ہے:۔

"آپ کو معلوم ہوگا کہ راجۂ برار کے پاس ہماری ایک سفارت جا رہی ہے۔ ناگپور کو اپنی جانب ملا لینا ہمارے مقاصد کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اس کیلئے مناسب طریق یہ ہے کہ حیدر آباد کے ذریعہ اس دوستی کو مستحکم کیا جائے۔ اور ہمارے درمیان ایک ایسا عہدنامہ ہو۔ جسکے ذریعہ سندھیا یا ٹیپو کے خلاف ہم کام لے سکیں۔ اس لئے تم اپنی کوشش سے ناگپور کے راجہ کے عادات و اطوار اور اس کے خیالات دریافت کرو۔ ناگپور کو بہ حیثیت دولت راؤ سندھیا کے سرحد پر ہونے کے نہایت ہی اہمیت حاصل ہے۔"

ناگپور کے راجہ اور انگریزوں میں معاہدہ

دوسری طرف سلطنت اودھ وارن ہیسٹنگس کے زمانہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تابع ہو چکی تھی۔ لہٰذا اودھ کے اندر سندھیا کے سرحد پر ایک بہت بڑی انگریزی فوج مقیم ہوگئی۔ اور خبر یہ پھیلائی گئی کہ اودھ کا نواب وزیر علی بنارس سے مفرور ہے۔ اور گمان ہے کہ وہ زماں شاہ کے پاس گیا ہوگا۔ لہٰذا یہ فوج صرف کمپنی کے مقبوضات کے تحفظ کیلئے رکھی گئی ہے۔ کہ زماں شاہ حملہ نہ کردے۔ دولت راؤ سندھیا کو جب یہ خبریں پہونچیں تو اس کو معلوم ہوگیا کہ انگریز اس کی سلطنت پر حملہ کرنے والے ہیں۔ وہ پونا سے نکل کر گوالیار چلا گیا۔ اس طرح وہ سب سے بڑا خطرہ جو لارڈ ولزلی کو تھا۔ دور ہو گیا۔ اس کے بعد دربار پونا میں نانا فرنویس اور پیشوا کے آگے "سب سی ڈیاری سسٹم" پیش کیا گیا۔

گرانٹ ڈف اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۴۲ پر لکھتا ہے:۔

"اس سسٹم کو قبول کرنے کے عوض انہوں نے یقین دلایا کہ باہمی دوستی کے جو پہلے معاہدے ہیں۔ ان پر وہ قایم رہیں گے۔ اور اگر ٹیپو سلطان و ایسٹ انڈیا کمپنی میں جنگ ہو تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو تائید دی جائے گی۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ایک فوج بھی تیار کرلی"

سب سی ڈیاری سسٹم قبول کرنے کیلئے مصلحت وقت کے لحاظ سے پونا پر اور زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ لارڈ ولزلی کا مقصد تو یہ تھا کہ مرہٹے غیر جانبدار رہیں اور یہ مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے آخری وقت میں پونا کی اس امداد کو مسترد کردیا اور اس کا سبب یہ بتلایا گیا کہ ٹیپو سلطان کے سفیر جو دربار پونا میں آئے ہوئے تھے

ان سے نانا فرنویس کو معلوم ہوئے بغیر پیشوا نے ۱۳ لاکھ روپیہ حاصل کیا ہے۔ یہ ایک چال تھی جو وہاں کے انگریزی سفیر نے چلی۔ مقصد یہ تھا کہ اخیر وقت میں نانا فرنویس اور پیشوا میں اَن بَن ہو جائے۔ اور اس طرح اس معاملہ کے سلجھنے تک بغیر مرہٹوں کی امداد کے میسور پر قبضہ کر لیا جائے۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی چال تھی جو کامیاب ہو گئی۔

یہ تمام تدابیر اس لئے اختیار کئے گئے کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ خود ولزلی کو معلوم نہیں تھا کہ آئندہ واقعات کیا پلٹا کھائیں گے۔ اس لئے اس نے پیش بینی سے یہ کارروائی کی۔ کہ مرہٹے جنگ سے علیحدہ بھی رہیں۔ اور بوقتِ ضرورت ان کی امداد بھی حاصل کیجائے۔

زماں شاہ

نظام الملک اور مرہٹوں سے معاہدہ کر لینے کے بعد ولزلی نے افغانستان پر توجہ کی۔ اس کو معلوم تھا کہ سلطان کے ایلچیاں افغانستان گئے ہوئے ہیں۔ اس نے سمجھا کہ اگر سچ مچ زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کر دے تو شمال میں افغان اور جنوب میں ٹیپو سلطان انگریزوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس لئے اس نے زماں شاہ کے حملے کو روکنے کیلئے ایک ایسی گہری سازش کی۔ جو بالکل کارگر ہو کر رہی۔ ولزلی نے مراد آباد کے ایک شیعہ مسلمان کو ایران بھیجا۔ اس شخص نے وہاں جا کر عباس شاہ صفوی کے گوش گذار کیا کہ افغانستان میں شیعوں پر حد درجہ ظلم وستم ہو رہا ہے۔ انکے جان اور مال محفوظ نہیں ہیں۔ انکے عقاید پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اور سینکڑوں شیعہ ہر روز تہ تیغ کئے جا رہے ہیں۔

یہ سنکر عباس صفوی نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے اس حملہ کی خبر سن کر زماں شاہ جو اسوقت سرحد ہندوستان پر تھا۔ کابل کو واپس ہو گیا۔

سلطنتِ خداداد سے انگریزوں کی چوتھی جنگ کے اسباب

حیدرآباد کی آزادی سلب کرلی گئی تھی
پونا انگریزی جال میں پھنس گیا تھا۔
دولت راؤ سندھیا کا خطرہ دور ہو چکا تھا

اور زماں شاہ کے خلاف ایران کو مشتعل کر دینے کے بعد ولزلی کو یقین ہوگیا۔ کہ اب ٹیپو سلطان کو کہیں سے تائید حاصل نہیں ہوسکتی ۔اس لئے اب سلطان پر حملہ کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈھے جانے لگے ۔لارڈ ولزلی کو کارنوالس اور جنرل میڈوز نے یہ بھی بتادیا تھا کہ سلطان کے امراء و وزراء کس قماش کے ہیں۔ اور کون کون لوگ انگریزوں کے مددومعاون ہو سکتے ہیں۔ اور سرنگاپٹم پر قبضہ کرنیکے آسان طریقے اور راہیں کیا ہیں۔

کیپٹن لٹل کی یادداشتوں میں اے مور لکھتا ہے :-

"میسور کی تیسری جنگ میں جب سلطان سرنگاپٹم میں محصور تھا۔ اور تمام ملک انگریزی قبضہ میں تھا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاکر رعایا کو سلطان سے بدظن کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا سلطان شکست خوردہ تھا۔ اس لئے اس کی رعایا کو اس سے انحراف کرانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا۔ کہ آئندہ وقت پڑنے پر لوگ انگریزوں کے طرفدار بن جائیں۔ ہم نے اس وقت جو کچھ کیا اور آئندہ جو کچھ کرنے والے ہیں۔ اس کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کی سلطنت پنپنے والی نہیں ہے"

لارڈ کارنوالس نے جو بیج بوئے تھے۔ ان سے ولزلی پورا فائدہ اٹھایا۔ اور ان نمک حراموں کی ملک میں کمی نہیں تھی جو ملک میں سازشیں کر رہے تھے۔ اور اغیار کے اشاروں پر رقصاں تھے۔

۱۷۹۸ء میں سلطان کا سفیر فرانسیسیوں کے پاس جزائر ماریشس کو جا کر واپس آیا۔ وہاں طرفین میں معاہدہ ہوا تھا۔ کہ ایک دوسرے کو بوقت ضرورت تائید دیں گے۔ سلطنت خداداد ایک آزاد سلطنت تھی۔ اس کو اختیار تھا کہ جس کسی سے چاہے۔ اس قسم کے معاہدے کرے۔ آج بھی تمام سلطنتیں اپنے تحفظ کیلئے ایسا کرتی ہیں۔ لیکن اس سے جنگ کے شعلے نہیں لپک اٹھتے۔ مگر ولزلی کے نزدیک سلطان کا یہ ایک جرم تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کرسکتا تھا کہ سلطان فرانس سے تعلقات پیدا کرے یا ہندوستان میں ایک فرانسیسی بھی رہے۔ گو اس وقت جب ولزلی سلطان سے جنگ کی چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ تو اس وقت فرانسیسی بیڑے کو ابوقیر میں شکست ہو چکی تھی۔ اور نپولین مصر سے فرانس کو واپس ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ فرانس ہندوستان پر حملہ کریگا۔ لیکن ولزلی شروع ہی سے یہ خیال لیے آیا تھا کہ جب تک ٹیپو سلطان ہندوستان میں ہے۔ یہ ملک انگریزوں کا ہو نہیں سکتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعلقات اس وقت کیسے تھے۔ عین اس وقت جبکہ لارڈ ولزلی کلکتہ آ رہا تھا تو سلطان کا خط سر جان شور کے نام ۲۹ اپریل ۱۷۹۸ء میں پہونچا۔

"آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ انگلستان جا رہے ہیں۔ اور لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل ہو کر آ رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ لارڈ مارننگٹن پر ہماری اس باہمی دوستی اور خلوص کا اظہار ضرور کریں گے۔ جو سلطنت خداداد اور کمپنی کے درمیان ہے۔ اور انہیں ہمیشہ اپنی خیریت کے خطوط لکھنے کیلئے کہیں گے۔

میری خلوص نیت اور دوستی پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ وطن جا کر بھی ہمیشہ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے۔"

پھر ۱۰ر جولائی ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط لارڈ ولزلی کے نام آیا۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا :-

"آپ کا خط جس میں آپ کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے۔ باعثِ مسرت ہوا۔ آپ کی خیریت کی خبر سنکر دل کو جو خوشی ہوی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دونوں سلطنتوں میں جو رشتۂ اتحاد قایم ہے۔ وہ آپ کی موجودگی سے اور زیادہ مستحکم ہو جائیگا۔ معاہدہ کی پابندی اور دوستی کا نباہنا میرا مقصد وحید ہے۔ آپ بھی جو دوستی ومروت کے دل سے خواہاں ہیں۔ یقینی ہے کہ اسی طرح اتحاد اور یگانگت کو قایم رکھیں گے۔"

پچھلی جنگ میں (جو لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں ہوی تھی) ملک وائناڈ کے کچھ حصہ پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ حد بندی کی رو سے یہ علاقہ سلطنتِ خداداد کی ملکیت میں تھا۔ اور سلطان بار بار سر جان شور کو دوستانہ طور پر اسکی واپسی کیلئے لکھ رہا تھا لارڈ ولزلی نے ان مراسلات کو دیکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ فوراً اس نے ایک کمیشن مقرر کر دیا کہ حد بندی کا تصفیہ کر کے وائناڈ کا علاقہ سلطان کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ ولزلی نے ۱۷ر جون ۱۷۹۸ء کو سلطان کو ایک خط لکھا کہ وہ صلح اور دوستی کا خواہاں ہے۔ اس خط میں وائناڈ کے معاملہ میں کمیشن کے تقرر کی اطلاع دی گئی مگر یہ ایک سخت دہوکا تھا جو دیا گیا۔ کہ سلطان کو دوستی کا یقین آجائے۔ اور اس پر لارڈ ولزلی کے عزم وارادے ظاہر نہ ہوں۔ اس خط کے صرف تین دن بعد لارڈ ولزلی مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے :-

"مرانشس میں فرانسیسیوں نے ہمارے خلاف جو اعلان کیا۔ اس سے آپ واقف

ہوں گے۔ تاہم میں اس کی ایک نقل روانہ کرتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ اعلان ہمارے اور سلطان کے درمیان شدید بحث کا دروازہ کھول دیگا۔ نہیں معلوم کہ اس بحث کا نتیجہ کیا نکلے۔ اور شاید جنگ بھی ہو۔ اس لئے آپ فوجوں کی تیاری کی طرف خیال رکھیں۔ اور سرحد سلطنت خداداد کے مناسب مقامات پر ابھی سے فوج بھیجدی جائے۔"

مدراس کی گورنمنٹ واقف تھی۔ کہ سلطان کی نیت انگریزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی نہیں ہے۔ چنانچہ ۶ر جولائی ۱۷۹۸ء کو مدراس گورنمنٹ کا سکرٹری مسٹر جوسیلووب لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے سفیر کا مراشس کو جانا خواہ کوئی مقصد رکھتا ہو۔ یا یوروپ میں حالات کچھ بھی ہوں۔ یہ مصدقہ اطلاع مل چکی ہے۔ کہ مراشس سے فرانسیسی سپاہی یوروپ چلے گئے ہیں۔ بحری فوج توڑ دی گئی ہے۔ اس لئے قریب میں سلطان اور فرانسیسیوں کا اتحاد ناممکن ہے۔ لہٰذا ہمیں کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے ہم پر یہ الزام آئے کہ پیش قدمی ہماری جانب سے ہوئی ہے۔"

جوسیووب کی تحریر کے علاوہ کرنل ولزلی جو لارڈ ولزلی کا بھائی تھا اس نے بھی ایک خط اپنے بھائی کو لکھا۔ اس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ:۔

"یہ ایک غلط خیال ہے کہ ٹیپو سلطان کے پاس ایک ایسی فوج ہے جو جنگ کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ میں نے جہاں تک تحقیق کی ہے۔ یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے۔

(ماڈرن میسور)

مگر ولزلی پر ان تحریروں کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ وقت کی تلاش میں تھا۔ اس

کی سازشیں جن کا ذکر اگلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ ابھی پوری نہیں ہوئی تھیں۔ ادہر تو لارڈ ولزلی سلطنت خداداد کو فنا کرنے کے لئے دن رات جوڑ توڑ کر رہا تھا اور ادہر سادہ دل سلطان کو ولزلی پر اعتماد و اعتبار تھا۔ چنانچہ ۲۸ ستمبر ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط ولزلی کو پہونچا۔ اس میں تحریر تھا۔

"مفسد لوگ ہمیشہ اس دہن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح دونوں سلطنتوں میں نفاق و عداوت کا بیج بو یا جائے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے مجھے امید ہے کہ دوستی و محبت کا یہ چشمۂ صافی ہرگز آلودہ نہ ہوگا"

سلطان کا یہ خط گو لارڈ ولزلی کو ستمبر میں ملا تھا۔ لیکن اس نے نومبر تک جواب نہیں دیا۔ اس کی ذہنیت کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس نے سلطان کا خط ملنے کے بعد بھی کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھا۔

"مجھے یقین ہے کہ سلطان بغیر فرانس والوں کی مستعد امداد کے کچھ کر نہیں سکتا۔ تاہم میں محسوس کر رہا ہوں کہ بہت جلد ہم کو جنگ کرنے کی ضرورت ہے" (۴ر نومبر ۱۷۹۸ء)

لیکن دوسری طرف اسی تاریخ یعنے ۴ر نومبر کو سلطان کے خط کے جواب میں لکھتا ہے کہ:-

"آپ کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوگی کہ جنگ طرلوں میں فرانس والوں کو سخت شکست ہوئی ہے"

اس خط کے بعد ۱۰ر نومبر کو ایک اور خط لکھا جاتا ہے۔ ولزلی کی تجاویز پوری ہو چکی تھیں۔ اس لئے اب اس کو اور زیادہ اپنے ارادوں کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی اس ۱۰ر نومبر کے خط میں لکھتا ہے:-

"یہ ناممکن ہے کہ آپ یہ خیال کریں کہ مجھے اس خبر کی اطلاع نہیں ہے کہ آپ

کے اور فرانس والوں (جو کمپنی کے دشمن ہیں) کے درمیان کس قسم کی خط وکتابت ہوتی ہے۔ تحقیق حالات کے لئے میجر ڈوٹن کو روانہ کیا جارہا ہے۔ اس کو یہ بھی ہدایت کردی گئی ہے کہ کمپنی کے تحفظ کیلئے سلطان سے جو علاقہ چاہیے۔ اس کا مطالبہ کرے۔"

اس خط میں یہ بھی اشارۃً لکھا گیا تھا کہ سلطنت خداداد کا تمام ساحلی علاقہ انگریزوں کے حوالے کردیا جائے۔

ابھی اس خط کا جواب نہیں دیا گیا تھا کہ لارڈ ولزلی کمپنی کی تمام بحری اور بری فوجوں کو تیاری کا حکم بھیج دیتا ہے۔ اور خود ۳۱ر ڈسمبر ۱۷۹۸ء میں مدراس پہنچ جاتا ہے لارڈ ولزلی کو سلطان کا جواب مدراس میں ملتا ہے۔ جس میں سلطان نے لکھا تھا:۔

"سلطنت خداداد میں ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جو بحری تجارت کرتی ہے۔ اس ملک سے چاول لیکر انکا ایک جہاز ماریشس پہونچا اور واپسی میں ماریشس کے چالیس ۴۰ باشندے ملازمت کے خیال سے اس سلطنت میں آئے۔ ان میں سے دس۔ بارہ ۱۲ کو ملازمت دیدیگئی۔ اور باقی لوگ ہنرور نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہوگئے۔

یہ میرا دلی مقصد ہے کہ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے۔ اس کو پورا اور دوستی واتفاق کو اور زیادہ مستحکم کروں۔ میں اس وقت یا تو محل میں تنہائی کی زندگی بسر کررہا ہوں۔ یا سیر وشکار میرا مشغلہ رہگیا ہے۔ ان حالات میں آپ کا یہ لکھنا کہ اتحادی اپنا تحفظ چاہتے ہیں۔ اور بصورت دیگر جنگ کا اشارہ کرنا مجھے متحیر کررہا ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے یہ امید ہے کہ آپ درمیان میں کوئی ایسی بات آنے نہ دینگے۔ جس سے طرفین کے دل خراب ہوں۔"

یہ خط پہنچنے کے ۹ دن بعد تک ولزلی اس پر غور کرتا رہا۔ جس کے بعد وہ ایک اور خط لکھتا ہے۔ جس میں شرائط پیش کی جاتی ہیں۔ اور سلطان کو جواب کے لئے چوبیس[۲۴] گھنٹوں کی مہلت دی جاتی ہے۔ اسکے بعد لارڈ ولزلی اور ایک خط تحریر کرتا ہوا سلطان کو سلطان ترکی کا وہ فرمان بھی بھیجتا ہے۔ جس میں فرانسیسیوں کے خلاف (ترکوں کی طرف سے) اعلان جہاد تھا۔

مگر سلطان کی حمیت نے ان شرائط کا قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ اور نہ ان خطوط کا کوئی جواب دیا۔

صاحبِ نشان حیدری لکھتے ہیں :۔

"نمک حرام میر صادق، ان خطوط کو سلطان تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا"

بہر طور لارڈ ولزلی نے ۳ تاریخ کو فوج کو میسور پر بڑھنے کا حکم دیدیا۔ سلطان کو جب اس فوج کشی کی خبر ہوئی تو ۱۳ فروری کو میجر ڈوٹن کو بھیجنے کے لئے خط لکھا۔ مگر ولزلی نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

۲۲ فروری کو سلطان کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ مگر اس سے ایک مہینہ پیشتر ہی لارڈ ولزلی نے سلطنت خداداد کی تباہی کیلئے سازشوں کا پورا سامان تیار کر چکا تھا۔ ولزلی اپنے ایک خط میں جنرل ہارس کو لکھتا ہے :۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ سلطان کے امراء و وزراء اور باجگذار سلطان کے خلاف اور ہمارے سایہ میں آنے کے خواہاں ہیں۔ اس موقع پر ہم کو جبکہ خود سلطان کی وجہ سے جنگ اختیار کرنا پڑا ہے۔ تو ہمارے لئے یہ عین انصاف ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو ان سے فائدہ اٹھائیں"

آگے چلکر لکھا جاتا ہے :-

"آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام دینے کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی لفٹنٹ کرنل کلوز، لفٹنٹ کرنل آگینیو، کپتان مالکم اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں"

ان تحریروں سے نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ پروپاگنڈا اور سازشیں کرنے کے لئے کس قدر اہتمام کیا گیا۔ جنگ میں انگریزوں کی کامیابی ہتھیار اور فوجوں کی رہین منت نہیں بلکہ سلطان کے امراء و وزراء کی غداری تھی۔

مورخ باسو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"گذشتہ جنگ میں کارنوالس کی کامیابی بھی اسی سازش اور غداری کی رہین منت تھی۔ اور اس دوسری جنگ میں بھی اس کا کھلا ثبوت اس خط سے ملتا ہے۔ جو گورنر مدراس نے ۲۹ نومبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ولزلی کو لکھا تھا :-

"میں آپ کی توجہ کیلئے ایک تحریر روانہ کر رہا ہوں۔ جسکی صداقت پر مجھے کامل اعتماد ہے۔ یہ تحریر اس شخص کی ہے۔ جو میسور کے سابق حکمران خاندان کا نہایت گہرا دوست تھا۔ اور جسکی اطلاعات گذشتہ جنگ میں نہایت اہم اور صحیح تھے۔ ترمل راؤ کے تعلقات میسور کی عمر رسیدہ رانی سے (جو ٹیپو سلطان کی حراست میں ہے) نہایت دوستانہ ہیں۔ اور جس کی تمام امیدیں جنگ سے وابستہ ہیں۔ اس بدقسمت عورت کے خیالات اور ارادوں سے میں عنقریب آپ کو اطلاع دونگا۔ اور وہ تحریر آپکے غور و فکر کے قابل ہوگی۔ ترمل راؤ کے تعلقات ان لوگوں سے بھی ہیں۔ جو سلطان کے مقرب بارگاہ ہیں"

مدراس کے گورنر نے میسور کی رانی کی جس تحریر کا حوالہ اپنے مذکورہ بالا خط میں دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی خط ہو جو رانی نے اپنے ایجنٹ ترمل راؤ کو لکھا تھا۔ اس خط کا اقتباس کتاب "پردہانس آف میسور" کے صفحہ ۳۵ و ۳۶ سے ذیل میں پایا جاتا ہے :۔

"ہم نے اپنی کھوئی ہوئی حکومت کے حاصل کرنیکے لیے سب سے پہلے ۱۷۶۰ء میں نواب محمد علی والا جاہ کے توسط سے ایک ایلچی کو روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۷۸۲ء میں لارڈ مکارٹنی (مدراس کا گورنر) نے پوری طور پر یقین دلایا کہ ہماری ریاست ہم کو بحال کر دی جائیگی۔ اس کیلئے یہاں سازش کی گئی۔ لیکن عین وقت پر ٹیپو کو اس کا علم ہو گیا۔ اور ہم ناکامیاب رہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کہ لارڈ کارنواس کے زمانہ میں کیا گذری۔ اب سنا جاتا ہے کہ آپ اس ارادہ سے یہاں تشریف لائے ہیں کہ ہماری حکومت ہمیں واپس دلا دی جائے۔ اس کیلئے اگر آپ کوشش کریں تو اخراجات جنگ کے طور پر ایک کروڑ پگوڈے (ایک پگوڈا۔ ساڑھے تین روپئے) آپ کی نذر کئے جائیں گے۔ ترمل راؤ سے آپ کو تفصیلات معلوم ہونگی۔"

اس خط میں رانی نے ترمل راؤ کو لکھا تھا :۔

"گورنر اور انگریزوں سے کہو کہ وہ اگر ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کیلئے فرانس والوں کے اس ملک میں پہونچنے سے پیشتر ضروری ہے کہ سلطان سے بھگت لیا جائے۔"

اس خط کے ساتھ رانی نے اس معاہدہ کی نقل بھی ملفوف کی تھی۔ جو سلطان اور فرانس والوں کے درمیان ہوا تھا۔ (کتاب پردہانس آف میسور صفحہ ۳۵)

نوٹ:۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کی نقل رانی کو کہاں اور کس ذریعہ سے دستیاب ہوئی؟ سوائے پورنیا کے اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا۔ جو اس معاہدہ کی نقل رانی کو دیا ہو۔ (محمودؔ)

کتاب ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۲ پر ایک اور خط دیتا ہے۔ جو میسور کی رانی کی طرف سے لارڈ ولزلی کو فروری میں ملا۔

"ابھی حال میں معلوم ہوا کہ خدا نے آپ کو اعلےٰ مرتبہ بخش کر اس ملک کو بھیجا ہے۔ یہ بھی سنا گیا کہ آپ ارادوں کے نیک اور ہمدرد ہیں۔ اس لئے ہم آپ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں۔ اگلے عہدناموں کے مطابق ہمارا ملک ہم کو لے کر دیا جائے۔"

اس خط کا جواب ۱۶/ اپریل کو سکرٹری جوشیوو ب نے اس طرح دیا:۔

"آپ کا پردھان ترمل راؤ ایک عرصہ سے ہیں۔ آپ کے متعلق اطلاعات پہونچا تا رہا ہے۔ لارڈ صاحب صدق دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی تائید کرتے ہوئے آپ کی ریاست آپ کو واپس لے کر دی جائے گی۔"

بہر طور انگریزی فوجیں جو دو ماہ پیشتر ہی سے سرحد پر موجود تھیں۔ نہایت سرعت کے ساتھ ۲۲/ فروری کو سلطنتِ خداداد کی طرف بڑھیں۔ انکے ساتھ میر عالم کی سرکردگی میں حیدرآباد کی فوجیں بھی تھیں۔ یہ فوجیں خفیہ طور پر بڑھکر (خاص حدود سلطنت کے اندر) رائی کوٹہ پر قابض ہوگئیں۔ اور انگریزی فوج کے جاسوس اور سپاہی مختلف مقامات میں بھیس بدلکر ان غداروں کے مکانوں میں جو اس سازش میں شریک تھے مقیم ہوئے۔ اور یہ قریب قریب تمام مسلمان ہی تھے۔ یہ تو ابھی تک زبان زد خاص و

عام ہے کہ شہر جاپور وغیرہ میں بہت سے ایسے مسلمان تھے۔ جو انگریزوں کو اپنے مکانوں میں چھپائے ہوئے رکھے تھے۔ انگریزی فوج خفیہ طور پر آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر میر صادق اور پورنیا وغیرہ سلطان کو دہوکہ دے رہے تھے۔ کہ انگریزوں کی کیا مجال ہے۔ جو ملک کے اندر قدم رکھ سکیں۔ اگر ایک طرف مدراس کی جانب سے جنرل ہارس کے ماتحت انگریزی فوج بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف ملیبار اور کورگ کے راستہ سے اور ایک انگریزی فوج جنرل اسٹوارٹ کے ماتحت پایۂ تخت پر آ رہی تھی۔ سلطان کو جب اسکی خبر ہوی تو اس کو حیرت ہوی کہ اسکے ۱۳ر فروری کے خط کا جواب دینے کے عوض فوج کشی کی گئی ہے۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

سنکلیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"سداسیر کے مقام پر انگریزی وسلطانی فوجوں کا مقابلہ ہوگیا۔"

لوئیس رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۱۴ پر لکھتا ہے:۔

"۵ر مارچ کی صبح تھی۔ سلطان تین دن کے اندر پریاپٹن پہونچ گیا۔ پریاپٹن کا میدان خیموں اور ڈیروں سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں سبز خیمہ نہایت نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا۔ سداسیر کی پہاڑی سے یہ منظر دیکھ کر کورگ کا راجہ نہایت سرعت کے ساتھ یہ خبر انگریزی لشکر میں پہنچا دیا۔"

انگریزی فوج کو گمان تک نہیں تھا کہ سلطان اس قدر جلد نقل وحرکت کرسکیگا اور خصوصاً کورگ کے جنگلوں میں۔ رئیس لکھتا ہے:۔

"دوسری صبح اس گھنے جنگل میں جب تمام مطلع سخت کہر میں گھرا ہوا تھا۔

سلطان آگے بڑھا۔ اور انگریزی فوج کے ایک حصہ سے اس کا مقابلہ ہوگیا۔ انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔"

راجہ کی اطلاع دہی سے انگریزی فوج کا دوسرا حصہ جو پیچھے آرہا تھا۔ خبردار ہوگیا۔ سلطان اب اس پر متوجہ ہوا۔ چونکہ انگریزی فوج کے بڑے حصہ کو شکست مل چکی تھی۔ سلطان نے میر قمرالدین کو دوسرے حصہ کی سرکوبی پر مامور کرکے آپ مشرقی محاذ میں آکر چن پٹن کے قریب کیامپ کیا۔

اس عرصہ میں حیدرآبادی و انگریزی فوجیں رائے کوٹہ سے نکلکر آنیکل پر قبضہ کرتی ہوئی چن پٹن کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ مگر جب انہیں سلطان کی موجودگی کی اطلاع ملی تو جنرل ہارس اس راستہ کو کاٹ کر خان خانہلی پر جا پہنچا۔ یہ دیکھکر سلطان نے ملولی یعنے گلشن آباد کی سرحد پر جنگ کا سامان کیا۔ یہاں سلطانی فوج نے دل کھول کر داد مردانگی دی۔ قریب تھا کہ انگریزی مورچہ فتح ہو جائے۔ لیکن میر معین الدین اور پورنیا نے سلطانی سپاہ کو انگریزی توپ خانہ کی زد میں لگا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی توپوں نے سب کا ڈھیر کر دیا۔ تب سلطان نے ساری فوج جمع کرکے حملہ کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی سید غفار، نواب حسین علیخاں اور نواب محمد رضا خاں سپہ سالاران افواج سلطانی ایک ایک طرف سے ٹوٹ پڑے۔ عین اس وقت جب پے درپے حملے ہو رہے تھے تو نواب محمد رضا خاں کو گولی لگی۔ اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سلطان نے نواب کی لاش پالکی میں ڈالکر سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔ اور خود دشمن کے مقابلہ پر آیا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ ۱۵ء [illegible]

سلطان کا نیرِ اقبال ڈوب چکا تھا۔ اور اغیار کی چال کامیاب ہوگئی تھی۔ کیا میدانِ جنگ اور کیا دارالسلطنت ہر جگہ غدار امراء انہی کی انگلیوں پر رقصاں تھے۔ میدانِ جنگ میں سلطان کو خبر پہونچی کہ سرنگاپٹم پر حملہ کی تیاری ہورہی ہے۔ میر قمر الدین نے غداری کرکے انگریزی فوج کا کورگ میں مقابلہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے پایۂ تخت تک پہونچ گیا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"میر قمر الدین انگریزی فوج کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا کہ گویا وہ بھی بار برداروں میں شامل ہے"

اس غیر متوقع خبر کے ساتھ ہی سلطان دارالسلطنت کو مراجعت فرما ہوا۔ سلطان کے پلٹتے ہی انگریزی فوج بغیر کسی مدافعت کے سرنگاپٹم پر بڑھی۔ اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج سے مل گئی۔ اور ان مورچوں پر قبضہ ہوگیا۔ جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں تعمیر کئے تھے۔ یہاں بھی سازش کی وجہ سے مدافعت بالکل نہیں ہوئی۔ انگریزی فوج کا وہ حصہ جو جنرل ہارس کے ماتحت تھا ہیلی کے پاس دریا عبور کرکے قلعہ کے عین مقابل جنوب مغرب میں ایک گنجان[1] باغ

---

[1] مصنف کتاب نے اس مقام کو دیکھا ہے۔ یہاں کے باغات اب بھی اسی طرح گنجان ہیں۔ یہاں چھپی ہوئی فوج فصیل سے نظر نہیں آتی۔ اس باغ سے فصیل قلعہ تک درمیان میں صرف دریائے کاویری اور خندق ہے۔ دریا کی چوڑائی اس جگہ بالکل کم رہ گئی ہے۔ درمیان میں مختلف مقامات پر ایسی پتھریلی زمین ہے۔ جو بالکل خشک رہتی ہے۔ اس لئے بجز اس موسم کے جبکہ دریا میں طغیانی آئی ہو۔ اس مقام کو آسانی کے ساتھ عبور کیا جا سکتا ہے۔ اور فصیل قلعہ بھی یہاں کچھ ایسی اونچی نہیں۔ (م۔ ر)

کے اندر جو فصیل قلعہ اور دریا سے بالکل نزدیک تھا۔ مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔

جنرل میڈوز اپنی کتاب ٹیپو سلطان میں لکھتا ہے :-

" انگریزی فوجوں کو ہندوستانی کے مخفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل میں ٹھہرائے ہوئے قلعہ کے اس سبب کمزور پہلو کو بتلانیوالا میر قاسم علی بن پٹیل سید نورالدین تھا "

غرض جب انگریزی فوجوں نے سرنگاپٹم کے اطراف میں اچھی طرح ضروری اور مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی تو اس وقت ٹیپو سلطان نے اپنے افسروں اور معتمدوں کے طرزِ عمل سے معلوم کر لیا کہ

" تیر ترکش کہ ترا بود ہمہ گشتہ شد نماچہ خود ترکشش "

میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان نے موسیو سیپو اور دوسرے افسران فرانسیس کو بلا کر ان پر ظاہر کیا کہ :-

" حالتِ موجودہ کو تم دیکھ رہے ہو۔ جس پر کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں کو میں اپنا معتمد اور یار غار جانتا تھا۔ ان کی مکاری اور دغا بازی کو حیرت سے دیکھ رہا ہوں۔ اور غنیم کا زور روز بروز ساعت بساعت ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے اب کیا کرنا چاہیے "

فرانسیسی سرداروں نے جواب دیا :-

" ہم نے حضرت کا نمک کھایا ہے۔ اور حضرت نے ہمیشہ ہم پر بھروسہ کیا ہے ہم حضرت کے پسینے پر اپنا خون گرانے کیلئے تیار ہیں۔ اب صلاح وقت یہ ہے کہ حضرت جواہرات کی پیٹیاں اور اشرفیاں اور تو شکخانہ کا قیمتی سامان لیکر مع خواتین حرم سرا کے

آدھی رات کے بعد خاموشی کے ساتھ قلعۂ معلّے سے باہر تشریف لے جائیں۔ باہر نکلکر دس ہزار سوار جرار اور پانچہزار فوج باقاعدہ پیادہ کا زبردست بدرقہ معہ بیس ضرب توپ کے ساتھ لیں۔ اور بہ سبیل یلغار صوبہ سرا و قلعۂ چیلدرگ پہنچ جائیں اور نہایت معتمد افسروں اور جاں نثاروں کو مختلف کاموں پر مامور فرمادیں۔ اور یہ قلعہ فدوی اور موسیو لالی سپہ سالار کے تفویض کر جائیں۔ جبتک ہم میں سے ایک بھی باقی رہیگا۔ حضرت کے اوائے نمک میں قصور نہ ہوگا۔ اور اگر یہ بات منظور خاطر نہ ہو تو حضرت ہم سب فرانسیسوں کو پکڑ کر انگریزوں کے سپرد کردیں۔ وہ ہمارے نکلجانیسے حضرت کے ساتھ مصالحت کی گفتگو کرنے لگیں گے۔ کیونکہ ان کو زیادہ تر ہمارے ہی ساتھ کینہ و پرخاش ہے "

ٹیپو سلطان نے موسیو سیپو سردار فرانسیس کا یہ جواب سن کر قوم فرانسیس کی نمکحلالی، وفاداری اور بہادری کی تعریف کی اور جواب دیا:۔

" دوستو! تم غریب الوطن میری طلب پر آگئے ہو۔ اور تم نے کبھی میری رفاقت اور وفاداری میں قصور نہیں کیا۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ تم جیسے شریف، بہادر، نمک حلال اور وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالے کردوں؟ اگر میری تمام سلطنت تلف اور تاراج ہوجائیگی تو میں اس پر راضی ہوں۔ لیکن تم کو ہرگز دشمنوں کے حوالے نہیں کرسکتا۔"

پھر سلطان نے اپنے نمک حرام دیوان میر صادق اور پورنیا سے اس مشورہ کا ذکر کرکے انکی رائے دریافت کی۔ دغا بازوں نے سخن سازی کی تمہید بیان کرکے نہایت ہمدردانہ اور خیر خواہانہ لہجہ میں عرض کیا کہ:۔

"جہاں پناہ! اس قوم نے کس کے ساتھ وفا کی ہے۔ جو آپ کے ساتھ کریگی۔
فرانسیسی اور انگریز دونوں ایک ہیں۔

"سگِ زرد برادرِ شغال"

حضرت! یقین فرمالیں کہ جیسے ہی حضرت نے قلعہ ان کے سپرد کیا۔ یہ انگریزوں
کے تفویض کردیں گے۔" (نشانِ حیدری)

سلطان نے چاہا کہ انگریزوں سے صلح کرلے۔ مگر وہاں سے ایسی ذلیل شرائط آئیں کہ بجز جنگ کے چارہ ہی نہ رہا۔ اور ان میں فرانسیسوں کی برطرفی۔ ساحل بحر کے تمام علاقہ کی حوالگی اور خراجگذاری کا مسئلہ بھی تھا۔ مگر غیور دل سلطان نے اپنے وفادار فرانسیسیوں کو حوالے کرنا۔ اور خود دوسروں کا مطیع ہوکر رہنا گوارا نہیں کیا۔ لہٰذا سلطان نے ان شرائط کو قبول نہیں کیا۔ اور خود انگریز معترف ہیں کہ سلطان کو شرائط ماننے کیلئے صرف چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی گئی۔ و نیز جنرل ہارس کو خفیہ ہدایات بھی تھیں کہ سرنگاپٹم فتح ہونے تک صلح کے متعلق کسی طرح کی کوئی گفت و شنید نہ کی جائے۔ لہٰذا انگریزی توپ خانہ سے قلعہ پر برابر گولہ باری ہوتی رہی۔ اور اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ قلعہ سے جو گولے انگریزی فوج پر آرہے تھے۔

" ان میں سن اور مٹی بھری ہوی تھی"۔ (نشانِ حیدری)

پھر سلطان نے چاہا کہ تمام جواہرات وخزانہ اور توشکخانہ کا اعلےٰ سامان مع زنانہ قلعۂ چیتلدرگ کو روانہ کردیا جائے۔ اور وہ سامان حسب الحکم صندوقوں میں رکھا گیا۔ تاکہ ہاتھیوں اور اونٹوں پر بار کیا جائے۔ اور زنانہ سواریوں کیلئے تیز رفتار بیلوں اور کہاروں کا انتظام ہوگیا۔ اور اس کے متعلق دوسرے انتظامات بھی کیے گئے۔

اور ہمراہی کیلئے نہایت معتمد و جاں نثار افسر تجویز کئے گئے۔ اس انتظام سے فارغ ہوکر سلطان نے اپنے امرائے خاص کو یاد کرکے اس تجویز کو ظاہر کیا۔ یہ سنکر دوسرے امراء نے خاموشی اختیار کی۔ لیکن بدرالزماں خاں نائطہ نے عرض کیا کہ:-

"قبلۂ عالم! جیسے ہی حضرت کا مع خواتین و خزانہ و شہزادگان کے قلعہ چھوڑ کر باہر تشریف لیجانا معلوم ہوگا۔ سب جاں نثاروں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور شیرازہ جمعیت قایم نہ رہیگا۔ پس اس وقت یہ عمل ہرگز شایان شان شاہانہ نہیں ہوسکتا" (نشان حیدری)

(نوٹ:- ان غدار امراء و وزراء کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر سلطان قلعہ سے باہر نکل گیا تو پھر انکی سازش کامیاب نہ ہوسکیگی -)

ٹیپو سلطان نے بدرالزماں خان کا یہ جواب سنکر ایک حیرت زدہ نگاہ ان امراء کی شرم آگین صورتوں پر ڈالی۔ اور بدرالزماں خاں کے چہرے کو متعجبانہ طور سے دیکھکر ایک نہایت گہری اور ٹھنڈی سانس بھری۔ اور آسمان کی طرف دیکھکر یہ الفاظ زباں سے نکالے:

"رضائے مولیٰ برہمہ اولے"

اور خدائے قادر کی رضا پر راضی ہوکر عزم فسخ کردیا۔ لیکن وہ تمام صندوق اور گٹھریاں ویسی ہی بندھی بندھائی توشک خانہ میں رکھوا دی گئیں۔ (نشان حیدری)

سلطان حیران تھا۔ کہ میرے سردار جابجا متعین ہیں۔ مگر ان سے کچھ نہیں ہوسکتا یہ بغیر سازش کے ممکن نہیں۔ ان حالات کا یقین کرکے اس نے حرم سرا کی چاروں طرف ایک خندق کھدوا کر بارود بچھوا دی۔ کہ اگر انگریز اندر آجائیں تو حفظ ناموس کیلئے حرم سرا

کو اٹھا دیا جائے۔ سرداروں کو مع فوج سوار و پیادہ اور توپ خانہ کے ضروری مقاموں پر متعین کیا۔ اور ایک دستۂ فوج انگریزوں کا سامان رسد روکنے کیلئے روانہ کیا۔ لیکن یہاں تو سب ملی بھگت کے سردار تھے۔ سلطان کے کسی حکم کی صحیح تعمیل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہاں تک غداری ہوئی کہ کرنل بٹسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"۳۰ اپریل اور ۲ مئی کی شب میں لفٹنٹ ہل اور لفٹنٹ لارنس خندق پار ہو کر قلعہ میں ہو آئے تھے"

تسخیر سرنگاپٹم اور سلطان کی شہادت

مئی ۴ تاریخ کی صبح میں دس بجے نجومیوں نے آکر عرض کیا کہ آج کا دن حضور کیلئے نہایت منحوس ہے کچھ صدقہ دینا ضرور ہے۔ چنانچہ سلطان نے غسل فرما کر ایک ہاتھی کالے مخمل کی جھول سمیت جس کی جھالریں کئی سیر موتی اور جواہرات کے ہوئے تھے۔ فقراء اور درویشوں کو مرحمت فرمایا۔ اور اس جگہ آیا جہاں قلعہ کی شمالی فصیل ٹوٹی ہوئی تھی۔ فصیل کے معائنہ کے بعد دوپہر میں سلطان نے اسی جگہ جہاں سایہ دار آم کے درخت ہیں۔ بیٹھکر خاصہ طلب فرمایا۔ ابھی ایک لقمہ تناول فرمایا تھا۔ اور دوسرا لقمہ اٹھایا چاہتا تھا۔ کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑتے آئے۔ کہ سید غفار وفادار نے اپنی جان کو شہ پر نثار کیا سلطان نے اس لقمہ کو ویسا ہی چھوڑ کر دسترخوان سے ہاتھ اٹھا یا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اس وقت سلطان نے ان امراء وزراء پر جو وہاں حاضر تھے نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ :۔

"اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل ہو کر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک ایک گٹھی

کو ترسیگی"

یہ کہکر سلطان نے تلوار پرتلے میں ڈالی۔ اور اپنی دونالی بندوق ہاتھ میں لی۔ اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اسوقت سلطان نیم رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا۔

جس وقت سید غفار کو گولہ لگا، دوپہر کا وقت تھا۔ مگر سپاہ برابر مستعدی کے ساتھ اپنے کام پر لگی ہوئی تھی۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہورہی ہے۔ سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جائیں۔ اور در پردہ سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریزی سپاہ کو چڑھ آنے کیلئے اشارہ کیا جائے۔ حسب الحکم سپاہی اپنی تنخواہ لینے کیلئے مسجد اعلےٰ کے پاس چلے گئے۔ اور ادھر انگریزی فوج کو سفید نشان اڑاکر (جس کا پہلے ہی سے سمجھوتہ تھا) خبر دیدی گئی کہ میدان خالی ہے۔ آجائیں۔ چنانچہ تمام انگریزی فوج نہایت آسانی کے ساتھ (ماہ مئی اور گرمی کے دن ہونیسے دریا پایاب تھا) فصیل پر چڑھکر قلعہ میں داخل ہوگئی۔ جنرل میڈوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی سب تیاریاں مکمل ہوچکیں تو جنرل بیرڈ انگریزی فوجوں کو خندقوں سے بیکر نکلا۔ اور دریا پار ہوکر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے اول تھا، وہ جنرل بیرڈ تھا۔ مگر اس کی راہنمائی کے لئے ایک اور شخص اس سے آگے تھا۔ اور وہ "میر قاسم علی" تھا۔ جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا۔"

سلطان ڈڈی دروازے سے باہر نکلکر اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ علم تیری کیطرف بڑھا۔ یہ خبر اسکے نمکحرام وزراء نے فوراً انگریزی فوج میں پہنچادی (اس واقعہ کی طرف دریا دولت کی ایک تصویر میں صاف طور پر اشارہ ہے کہ سلطان کے سامنے میر صادق

کھڑا ہوا آداب بجا لا رہا ہے۔ اور پیچھے مڑ کر انگریزی فوج کو اشارہ بھی دے رہا ہے)۔
سلطان علم نیری کی طرف بڑھا۔ دہلی دروازے کے قریب اس کا اس انگریزی فوج کے ساتھ مقابلہ ہو گیا۔ جو قلعہ کی اس فصیل پر آ رہی تھی۔ سلطان اور اسکے باڈی گارڈ نے انگریزی فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ یہاں نہ صرف بندوقوں سے لڑائی ہو رہی تھی۔ بلکہ تلواریں بھی استعمال ہو رہی تھیں (اگر جنوبی فصیل پر سے پورنیا فوج کو نہ ہٹا لیتا تو جنوبی فصیل پر بھی انگریزی فوج کو روک دیا جاتا) قریباً تین گھنٹے تک سلطان انگریزی فوج کو بڑھنے سے باز رکھا۔ لیکن اب وہ انگریزی فوج جو پورنیا و میر معین الدین کی غداری سے جنوبی فصیل اور مشرقی دروازے پر قابض ہو چکی تھی۔ شہر کی اندرونی فصیل پر قابض ہو کر جنوب طرف سے گولیاں چلانے لگی۔ جس سے مجبور ہو کر سلطان پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جب ڈڈی دروازے پر پہنچا تو اس کو بند پایا۔ (کیونکہ سلطان کے نکلتے ہی نمک حرام میر صادق نے اس کو بند کر دیا تھا) سلطان اور آگے بڑھا۔ انگریزی فوج اندرونی فصیل پر سے برابر گولیاں برساتی رہی۔ لیکن سلطان قدم قدم پر مدافعت کرتے ہوئے ہٹ رہا تھا۔ اور عین اسوقت جب وہ شہر کے بڑے دروازہ کے قریب پہونچا تو اس وقت پشت یعنے جنوب مشرق سے بھی آنیوالی انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے سلطان معہ اپنے جاں نثاروں کے تین طرف سے محصور ہو گیا۔

اس موقع پر سلطان کے ایک افسر نے کہا کہ حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کر دیں۔ سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا:۔

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایکدن کی زندگی اچھی ہے"۔

اتنی مختصر سی جگہ پر جو دروازے کے سامنے تھی لڑائی ہونے لگی۔ جوانمردوں نے دل کھولکر داد شجاعت دی۔ خوب گھمسان کی جنگ ہوئی ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھوڑے کو لگی۔ جس سے وہ وہیں گر گیا۔ لہذا سلطان پیادہ ہو گئے تھا۔ اس موقع پر اس بلا کی خون ریزی ہوئی کہ چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ سلطانی جان نثار اخیر دم تک نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے شیر دل آقا پر نثار ہونے لگے۔ غداروں سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ سلطان بذات خود اس لڑائی میں شریک ہے۔ تمام انگریزی فوج کی پوری طاقت اس جگہ مصروف کارزار تھی۔ اس دست بدست لڑائی میں جس میں سلطان داد شجاعت دے رہا تھا سلطان کے دل کے قریب ایک گولی لگی۔ جس سے وہ زخمی ہو کر گر گیا۔ گویا دوپہر کے ڈیڑھ بجے سے شام کے ۵ بجے تک دست بدست جنگ کے بعد سلطان اور اس کے جاں نثار شہید ہوئے۔ زخمیوں اور مارے جانیوالوں کی تعداد اس قدر تھی کہ یہ معلوم بھی نہ ہو سکا کہ سلطان کس جگہ ہے۔ اور اس پر کیا گذری بارہ ہزار جاں نثار ابھی اس شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس شہید ملت سلطان کی روح کب اپنے قفس عنصری سے جدا ہو کر اعلےٰ علیین میں پہونچی۔ مگر قرین قیاس ہے کہ وقت مغرب کا تھا سلطان کی عمر اس وقت سنہ ہجری کے حساب سے پچاس سال اور عیسوی سنہ کے حساب سے ۴۸ سال کے قریب تھی۔

(نوٹ:۔ انگریزی حساب سے اس جنگ میں کل پانچہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن کتاب الاعراس میں ۱۲ ہزار کی تعداد بتلائی گئی ہے۔ کتاب الاعراس کے مضمون کی نقل کسی اور جگہ دی گئی ہے۔)

یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ ان جاں نثاران وطن میں جو سلطان کے ساتھ شہید ہوئے

آں دگر مرگ انتہائے راہ شوق آخریں تکبیر در جنگاہ شوق



ٹیپو سلطانؒ کا آخری مقابلہ

تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔

کانسٹنس پارسنس اپنی کتاب سرنگاپٹم کے صفحہ ۸۶ میں لکھتی ہے:

"ٹیپو سلطان کی لاش کے نزدیک بے شمار عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں جن کے لباس، وضع اور قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ غالباً حرم سلطانی ہیں"۔

انیسن جان کنگ جو لاشوں کے اٹھانے پر مامور تھا۔ لکھتا ہے:-

"عورتوں کی ان لاشوں میں ایک خوبصورت برہمن لڑکی کی بھی لاش ملی"۔

کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے:-

"معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں شامل کیا تھا"

ایک اور انگریز افسر لکھتا ہے:-

"لاشوں میں کئی ایک عورتوں کی بھی لاشیں تھیں۔ جن کے قیمتی کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ حرم سلطانی سے تعلق رکھتی ہیں"۔ (سرنگاپٹم از پارسنس صفحہ ۸۶)

مقامی روایت ہے کہ:-

"حرم سلطانی کے پردہ نشینان عفاف اس آخری وقت میں آبروئے وطن و ملت کی خاطر اپنی جان دینے کیلئے آمادہ ہو کر میدان جنگ میں آگئی تھیں"۔

جنرل ہارس کے حکم سے سلطان کی لاش پالکی میں ڈالکر محل میں بھیجدی گئی۔ اور محل پر انگریزی فوج کا پہرہ ڈالدیا گیا۔

قلعہ پر حملہ کے متعلق سازش

یوں تو قلعہ کی مدافعت کیلئے ہر جگہ سپاہ متعین اور ان کی کمان مختلف سپہ داروں کے

ہاتھ میں تھی. مگر قلعہ کے دو پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جہاں سے انگریزی فوج کا حملہ ممکن تھا. ایک پہلو تو وہ ہے جو شمالی فصیل قلعہ پر محل کے بالکل قریب تھا. اور یہاں سلطان بذات خود نگرانی کرتا تھا. بظاہر انگریزی فوج کی زیادہ تر گولہ باری اسی پہلو پر ہوی (جس کے نشان دیوار قلعہ پر اب بھی نظر آتے ہیں) کہ سلطان کی توجہ دوسری طرف منتقل نہ ہو۔ قلعہ کا دوسرا اہم پہلو علم بتیری ہے. جو قلعہ کا جنوب مغربی گوشہ ہے. اور اس کے عین مقابل انگریزی فوج باغ میں پڑی ہوی تھی. یہ لکھا جا چکا ہے کہ انگریزی فوج اس پہلو سے چڑھکر آئی. اور یہیں شگاف پڑا ہوا تھا. شگاف کی جو حقیقت ہے وہ ہم ظاہر کر چکے ہیں. اور اب واضح طور پر دکھایا جاتا ہے. کہ قلعہ پر انگریزی فوج کا حملہ کیوں اسی پہلو سے ہوا. یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا. کرنل میڈوز لکھتا ہے کہ:-

"یہ پہلو کمزور تھا. میر قاسم علی اسی لئے انگریزی فوج کو اس کے مقابل لاکر ٹھہرایا"

حقیقت میں یہ پہلو کمزور تھا یا نہیں۔ اس کی صحت و عدم صحت اس وقت نا ممکن ہے، مگر واقعات بتلا رہے ہیں کہ انگریزی فوج نے قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے مخصوص طور پر اس جگہ کا انتخاب اپنی جانب سے نہیں کیا تھا. بلکہ سلطان کے غدار امراء و وزراء نے کیا تھا. اس کا ثبوت کرنل ولکس کی مندرجہ ذیل تحریر سے ملتا ہے:-

"قلعہ کی مدافعت کے لئے جن مختلف ناکوں پر سلطانی سپاہ متعین تھی. اس میں قلعہ کے اس جنوب مغربی پہلو پر میر معین الدین متعین تھا. اور سپہ دار سید غفار میر معین الدین کے ماتحت تھا"

میر معین الدین کی غداری محتاج ثبوت نہیں۔ انگریزی فوج جس وقت قلعہ پر چڑھکر آئی تو خندق جس حالت میں تھی۔ اسکے متعلق میجر ڈسن لکھتا ہے :۔

" خاص اس جگہ جہاں فصیل قلعہ میں شگاف پڑا ہوا تھا۔ خندق میں پانی صرف گھٹنوں برابر تھا۔ گو دوسری جگہ گہرائی زیادہ تھی "

اس سے پایا جاتا ہے کہ میر معین الدین نے عمداً خندق کو خالی رکھا۔ یا کوئی ایسی ترکیب کی گئی کہ اس جگہ زیادہ پانی بھرنے نہ پائے۔

سید غفار کے ہوتے ہوئے انگریزی فوج کا قلعہ پر چڑھ آنا ممکن نہیں تھا۔ سید غفار کو پہلے یہاں سے ہٹا دیا گیا۔ کہ جاکر سلطان کو اطلاع دے آئے۔ کہ شاید حملہ آج ہی ہو۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کو اطلاع دیدی گئی۔ کہ تیار ہو جائے۔ سید غفار جب فصیل قلعہ پر واپس آئے۔ تو انہیں نشانہ بنایا گیا اور وہ توپ کے ایک گولہ سے شہید ہو گئے۔ اور دراصل یہی اطلاع تھی۔ جو انکی غیر حاضری میں انگریزی فوج کو دی گئی۔ کہ انہیں نشانہ بنالیا جائے۔

(نوٹ :۔ عام طور پر مقامی روایت جو میسور، سرنگاپٹم اور بنگلور وغیرہ میں مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب سید غفار سلطان کو انگریزی حملے کی خبر دے کر واپس آئے تو انگریزی فوج کو بتلانے کے لئے ان پر سبز چھتری پکڑی گئی۔ کہ یہی سید غفار ہیں۔)

سید غفار کے شہید ہوتے ہی فوج کو وہاں سے ہٹا لیا گیا۔ کہ انگریزی فوج کے آنے کیلئے راستہ صاف رہے۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ فوج آکر اپنی تنخواہ لیجائے۔ دراصل یہ دونوں غدار پورنیا اور میر معین الدین اس کا بندوبست کر رکھے تھے۔ فوج کے سپاہی تنخواہ

لینے چلا گئے۔ میدان خالی تھا۔ جھنڈیوں کے ذریعہ میر معین الدین نے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی۔ کہ آجائے۔

اگر اس طرح غداری نہ ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ عین دن کے وقت انگریزی فوج اس قدر کم تعداد سے قلعہ پر حملہ کرے۔ جب یہ معلوم تھا کہ قلعہ میں سلطان کی بے شمار فوج موجود ہے۔

انگریزی فوج کے حملے کے متعلق میجر بٹسن لکھتا ہے :۔

"ڈیڑھ بجے جنرل بیرڈ حملہ کرنے کیلئے نکلا حملہ آور پارٹی دو کالموں میں منقسم تھی۔ ہر ایک کالم میں ایک افسر اور بارہ سپاہی تھے۔ اور انکے پیچھے اور ایک کالم تھا۔ فوج کا ایک بڑا حصہ پیچھے تیار رکھا گیا۔ کہ فصیل پر قبضہ ہو جانے کے بعد بڑھے"

سلطانی سپاہ یہاں سے ہٹ چکی تھی۔ انگریز اسی لئے اس قدر کم فوج سے اتنی جرأت کے ساتھ بڑھ آئے۔ اگر میر معین الدین نمک حرام نہ ہوتا تو سب سے پہلے حملہ آور انگریزی فوج کا نشانہ وہی بنتا۔ مگر اسکے خلاف وہ اس جگہ کی فوج کو ہٹا کر آپ خود بھی وہاں سے چلا گیا۔

میجر بٹسن لکھتا ہے :۔

"قلعہ کی جنوبی فصیل شگاف سے تین سو گز دوری پر ہم کو تین آدمی نظر آئے۔ جو بظاہر مر گئے تھے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان میں ایک سید صاحب (میر معین الدین) ہے۔ دوسرے دو آدمی اس پر گرے ہوئے تھے۔ جب اس کو اٹھایا گیا تو اس کو تھوڑے وقت بعد ہوش آیا۔ اور اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لیے"

(نوٹ :۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اتفاقاً کوئی چوٹ لگ گئی تھی)۔

سلطان کو انگریزی فوج کے چڑھ آنے کی اطلاع عین اسی وقت نہیں دیگئی جب سید غفار شہید ہوئے۔ بلکہ انگریزی فوج کے داخل ہو چکنے کے کافی عرصہ بعد اطلاع دی گئی۔ جس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے۔ کہ میجر بٹسن نے میر معین الدین کو دیکھکر جب اس سے دریافت کیا کہ سلطان کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ :-

"محل میں ہے"

میجر بٹسن اور آلن کے بیان سے معلوم ہوگا کہ تمام انگریزی فوج قلعہ میں آجانے کے بعد سب سے اخیر میں یہ دو افسر آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اطلاع اسوقت دی گئی۔ جب غداروں کی تمام کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔

غرض یہ وہ سازش تھی جس کے سبب انگریزی فوج کا قلعہ پر قبضہ ہوگیا۔ سلطان کی شہادت چونکہ مغرب کے وقت ہوئی۔ اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ سلطان کو ڈیڑھ بجے کے وقت اطلاع دی گئی تھی۔

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ میر قمرالدین سپہ سالار افواج سلطانی تھا۔ اس کو سلطان نے کورگ میں فوج دیکر اس لئے روانہ کیا تھا کہ انگریزی نوج کو پیش قدمی سے روکے۔ مگر انگریزی فوج بغیر مزاحمت بڑھتی آئی۔ یہاں تک کہ اس نے آکر قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ کسی تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ میر قمرالدین نے جو قلعہ سے باہر فوج لئے ہوئے تھا کیا کارروائی کی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کہیں اِدھر اُدھر جاکر بیٹھ رہا۔ جب فوج اس کے پاس تھی تو اسے چاہئے تھا کہ وہ مدافعت کرتا کہ انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ نہ کرنے پائے۔ یا اگر محاصرہ ہو چکا تھا تو اس کیلئے نہایت آسان تھا کہ پشت پر سے انگریزوں پر حملہ آور ہوتا اسکی غداری کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ وہ انگریزی فوج کے قریب ہی کہیں پڑا تھا۔ کیونکہ

سلطان کی شہادت کے بعد ہی وہ قلعہ میں آ گیا۔

رئیس لکھتا ہے :۔

"قلعہ میں دوسرے دن جن افسروں نے ہتھیار رکھے۔ یا۔ انمیں میر قمر الدین بھی تھا"۔

میر صادق کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس غدار نے کیا کارروائی کی۔

قلعہ پر حملہ اور سلطان کی شہادت کے متعلق مختلف بیانات

کرنل بٹسن جو اس جنگ میں شریک تھا اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

" محاصرہ کے آخری چودہ دن سلطان نے کلائی ڈوڈی کے پاس بسر کئے۔ یہ ڈوڈی قلعہ کی اندرونی فصیل میں محل کی شمال مغرب میں) ہے۔ اور یہ پانی لانے کیلئے استعمال کی جاتی تھی۔ اس ڈوڈی کے قریب سلطان ایک چھوٹی پتھر کی بنی ہوئی چولتری میں رہتا تھا۔ جو دروازہ میں تھی۔ اس چولتری کے قریب چار چھوٹے خیمے ملازمین کے لئے تھے۔

مئی کی ۴ تاریخ کی صبح کو مسلمان اور برہمن نجومیوں نے سلطان سے آکر کہا کہ آج کا دن ذاتِ سلطانی کیلئے نامبارک ہے۔ دس بجے کے قریب سلطان نے چن پٹن کے سنیاسی کو ایک ہاتھی۔ ایک تھیلا تِل اور دو سو روپئے دئے۔ اور دوسرے برہمنوں کو ایک ایک سیاہ بیل ایک ایک گاؤ میش۔ ایک ایک بکری، کپڑے تیل۔ اور نوّد نود روپئے دئے۔ اسکے بعد وہ محل میں گیا۔ مگر زنانہ میں داخل نہیں ہوا۔ یہاں سلطان کو معلوم ہوا کہ آج کی شب قلعہ پر چڑھائی ہو گی لیکن

سیّد غفار سپہ دار نے آکر اطلاع دی کہ حملہ دن میں ہوگا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ دن کے وقت حملہ نہ ہوگا۔

قریب ایک بجے کے سلطان کلالی ڈڈی پر پہونچا۔ اور یہاں کھانے پر بیٹھا ابھی کھانا ختم نہیں ہوا تھا۔ کہ یکدم شور ہونے لگا۔ سلطان فوراً ہاتھ دھوکر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہتھیار باندھے۔ عین اسی وقت معلوم ہوا کہ سید غفار سپہ دار شہید ہوگئے سلطان نے کہا:۔

"مجاہد موت سے نہیں ڈرتے۔ سیّد غفار کبھی موت سے نہیں ڈرا"

سیّد قاسم کو حکم بھیجا کہ سید غفار شہید کی جگہ متعین رہے۔

یہاں سے سلطان قلعہ کی فصیل پر چڑھکر اس جگہ گیا۔ جہاں حملہ ہوا تھا۔ (مورخ حملات حیدری اور نشانِ حیدری لکھتے ہیں :۔ سلطان نے طاؤس نامی گھوڑے کو طلب کیا اور اس پر سوار ہوکر نکلا۔ محمود) جب سلطان قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ انگریزی فوج قلعہ پر آچکی ہے۔ اور سامنے راستہ نہیں۔ یہاں سلطان اپنی بندوق سے انگریزی سپاہ پر فائر کرنا شروع کیا۔ جس سے چار پانچ انگریز نشانۂ اجل ہوئے۔ جب ہجوم زیادہ ہونے لگا۔ تو سلطان واپس لوٹا۔ چاپنی کے دروازہ پر پہنچکر سلطان نے چاہا کہ اندر چلا جائے۔ مگر ہجوم اس قدر تھا کہ راستہ نہ ملا۔ یہاں سلطان کو ایک گولی سیدھے بازو میں لگی۔ سلطان تین چار قدم اور آگے بڑھا۔ کہ ایک اور گولی وہیں سیدھے بازو میں لگی۔ گھوڑی زخمی ہوکر بیٹھ گئی۔ یہاں سلطان نے راجہ خاں سے کہا کہ وہ زخمی ہوگیا ہے۔ راجہ خاں نے کہا حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کردیں۔ سلطان نے کہا:۔

"کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ خاموش رہو۔"

راجہ خان نے سلطان کو گھوڑے پر سے اتارا۔ اور اتارتے وقت وزن سہہ نہ سکا سلطان اور وہ دونوں ملکر گرے۔ سلطان کو فوراً ملازمین نے اٹھا کر پالکی میں لٹا دیا۔ اور پالکی دروازے میں رکھدی گئی۔ سلطان پالکی ہی میں تھا۔ کہ ایک انگریز سپاہی کا گذر ادہر سے ہوا۔ جس نے سلطان کی پیٹی اور شمشیر لینی چاہی۔ جب اس نے ہاتھ دراز کیا تو سلطان نے تلوار سے اسکے پاؤں پر ضرب لگائی۔ جس پر اس نے اپنی بھری ہوئی بندوق سلطان پر خالی کر دی جس سے سلطان شہید ہو گیا۔

راجہ خان کہتا ہے کہ وہ تمام دوپہر سلطان کے ساتھ رہا۔ سلطان کو تمام وقت حرم سرا کی فکر رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ناموس حرم بچانے کے لئے محل میں پہونچکر اس کو اڑا دینے کا خیال تھا۔"

اس کے برخلاف دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں :-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ اور اس کو گولیاں لگیں۔"

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے :-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ آخر وقت تک داد شجاعت دی۔ ایسے وقت میں اس کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ اور وہ پانی مانگ رہا تھا۔ سلطان کہہ رہا تھا۔ "خدا کیلئے پانی کا ایک قطرہ دو۔" سلطان کو تین گولیاں لگیں اور وہ تشنہ لب ہی شہید ہو گیا۔"

قلعہ پر حملہ اور سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن کا بیان (بنتسن کی تاریخ سے) :-

"قلعہ پر حملہ کرنے والی فوج کا افسر جنرل بیرڈ تھا۔ اور یہ وہی افسر تھا۔ جو سرنگاپٹم میں تین برس تک مقید تھا۔ وہ میسور کی دوسری جنگ میں کرنل بیلی کی شکست کے معرکہ میں گرفتار ہوا تھا۔ اور جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے خندق سے نکلکر تلوار میان سے کھینچی اور بآواز بلند کہا کہ :-

"اے مردانِ دلاور میرے پیچھے چلے آؤ۔ اور آج انگریزی سپاہیوں کی آبرو رکھ لو"

جنرل بیرڈ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ترتیب یہ تھی کہ شگاف پر چڑھنے کے بعد ایک حصہ جنوبی دیوار پر قابض ہوکر بنگلوری دروازے تک قبضہ کرلے اور دوسرا حصہ شمالی فصیل پر قابض ہوکر اسی دروازے پر آکر ملجائے۔ دریا پایاب تھا اور خندق میں خاص اس جگہ گھٹنوں برابر پانی تھا۔ فوج کے یہ دو حصے لفٹنٹ لارنس کے زیر کمان دیئے گئے۔ (ہم یہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ دونوں افسر نمکحرام وزراء کی سازش سے ۳۰ر اپریل اور ۲ر مئی کو قلعہ میں ہو آئے تھے)

خندقوں سے نکلکر شگاف قلعہ تک پہونچنے تک چھ لحظے امید وبیم میں گزرے۔ اب انگریزی فوج نے شگاف پر چڑھکر اپنا جھنڈا بلند کردیا۔ اور چند منٹ کے بعد ہی تمام فوج فصیل قلعہ پر تھی۔ فوج دو حصوں میں ہوکر آگے بڑھی۔ جنوبی فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ وہ بغیر کسی مقابلہ کے بنگلوری دروازے

تک پہونچ گئی۔ مگر شمالی فصیل پر جو فوج متعین تھی اس کا سلطان سے مقابلہ ہوگیا، جو حملہ کی خبر سنکر آ گیا تھا۔ جنوبی فوج نے آسانی سے ہر مقام پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ کی اندرونی دیوار پر محافظت کیلئے کوئی نہیں تھا۔ اس سے سہولت یہ ہوی کہ انگریزی فوج کا قبضہ اندرونی فصیل پر بھی ہوگیا۔ اور اس طرح اس فوج پر جو سلطان کے ساتھ تھی۔ ہر طرف سے گولیاں پڑنا شروع ہوئیں۔ شمالی فصیل پر جو ڈویژن تھی وہ سامنے سے حملہ کرتی تھی۔ اندرونی فصیل پر جو فوج قابض تھی وہ بائیں جانب سے گولیاں برساتی رہی۔ اور شمال کی طرف سے گولے برس رہے تھے۔ اور جنوب میں پانی کے دروازے تک جنوبی فوج فصیل پر قابض ہوکر گولیاں چلا رہی تھی"۔

میجر ڈالس اور میجر آلن کہتے ہیں کہ ہم شگاف پر کھڑے ہوئے شہر اور لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے۔ کہ قریب سو فیٹ دوری پر سامنے تین آدمی پڑے ہوئے پائے گئے۔ بظاہر وہ مر چکے تھے۔ ہم ان کو جب دیکھنے کیلئے اٹھایا۔ تو ان میں ایک جاں بلب تھا۔ اور دو مر چکے تھے۔ جب تھوڑا وقت گذرا تو یہ شخص اٹھا اور ہمارے چہرے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میجر ڈالس نے اسکو پہچانتے ہوے پکارا۔ سید صاحب! (میر معین الدین) ؟

"ہاں میں وہی ہوں۔"

اس نے جواب دیتے ہوئے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے۔ جب میں نے (میجر آلن) دریافت کیا تو میجر ڈالس نے کہا کہ یہ کسی وقت کمپنی کی فوج میں ملازم تھا۔ سید صاحب کیلئے پالکی منگوائی گئی۔ اس عرصہ میں ہم نے سلطان کے متعلق دریافت

کیا تو اس نے یقین دلایا کہ سلطان محل میں ہے۔ ہم دو سپاہیوں کو سید صاحب کی حفاظت پر متعین کر کے جنرل بیرڈ کو سلطان کی محل میں موجودگی کی خبر دینے کیلئے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید صاحب اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اس کے پیر لڑکھڑا گئے۔ اور وہ گر کر مر گیا۔"

سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن لکھتا ہے :-

"جب ہم بنگلوری دروازے پر پہونچے تو جنرل بیرڈ نے مجھے حکم دیا کہ فوج کا ایک دستہ لیکر سلطانی محل میں جا کر یہ اطلاع دوں کہ اگر وہ بغیر کسی مقابلہ کے اپنے آپ کو حوالے کر دیں تو ان کے جان کی حفاظت کی جائیگی۔ ورنہ محل کے ہر شخص کیلئے نتیجہ بُرا ہوگا۔ میں ایک سفید جھنڈا لیئے ہوئے محل کے دروازہ پر پہونچا۔ یہاں قلعہ دار سے کہا کہ فوراً اس اعلان کی اطلاع دی جائے۔ اور اس کیلئے میں خود آیا ہوا ہوں۔ قلعہ دار پہلے تو راضی نہ ہوا۔ مگر دھمکانے پر مجھے اور افسروں کو اندر لے گیا۔ محل کے صحن میں چند آدمی ہتیار باندھے کھڑے تھے۔ میں نے ان کو سفید جھنڈا بتلایا۔ اور کہا کہ یہ امن کا جھنڈا ہے۔ اور اطمینان دلانے کیلئے میں نے اپنی تلوار نکالکر ان کے ہاتھ میں دیدی۔ قلعہ دار اندر چلا گیا۔ جب واپسی میں دیری ہوی تو پھر میں نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ دیر کرنا انکے لیئے خطرناک ہے۔ اس پر قلعہ دار نے آکر مجھے اندر لے گیا۔ یہاں فرش پر سلطان کے دو شہزادے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک شہزادہ معزالدین تھا۔ جو میسور کی تیسری جنگ میں بطور یرغمال انگریزوں کے پاس ٹھیرا ہوا تھا۔ شاہزادے سہمے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو تسکین دیتے ہوئے معزالدین

سے کہا کہ سلطان کہاں ہے ہمیں اطلاع دیدو۔ کیونکہ ان کا بچکر جانا محال ہے —
معزالدین نے تھوڑے وقفہ کے بعد کہا کہ بادشاہ محل میں نہیں ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ محل کے دروازے کھولدئے جائیں۔ کہ اندر تلاش کرکے اطمینان کر لیا جائے۔ شاہزادے اس پر راضی نہ ہوئے۔ کہ بغیر حکم سلطانی وہ اس طرح نہیں کر سکتے۔ میں نے ان کو ہر طرح اطمینان دلایا کہ کوئی بھی بغیر میری اجازت کے اندر نہ آئیگا۔ آخر دروازہ کھولدیا گیا۔ یہاں جنرل بیرڈ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا ہوا تھا۔ اسوقت جنرل بیرڈ سخت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس کو یہ غلط فہمی تھی کہ انگریزی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مگر جب شاہزادے اسکے روبرو آئے تو وہ ان سے خندہ پیشانی سے ملا۔ یہاں شہزادوں کو لفٹنٹ کرنل اگنیو اور کیپٹن میاریٹ کی حراست میں دیدیا گیا۔ کہ ان کو انگریزی کیامپ میں پہونچا دیا جائے۔ فوج کو ہدایت کی گئی کہ انکی تعظیم بجالائے۔

جنرل بیرڈ سلطان کے لیے تمام محل کی تلاشی لینے پر تلا ہوا تھا صحن میں سپاہیوں کا پہرہ کھڑا کر کے ہم اندر بڑھے۔ قلعہ دار نے نہایت ہی متانت و سنجیدگی سے سمجھایا کہ سلطان محل میں نہیں ہے۔ بلکہ خبر ہے کہ قلعہ کی اندرونی فصیل کے دروازے کے پاس زخمی ہوا پڑا ہے۔ قلعہ دار کو ساتھ لے لیا گیا۔ اور اس سے کہا گیا کہ اگر اسکی اطلاع غلط نکلی تو اس کا نتیجہ اسکے حق میں بُرا ہوگا۔

ہم دروازے پر پہونچے۔ تاریکی بڑھتی جارہی تھی۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوی تھیں۔ تمیز کرنا مشکل تھا۔ لاشوں کو کھینچ کر نکالا گیا۔ مگر یہ ختم نہ ہوتے تھے۔ تاریکی زیادہ بڑھ گئی تو مشعلیں منگوائی گئیں۔ اسی تلاش میں ہم کو یہاں راجہ خاں ملا۔ جو

مجروح ہوکر پڑا تھا۔ دریافت پر اس نے وہ جگہ بتلائی۔ جہاں سلطان گھوڑے پر سے گرا تھا۔ یہاں تلاش کرتے پر سلطان کی لاش مل گئی۔ قلعدار نے سلطان کو شناخت کرلیا۔ پالکی منگوا کر لاش محل میں لائی گئی۔

جس وقت سلطان کی لاش ملی۔ اسکی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ جسم اس قدر گرم تھا کہ مجھے اور کرنل ولزلی کو دھوکہ ہوگیا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ نبض دیکھی گئی تو ساکت تھی۔ سلطان کو گولی کے چار زخم آئے تھے۔ تین جسم پر اور ایک سیدھے کان میں۔ سلطان سفید کپڑے کی قمیص اور پھولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اور ایک سرخ ریشم کا کپڑا کمر پر باندھے ہوئے تھا۔ ایک قیمتی پیٹی کمر میں تھی۔ عمامہ اس ہنگامہ میں کہیں گر گیا تھا۔ سیدھے بازو پر ایک تعویذ تھی جس کو کھولا گیا۔ ریشم کے کپڑے کے اندر چاندی جیسی ایک دھات پر عربی و فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

سلطان کا قد ۵ فیٹ ۸ انچ تھا، شانے ابھرے ہوئے، گردن کوتاہ اور موٹی تھی، ہاتھ اور پیر قابل الذکر طور پر چھوٹے اور نازک تھے، رنگ گندمی، آنکھیں بڑی بڑی اور نمایاں تھیں، ابرو کماندار اور ناک خمیدہ تھی، چہرہ پر رعب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عام آدمیوں سے اس کی ذات بالا و برتر ہے۔

سلطان کی تدفین

جنرل ہارس کے حکم سے صبح کے وقت سلطان کا دیدار سب شاہزادوں، ندیموں وغیرہ کو دکھلا کر تجہیز و تکفین کا حکم دیا گیا۔ جنازہ نہایت ہی احترام و احتشام کے ساتھ ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کو بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا۔ تمام شاہزادے، سردار اور عہدہ دار شریک تھے۔ گورہ فوج کی چار کمپنیاں پیچھے پیچھے ساتھ تھیں۔ راستہ میں جس گلی کوچہ سے سلطان کا جنازہ نکلتا۔ وہاں بلاتفریق مذہب و ملت مرد و زن کی صدائے نوحہ و ماتم سے ایک قیامت برپا معلوم ہوتی تھی۔ آگے بڑھکر نواب حیدر علی خانؒ کے مقبرہ پر جس کو گنبد کہتے ہیں۔ جنازہ ٹھہرایا گیا۔ قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بارہ[12] ہزار روپئے فقراء کو دیئے گئے۔ اور اس پیکر جلال کو اسکے باپ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور یہ ایک مدت تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر تھا کہ جب جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر پہونچی اور وہ لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ:-

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

سلطان شہید کی موت درحقیقت اسلامی جاہ و جلال اور اسلامی شان و شوکت کی موت تھی، ہندوستان کی آزادی کی موت تھی۔ ہندوستان کی غیرت و خودداری کی موت تھی کہ اس حالت زار پر آسمان کو بھی بغیر آنسو بہائے نہ رہا گیا۔

دفعتاً ایک طوفان اٹھا، بادل کی مہیب گرج اور بجلی کی خوفناک کڑک نے زمین کو ہلا دیا۔ تدفین کے وقت اکثر مقامات پر بجلی گری۔ خصوصاً سلطان کے دیوان خانہ اور محل سرا اور مسجد اعلیٰ پر، دریائے کاویری جو پایاب تھی۔ یکایک پوری طغیانی پر آگئی۔ ایک ایسا ہیبت

ناک و عبرت انگیز سماں چھا گیا۔ کہ گویا اہل زمیں پر ایک بہت ہی بڑی مصیبت آگئی تھی جس پر آسمان بھی غم کر رہا ہے۔ اور برق و باد اس کے شریک ماتم ہیں۔

گو اس زمانہ میں اس قسم کے واقعات پر یا تو یقین نہیں کیا جاتا، یا ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ تاریخیں اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ اور اس کا بیّن ثبوت دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو ما فوق الفطرت واقعات کے منکر ہیں۔ خود معترف ہو گئے ہیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف اسلامی تاریخوں میں ہی نہیں بلکہ انگریزی تاریخیں بھی اس کا ثبوت دے رہی ہیں۔

لوئیس رئیس اپنی تاریخ اور بورنگ حیات ٹیپو میں لکھتا ہے:۔

"اس وقت ایک طرف تو قلعہ سے ماتمی توپیں سر ہو رہی تھیں۔ اور دوسری طرف بجلی کی چمک اور بادل کی نہایت خوفناک گرج سے اس عبرتناک واقعہ کی سنجیدگی اور بھی دوبالا ہو گئی تھی"

سرنگاپٹم کے بڑے بوڑھوں کی زبان پر عرصہ تک یہ بات تھی کہ انکی مدت العمر میں اس قسم کا خوفناک طوفان کبھی نہیں آیا تھا۔ جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا۔ اتنی بجلیاں گریں کہ جن کا حساب نہیں۔ معلوم ہو رہا تھا کہ شہر پر کوئی خوفناک مصیبت آگئی ہے در و دیوار لرزہ براندام تھے۔ اور دریا کی طغیانی اس جوش و غردش پر تھی کہ ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور انہیں حسرت تھی کہ دریا کیوں انکے دن پہلے نہیں آیا۔ کہ حملہ نہ ہو سکتا تھا۔

جنرل میڈوز ٹیلر اپنی کتاب ٹیپو سلطان کے صفحہ ۴۴۳ پر لکھتا ہے:۔

"رات ختم ہو گئی۔ صبح ہوئی۔ رات بھر شہر میں خوف و ہراس چھایا رہا۔ ہر جگہ

بندوقوں کی آواز اور مجروحوں کے چیخوں اور ستم رسیدوں کے آہ و فغاں کی آوازیں آتی رہیں۔ رات بھر شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارتگری ہوتی رہی۔ سلطان کی لاش زخمیوں اور مردوں کے ڈھیر میں شب ہی کو مل گئی تھی۔ غسل دیکر اس کو زنانخانہ کے بنے ہوئے کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ قریب چار بجے کے جنازہ اٹھایا گیا۔ انگریزی فوج جو کل تک سلطان کے خلاف صف آرا تھی۔ آج شہر کے راستوں پر جہاں سے جنازہ گذرنے والا تھا، دو رویہ صف بستہ تعظیم کیلئے کھڑی تھی۔ جنازہ کے آگے چار انگریزی کمپنیاں تھیں۔ جنازہ کے ہمراہ سلطنت کے اعیان و امراء اور جنازہ کے پیچھے شہزادہ عبدالخالق، سلطان کا دوسرا شہزادہ برہنہ سر گھوڑے پر سوار تھا۔

جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ راستے میں ہزارہا لوگ انتہائے غم سے نالاں و گریاں تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے۔ اور ہندو بھی۔ سینکڑوں آدمی جنازہ کے آگے آکر لیٹ جاتے تھے۔ بلا تفریق مذہب ہندو اور مسلمان عورتیں سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کرتی تھیں۔ اس طرح جنازہ قلعہ سے نکلکر شہر میں ہوتا ہوا مقبرہ تک پہونچا۔ اور ہر ہر قدم پر آدمیوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔

آج کا دن خصوصاً حد درجہ گرم تھا۔ ہوا تمام دن بند رہی۔ ایک پتہ تک کہیں ہلتا نہ تھا۔ آسمان پر سیاہ اور ڈراؤنی بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک قسم کی گہری اور مہیب آواز آتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ اس گرمی کو سختی سے محسوس کر رہے تھے۔ فضا کی بھیانک پن سے دلوں پر ایک رعب چھایا

ہوا تھا۔ کبھی کبھی کوئی آدمی سر اٹھاتا تو جلدی ہی خوف سے سر نیچے کر لیتا۔

اسی حالت میں جنازہ لال باغ تک پہنچا۔ ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ لوگوں کی گریہ وزاری کی آواز تمام فضا میں گونج رہی تھی۔ قلعہ سے ماتمی توپیں چھوٹ رہی تھیں۔ مگر انکی آواز لوگوں کی گریہ وزاری میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس ہنگامۂ غم والم میں، اگر کبھی ایک لمحہ کیلئے وقفہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشہ سے نکلکر دوسرے گوشہ کی طرف پیہم جا رہی تھیں۔

جنازہ عین مقبرہ کے روبرو پہونچا۔ بیانڈ کا بجنا تھم گیا۔ جنازہ کے آگے چار کمپنیاں جو جلو میں تھیں۔ دو رویہ صف باندھکر کھڑی ہو گئیں کہ جنازہ ان کے درمیان سے مقبرہ میں لے جایا جائے۔ جنازہ آہستہ آہستہ لاکر اتارا گیا۔ اور خطیب اور دوسرے لوگ قطاریں باندھ کر نماز کے لئے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔

خطیب کی آواز نہایت زوردار تھی اور جیسا ہی اسکی زبان سے تکبیر کہنے کے لئے لفظ "اللہ" نکلا تو یہ معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے ایک ہیبت ناک کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی، اور ایک زور کی روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور ایک زبردست گرج کی آواز نے دلوں کو ہلا دیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ خطیب کی زبان سے اللہ کے بعد کوئی لفظ نکلا بھی یا نہیں۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک خاموشی طاری رہی۔ نماز ختم ہوی۔ لاش کو اس

کی آخری آرام گاہ میں رکھا گیا۔ اور جونہی لاش رکھ کر السلام علیکم
و رحمۃ اللہ کہا گیا۔ پھر ایک بجلی چمکی۔ ایک کڑک ہوئی۔ لوگوں پر لرزہ
طاری ہوگیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کیا
ہو رہا ہے۔ اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک مہیب سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابھی
تک بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں اترا تھا۔ کالی گھٹا سے معلوم ہوتا تھا
کہ زمین پر اترنے والی ہے۔ بجلی کی چمک سے زمین و آسمان ایک ہو رہے تھے۔
اور لوگوں کی نظریں خوف و ہراس سے ادھر ادھر اٹھ رہی تھیں۔ اس وقت ظاہر
ہو رہا تھا کہ قدرت کے آگے انسانی طاقت کتنی حقیر ہے۔ در حقیقت آفرینندہ
خلق کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی۔

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتارے۔ ادھر بندوقیں چھوٹیں۔
اور ادھر آسمان سے ہزاروں توپیں چھوٹنا شروع ہو گئیں۔ جن کی آواز میں
بندوقوں کی آواز بالکل دب کر رہ گئی۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ اس کے بعد
جو بیانڈ بجایا گیا وہ کس قسم کا تھا۔ گویا بیانڈ کی آواز حقیقت میں آسمانی
آوازوں کا منہ چڑا رہی تھی۔"

میجر بٹسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"سرنگاپٹم کے سر قاضی کو سلطان کی تجہیز و تکفین کا انتظام سپرد کیا گیا۔ شاہی
پالکی کو جنازے کے لئے تیار کیا گیا۔ محل کے تمام لوگ جنازے کے ہمراہ شریک تھے۔
چار انگریزی کمپنیاں آگے آگے تھیں۔ اور شہزادہ عبدالخالق پیچھے گھوڑے پر سوار
تھا۔ قاضی آیات قرآنی پڑھتا تھا۔ اور لوگ دہراتے تھے۔ جنازہ شہر کی گلیوں

میں سے گذرا۔ ہزارہا لوگ راستے میں کھڑے زور زور سے آہ و زاری کرتے تھے۔ اور بعض جنازہ کے آگے آ کر لیٹ جاتے تھے۔

میر عالم مع چند حیدرآبادی افسروں کے مقبرے کے پاس آ کر ملا۔ جب نماز جنازہ ختم ہو گئی تو لاش کو مقبرہ میں نواب حیدر علی کے بازو دفن کر دیا گیا پانچ ہزار روپیہ فقراء میں تقسیم کئے گئے۔ اس سانحہ کو دوبالا کرنے کیلئے ایک سخت اور مہیب طوفان آیا۔ بارش، گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی۔ انگریزی کیمپ پر بجلی گری۔ جس سے دو افسر اور چند سپاہی ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔"

شہادت کے بعد

سلطان کی شہادت کے بعد ایک قہر الٰہی تھا جو اسی وقت سرنگا پٹم پر ٹوٹ پڑا۔ قریباً بارہ ہزار شہیدانِ وطن اپنی جانیں سلطان پر نثار کر چکے تھے۔ ادھر سلطان کی لاش محل میں لائی گئی۔ اور ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار، قتل اور غارتگری کا بازار گرم ہو گیا۔ قمری ماہ کی آخری رات تھی۔ گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے کو جلتے ہوئے مکانات کے شعلے، زخمیوں کی چیخ و پکار، بے بس اور مظلوم عورتوں کے نالہ و فریاد، اور بھیانک بنائی ہوئی تھی۔ شعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آ رہا تھا اس سے انسانیت کی روح بھی کانپ جاتی تھی۔ گھروں کی تباہی، مال و زر کی لوٹ، عورتوں کی بے حرمتی، مردوں اور بچوں کا قتل ایسے نظارے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام ارضی و سماوی بلیات اس مختصر سے خطۂ زمین پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

میجر آلن جو اس جنگ میں شریک اور اس شب سرنگا پٹم میں موجود تھا۔ اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے :۔

"جنرل بیرڈ جو دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ آرام لینے کیلئے ایک برآمدے میں لیٹ گیا ابھی اس کی آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ اس کو لوگوں نے جگا دیا۔ اور کہا کہ شہر میں مختلف مقامات پر آگ لگ گئی ہے۔ اور ہر جگہ عام طور پر لوٹ ہو رہی ہے۔ ایک دو جگہ وہ اس کو روکنا چاہا۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ قلعہ کی فتح کے بعد سپاہی اپنے پلٹنوں کو واپس نہیں گئے۔ اور باربرداری کیلئے جو لوگ باہر کیمپ میں تھے۔ وہ بھی شہر کے اندر آگئے تھے۔ اور سب کے سب لوٹ میں مشغول تھے۔ کئی ایک لوگوں کو پیٹا جا رہا تھا۔ کہ اپنی چھپی ہوئی دولت کا پتہ بتائیں۔ عورتیں مکانات چھوڑ گلیوں اور کوچوں میں کھڑی تھیں کہ اپنی عصمت کو بچا سکیں۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر اندر سونے اور جواہرات کے ڈھیر لٹیروں کے ہاتھ میں تھے۔ بڑے بڑے سرداروں اور شرافوں کے گھر لوٹ کر بالکل خالی اور تباہ کر دیئے گئے اگرچہ سلطانی خزانہ پر جہاں بے حساب دولت رکھی ہوئی تھی۔ پہرہ ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن کئی ایک سپاہی ایک خفیہ راستے سے دروازے توڑ کر خزانہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر بات یہ تھی کہ لوگ مال لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں تو بھر رہے تھے۔ مگر ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر لوٹ سے منع کرتے تھے"۔

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۱۶)

اس انگریزی چشم دید واقعات کے بعد اگر مقامی روایات کو لیا جائے تو قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ ان واقعات کو لکھ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ غداروں نے جو غداری کی تھی۔

اس کا نتیجہ وہ سلطان کی شہادت کے چند گھنٹے بعد ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ایک خدائی انتقام تھا جو فوراً اسی وقت قدرت کی طرف سے لیا گیا۔ انکا مال وزر، ان کی عزت و وقار بلکہ انکی عورتوں کی ناموس تک غداری کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اس لئے

"صبح ہوتے ہی جب ان واقعات کی خبر جنرل ہارس کو پہونچی تو اس نے جنرل بیرڈ کے عوض کرنل ولزلی کو انتظام پر مامور کرتے ہوئے بڑے بڑے سرداروں کے گھروں پر فوجی پہرہ ڈال دیا" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

لیکن شہر میں قتل و غارتگری کا بازار پھر بھی کم نہ ہوا۔ چار دن تک لوٹ ہوتی رہی۔ کوئی گھر اور کوئی خاندان اس سے محفوظ نہیں رہا۔ آخر تنگ آکر کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا۔

ملس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

" سرنگاپٹم کے زوال کے بعد وہاں کی رعایا پر اس قدر ظلم وستم کیا گیا کہ اس کے آگے ٹیپو سلطان کے مفروضہ مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ ظلم وستم کرنے والے سپاہی انگریز تھے۔ یہاں تک کہ کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو تحریر کیا کہ انگریزی حاکم شہر (کوتوال) کو میرے پاس بھیجدیں کہ میرے حکم کے تابع رہے۔ جب تک چند لوٹنے والوں کو پھانسی نہ دی جائے گی، اس وقت تک لوٹ کو روکنا محال ہے۔ اس وقت ہماری رجمنٹوں کے سپاہی اور جنرل اسٹوارٹ شہر میں ہے۔ اسکی وجہ سے اور زیادہ خوف و دہشت پھیل رہی ہے۔ جب تک ہم موثر ذرائع اختیار نہ کریں گے۔ لوگ اپنے اپنے مکانات کو واپس نہ آئیں گے "

کرنل ولزلی نے انہیں واقعات کی تفصیل بھائی لارڈ ولزلی گورنر جنرل کو بھی دی۔ وہ لکھتا ہے :-

"۴ مئی کی شب میں سرنگا پٹم پر جو مصیبت آئی۔ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ شہر میں مشکل سے کوئی مکان ہوگا جو لوٹ سے بچا ہوا ہو۔ ہمارے کیمپ کے بازار میں ہمارے سپاہی بیش قیمت جواہرات، سونے کی سلاخیں اور دوسری قیمتی اشیا بالکل سستی قیمت پر فروخت کر رہے ہیں یا انہیں دوسری چیزوں کے عوض دے رہے ہیں۔ ایک ایک بیش قیمت موتی ایک شیشہ شراب کے عوض دیا جا رہا ہے ایک نوجی ڈاکٹر نے ایک سپاہی سے دو بازو بند خرید کیا ہے۔ جس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بازو بند میں ایک جو بہ نسبت دوسرے کے کم قیمت کا بتلایا جاتا ہے۔ اس کو حیدرآباد کے ایک جوہری نے تیس ہزار پونڈ کا بتلایا ہے۔ دوسرے بازو بند کے متعلق جوہری نے کہا ہے کہ وہ اس قدر قیمتی ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس قدر مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود بھی ہمارے افسر اور سپاہی اس تمام املاک اور خزانہ کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو محل سے دستیاب ہوا ہے" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

کرنل ولزلی نے اپنے بھائی کو یہ بھی لکھا کہ :-

"فوج کا ہر شخص بلکہ جنرل ہارس تک اس کیلئے مضطرب ہے کہ مال غنیمت جلد از جلد تقسیم ہو جائے۔ فتح مند فوج جس کو اور کوئی کام نہیں ہے۔ بالکل قابو سے باہر ہو رہی ہے" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق کرنل ولزلی اپنے بھائی کو لکھتا ہے :-

"مال غنیمت کی تقسیم کے لئے جو ایجنٹ مقرر کئے گئے ہیں وہ بھیڑیوں سے زیادہ خونخوار ہیں۔ انہوں نے سلطان کے محل کے دروازے اور سلطان کے بہاں فرش اور کپڑوں کو تک فروخت کر دیا۔ اور ابھی ان کے پاس سلطان کے ملبوسات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ وہ کپڑے ہیں جو سلطان کے استعمال میں تھے۔ اور وہ پہنا کرتا تھا۔ اگر ان کے فروخت کی فوراً ممانعت نہ کی گئی تو مجھے خوف ہے کہ اس جگہ کے وہ مسلمان جو ہمارے قبضہ سے بیزار ہیں۔ ان کپڑوں کو بطور نشانی و تبرک خرید کر لیں گے۔ یہ ہمارے لئے ایک شرمناک بات ہوگی۔ اس لئے میری رائے ہے۔ کہ گورنمنٹ خود ان ملبوسات کو خرید کر لے۔ اور انہیں شاہزادوں کے حوالے کر دے یا جس طرح مناسب ہو عمل میں لائے۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

پرائز کمیٹی یا ان لوگوں نے جو مال غنیمت تقسیم کرنے پر مامور تھے یہاں تک چیرہ دستی سے کام لیا کہ محل کے زنانہ حصہ کی بھی تلاشی لی کہ کہیں مال و زر یہاں بھی چھپا کر نہ رکھا گیا ہو۔ لارڈ ولزلی کو جب معلوم ہوا تو اس نے اسکے متعلق پرائز کمیٹی والوں پر اعتراض کیا۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ :۔

"زنانہ حصہ میں جو عورتیں تھیں۔ انہیں تلاشی سے پہلے ہی محل کے ایکدوسرے حصہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر لکھتا ہے :۔

"مال غنیمت کو تقسیم کرنے پر جو جماعت مامور تھی وہ محل کی دولت دیکھکر حیران و ششدر رہ گئی۔ لاکھوں جواہرات کے علاوہ سونا اور چاندی کی سلاخیں زیورات اور نہایت قیمتی و نایاب چیزیں محل کے اندر رکھی ہوئی تھیں۔ زنانہ

حصہ کے سوا محل کی تمام عمارت اور دربار کا کمرہ ان چیزوں کو رکھنے کے لئے استعمال میں لایا گیا۔

جواہرات مقفل صندوقوں میں تھے جو محل کے اندر تاریک کمروں میں رکھے ہوئے پائے گئے۔ یہ جواہرات جن صندوقوں میں تھے۔ ان پر حیدر علی اور سلطان کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اسی طرح سونے کے سلاخ اور زیورات جن کی خوبصورتی بیان میں نہیں آسکتی۔ ایک دوسری جگہ سربمہر صندوقوں میں رکھے ہوئے ملے۔ زیورات میں بازوبند، انگوٹھیاں، گلوبند اور سر کی آرائش کی بے شمار چیزیں تھیں۔ اوپر کے کمرے میں چاندی کی سلاخیں اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کے ذخیرے تھے۔ ایک جگہ دو ہودے تھے جو پورے کے پورے چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ بہت سے چاندی کے بڑے بڑے طبق تھے جن میں ہیرے اور دوسرے جواہر لگے ہوئے تھے۔ ہتھیار ایک اور کمرے میں تھے۔ اس میں کئی بندوق اور تلواریں تھیں۔ جن میں سونا اور جواہرات لگے ہوئے تھے۔ ہاتھی دانت کے دروازے اور دوسرے کئی قیمتی بڑی بڑی اشیا بھی محل کے اندر پائی گئیں۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ نہایت قیمتی فرنیچر اور بے شمار بیش قیمت قالین بھی تھے۔

نہایت عمدہ ململ، ساٹن، ریشم، شال اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی گھٹریاں بندھے بندھائے رکھے تھے۔ جن کا اندازہ کیا گیا کہ پانچسو اونٹ انکے اٹھانے کیلئے درکار ہوں گے۔

مال غنیمت میں دوربینیں اور دوسرے شیشے ہر آنکھ کیلئے موزوں اور مختلف قد و قامت کے آئینے اور بے شمار تصاویر تھیں۔ اور اسقدر کانچ اور

چینی کے ظروف تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی سی بڑی دوکان ہے۔

ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں نہایت قرینہ سے کتابیں رکھی گئی تھیں۔ بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے وجواہرات سے مرصع تھیں۔ ایک اور کمرے میں ایک نہایت ہی قیمتی ہودا اور تخت رکھا ہوا تھا۔

محل سے ملحق بیش انا ج کے مخزن اور ساٹھ گودام تھے۔ جن میں۔ دھان، راگی، گرم مصالح وغیرہ بھرا ہوا تھا۔ ایک گودام میں گیارہ سال آگے کے دھان رکھے ہوئے تھے۔ جو نہایت عمدہ حالت میں محفوظ تھے۔ قلعہ میں ایکہزار توپ، پانچ لاکھ گولیاں، بارہ ہزار گولے، اور ساٹھ ہزار بندوق رکھے ہوئے تھے۔ ان توپوں میں ایکاون توپ انگریزی ساخت کی تھیں۔ باقی سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ ان کے متعلق جب تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ساخت کے لحاظ سے بالکل اعلےٰ درجہ کی ہیں۔

اس تمام مال غنیمت میں سے ٹیپو سلطان کی ایک تلوار تو جنرل بیرڈ کو بطور انعام دی گئی۔ اور دوسری لارڈ ولزلی کو، اس کے علاوہ لارڈ ولزلی کو ایک ہیروں کا جھومرا اور تھوڑے زیورات تحفتہً بھیجے گئے۔ سلطان کی پگڑی اور ایک تلوار لارڈ کارنوالس کو بطور تحفہ بھیجے گئے۔ مال غنیمت میں جنرل ہارس کے حصہ میں ایک لاکھ بیالیس ہزار نوسو دو (۱۴۲۹۰۲) اشرفی آئے۔ جن کی قیمت موجودہ شرح تبادلہ سے ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔

آج مفلوک الحال ہندوستان کا تہی دست باشندہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اس عروس البلاد دکن یعنی سرنگاپٹم میں کس قدر دولت جمع تھی۔ صرف سلطانی املاک

جو تقسیم کی گئیں۔ ان میں سے صرف جنرل ہارس کو اگر ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ مل سکتے ہیں تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ دولت کس قدر کثیر ہو گی۔ جو دوسرے افسروں اور عام سپاہیوں میں تقسیم ہوی۔ اور اس کے ساتھ اس کثیر دولت کا بھی تصور کیا جائے جو تقسیم سے پہلے ہی سلطانی محل کے علاوہ امراء، وزراء اور عام باشندگان شہر کے گھروں سے سپاہیوں نے ظلم و ستم کر کے لوٹ لیا تھا۔ اوپر کرنل ولزلی کا بیان دیا گیا ہے۔ اب ذیل میں مسٹر گرے کی تاریخ ہند سے میجر پرائس کا بیان دیا جاتا ہے۔ جو اس لوٹ میں شامل تھا۔ میجر پرائس لکھتا ہے:۔

" ٹیپو سلطان کے محلات کو کیونکر لوٹا گیا؟

طلسمی دولت

سرنگا پٹم کے مشہور قلعہ کو فتح کرنے کے بعد کمپنی نے فیصلہ کیا کہ جواہرات، روپیہ اور سامان (جس کی مجموعی قیمت پچیس لاکھ پونڈ تھی) کو موقع پر ہی تقسیم کر لیا جائے۔ جس افسر نے جس قدر خدمت کی ہے۔ اس کا لحاظ اور اندازہ لگا کر اسے مال غنیمت میں سے حصہ دیدیا جائے۔ اس تقسیم کے لئے ایجنٹ مقرر کر دئے گئے۔

میجر پرائس لکھتا ہے کہ میں بھی انہی میں تھا۔ قلعہ کی دولت دیکھکر آنکھیں پھر گئیں دیکھا نہیں جاتا تھا کہ ناقابل یقین دولت اور لاتعداد زر و جواہر قلعہ میں کہاں سے آگئے؟ مختلف قسم کے پارچہ جات اور طرح طرح کی قیمتی اور نادر اشیاء، سونے چاندی کے ظروف اور جواہرات موتیوں کے بے مثل و لاجواب ذخیرے سامنے کھلے پڑے تھے۔ ہماری عقل حیران تھی۔ فرد حساب بھی تیار نہ کر سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ

بیرونی دروازوں سے سپاہی اور توپ خانوں کے لوگ گھس آئے تھے اور کافی مال لیکر چمپت بنے تھے۔

شہر میں بھی ہر شخص نے (خواہ وہ ہندوستانی افسر تھا یا یوروپین) خوب لوٹ مار کی۔ بیسوں گھروں میں جاکر روپیہ چھین لیا۔ ڈاکٹر مٹن کو ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک سپاہی نے نہایت معمولی رقم میں پردہ اور کپڑے بیچے۔ جس میں اس قدر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ کہ انکی مجموعی قیمت کا اندازہ ایک ہندوستانی جوہری ۔ ۴ ہزار پونڈ لگایا تھا۔ بعض اور زیوروں کی قیمت کا اندازہ لگانے سے جوہری بھی قاصر تھے۔ اس سپاہی نے یہ کپڑے ایک گھر میں چرائے تھے۔ اور اپنی رجمنٹ کے ڈاکٹر کے ہاتھ نہایت معمولی رقم پر فروخت کر دئیے تھے"

تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ تمام جواہرات اور زیورات کو میز پر پھیلا دیا گیا تھا۔ اور ڈھیریاں بنا دی گئی تھیں۔ پھر ہر ڈھیری کی قیمت ایک جوہری کے ذریعہ سے تخمینہ کرائی گئی۔ جس کے بعد یہ چیزیں افسروں کو تقسیم کر دی گئیں۔ سوائے لارڈ ہیرس کے جو کہ کمانڈر انچیف تھا، باقی سب افسر میزوں کے گرد بے تابی کے ساتھ جمع ہوگئے۔ لارڈ صاحب اپنی بڑی پوزیشن کیوجہ سے نہیں آئے مگر انہیں انکا حصہ خیمہ میں بھجوا دیا گیا۔

لارڈ ہیرس کے ڈھیر میں ایک وہ ہار بھی تھا جسکی قیمت (۱۳۵۰۰) پونڈ بتائی جاتی ہے۔ یہ ہار ایک مندر کی مورتی کے پیٹ میں سے نکلا تھا۔ یہ مورتی ٹیپو سلطان نے ایک بدھ مندر سے اٹھوا کر محل میں رکھوا دی تھی۔

سر ڈیوڈ بیرڈ کو اس کے حصہ میں ایک انگشتری ملی۔ جس کی قیمت پچاس

ہزار تھی۔ مگر اس نے اس وقت غصہ میں آکر اسے پھینک دیا کہ یہ تو رنگا ہوا شیشہ ہے۔ ایک سپاہی نے اٹھا کر پانچ ہزار میں فروخت کیا۔

میجروں کو جواہرات تقسیم کرنے کے بعد باقی جواہرات اور قیمتی اشیاء دیگر افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

ٹیپو سلطان نے ایک تخت بے مثل ساخت کا بنوایا تھا۔ جو خالص سونے کی چادروں کا تھا۔ اس کے پشتہ پر ایک ہما کی تصویر تھی۔ جو سونے اور جواہرات کی بنی ہوئی تھی۔ تخت چار سونے کے شیروں کی پشت پر قایم تھا۔ اس تخت کے ٹکرے کر کے ڈھیر لگا دئے گئے۔ ۱۰۰۰ پونڈ ہر شخص کے حصہ میں آئے۔ تخت کی چھت جنرل گانٹ کے ہاتھ ۲۵۰۰ پونڈ میں فروخت کر دی گئی۔ جو اس نے بعد میں اُسے ۳ گنا زیادہ قیمت پر علیحدہ ٹکڑوں کی صورت میں فروخت کر دیا۔

اس تخت کے سامنے کے دو شیر جو ٹھوس اور خالص سونے کے تھے۔ بادشاہ کو ولایت بھیجدئے گئے۔ اس کے ساتھ کچھ اور ہیرے جواہرات اور قیمتی ہتھیار بھی روانہ کئے گئے۔

یہ تو افسر اور حاکموں کو ملا۔ ہر سپاہی کو جسے "پرائیویٹ" کہا جاتا ہے۔ تقریباً چھ چھ پونڈ ضرور مل گئے۔ لیکن انہوں نے پرائیوٹ طور پر کافی روپیہ پیدا کر لیا۔ کیونکہ میجر پرائس لکھتا ہے۔ کہ بہت سے یوروپین سپاہیوں نے کئی کئی ہزار کے جواہرات بھیجے۔ اور پھر اپنی نوکری چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔ بعض سپاہیوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ایک شراب کی بوتل

کی خاطر کئی کئی سو روپیہ کی مالیت کے جواہرات کوڑیوں کے دام بیچ ڈالے۔"

ان تفصیلات سے جو سرکاری کاغذات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔ سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصص مثلاً بنگال کے محلات، اودھ کے شاہی خاندانوں، دہلی کے بادشاہ اور پنجاب کے علاقوں اور سندھ کے امیروں راجپوتانہ کی ریاستوں اور دیسی راج دھانیوں سے انگریزی افسروں، فوجی حاکموں، گماشتوں، کارندوں اور حتّٰی کہ معمولی سپاہیوں نے جائز اور ناجائز طریقہ سے کس قدر روپیہ اینٹھا ہوگا۔" (تاریخ ہند از گرے)

مالِ غنیمت کی تقسیم اور ٹیپو سلطان کا ہار

سلطانی محل اور شہر میں جس قدر دولت تھی سب کی سب تقسیم کرلی گئی۔ لیکن انگریزوں کو حیرت تھی کہ سلطان کے گلے میں موتیوں کا جو بیش قیمت ہار ہمیشہ رہتا تھا وہ کیا ہوا؟ ۴ مئی یعنے شہادت کا دن سلطان کے گلے میں یہ ہار موجود تھا۔ اس لئے گمان ہونے لگا کہ کسی انگریز سپاہی نے اس کو سلطان کے گلے سے نکال لیا ہوگا۔ لیکن سخت جستجو کے بعد بھی یہ ہار نہیں ملا۔ آخر جب اس دن یعنے ۴ مئی کے واقعات کو جوڑ کر غور کیا گیا تو نتیجہ نکلا کہ یہ ہار سلطان کے نومسلم مرہٹہ غلام راجہ خان نے نکال لیا تھا۔ لہٰذا اس ہار کے متعلق ۴ مئی کے واقعات سمجھ میں آنے کیلئے مختلف تاریخی کتب (ٹیپو سلطان از میڈوز ٹیلر سرنگاپٹم، از پارسنس۔ محاصرہ سرنگاپٹم از تھامسن وغیرہ) سے حالات یکے بعد دیگرے جانچے کئے جاتے ہیں:۔

۴ مئی ۱۷۹۹ء کے واقعات

اس بات پر تمام مغربی و مشرقی مورخین متفق ہیں کہ سلطان کا نومسلم مرہٹہ غلام راجہ خاں (جس کا مرہٹی نام راجہ راؤ تھا) آخری وقت تک سلطان کے ساتھ میدان جنگ میں موجود تھا۔ اور جب سلطان کی تلاش میں جنرل بیرڈ اور دوسرے انگریزی افسر دروازے پر پہونچے تو اس وقت راجہ خاں لاشوں کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اور اسی نے دریافت کرنے پر جنرل بیرڈ کو سلطان کی لاش بتلائی تھی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:-

"سلطان قریب ایک بجے کے محل سے باہر نکلا اور شام کے ۵ بجے تک میدان جنگ میں دست بدست لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اس تمام عرصہ میں دھوپ کی شدت سے اس کا حال نہایت برا رہا۔ ایک طرف تو ماہ مئی کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور دوسری طرف دشمنوں سے دست بدست جنگ اسکی تشنگی کو لحظہ بہ لحظہ بڑھاتی رہی۔ اس نے بار بار اپنے غلام سے پانی طلب کیا۔ چھاگل موجود تھی۔ لیکن ایک قطرہ پانی نہیں دیا گیا"

پھر آگے چلکر یہی مصنف لکھتا ہے:-

"چند منٹ گذرتے ہیں۔ پھر پیاس لگتی ہے۔ سلطان پلٹ کر راجہ خاں سے کہتا ہے "خدا کیلئے ایک قطرہ پانی" لیکن پانی نہیں ملتا" (ٹیپو سلطان)

"سلطان کا باڈی گارڈ سلطان پر نثار ہو جاتا ہے۔ کوئی باقی نہیں رہتا سلطان یکہ و تنہا رہجاتا ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں بھی سلطان کو چھوڑ

کرزخمیوں کے انبار میں پناہ لیتا ہے۔ جس کے تھوڑی ہی دیر بعد سلطان کے سینے میں گولی لگتی ہے۔ سلطان غش کھاکر گرتا ہے۔ اس سے پہلے ہی ہنگامہ کی شدت میں شاہانہ پگڑی سر سے گر جاتی ہے۔ اس لئے انگریزی فوج کو یہ معلوم تک نہیں ہوتا کہ سب سے آخیر میں گرنے والا کون تھا؟ جب مدافعت کرنیوالوں میں کوئی باقی نہیں رہتا تو انگریزی فوج یہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں سلطان کے قریب آکر اس کے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اتار کر اپنے کپڑوں میں چھپا لیتا ہے۔" (محاصرۂ سرنگاپٹم)

"عرصہ تک انگریزی حکام کو حیرت رہی کہ سلطان کے گلے میں جو قیمتی ہار تھا وہ کیا ہوگیا؟ گمان تھا کہ کسی انگریز سپاہی کے قبضہ میں ہوگا۔ ڈی مرون رجمنٹ کے ایک سپاہی کرسچینو نامی پر شبہ ہوا۔ اس لئے کہ سلطان کی شہادت کا باعث اسی سپاہی کو سمجھا جاتا تھا۔ کرسچینو اور اسکے خاندان پر عرصہ تک نگرانی بھی رہی۔ لیکن اس خاندان میں کبھی شان امارت ظاہر نہیں ہوئی۔"

(سرنگاپٹم از کانٹنس پارسنس)

"ان موتیوں کا پتہ کسی صورت نہ چلا۔ کرسچینو کے خاندان میں امارت کی شان کبھی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ جو ہار کے ملنے پر یقیناً ہوسکتی تھی۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ سلطان کے گرتے ہی راجہ خان نے شہزادوں کو دینے کے لئے یہ ہار نکال لیا تھا" (جے۔ جے۔ کاٹن۔ ای۔ سی۔ یس۔ کتاب سرنگاپٹم)

لیکن کہیں یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ ہار شہزادوں کے حوالے کیا گیا۔ اگر کیا جاتا تو یقیناً انگریزی افسروں کو اس کی جستجو عرصہ تک نہ رہتی۔ عام طور پر میسور وغیرہ میں

بھی یہی مشہور ہے کہ راجہ خاں نے اس ہار کو نکال لیا تھا۔ واللہ اعلم!

(نوٹ :۔ کتاب "سرنگا پٹم" کی مصنفہ کانسٹنس ای۔ پارسنس لکھتی ہیں :۔

" راجہ خان کو موضع کرٹکولہ میں جاگیر دی گئی۔ اس کی قبر میسور میں کولس گارڈن کے دروازے کے قریب ہے۔ اور اس کے نام سے میسور میں ایک سڑک کو موسوم کیا گیا ہے "۔)

مقامی طور پر یہ روایت بھی عام طور پر مشہور رہی ہے کہ جب انگریزی فوج کی قلعے پر آنے کی خبر پہونچی تو محلات میں بہت سے جواہرات یا تو کنوؤں میں ڈالدیئے گئے یا پھیں دئے گئے۔

مالِ غنیمت میں حیدرآباد کا حصہ

مالِ غنیمت کی تقسیم میں میر عالم نے بھی حیدرآبادی فوج کیلئے حصہ طلب کیا لیکن اسکو جنرل ہارس نے جواب دیا کہ قلعہ انگریزی فوج نے فتح کیا تھا۔ اس لئے حیدرآبادی فوج کو حصہ نہیں دیا جاسکتا۔

نوٹ :۔ اسکے متعلق "تاریخ "نظام علی خاں" میں لکھا ہے کہ وزیر اعظم ارسطو جاہ اور میر عالم نے لارڈ ولزلی سے اس سلوک کی شکایت کی۔ لیکن ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۸ پر لکھتا ہے :۔

"جب انگریز تمام مال غنیمت باہم تقسیم کر چکے اور کچھ باقی نہ رہا تو انجام کار محل میں سلطان کے کثیر التعداد شیروں پر نظر پڑی۔ جو زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ جنگ کی ہلاکت آفرینیوں کے سبب انکی غور و پرداخت کیلئے اب

کوئی نہیں رہا تھا۔ اور وہ کئی دنوں کی بھوک سے بے تاب ہو کر نہایت وحشت ناک ہو رہے تھے۔ کرنل آرتھر ولزلی کو عجیب مشکل پیش آئی۔ کہ اس "مال غنیمت" کو کیا کیا جائے۔ میر عالم (سپہ سالار افواج حیدر آباد) سے کہا گیا کہ اگر وہ چاہے تو شیروں کو لے سکتا ہے۔ مگر میر عالم نے ان کو قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی آخر کار سلطان کے ان محبوب شیروں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا گیا۔"

شہادت کے بعد دیگر واقعات

شاہزادہ فتح حیدر کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ کرمانی لکھتا ہے کہ :۔

" سلطان کی شہادت کے دن شاہزادہ فتح حیدر فوج لئے ہوئے کری گٹہ کی پہاڑی کے اس پار تھا۔ جب اس کو سلطان کی شہادت اور قلعہ پر انگریزی فوج کے قبضہ کی خبر معلوم ہوئی تو وہ پریاپٹم چلا گیا۔"

کرمانی یہ بھی لکھتا ہے :۔

" سلطان کے غدار امراء اور وزراء شاہزادے تک جنگ کی صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتے تھے۔"

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ :۔

" شاہزادہ فریخ راکس میں مقیم تھا۔"

بہر طور شاہزادہ کو رام کرنے کے لئے قمر الدین اور پورنیا کو بھیجا گیا۔ انہوں نے شاہزادے کو سمجھانا شروع کیا۔ کہ اگر وہ اظہار اطاعت سے کام لے تو ریاست اسکو دیدی جائیگی۔ شاہزادہ نے یہ سن کر ہتھیار ڈالدئے۔ اور ۱۳ مے کے دن سرنگا پٹم پہونچکر اپنے آپ

کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اس وقت اسکے ساتھ ایکسوبیس[۱۲۰] فرانسیسی تھے (نوٹ:۔کل سلطنت خداداد میں فرانسیسوں کی تعداد ہی ایک سو بیس تھی۔ محمود) اگرچہ آخر وقت تک سپہ سالار ملک جہاں خاں اور میر میراں ناصر علی شاہزادے کو یہی کہتے رہے کہ قمر الدین، پورنیا اور انگریزوں کے وعدوں کا اعتبار نہ کرے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ صرف ایک سرنگا پٹم کا قلعہ ہاتھ سے گیا ہے۔ ابھی تو سلطنت خداداد کا وسیع ملک اور مضبوط قلعے باقی ہیں۔ اور ہم جیسے وفادار بھی ساتھ رہیں گے۔ فتح حیدر نے فوج اور دیگر عہدہ داروں کی حالت پر غور کیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ سوائے چند لوگوں کے باقی لوگ اس کی رفاقت نہیں کریں گے۔ اس لئے اس نے ارادہ کر لیا کہ سرنگا پٹم چلا جائے۔ ملک جہاں خان کو شاہزادے کا یہ فیصلہ ناگوار گذرا۔ وہ تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر شاہزادے کے کیمپ سے باہر نکل گیا۔

مورخ ملس لکھتا ہے:۔

"کتاب تذکرۃ البلاد والاحکام کے دسویں باب میں ملک جہاں خان کے حالات اس طرح تحریر ہیں:۔

ملک جہاں خاں بلحاظ قومیت مرہٹہ تھا۔ اس کا پہلا نام ڈونڈیا واغ تھا۔ خان موصوف ایک نہایت شجاع و جری مرد میدان تھا۔ سلطان کی ملازمت میں آنے سے پیشتر اس کے پاس تین چار سو سوار تھے۔ اور ہمیشہ مرہٹوں، نظام اور سلطنت خداداد پر ادھر ادھر چھاپے مار کر لوٹ مار کرتا تھا۔ اور کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ سلطانی فوج بھی اس کی گرفتاری و سرکوبی سے عاجز آگئی تھی۔ اس وقت سلطان نے ایک اقرار نامہ بھیجا۔ کہ اگر وہ ملازمت سلطانی میں آجائے

تو اس کے جان و مال کی حفاظت کے علاوہ اسکے مراتب بڑھا دیے جائیں گے۔

سلطان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے وہ دارالخلافہ آیا۔ یہاں سلطان نے اسکی نہایت آؤ بھگت کی۔ اسکے اس مرتبہ سے نمک حرام میر صادق کو رشک پیدا ہوا اور وہ موقع کی تلاش میں رہا۔ ایک طرف تو رات دن اسکے خلاف سلطان سے شکایت کرتا تھا۔ اور دوسری طرف اسکی تباہی کی سازشیں کرتا رہا۔ آخر ایک دن اس کو موقع مل گیا۔ سلطان کے پاس اس قدر جھوٹ بیان کیا کہ خان موصوف کی فوراً طلبی ہوئی۔ جب وہ محل کے دروازہ پر پہونچا تو اس کو گرفتار کر کے حراست میں رکھا گیا۔ اسکی فوج سلطانی فوج میں داخل کر لی گئی۔ مگر سلطان کے دل میں اسکے لئے جگہ تھی۔ باوجود اسکے سلطان نے اسکے اخراجات کیلئے دس فلم سلطانی (موجودہ تین روپئے۔) روزانہ مقرر کئے۔ چند دن کے بعد سلطان نے ایک پلٹن خاص ملک جہاں خاں کے نام سے تیار کی۔ اور خان موصوف کی رہائی کا حکم دیا۔ مگر میر صادق نمک حرام نے کہا:۔

"جہاں پناہ! ڈونڈیا سا مکار اور بدطینت شخص دنیا کے پردہ میں اور کوئی نہ ہوگا۔ اس نے آزاد رہکر سلطنتِ خداداد، حیدرآباد اور مرہٹوں کے ملک پر مٹھی بھر سواروں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ذات شاہانہ سے مخفی نہیں۔ اگر اس کو اس قدر بڑا عہدہ اور کثیر فوج دیدی جائے گی تو سلطنت کی خیر نہیں۔"

سلطان نے رہائی کا حکم موقوف کر دیا۔ ڈونڈیا واغ کو بھی خبر تھی کہ سلطان کے دل میں اسکی کس قدر عزت ہے۔ چند دن اسی طرح بسر ہوئے۔ پھر آخر سلطان

نے اسکو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد ڈونڈیا مسلمان ہوگیا۔ اور نام شیخ احمد رکھا گیا۔ مگر اس نے اپنے لئے ملک جہاں خاں کا نام پسند کیا۔ میر صادق سے بچنے کیلئے خان موصوف شاہزادہ فتح حیدر کی ملازمت میں آگیا۔

اس وقت جب شاہزادہ فتح حیدر پر اسکی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو بہ مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور بہت جلد اسکے پاس چند سوار جمع ہوگئے۔ اِدھر اُدھر تاخت و تاراج کر کے اُس نے اس قدر طاقت پکڑلی کہ اسکے پاس بیس ۲۰ پچیس ۲۵ ہزار فوج جمع ہوگئی۔ اور دو آبہ تنگ بھدرا و کرشنا میں اس کے نام سے دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اس نے سلطان کے دشمنوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ مرہٹی سردار گوکھلے اور پرسرام ناظم مرچ جو کئی دفعہ سلطان کے مقابلہ میں آئے ہوئے تھے۔ مارے گئے۔ انکے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر تشہیر کیا گیا۔

انگریزی فوج کے کئی دستے اسکے مقابلہ میں آئے۔ اور ہر دفعہ انکو ناکامی ہوی۔ آخر کرنل سرآرتھر ولزلی ایک زبردست فوج کے ساتھ مقابلہ میں آیا اور خان موصوف کی فوج میں سازشوں کا دروازہ کھل گیا۔ تاہم دو برس کی متواتر دن رات کی لڑائیوں کے بعد چونکہ اسکے قبضہ میں کوئی مضبوط قلعہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ کڑپہ اور کرنول کے پٹھانوں کی غداری سے کونال بھنوار کے قریب شہید ہوگیا۔"

سلطان کے بعد یہ دوسرا محب وطن تھا جو اس طرح ناموری کیساتھ شہید ہوگیا۔ اس کے مقابل رئیس کی تحریر دیکھئے :۔

"ملک جہاں خان مرہٹہ تھا۔ جو حیدر علی کے سواروں میں ۱۷۸۰ء میں داخل ہوا

۱۷۹۲ء میں جب لارڈ کارنواس نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کیا تو یہ دھاڑواڑ کو فرار ہوکر اِدھر اُدھر قزاقی کرتا پھرتا رہا۔ ۱۷۹۴ء میں ٹیپو سلطان نے اس کو طلب کیا اسکے ساتھ دو سو سوار تھے۔ جب وہ آیا تو سلطان نے اس کو اسلام قبول کر لینے کیلئے کہا۔ انکار پر اسے قید کر دیا گیا۔ جب ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے سرنگاپٹم پر قبضہ کیا تو اس کو اس حالت میں پایا کہ ایک دیوار سے زنجیروں میں وحشی جانور کے مانند جکڑا ہوا ہے۔ اس کو رہا کیا گیا۔ وہ یہاں سے فرار ہوکر مرہٹی سرحد پر جاکر ایک بڑی فوج جمع کر کے میسور پر حملہ کرنے لگا۔ آخر کرنل ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کو اس کے مقابل بھیجا گیا۔ مہینوں کی مسلسل کوشش اور جنگوں کے بعد یکایک ایک جگہ یہ اور اس کی فوج انگریزوں کے نرغے میں پھنس گئی۔ اور یہ اسی معرکہ میں مارا گیا"۔

نوٹ:۔ سلطان کے بعد دوسرا نامور مجاہد جب انگریزوں کی محکومی سے متنفر ہوکر استخلاص وطن کے راستے میں شہید ہوتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ رئیس کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں۔ جس پر ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی مضحکہ اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تحریر روبرو ہے۔ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ کہ اس میں کس قدر سچائی ہے۔ عجب ہے کہ سلطان اس کو قید و بند کی مصیبت دے۔ اور وہ پھر بھی اس سے اور اس کے خاندان سے وفاداری کرے۔ اور انگریز محسن بنیں اور وہ انہیں پر تلوار اٹھائے۔ (محمود)

سلطنتِ خداداد کے حصّے بخرے

جب شہزادہ فتح حیدر نے بھی پورنیا اور قمرالدین کے دام فریب میں آکر ہتھیار ڈالدئے تو کسی قسم کا خوف باقی نہیں رہا۔ اس لئے سلطنتِ خداداد کا آئندہ انتظام کرنے کیلئے جنرل ہارس کی صدارت میں ایک کمیشن (مجلس) مقرر ہوئی۔ اس کمیشن کے ارکان کرنل ولزلی، سر باری کلوز اور لفٹنٹ کرنل کرک پیاٹرک تھے۔ نظام علی خاں کی منظوری لے لی گئی۔ میر عالم اور سلطان شہیدؒ کے چند وزراء کو صرف مشاورت کیلئے منتخب کرلیا گیا۔ کمیشن کے روبرو ایک نہایت اہم کام تھا۔ سلطنت کے ۲ دو دعویدار تھے۔ ایک طرف تو سلطان کے شاہزادے اور دوسری طرف میسور کا قدیم ہندو خاندان۔ معاملات کی چھان بین کرنیکے بعد کمیشن کے آگے دونوں جانب سے مندرجۂ ذیل دلائل موجود تھے۔

سلطان کے شہزادوں کے متعلق :-

(۱) حیدر علی کو اگر غاصب سلطنت قرار بھی دیا جائے تو اس پر اس قدر عرصہ گذر چکا ہے کہ سلطنت پر انکا حق مسلم ہو چکا ہے۔

(۲) حیدر علی اگر غاصب سلطنت تھے تو انکے فرزند ٹیپو سلطان اور اسکے بعد انکے شہزادے اس الزام سے بالکل بَری اور جائز وارث سلطنت ہیں۔

(۳) ٹیپو سلطان نے اپنے شاہزادوں اور خصوصاً پہلے چار فرزندوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی ہے کہ وہ سلطنت کرنے کے اہل اور انکے دل امیدوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

(۴) سلطنت کا رقبہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے۔ کہ میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اس

قدر وسعت نہیں دیکھی تھی۔

میسور کے قدیم ہندو خاندان کے متعلق :-

(۱) میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اپنے حق سے دست برداری نہیں دی۔ اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنا چاہا۔

(۲) حیدر علی یا ٹیپو سلطان نے کبھی علانیہ طور پر ان کو اس حق سے محروم نہیں کیا۔

(۳) دسہرہ کا سالانہ تہوار اور دربار جو ایک سیاسی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ممانعت حیدر علی و ٹیپو سلطان کی جانب سے کبھی نہیں ہوئی۔ جسکی وجہ سے ہندو رعایا میں میسور کے قدیم خاندان کا وقار بجنسہ باقی ہے۔

مذکورۂ بالا دلائل پر غور کرنے کے بعد کمیشن نے ملک کی موجودہ سیاسی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے حسب ذیل نتائج مرتب کیا

(۱) اگر سلطنت سلطان کے شاہزادوں کو تفویض کیجائے۔ تو ممکن ہے کہ ان کے دل میں انتقام لینے کا جذبہ موجود رہیگا۔

(۲) سلطان کے شاہزادے دربار سلطانی کا جاہ و جلال اور سلطنت کی وسعت دیکھ چکے ہیں۔ وہ اس کو فراموش نہ کرتے ہوئے اسکے حصول کی کوشش کریں گے۔

(۳) سلطان کے شاہزادوں کو معلوم ہے کہ کس طرح انکے والد نے فرانسیسوں اور دیگر سلطنتوں سے انگریزوں کے خلاف معاہدے کئے تھے۔ اور ابھی جبکہ فرانسیسی خطرہ پوری طرح دور نہیں ہوا ہے۔ اور ہندوستان میں دوسری طاقتیں بھی موجود ہیں تو ممکن ہے کہ شاہزادے پھر ساز باز شروع کردیں۔

(۴) اگر بالفرض سلطان کے کسی شہزادے کو تخت نشین کیا جائے تو یقیناً وہ ان لوگوں

کو معاف نہیں کریگا. جو سلطنت کی تباہی اور خاندان کی موجودہ محکومانہ حالت کے ذمہ دار ہیں۔ (نوٹ:۔ غداروں کی غداری کا ثبوت اور یہ انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ محمود)

(۵) نظام علی خاں والیٔ حیدرآباد جو اس جنگ میں ہمارا حلیف ہے سلطان کے شہزادوں کو تخت دینے کا مخالف ہے. اسکے ثبوت میں کمیشن کے پاس حیدرآباد کے وزیراعظم ارسطو جاہ کا خط تھا۔ اس خط میں ارسطو جاہ نے میر عالم کو لکھا تھا:۔

"ٹیپو سلطان کے فرزندوں اور پسماندوں نے انگریزی کمپنی کے ذریعہ جو استدعا کی تھی کہ بغرض پرورش نصف حصۂ ملک اور نصف خزانہ ان کو ملے. کیوں نہیں کہتے کہ قلعہ ہم نے حملہ کرکے فتح کیا ہے اور وہ اسیران جنگ میں ہیں. ان کے لیئے قوت لایموت کے موافق تجویز کرنا چاہیئے۔ (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

پھر اسی خط میں کمیشن کو مخاطب بناتے ہوئے ارسطو جاہ نے لکھا تھا:۔

" ایں جانب (ارسطو جاہ) کو یقین ہے کہ ٹیپو سلطان کے لڑکوں اور پسماندوں کو منشاءِ سرکار دولت مدار اور اظہار میر صاحب (میر عالم) کے موافق کیا جائے گا. اور نصف ملک ہرگز ان کو نہ دیا جائیگا"۔ (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

کمیشن کے اپنے خاص دلائل اور حیدرآباد کی رائے دریافت ہونے کے بعد کمیشن نے سلطان کے امراء و وزراء سے بھی رائے لی۔ اسوقت لنگڑے غلام علی نے کہا:۔

" افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست"

اسکے بعد کمیشن کے آگے تخت نشینی کا مسئلہ بالکل صاف تھا۔ اس لئے سلطان کے شاہزادوں کو تخت سے محروم کرتے ہوئے کمیشن نے لارڈ ولزلی سے سفارش کی کہ:۔

"اگر سلطنت ہند و خاندان کے تفویض کردی جائے تو یہ عین مصلحت وقت کے

مطابق ہونے کے علاوہ ان تمام خدشات سے نجات ملجائیگی ۔ جو بصورت دیگر شاہزادوں کو تخت دینے کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں ۔ پالیسی انسانیت اور فیاضی کا بھی یہی تقاضہ ہے "

کمیشن کا یہ فیصلہ لارڈ ولزلی کے پاس بھیجدیا گیا ۔ اس پر لارڈ ولزلی نے دریافت کیا کہ اگر ہم سلطنت ہندو خاندان کو تفویض کردیں تو سلطان کی حکومت کے دوسرے افسروں کی رائے اور انکا طرز عمل کیا ہوگا ؟ اس کے جواب میں سر بیاری کلوز نے لکھا

" ملک میں ہماری مخالفت کرنے والا ہی کون ہے ۔ برہان الدین ، بنکی نواب ، معین الدین ، محمد صادق اور سید غفار تو مارے گئے ۔ پورنیا ہماری مرضی پر کام کرنے پر آمادہ ہے ۔ اور قمر الدین ہماری فیاضی پر بھروسہ کئے ہوئے ہے "

اس خط کے پہونچنے کے بعد لارڈ ولزلی نے ملک کی تقسیم اس طرح کی :-

(۱) کل اضلاع کرناٹک و پائین گھاٹ و ساحلی علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملے ۔

(۲) ضلع اننت پور ، کڑپہ ، کرنول اور بلاری نظام حیدرآباد کو دئے جائیں ۔

(۳) تنگ بھدرا سے شمال میں جتنا ملک ہے وہ مرہٹوں کیلئے اس شرط پر محفوظ رکھا جائے کہ وہ سب ہی ۔ ڈیاری سسٹم قبول کرلیں ۔

(۴) بقیہ ملک (جو اب موجودہ ریاست میسور پر مشتمل ہے) قدیم خاندان راجگان میسور کے حوالے کردیا جائے ۔

(۵) سرنگا پٹم کا جزیرہ انگریزوں کے قبضہ میں رہے ۔

(۶) سالانہ خراج سات لاکھ پگوڈا ادا کئے جائیں

(۷) ریاست کے کاروبار کی نگرانی کیلئے رزیڈنٹ مقرر ہوگا ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس عطیہ کو بیوہ رانیوں نے ۲۴ رجون ۱۷۹۹ء کو تحریر ذیل لکھکر شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

"آپ نے ہمارے بچے کیلئے میسور نگر کی حکومت معہ متعلقات کے بحال کردی ہے اور پورنیا کو دیوان مقرر کیا ہے۔ اس سے ہم بے حد مسرور ہوئے ہیں۔ ہماری سلطنت کو ہمارے ہاتھ سے نکلے ہوئے چالیس برس ہوگئے تھے۔ اب آپ نے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہم کو دیا۔ اور پورنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہے۔ ہم جب تک مہ و خورشید تاباں ہیں۔ کبھی آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرینگے۔ ہم ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کا تابع فرمان سمجھیں گے آپ نے ہمارا نام قایم کیا۔ یہ بات ہمارے خاندان میں پشتہا پشت تک یادگار رہیگی۔ ہماری اولاد آپ کی گورنمنٹ سے اس اظہار حسن عقیدت کو کبھی فراموش نہ کریگی۔ اسی کی امداد پر ہمارا بھروسہ ہے۔

شرح دستخط (۱) لچھمی امنی

(۲) دیواجی امنی

اس مرحلے کو طے کرنیکے بعد نئے راجہ کی تخت نشینی کا مسئلہ پیش ہوا۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس سے پیشتر سلطان کے شہزادوں کو ملک سے باہر بھیجدیا جائے۔ اس کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۲۵۸ پر لکھتا ہے:-

"جب یہ طے ہوگیا کہ ہندو راج قایم کیا جائے تو کرنل ولزلی نے شہزادہ فتح حیدر کو اطلاع دی کہ:-

"گورنر جنرل کے خیال میں انگریزوں اور اتحادیوں کے مفاد کو مد نظر

رکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تخت سلطان کے وارثوں کو دیا جائے اس لئے سات لاکھ کی پنشن گذارہ کیلئے مخصوص کیگئی ہے۔ اس لئے اب یہ طے شدہ ہے کہ نئی حکومت قایم ہونیسے پیشتر وہ (شہزادہ فتح حیدر) اور سلطان کے اہل خاندان کو میسور کے حدود سے باہر بھیجدیا جائے"

اس کارروائی کیلئے دوسرا دن مقرر کیا گیا۔

شہزادہ فتح حیدر نے اس عجلت اور حکم پر اظہار تعجب کیا اور کہا:۔

"اس نے انگریزوں کے قول پر بھروسہ کرکے اپنے آپ کو سپرد کردیا تھا۔ اگر کمپنی تخت و تاج نہ بھی دے تو وہ اپنے باپ دادا کی مزاروں کو چھوڑکر نہیں جا سکتا۔"

کرنل ولزلی نے اسکے جواب میں کہا کہ:۔

"قول جو دیا گیا تھا۔ اس کی کوئی اور معنی نہیں لئے جا سکتے۔ یہ یقین نہیں دلایا گیا تھا کہ تخت و تاج دئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ یہ انگریزی قانون ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی رعایا میں سے ہر شخص کو اسکی جائے سکونت چھوڑکر دوسری جگہ رہنے پر مجبور کرے۔ یہ سچ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے تخت و تاج کے معاملہ میں انصاف اور رحمدلی سے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب موجودہ وقت میں یہ اسکے مفاد کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب اس کو یہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان اور اسکے اہل خاندان کا رجحان فرانس والوں کی طرف زیادہ ہے۔ جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی فتح حیدر کو دھمکی بھی دیگئی کہ اگر وہ گورنر جنرل کے حکم کی خلاف ورزی کریگا تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ یہی بات شہزادہ عبدالخالق، معزالدین اور محی الدین سے کہی گئی۔

لہٰذا یہ بدقسمت شہزادے ۱۸ر جون کو ویلور بھیجدئے گئے۔''

شہزادوں کے اخراجات کیلئے سالانہ دو لاکھ چوبیس ہزار پگوڈا منظور کئے گئے جو قریباً ۷ لاکھ بیس ہزار روپیوں کے ہوتے ہیں۔ اس قافلہ میں سلطان کے بارہ فرزند اور ایک دختر تھی۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) شہزادہ فتح حیدر سلطان (۲) شہزادہ عبدالخالق سلطان

(۳) شہزادہ محی الدین سلطان (۴) شہزادہ معزالدین سلطان

(۵) شہزادہ محمد یسین سلطان (۶) شہزادہ محمد سبحان سلطان

(۷) شہزادہ شکر اللہ سلطان (۸) شہزادہ سرورالدین سلطان

(۹) شہزادہ جامع الدین سلطان (۱۰) شہزادہ منیرالدین سلطان

(۱۱) شہزادہ غلام محمد سلطان (۱۲) شہزادہ احمد سلطان

اور نواب حید حسین خاں داماد سلطان اور انکے علاوہ سلطان کے چھوٹے بھائی نواب کریم شاہ معہ اپنے فرزنداں غلام علی اور امام بخش بھی تھے۔

انکے علاوہ وہ لوگ بھی جنہیں سلطان سے ذرہ بھر بھی خون کا رشتہ تھا شہزادوں کے ساتھ روانہ کردئے گئے۔ لہٰذا میسور میں حیدر علی و ٹیپو سلطان کے خاندان سے کوئی ایک بھی باقی نہیں رہا۔

نوٹ:۔ اس خاندان کو ۱۸۰۶ء میں ویلور سے نکال کر کلکتہ بھیجدیا گیا۔ جہاں یہ نہایت عزت

واحترام کی زندگی اب تک بسر کر رہا ہے۔

ان تمام امور کو طے کرنے کے لئے ایک عہد نامہ لکھا گیا جس پر لارڈ ولزلی نے ۲۶؍ جون ۱۷۹۹ء اور نظام الملک نے ۱۳؍ جون ۱۷۹۹ء کو دستخط کیا۔

شاہزادوں کو رخصت کرنے کے بعد نئے راجہ کو ۳۰؍ جون ۱۷۹۹ء کو میسور میں تخت نشین کیا گیا۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۶ پر لکھتا ہے:۔

"تخت نشینی کی رسم دوپہر میں منائی گئی۔ کمیشن (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی جانب سے جنرل ہارس اور حیدرآباد کی جانب سے میر عالم راجہ کے دونوں بازو تھامے ہوئے تھے۔ تخت پر بٹھانے کے بعد جنرل ہارس نے دربار میں اعلان کیا کہ گورنر جنرل نے پورنیا کو اس نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا ہے۔"

زوالِ سلطنتِ خداداد پر انگریزوں کی خوشیاں

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ جب لارڈ ہارس سلطان کی لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ:۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

اس سلسلہ میں جو خوشیاں منائی گئیں اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنتِ خداداد کا اثر سیاسیات ہندوستان پر کتنا زبردست تھا۔ اور سلطان کی ذات کس قدر بلند مرتبہ تھی۔ اسکی دُور رس نظر، اسکی تنظیم و تنسیق، اسکے بلند ارادے ہندوستان میں کیا کرنا چاہتے تھے۔ اسکی ایک جھلک اس کے خط و کتابت اور فوجوں کی آراستگی سے معلوم ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہ سلطان ہی کی ذات تھی۔ جو ہندوستان اور انگریزی قبضہ کے

درمیان حائل تھی - اس کے زوال پر جو کچھ بھی خوشیاں منائی جاتیں وہ کم تھیں۔
لارڈ ولزلی اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتا ہے :۔

"میں ہندوستان میں اپنی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع کرونگا کہ خود ڈائرکٹران کمپنی ہندوستان پر رحم کرنے کیلئے درخواست کریں"۔ (تاریخ باسو)

اور ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک مراسلہ میں لکھتا ہے :۔

"ٹیپو سلطان کی موت اور اسکی سلطنت کا خاتمہ دیگر ہندوستانی حکمرانوں کیلئے ایک ایسا سبق ہے کہ وہ آئندہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں گے"۔

(ماڈرن میسور)

لارڈ ولزلی کو سرجان اینس تھروٹر ۱۷/ مئی ۱۷۹۹ء کو لکھتا ہے :۔

"ہماری تاریخ ہندوستان کا سب سے نمایاں، سب سے شاندار اور سب سے بڑا کارنامہ اس طرح آپ کے ہاتھوں انجام پانے پر میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں"۔

۶ فروری ۱۸۰۰ء کو لارڈ ولزلی نے کلکتہ واپس پہونچکر ایک شاندار جلوس نکالا۔ جس میں لارڈ ولزلی، چیف جسٹس اور کمانڈر انچیف (سر الفرڈ کلارک) ممبران کونسل اور دیگر سرکاری، سیول و فوجی افسر پیادہ پا گرجا تک گئے۔ راستوں میں فوج دو رویہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستان میں یہ پہلا وقت تھا کہ اس قدر شاندار جلوس انگریزوں کا نکلا ہو۔ اس جلوس کو مذہبی رنگ دیا گیا تھا۔ اور گورنر جنرل نے اس کو شاندار بنانے میں اپنا پورا زور صرف کردیا تھا۔

جب زوالِ سلطنتِ خداداد کی خبر انگلستان میں پہونچی تو وہاں کی خوشی کی کوئی

حد نہ رہی۔ لارڈ ولزلی کو جواب تک "ارل آف مارننگٹن" تھا "مارکوئیس" کا خطاب دیا گیا۔ جنرل ہارس کو جو ایک غریب پادری کا لڑکا تھا

"لارڈ ہارس آف سرنگاپٹم"

کا خطاب ملا۔ انگریزی فوج کے ہر سپاہی کو علاوہ انعامات کے تمغے دئے گئے۔ اس قسم کا ایک تمغہ میری نظر سے بھی گذرا ہے۔ اس میں ایک جانب تو سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء ثبت ہے اور دوسری جانب دریائے کاویری میں ایک شیر کو پچھاڑ کر سنٹ جارج جو گھوڑے پر سوار ہے نیزہ مار رہا ہے۔ گو کہنے کو تو یہ ایک معمولی تمغہ ہے۔ مگر اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطان واقعی شیر ہندوستان تھا۔ اور اس طرح انگریزوں نے بھی جو اسکے حریف تھے۔ اسکی "شجاعت اور بہادری" کا اعتراف کیا ہے۔

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب پر ابھی تک کسی تاریخ میں مفصل روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عام طور پر جو مشہور ہے وہ یہی ہے کہ سلطان کے وزراء و امراء نے آخر وقت میں سلطان سے غداری کی تھی اور اسی وجہ سے سلطنت پر زوال آ گیا۔ گو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور تاریخ نشان حیدری و حملات حیدری کے مصنفوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان افسروں نے غداری کس وجہ سے کی؟ انکی اس غداری کے متعلق جن وجوہات کو بتلایا گیا ہے۔ وہ بالکل سطحی ہیں۔ اس لئے ذیل میں ان تمام حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جو اس غداری کی اصلی محرک تھیں۔ اس سلسلہ میں ممکن ہے کہ بعض واقعات کو جن کا ذکر آگے آ چکا ہے۔ دہرانا پڑیگا لیکن انکے دھرائے بغیر مطلب پورا نہیں ہو سکتا۔ (محمود)

نوابِ حیدر علی نے جس زمانہ میں اپنی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت جنوبی ہند میں انکے مقابل مندرجہ ذیل حریف موجود تھے:۔

(۱) نواب محمد علی والاجاہ۔

"تاریخ بین اصحاب واقف ہیں کہ والاجاہ محمد علی انگریزوں کی تائید سے ارکاٹ کا نواب بنا تھا۔ اسکی آرزو تھی کہ حیدر آباد کا بھی حکمران بنجائے۔ اور اس مقصد کے لئے اس نے انگریزوں اور چند امرائے حیدر آباد کو اپنے ساتھ ملا لیکر حیدر آباد میں سازشیں کر رہا تھا۔ لیکن عین اسی وقت میسور میں حیدر علی کے عروج نے اسکی توجہ کو حیدر آباد سے ہٹاکر

اپنی طرف کر لی۔ میسور صوبہ سرا کے ماتحت تھا۔ نظام الملک اول کے زمانہ سے سرا کا صوبہ بھی ارکاٹ میں ضم ہو چکا تھا۔ لیکن بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری جب حیدر علی کو دیدی تو محمد علی والاجاہ جو اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے تمام جنوبی ہند کا مالک سمجھتا تھا۔ حیدر علی کا مخالف بن گیا اور حیدر علی کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرنے لگا۔

(۲) نواب نظام علیخاں۔ نظام الملک دوم۔

نواب بسالت جنگ کو معزول کرنے کے بعد مسند نشین ہوا تھا۔ بہ حیثیت صوبہ دار دکن تمام جنوبی ہند (یعنے صوبہ ارکاٹ وصوبہ سرا اس کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ حیدر علی کا اس وجہ مخالف بن گیا کہ حیدر علی نواب بسالت جنگ کا بنایا ہوا صوبہ دار تھا۔ اور ساتھ ہی اسکو حیدر علی کی روز افزوں فتوحات سے یہ خوف بھی پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں تمام ہندوستان سلطنتِ خداداد کے قبضہ میں نہ آجائے۔ اور اس طرح شہنشاہیت کا جو خواب وہ دیکھ رہا تھا پورا نہ ہو؟

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی۔

ہوس ملک گیری میں ارکاٹ اور حیدر آباد میں اپنا دام تزویر عرصہ سے پھیلا رکھی تھی۔ والاجاہ محمد علی کی بدولت کورومنڈل کے بہت سے علاقوں پر حکمرانی بھی کر رہی تھی۔ اور محمد علی کے بقیہ علاقوں کی ایجنٹ بھی تھی۔ اس کو حیدر علی کا عروج اس کے مقاصد میں هارج نظر آرہا تھا۔ اس نے پہچان لیا کہ اگر حیدر علی کی سلطنت قایم رہی تو ہندوستان میں اسکے قدم نہیں جم سکتے۔

(۴) مرہٹے۔

انہیں ایک نئی اسلامی سلطنت کا وجود میں آنا ناگوار گذر رہا تھا۔

(۵) میسور کا قدیم ہندو خاندان۔

یہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنا اور آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کیلئے میسور کی رانیاں کوشش کرنے لگیں۔

حالات نواب حیدرعلی میں لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ میسور کے راجہ کے سپہ سالار تھے تو انکے خلاف راجہ اور کھنڈے راؤ نے مرہٹوں کی امداد سے سازش کرتے ہوئے انکی جان لینی چاہی۔ لیکن حیدرعلی نے میدان جنگ میں ان حریفوں کو شکست دیکر سرنگاپٹم پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کو اس کا قدیم علاقہ تین لاکھ کی جاگیر دیتے ہوئے اس کو بھی سرنگاپٹم میں ہی رہنے کی اجازت دی۔ راجہ کے اقتدار کو محدود کرتے ہوئے داخلی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اس کا شاہانہ کروفر بھی بحال رکھا۔ جس کی وجہ سے ہر سال دسہرہ کا دربار اگلی شان و شوکت کے ساتھ ہی منایا جاتا تھا۔ لیکن راجہ اور اس کا خاندان اس پر قانع نہیں ہوا۔ انہوں نے حیدرعلی کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

نواب حیدرعلی نے یہ غلطی کی کہ انہوں نے اپنی سلطنت کا پایۂ تخت بھی سرنگاپٹم کو ہی بنایا۔ ممکن ہے کہ نواب نے اس وقت یہ سمجھا ہو کہ اس طرح نگرانی بھی خوب رہیگی اور راجہ کا خاندان بھی قانع رہیگا۔ لیکن یہ اصول طبیعت انسانی کے خلاف تھا۔ سرنگاپٹم زمانۂ دراز سے راجہ کے خاندان کا پایۂ تخت تھا۔ اور یہاں بلاشرکت غیرے اسکا اقتدار رہا۔ اس لئے راجہ کے خاندان کو باوجود تمام مراعات حاصل رہنے کے بھی یہ امر حد درجہ شاق گذر رہا تھا۔ کہ اسی شہر میں جہاں کی رعایا ان کو مختار مطلق تسلیم کرتی تھی

حیدرعلی جو سابق میں اسی خاندان کے ملازم تھے۔ اپنا اقتدار بطور پیرموئنٹ پاور (اعلیٰ طاقت) قایم کرے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خاندان اس پالیسی میں اپنی سبکی محسوس کرنے لگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ رانیوں نے سلطنت خداداد کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔

پہلی سازش سنہ ۱۷۶۱ء

کتاب پرد ہانس آف میسور کے صفحہ ۴ پر تحریر ہے کہ :-

"حیدرعلی نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی - تو رانیوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کے پاس حیدرعلی کے خلاف تائید حاصل کرنے کیلئے اپنے ایک معتمد رائے ورگ سرینواس راؤ کو مدراس روانہ کیا۔ اس وقت لارڈ پیکاٹ گورنر تھا۔ اس نے تائید دینے کا وعدہ کرلیا"

دوسری سازش سنہ ۱۷۶۵ء

لیکن باوجود وعدہ کے جب انگریزوں کی جانب سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو رانیوں نے اپنا ایک ایلچی سنہ ۱۷۶۵ء میں مرہٹوں کے پاس پونا روانہ کیا۔ اور درخواست کی کہ میسور کو حیدرعلی کی سرپرستی سے نجات دلائی جائے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا مادھوراؤ نے حیدرعلی پر فوج کشی کردی۔ لیکن پے در پے مشکلات نے اس کو مجبور کردیا کہ حیدرعلی سے صلح کرلے کر واپس ہوجائے۔

تیسری سازش سنہ ۱۷۶۸ء

نواب حیدرعلی کے خلاف یہ سازش والاجاہ محمد علی (ارکاٹ) نظام علی خاں (حیدرآباد) اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوتی ہے۔

یہ آگے بتلایا جاچکا ہے کہ والاجاہ محمد علی ارکاٹ کا خودمختار حکمران ہونا چاہتا تھا۔ اور انگریز اسکے ایجنٹ تھے۔ صوبہ دار دکن کی ارکاٹ پر سیادت کا خاتمہ کرنے کے

لئے حیدرآباد میں سازشیں ہورہی تھیں۔ حیدرآباد کا وزیراعظم رکن الدولہ اور میرعالم ایسٹ انڈیا کمپنی کے جال میں پھنس چکے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کمپنی نے حیدرآباد سے ایک معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ حیدرآباد میں ۲۲ فروری ۱۷۶۸ء میں ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے :-

(۱) والا جاہ محمد علی کو صوبہ ارکاٹ کا مستقل اور آزاد حکمران تسلیم کرتے ہوئے نذرانہ اور پیش کش سے بھی معافی دیدی گئی۔

(۲) نظام علیخاں دریائے کرشنا سے نیچے تمام ملک سے دست برداری دیدی۔

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی کو والا جاہ محمد علی کا نمائندہ (ایجنٹ) تسلیم کرلیا گیا۔

(کتاب سندس انڈ ٹریٹیز جلد۹ صفحہ ۲۸)

والا جاہ محمد علی یا صوبہ ارکاٹ کا معاملہ طے کرنیکے بعد کمپنی نے صوبۂ سرا کا معاملہ بھی اسی معاہدہ میں طے کرلیا۔ اس معاہدہ کی شرط (۱۰) کی رو سے نظام علیخاں نے صوبۂ سرا کی دیوانی سات لاکھ روپئے سالانہ پیش کش کے عوض کمپنی کو بخش دیا۔

لیکن مشکل یہ تھی کہ صوبۂ سرا پر نواب حیدرعلی قابض ہو چکے تھے۔ اس لئے بہ حیثیت صوبہ دار دکن نظام علیخاں نے اس معاہدہ کی شرط ۹ سے انہیں غاصب قرار دیا۔

اس معاہدہ کے بعد یعنے اندرونی طور پر سازش کو مکمل کرلیکر ایسٹ انڈیا کمپنی۔ والا جاہ محمد علی اور نظام علی خاں نے حیدرعلی پر فوج کشی کردی۔ جو تاریخ میں میسور کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سازش پر حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخ اس طرح روشنی ڈالتی ہے :-

"حیدر علی خان کی ہمسایہ ریاستوں میں ایک طرف مرہٹے اور دوسری طرف سرکارِ نظام، تیسری طرف نواب کرناٹک تھے۔ نواب کرناٹک کے پردے میں دراصل انگریز کرناٹک پر حکمران تھے۔ جن کی نظر میں حیدر علی خاں کی روزافزوں طاقت کھٹک رہی تھی اور انہیں کوئی خطرہ تھا تو حیدر علی خان ہی سے تھا۔ اور حیدر علیخان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ اس اجنبی قوم کو علاقہ دکن سے نکال باہر کردیں۔ لیکن نواب کرناٹک کی سادہ مزاجی کی وجہ سے اس قوم کے قدم علاقہ کرناٹک میں مستحکم طور پر جم گئے تھے۔ ایک حد تک انہیں کے ذریعہ اس قوم نے نظام علی خاں کے پاس اچھا رسوخ پیدا کرلیا۔"

(نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۴۰)

اس جنگ کا نتیجہ اتحادیوں کیلئے نہایت مایوس کن نکلتا ہے۔ جنگ کا خاتمہ سنہ ۱۷۶۹ء میں انگریزوں کی شکست اور صلحنامہ مدراس پر ہوتا ہے۔

چوتھی سازش سنہ ۱۷۷۱ء

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ تیسری سازش میں میسور کے قدیم خاندان نے کس قدر حصہ لیا تھا یا بالکل ہی نہیں لیا۔ لیکن جب انگریزوں کو اس جنگ میں شکست ہوچکی تو رانیوں نے ہمت نہیں ہاری اور اس دفعہ یعنے سنہ ۱۷۷۱ء میں انہوں نے اپنے پردھان ترمل راؤ کو پیشوا مادھوراؤ کے پاس پونہ روانہ کیا۔ اس وقت رانیوں کی درخواست کے علاوہ مرہٹوں کے پیش نظر دو امور تھے۔

(۱) میسور کو اپنے قبضہ میں کرنا۔

(۲) اپنی شکستوں کا حیدر علی سے انتقام لینا۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے مادھوراؤ اور اس کے سپہ سالار ترمل راؤ نے

۱۷۷۴ء میں پھر میسور پر فوج کشی کی۔ اس جنگ کا سلسلہ چار سال تک رہا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ مرہٹے واپس ہو گئے۔ اور اس طرح اس دفعہ بھی ہندو راج قایم کرنیوالوں کے توقعات برنہ آئیں۔

نوٹ :۔ حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ اس سازش کا سرغنہ ترمل راؤ ہے جو رانیوں کا پردھان یعنی دیوان ہے۔ حیدر علی نے اس کو گرفتار کرلیا۔ لیکن بعد میں عفو و ترحم سے کام لیکر اسکو رہا کرتے ہوئے کڑپہ میں نواب عبد الحلیم خاں کے دربار میں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ (محمود)

پانچویں سازش ۱۷۷۹ء

اوپر کی نوٹ میں لکھا جا چکا ہے کہ حیدر علی نے ترمل راؤ کو کڑپہ میں اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ یہاں ابھی اس کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا۔ کہ اسکو معلوم ہوا کہ مدراس میں لارڈ پیگاٹ کمپنی کا گورنر مقرر ہو کر آیا ہے۔ یہ وہی گورنر تھا جس نے ۱۷۶۱ء میں رانیوں کو تائید دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہاں ترمل راؤ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ لارڈ پیگاٹ ریاست تنجاور کے اندرونی معاملات میں دخل دے رہا ہے۔ اس لئے ترمل راؤ اور اسکا بھائی نارائن راو کڑپہ سے فرار ہو کر تنجاور پہونچے۔ جہاں انکی خوش قسمتی سے تنجاور کا راجہ اور رزیڈنٹ جان سلیوان ان کے ہمراز بن گئے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام کے تمام اسوقت میسور کی اندرونی حالت سے ناواقف تھے۔ اس لئے مدراس کی حکومت نے سی۔ ٹی شوارٹز کو ایلچی بناکر حیدر علی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص ایک پادری تھا۔ بظاہر پادری شوارٹز نے مدراس کے گورنر کی جانب سے حیدر علی کے نام ایک خط لایا جس میں لکھا گیا تھا کہ حکومت حیدر علی سے تلافی مافات کرنے، اور بہت زیادہ دوستی کی خواہاں ہے۔ اسی خط میں گورنر نے حیدر علی سے یہ بھی درخواست کی تھی، کہ شوارٹز کو پادری ہونے کی حیثیت سے مذہبی تبلیغ کی اجازت دی جائے۔ ۲۵ اگست ۱۷۷۹ء کے دن پادری شوارٹز سرنگا پٹم پہونچا۔ نواب حیدر علی نے اس کو مذہبی راہنما سمجھ کر تبلیغ

کی اجازت ویدی۔ اس آزادی سے فائدہ اٹھاکر اس نے سرنگاپٹم میں میسور کی رانیوں سے ملا۔ اور کل حالات سے واقف ہوکر تنجاور کو واپس پہونچا۔ یہاں اس نے میسور کی رانی کی جانب سے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی اہم شرائط کتاب سندس انڈ ٹریٹیز جلد نہم کے صفحہ ۲۰۰ اور ۲۰۱ سے یہاں دی جاتی ہیں۔

میسور میں ہندو راج قائم کرنے کے لئے معاہدہ

مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۷۸۲ء

شرایط

ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے	رانی لکشما کی جانب سے
	ایسٹ انڈیا کمپنی حیدر علی سے ہمارا تمام ملک ہم کو واپس لیکر دیدے تو:-
	(۱) انگریزی فوج جب حیدر علی کے خلاف نقل و حرکت شروع کریگی تو انگریزوں کو تین لاکھ کنٹی رایا پگوڈا (طلائی سکے) دئے جائیں گے۔
	(۲) جسوقت انگریزی فوج میدانی ملک چھوڑ کر بالاگھاٹ پر بڑھے گی اور رادمیلی یا دیسی برم کے مقامات پر قبضہ کریگی تو مزید ایک لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے۔
	(۳) جس وقت انگریزی فوج میسور پر قبضہ

کرکے اس ملک کو ہمارے قبضہ میں دیدیگی تو پھر ایک لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے ۔	
(۴) جسوقت سرنگاپٹم کو تسخیر کرلیا جائیگا تو مزید ۵ لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے ۔	ایسٹ انڈیا کمپنی یہ چاروں شرائط منظور کرتی ہے ۔
(۵) سرنگاپٹم فتح کرلنے کے بعد جس تاریخ سے رانی لکشما کا منظور کردہ راجہ تخت پر بیٹھے گا تو اس تاریخ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو پانچ لاکھ پگوڈا بطور خراج دئے جائیں گے ۔ اور اسکے علاوہ سرکار میسور میں ایک لاکھ کی جاگیر بھی کمپنی کو دیجائیگی ۔ اور کمپنی کو اپنی فوج کا ایک حصہ ہماری حفاظت کیلئے یہاں رکھنا ضروری ہوگا ۔	کمپنی اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ رانی کے منظور کردہ راجہ کو تخت نشین کرے ۔ لیکن رقم کے متعلق اس وقت تعین نہیں کیا جاسکتا ۔ معلوم نہیں کہ ملک کی حفاظت کیلئے کس قدر فوج کی ضرورت ہوگی ۔
(۷) کمپنی کو ملک کے اندرونی نظم ونسق میں کوئی دخل نہ ہوگا ۔	کمپنی اندرونی معاملات میں دخل نہ دیگی ۔ لیکن وہ خراج جو مرہٹوں یا شہنشاہ مغلیہ کے صوبہ داروں کو میسور کی جانب سے دیا جاتا ہے اس کو کمپنی کے ذریعہ ادا کیا جائے ۔ براہ راست خراج ادا کرنے کا میسور کو اختیار نہ ہوگا ۔
(۸) حیدر علی کی تمام املاک ، مال وزر ، ہاتھی اور گھوڑے اور قلعوں میں جس قدر سامان ہو وہ میسور کے حوالے کردینا ہوگا ۔	یوروپی قاعدۂ جنگ کے مطابق تمام مال غنیمت سپاہیوں کا حق ہوجاتا ہے ۔ اگر اس مال غنیمت کے عوض کوئی رقم مقرر کی جائے تو کمپنی

	اپنے افسروں کو ہدایت کریگی کہ وہ رقم لیکر مال غنیمت چھوڑ دیں ۔
(۶) حیدر علی اور دوسرے تمام افسر جو میدان جنگ میں اسیر ہوں ۔ میسور کے راجہ کے حوالے کر دئے جائیں ۔	کمپنی حیدر علی کے خلاف بطور حریف جنگ آزما ہو رہی ہے ۔ اس لئے اس شرط کو منظور نہیں کیا جا سکتا ۔ البتہ میسور کی راجدھانی کے فوائد مدنظر رکھے جائیں گے ۔
دستخط (۱) سی ۔ ٹی ۔ شوارٹز	دستخط جان سلیوان
(۲) ترمل راؤ (برائے رانی میسور)	رزیڈنٹ تنجاور (برائے ایسٹ انڈیا کمپنی)

اسی سلسلہ میں کتاب پرو ہانس آف میسور کے صفحات ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ پر علاوہ اس معاہدہ کے اور تین خطوط دئے گئے ہیں ۔ ان خطوط میں ایک خط ترمل راؤ اور اسکے بھائی نارائن راؤ کا ہے ۔ جس میں انہوں نے جان سلیوان اور تنجاور کے راجہ کا شکریہ ادا کیا ہے ۔ کہ انکی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا ۔ دوسرا خط لارڈ مکارٹنی مدراس کے گورنر کا ہے ۔ جو میسور کی مہارانی لکشما کے نام ہے ۔ اس خط میں لارڈ مکارٹنی نے رانی کو تائید دینے کا یقین دلایا ہے ۔ تیسرا خط بھی لارڈ مکارٹنی کا ہے ۔ جس میں اول الذکر معاہدہ کی تصدیق کی گئی ہے ۔ بہر طور جب مدراس اور تنجاور میں یہ سازشیں ہو رہی تھیں تو اسی زمانہ میں پایۂ تخت سرنگاپٹم میں بھی سازشیں شروع کر دی گئیں ۔ یہ وہ وقت تھا کہ میسور کی دوسری جنگ حیدر علی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہو رہی تھی ۔ سازش حیدر علی کے خلاف کی گئی تھی ۔ لیکن اتفاقاً اسی زمانہ میں حیدر علی کا انتقال ہو جاتا ہے ۔ اس لئے یہی سازش اب ٹیپو سلطان کے خلاف استعمال ہوتی

ہے۔ اس سازش کا مفصل بیان میسور گزیٹیر جلد دوم کے حصہ سوم کے صفحات ۲۵۵۲ سے ۲۵۵۰ تک دیا گیا ہے۔ اور اسی سے یہاں اقتباس لیا جاتا ہے :۔

اسلامی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی کوشش

۱۷۸۲ء تا ۱۷۸۴ء

حیدرعلی کی میدان جنگ میں وفات اور ٹیپو سلطان کی پایۂ تخت سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس جماعت نے جو اس سلطنت کا خاتمہ کرنیکا بیڑا اٹھائے ہوئی تھی، اپنا کام شروع کی۔ اس سازش کے سرغنے انچے شامیا، رنگیا، نرسنگ راؤ، اور سنگیا تھے۔ انچے شامیا کا پورا نام شاما ایزگار تھا۔ اس شخص کو حیدرعلی نے ۱۷۷۹ء میں محکمۂ ڈاک کا افسر اعلےٰ بنایا تھا۔ رنگیا جس کا پورا نام رنگا اینگار تھا انچے شامیا کا حقیقی بھائی تھا۔ نرسنگ راؤ سرنگا پٹم میں بلدیۂ شہر کا صدر اور خزانہ کا افسر تھا۔ سنگیا ضلع کوئمتور کا آصف تھا۔ ان تمام سازشیوں کے درمیان طے ہوا کہ سرنگا پٹم پر قبضہ کرکے ہندو راج قایم کیا جائے۔ اس سازش کو عمل میں لانے کیلئے مندرجۂ ذیل دو تجاویز سوچی گئیں :۔

(۱) موقع ملنے پر ٹیپو سلطان کو بھی میدان جنگ میں قتل کر دیا جائے۔ یا انگریزوں سے مدد حاصل کرکے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں۔ جس سے ٹیپو سلطان کی میسور کو واپسی ناممکن ہو جائے۔

(۲) ایک مقررہ دن خاص پایۂ تخت میں علم بغاوت بلند کرکے قلعہ پر قبضہ اور تمام مسلمان افسروں کو قید کر لیا جائے۔

پہلی تجویز کو عمل میں لانے کیلئے ترمل راؤ اور شوارٹز کے معاہدہ نے راستہ صاف کر دیا تھا۔ بمبئی سے انگریزی فوج کرنل ہمبرٹن کی ماتحتی میں ساحل ملیبار پر اتر چکی تھی۔ لیکن مشرقی محاذ میں سرائر کوٹ نے اس تجویز سے نااتفاقی ظاہر کی۔ اور کہا کہ بمبئی کی فوج بھی مشرقی محاذ کی فوج کے ساتھ مل کر پالگھاٹ (کوئمبتور) کے راستہ سے میسور پر چڑھائی کرے۔ ابھی یہ تجاویز ہو ہی رہی تھیں کہ ٹیپو سلطان نے منگلور میں اس فوج کا محاصرہ کر لیا۔ جو کرنل ہمبرٹن کے ماتحت تھی۔ اس لئے اس تجویز کا پہلا حصہ ناکامیاب رہا۔ اغلب گمان ہے کہ اس کی خبر بروقت سرنگاپٹم میں نہیں پہونچی۔ اور وہاں سازش کے دوسرے حصہ پر عمل شروع ہو گیا۔ اس کیلئے یہ تجاویز کی گئی تھیں کہ :-

(۱) تنخواہ کے دن جب فوج کے مسلمان سپاہی تنخواہ لینے آئیں تو انہیں ہندو سپاہیوں اور پہرہ داروں کے ذریعہ گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ یہ اس لئے ممکن سمجھا گیا کہ اس وقت فوجی سپاہی نہتے ہوتے ہیں۔

(۲) رسالدار اسد خاں کو اسی وقت قتل کرتے ہوئے خزانہ کے علاوہ تمام فوجی میگزین یعنے گولہ بارود اور ہتھیار پر قبضہ کر لیا جائے۔

(۳) ان تجاویز کو عمل میں لانے کیلئے فوج کے ہندو سپاہی اور پہرہ داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔

(۴) ضلع کوئمبتور کے آصف سنگیا کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ انگریزی فوج کی نقل و حرکت میں مدد دے۔

(۵) رنگیا برادر شامیا کے ذمہ یہ کام تھا کہ قلعہ میں جو انگریزی قیدی اسیر ہیں انہیں آزاد کر کے انکی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ رنگیا نے اس مقصد

کے لئے دس دن پیشتر تمام قیدیوں جن میں جنرل میا تھوز بھی تھا۔ ملاقات کی)

(۶) ان تجاویز کو عمل میں لانے کیلئے ۲۴ ر جولائی ۱۷۸۴ء کا دن مقرر کیا گیا۔"

اس کے ایک دن پہلے ہندو سپاہیوں، پہرہ داروں وغیرہ کو ہتھیار تقسیم کئے گئے۔ لیکن اسی شب یعنے ۲۳ ر اور ۲۴ ر کی درمیانی شب جب قلعہ دار رسید محمد خاں اپنے دفتر سے مکان کو جارہا تھا۔ تو کسی نے آکر آہستہ سے کہا کہ وہ ایک اہم راز کا افشا کرنے والا ہے۔ قلعہ دار نے نہایت توجہ سے اسکی بات سنی۔ اور فوراً اسی وقت قلعہ کے دروازہ پر پہرہ مقرر کردیا۔ اور اس ہرکارے کو بھی گرفتار کرلیا جو انگریزی فوج کے نام خط لے جارہا تھا۔ خط کے ملتے ہی سب سے پہلے نرسنگ راؤ کو گرفتار کرلیا گیا۔ جس نے تمام حال کہہ سنایا۔ اور اس کے بعد ہی اسی شب اپجے شامیا اور رنگیا اور دوسرے سرغناؤں کو بھی گرفتار کرکے منگلور روانہ کردیا گیا۔ تناب رائے جو سابق قلعہ دار تھا۔ اسکو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے تو اس کو رہا کردیا گیا۔

منگلور پہونچنے پر یہ تمام سرغنے قتل کردیئے گئے۔

اس طرح یہ چوتھی لیکن رانیوں کی جانب سے تیسری سازش جو سلطنت خداداد کے خلاف تھی ناکام رہگئی۔ اور انگریزوں نے بھی ۱۷۸۴ء میں سلطان سے معاہدہ کرلیا۔ یہ عہدنامہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مجبوراً قبول کیا۔ اس سے جنوبی ہند میں انکے اقتدار کو سخت دھکا لگا۔ جنوبی ہند کے باشندوں اور ریاستوں میں ان کی ساکھ ختم ہوگئی۔ انگلستان میں ایک کہرام مچ گیا۔ انس منرو جو اس جنگ میں شریک تھا۔ لکھتا ہے:۔

"مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سے جو صلح نامہ ہوا ہے وہ عارضی ثابت ہوگا۔ کوئی انگریز ان ذلتوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ جو اس جنگ میں اٹھانی پڑیں۔"

(میسور گزیٹر صفحہ ۲۵۹۸)

گویا اب اس معاہدہ کے بعد انگریز اپنا ذاتی انتقام بھی لینے پر آمادہ ہوگئے۔

چھٹویں سازش
۱۷۸۴ء

میسور کی دوسری جنگ جو چار سال تک رہی اور جس کا خاتمہ ۱۷۸۴ء میں ہوا، حیدر آباد میں نظام علی خاں اور پونا میں مرہٹوں کے دلوں میں یہ امید پیدا کر دی تھی۔ کہ اس جنگ میں سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن خلاف امید جب سلطان مظفر و منصور نکلا تو پھر ان دونوں نے سلطان کے خلاف سازش کرتے ہوئے اپنی قوت آزمانی چاہی۔ اور اس کیلئے انہوں نے باہم معاہدہ کر لیا۔ جو تاریخ میں معاہدۂ ایت گیر ۱۷۸۴ء کے نام سے مشہور ہے۔

(نوٹ :- یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ معاہدہ صلح نامۂ منگلور کے چند ہی دن بعد ہوتا ہے)۔

شاید مرہٹوں اور نظام علی خاں کو یہ خیال تھا کہ مسلسل چار سالہ جنگ سے سلطنت خداداد کی فوجی طاقت گھٹ گئی ہو۔ اس معاہدہ پر مرہٹوں کی جانب سے نانا فرنویس اور حیدر آباد کی جانب سے خود نظام علی خاں نے دستخط کئے تھے۔ حیدر آباد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوی۔

کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدر آباد کے صفحہ ۱۴۳ پر تحریر ہے :-

"جب پیشوا کو یہ علم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدۂ سالبی کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت وصول چوتھ اپنے ایلچی روانہ کئے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا کہ ان کے والد نے چند ضرب توپ اور بندوق کے سوائے کوئی اور چیز متروکہ میں نہیں چھوڑی ہے۔ جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف و پر دل

ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علی خاں کے ساتھ اتحاد قایم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا"

ایت گیر کے معاہدہ کو خود نظام علی خاں کا مصنف حق بجانب نہیں سمجھتا۔ اس لئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر اس طرح لکھتا ہے:۔

"اس موقع پر ٹیپو سلطان کے خلاف عمل جارحانہ اختیار کرنے میں نظام علیخاں کو حق بجانب قرار دینے کیلئے صاحب توزک آصفیہ ٹیپو سلطان کی زیادتیوں کو بیان کرتا ہے اور اسکے بعد نظام علیخاں کی فہمایش۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ سنہ ۱۱۹۰ھ کے اوائل میں ٹیپو سلطان نے اپنا روپیہ (جو وزن میں دو تولے اور جس میں انکے نام کے ساتھ سلطان کا لفظ شامل تھا) مسکوک کر کے میسور کے علاقے میں جاری کرنیکے علاوہ ممالک محروسہ بندگان عالی میں بھی جاری کرادیا۔ چنانچہ ایسا بہت سا روپیہ حیدرآباد میں بھی پہونچکر کوچہ بکوچہ رائج ہوگیا۔ اور یہ خبر عام طور پر مشہور ہوگئی۔ کہ وہ بندگانعالی کے مقابلہ میں خروج کر رہے ہیں ان کے مراسلات جو اسی زمانہ میں بندگان عالی کی خدمت میں وصول ہوئے۔ اسکی تائید کرتے تھے کہ خلاف رسم قدیم اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف انہوں نے مراسلات میں عرضی کی مد نکال کر مساویانہ طریقہ پر خطوط بھیجے۔ اور ان قلعہ جات و پرگنوں کو جنہیں ان کے باپ حیدر علی خان کھو بیٹھے تھے۔ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا"

یہ تو صحیح ہے کہ سلطان نے نئے سکے مسکوک کیا تھا اور ممکن ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں انکا رواج حیدرآباد میں بھی ہوا ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا تھا کیونکہ تمام ہندوستان میں اسوقت اسکا ہم پلہ کوئی نہیں تھا لیکن صاحب توزک آصفیہ کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ ٹیپو سلطان نے حیدرآباد کے علاقہ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا۔ کیونکہ معاہدہ ایت گیر کی تاریخ ۱۰ مارچ ۱۷۸۴ء ہے اور صلحنامہ منگلور کی تاریخ ۱۱ مارچ ۱۷۸۴ء ہے۔ اور اس تاریخ تک سلطان انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا

بہر طور نظام اور مرہٹوں نے جنگ شروع کردی۔ یہ جنگ مسلسل تین سال یعنے ۱۷۸۷ء تک جاری رہی
آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ نظام علیخاں اور مرہٹوں کو شکست ہوتی ہے سلطنت خداداد کے حدود دریائے تنگبھدرا کو عبور کر
کیپل تک، ادھر مرہٹی ملک میں بدگام تک کا علاقہ سلطان کے ہاتھ آجاتا ہے۔

ساتویں سازش ۱۷۸۸ء

اس تمام عرصہ میں یعنے ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۸ء تک تنجاور میں ترمل راؤ جورانیوں کا ایجنٹ تھا۔ مذکورۂ بالا جنگ کے نتیجہ کا بے صبری سے انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب جنگ کا نتیجہ اسکے حسب مراد نہیں نکلا تو اس نے پھر انگریزوں سے سازشیں شروع کردیں۔ گو ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس عرصہ میں بظاہر خاموش تھی۔ لیکن اندر ہی اندر سلطان کے خلاف ہندوستان اور انگلستان میں شدت سے پروپاگنڈہ کررہی تھی۔ اسکو اپنی گذشتہ شکستوں کا انتقام لینا تھا۔ تمام انگریزی مورخین متفق ہیں کہ اس وقت انگریز اپنی سابقہ شکستوں کا بدلہ لینے کیلئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اور انکا جذبۂ عناد وحشت اور جنون کی حد تک جا پہنچا تھا۔ چنانچہ کپتان لٹل اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے :۔

"گذشتہ چند سالوں سے انگریزی زبان کے ان تمام الفاظ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالا جارہا ہے۔ جن سے ٹیپو سلطان کو بدنام کیا جاسکے۔ لغات میں ذلیل سے ذلیل الفاظ سلطان کی مذمت کی غرض سے تلاش کرکے نکالے جارہے ہیں۔ باوجود اس کے بہت سے لوگوں کو رنج ہے کہ زبان میں اس قدر وسعت نہیں کہ ٹیپو سلطان کو دل بھر کر گالیاں دی جائیں۔ اس لیئے وہ نئے اصطلاحات وضع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔" (سیاحت نامۂ کپتان لٹل۔ از ایڈورڈ مور۔ مطبوعہ لندن ۱۷۹۴ء)

انگلستان میں اس زمانہ میں مسٹر پٹ وزیر اعظم تھا۔ اس کو انگریزی مقبوضات

وسیع کرنیکی دھن لگی ہوی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوںکی ناکامی دیکھکر اس نے گورنر جنرل کے عہدہ کیلئے لارڈ کارنوالس کو اور مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز کو منتخب کیا۔ دونوں کے دونوں ماہر جنگ تھے۔ پٹ کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ کارنوالس کو امریکہ میں جو داغ بدنامی لگ چکا ہے وہ اسکی تلافی ہندوستان میں کر سکیگا۔ اور ادھر کارنوالس کو بھی اپنی عزت وشہرت کو قایم رکھنے کیلئے ضرور تھا کہ ہندوستان میں آکر اپنی پوری طاقت سے کام لیکر ٹیپو سلطان کو نیچا دکھائے۔ اور انہیں یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ سلطان نے فرانس، ترکی اور ایران میں اپنی سفارتیں روانہ کی تھیں۔

غرض جنرل میڈوز مدراس پہونچکر فوراً ہی ترمل راؤ سے سازش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جو میسور میں ہندو راج قایم کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنی سپہ سالاری کے زعم میں بغیر کسی عذر کے سلطنت خداداد پر ۱۷۸۹ء میں حملہ کر دیتا ہے (یہ قابل الذکر امر ہے کہ یہ جنگ نظام اور مرہٹوں کی جنگ کے ایک سال بعد شروع ہوتی ہے) جنرل میڈوز کے اس حملہ کو کامیاب بنانے کیلئے ترمل راؤ نے اپنی قوت صرف کر دی۔ ٹیپو سلطان کی تمام فوجی نقل وحرکت کا پتہ جنرل میڈوز کو دیا جانے لگا۔

کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے :-

"اس موقع پر پردھانوں (ترمل راؤ اور نارائن راؤ) نے ایک سو سوار اور دو ہزار پیادہ سپاہی پیش کئے۔ اور جنرل میڈوز کے ساتھ ہو گئے۔ کہ انگریزی فوج کو رسد فراہم کی جائے۔

اسی کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۱۰ پر اس جنگ کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے :-

"جب پردھانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان بیس ہزار سوار اور چالیس ہزار

وسیع کرنیکی دھن لگی ہوئی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی ناکامی دیکھکر اس نے گورنر جنرل کے عہدہ کیلئے لارڈ کارنوالس کو اور مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز کو منتخب کیا۔ دونوں کے دونوں ماہر جنگ تھے۔ پٹ کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ کارنوالس کو امریکہ میں جو داغ بدنامی لگ چکا ہے وہ اسکی تلافی ہندوستان میں کرسکیگا۔ اور ادھر کارنوالس کو بھی اپنی عزت و شہرت کو قایم رکھنے کیلئے ضرور تھا کہ ہندوستان میں آکر اپنی پوری طاقت سے کام لیکر ٹیپو سلطان کو نیچا دکھائے۔ اور انہیں یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ سلطان نے فرانس، ترکی اور ایران میں اپنی سفارتیں روانہ کی تھیں۔

غرض جنرل میڈوز مدراس پہونچکر فوراً ہی ترمل راؤ سے سازش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جو میسور میں ہندو راج قایم کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنی سپہ سالاری کے زعم میں بغیر کسی عذر کے سلطنت خداداد پر ۱۷۹۰ء میں حملہ کر دیتا ہے (یہ قابل الذکر امر ہے کہ یہ جنگ نظام اور مرہٹوں کی جنگ کے ایک سال بعد شروع ہوتی ہے) جنرل میڈوز کے اس حملہ کو کامیاب بنانے کیلئے ترمل راؤ نے اپنی قوت صرف کر دی۔ ٹیپو سلطان کی تمام فوجی نقل و حرکت کا پتہ جنرل میڈوز کو دیا جانے لگا۔

کتاب پردہانس آف میسور کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے:۔

"اس موقع پر پردہانوں (ترمل راؤ اور نارائن راؤ) نے ایک سو سوار اور دو ہزار پیادہ سپاہی پیش کئے۔ اور جنرل میڈوز کے ساتھ ہوگئے۔ کہ انگریزی فوج کو رسد فراہم کی جائے۔

اسی کتاب پردہانس آف میسور کے صفحہ ۱۰ پر اس جنگ کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے:۔

"جب پردہانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان بیس ۲۰ ہزار سوار اور چالیس ۴۰ ہزار

پیدل سپاہ کے ساتھ درۂ گجل ہٹی کو عبور کر کے ستی منگل پر حملہ کرنے والا تھا۔ تو انہوں نے کرنل فلائیڈ کو اس کی اطلاع دیدی۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج شکست سے محفوظ ہو گئی۔"

باوجود اس کی جنگی فراست اور تدابیر و سازشوں کے جنرل میڈوز کو متواتر شکستیں ہوتی ہیں۔ جن سے جھنجلا کر وہ ۱۷۹۰ء میں وہ ترمل راؤ کے ذریعہ میسور کی رانی کو خط لکھتا ہے

"جنرل میڈوز گورنر چینیا پٹن (مدراس) کا سلام قبول ہو۔ آپ کا خط آپ کے ایجنٹ ترمل راؤ کے ذریعہ پہونچا اور مضمون سے آگاہی ہوئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ٹیپو کب مریگا۔ اور ملک کو اس سے نجات کب ملیگی۔ فتح خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ ہمیں اتنی طاقت عطا کرے کہ ہم آپ کا ملک آپ کو واپس لیکر دیدیں تو اس سے بڑھکر ہمیں اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔" دستخط ولیم میڈوز

(کتاب پرد ہانس آف میسور صفحہ ۳۰)

آٹھویں سازش
۱۷۹۱ء

لارڈ کارنوالس کو امید تھی کہ جنرل میڈوز کی جنگی قابلیت سلطان کو شکست دیدیگی۔ لیکن خلاف توقع جب جنرل میڈوز کو پے در پے شکستیں نصیب ہوئیں تو اس نے اپنے مغربی دماغ سے کام لیکر یہی مناسب سمجھا کہ ملک کی تمام طاقتوں کو یعنے نظام علی خاں (حیدر آباد) اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیکر سلطان کے خلاف جنگ کرے۔ ورنہ کوئی ایک طاقت بھی علیحدہ طور پر سلطان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حیدر آباد اور پونا میں رزیڈنٹوں کے ذریعہ سازشوں کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اور سلطان کو ہر طرح سے بدنام کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حیدر آباد اور مرہٹے انگریزوں کے ساتھ مل گئے۔

انگریزوں کی ان ریشہ دوانیوں کی خبر جب سلطان کو پہونچی تو اس نے بھی اپنے سفیروں کو پونا اور حیدرآباد روانہ کیا۔ اور ملک کی آزادی اور سربلندئی اسلام کا واسطہ دلاکر مرہٹوں اور حیدرآباد کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہا۔ بلکہ اس نے اس معاملہ میں یہاں تک ایثار سے کام لیا کہ مرہٹوں اور نظام کے تمام مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ اور نظام الملک سے رشتہ داری کی بھی تجویز کی (اگرچہ پہلے ایک وقت جب حیدرعلی نے یہ تجویز پیش کی تھی تو نظام علی خاں نے مسترد کردی تھی) کہ کسی طرح ملک وملت کی آزادی کیلئے مسلمان متحد ہو جائیں۔ کتاب نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۵۸ پر اسکے مصنف نے لکھا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے ایلچی محمد غیاث وقطب الدین خاں وعلی رضا خاں ٹیپو سلطان کے خط اور تحائف لیکر آئے۔ اور باریاب حضور ہوئے۔ نظام علیخاں چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے بھی اتحاد قایم کرلیں۔ اور ٹیپو سلطان بھی اس تخیل سے متفق تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ باہمی تعلقات میں مزید استحکام ہو۔ انہوں نے نظام علیخاں کے ساتھ سمدھاوے کے رشتۂ اتحاد کے قیام کی تحریک کی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس وقت برسر دربار سفیروں نے اس مسئلہ کو پیش کیا تو نظام علیخاں کے چہرے سے رضامندی کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ جن کو ٹیپو سلطان کے ان مخالفین نے جو حاضر دربار تھے۔ محسوس کرکے محل میں اسکی اطلاع کرادی اور ٹیپو سلطان کی غیر واقعی برائیوں کو بھی گوش گذار کرادیا۔ جس پر محل میں ایک بے چینی پیدا ہوگئی۔ اور قبل اسکے کہ سفراء ٹیپو سلطان کو کوئی تشفی بخش جواب دیتے۔ نظام علی خاں کو محل میں جانا پڑا۔ جہاں محلات نے ٹیپو سلطان کی سی

سنائی برائیوں کو دھرا کر اس رشتہ سے ناراضی ظاہر کر دی. جس سے بندگان عالی سخت متاثر ہو گئے. اور باہر آ کر اس پیغام کو اس امر کے اظہار کے ساتھ کہ وہ ایک ادنی نایک کے بچے کے ساتھ قرابت قایم نہیں کر سکتے. مسترد کر دیا. اس کے ساتھ ہی نظام علیخاں نے اپنے ان ممالک کے قبض و تصرف کا سوال پیش کر دیا۔ جن پر ٹیپو سلطان متصرف تھے. اس انکار سے انگریزی کمپنی کو بڑا فائدہ ہوا۔ اس واسطے کہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ دکن ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا کوئی رئیس اپنے نواحی رئیس سے متحد رہے. تاکہ ہر دو کی باہمی مخالفت سے فریق ثالث (انگریزی کمپنی) کو اس کا فائدہ حاصل ہو۔"

بہر طور انگریزوں کی پالیسی کامیاب رہی. اس زمانہ میں جب ٹیپو سلطان کے سفیر حیدر آباد میں مقیم تھے. ایسٹ انڈیا کمپنی کا وکیل جان کناوے بھی یہاں موجود تھا۔ اس نے ٹیپو سلطان کے سفیروں کی کارروائیوں سے لارڈ کارنوالس کو اطلاع دی. اور اس نے اپنی سرگرمیاں اور بڑھا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف نظام علی خاں، ایسٹ انڈیا کمپنی سے مل گیا. چنانچہ کتاب نظام علیخاں کے صفحہ ۱۶۲ پر تحریر ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے سفیروں کے حیدر آباد آنے کے بعد غالباً انگریزی کمپنی کے ہوا خواہوں کی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں۔ جن کی تائید سے انگریزی کمپنی کو کامیابی ہو گئی۔"

اسی طرح پونہ میں مسٹر مالٹ کے ذریعہ سازشیں جو کی گئیں۔ ان میں بھی انگریزوں کو کامیابی ہوی. اور وہاں سے بھی سلطان کے سفیر ناکامیاب واپس آئے۔ ورنہ سلطان تو ہندوستان کی آزادی کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو گیا تھا۔

سلطان کے سفیروں کو بے نیل و مرام واپس بھیج دینے کے بعد مرہٹے اور نظام علیخاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی تاریخ ۱۷۹۰ء ہے۔ اس معاہدہ کی دوسری شرط اس طرح لکھی گئی :-

"ٹیپو باوجود ہر تین سرکاروں سے عہد کرنے کے بھی نقض عہد کیا ہے۔ اس لئے تینوں سرکار متفق ہو کر اس کی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اس میں بد عہدی کرنے کی کوئی طاقت نہ رہے۔ اور ٹیپو کا جو ملک اور مال بطور غنیمت ملیگا۔ اس کو مساوی طور پر تقسیم کر لیا جائیگا"

نوٹ :- یہ پورا عہدنامہ کتاب سندس انڈسٹریس کے صفحہ ۸۹ پر درج ہے۔ اور کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۶۳ پر بزبان فارسی دیا گیا ہے (محمود)

اس اتحاد ثلاثہ کے باوجود ایسٹ انڈیا کمپنی کو یقین نہیں تھا کہ جنگ میں اس کو کامیابی ہوسکیگی۔ اس لئے اس نے سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشیں کرنے کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ کرنل ریڈ کو محکمۂ جاسوسی کا افسر اعلیٰ بنا کر اسکے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ سلطان کے تمام امراء و وزراء کے علاوہ ان تمام پالیگاروں اور زمینداروں کو بھی اپنا بنا لیا جائے جو سلطنت خداداد کے اندر تھے۔ ان پالیگاروں یا زمینداروں میں تو سب کے سب ہندو تھے۔ اور صرف دو اسلامی ریاستیں تھیں۔ جن کا نام شاہنورا اور بنگن پلی ہے۔ ان میں اول الذکر ہمیشہ مرہٹوں کی اور دوسری نظام حیدرآباد کی طرفدار رہی۔

میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ یہ سازشیں کس وسیع پیمانے پر کی گئیں تھیں سیم و زر کی بارش اور مستقبل کے وعدوں نے سلطان کے بہت سے ہندو اور مسلمان امراء و وزراء کو انگریزوں کی جانب مائل کر دیا۔ اس سے پہلے سلطان کے تمام

مسلمان و ہندو امراء و وزراء (سوائے چند ہندو افسروں کے جو میسور میں ہندو راج کے حامی تھے) سلطان کے نہایت وفادار تھے۔ ہندو امراء و وزراء میں پورنیا اور کرشنا راؤ قابل ذکر ہیں اور مسلمانوں میں میر صادق وغیرہ انہیں افسروں نے حیدر علی کی وفات پر انکی موت کی خبر اس وقت تک چھپا رکھا تھا جبتک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہیں آ چکے تھے۔ لیکن کرنل ریڈ کا بے پناہ پروپگنڈا اور عیاریوں نے انہیں اپنی جانب ملا لیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل نوائط، سادات اور مہدوی بھی انگریزوں کی جانب مائل ہو گئے۔ نوایط کا مقصد اپنی ذاتی توہین کا انتقام لینا تھا۔ جو ان کے خیال میں سلطان کے ہاتھوں انہیں اٹھانی پڑی تھی۔ (اس کا بیان بدرالزماں خاں کے حال میں دیا گیا ہے) سادات اور مہدویوں کی مخالفت کی وجہ سلطان کے مذہبی اصلاحات تھیں جو کسی اور جگہ بیان کئے گئے ہیں۔

بہر طور کرنل ریڈ کے پروپاگنڈہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ جب جنگ شروع ہوتی ہے تو تمام سلطنت خداداد میں سلطان کے خلاف سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے سلطان کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں کو ملتی رہتی ہے۔ بلکہ شہر جاپور، بالاپور، دیون ہلی وغیرہ کے باشندے انگریزوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر رکھے تھے۔ جس کا معاوضہ آج تک بھی چراغی کے نام سے بعض خاندانوں کو مل رہا ہے۔ ان سازشوں میں کرشنا راؤ کی سازش سب سے خطرناک سازش تھی۔ جس نے جنگ پر نہایت برا اثر ڈالا۔ اس سازش کا حال ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے۔

"اتفاقاً (میدان جنگ میں) کرنل ریڈ کا ایک جاسوس پکڑا گیا۔ جس کے پاس محمد عباس کے نام ایک کنڑی خط تھا۔ اس جاسوس نے اس خط کو ایک بانس میں

جس کو وہ بطور عصا استعمال کرتا تھا، چھپا رکھا تھا۔ اس خط میں شیشا گری راؤ کا بھی نام تھا جو کرشن راؤ کا حقیقی بھائی تھا۔ راز کے افشا ہونے پر سلطان نے شیشا گری کو گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ بچکر سرنگا پٹم چلا گیا۔ جہاں اسکے بھائی کرشنا راؤ نے قلعہ پر قبضہ کر لینے کی سازش کی ہوئی تھی۔"

اس سازش کا راز سرنگا پٹم میں سلطان کی والدہ کو معلوم ہو چکا تھا۔ انہوں نے سلطان کو اسکی اطلاع دیدی۔ یہ اطلاع سلطان کو ایسے وقت ملی۔ جب میدانِ جنگ میں وہ انگریزی فوج پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ سلطان نے سپہ دار سید صاحب کو سرنگا پٹم بھیجا۔ جہاں اس نے کرشنا راؤ وغیرہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ کرشنا راؤ نے مرتے دم یہ بالکل سچ کہا کہ:۔

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکیگی۔"

غرض ان سازشوں کی وجہ سے سلطان کو ہر جگہ شکست ہوتی ہے اور وہ پایۂ تخت میں محصور ہو جاتا ہے۔ لیکن انگریزی پروپاگنڈا یہیں نہیں ختم ہوتا۔ سلطان کی اس محصوری سے فائدہ اٹھا کر اسکے خلاف رعایا میں اس سے بددلی پھیلائی جاتی ہے۔

ایمپائر ان ایشیا کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان کے وقار کو خاک میں ملانے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔"

اس کے علاوہ لارڈ کارنوالس نے اس وقت جس حربہ سے کام لیا۔ اس کا ادنے نمونہ اس سے نظر آسکتا ہے کہ:۔

"ایام محرم میں اس نے سلطان کی تمام مملکت میں منادی کر دی کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی ہے۔ اس لئے جو مسلمان محرم منانا اور شیر، ریچھ وغیرہ کا سوانگ بھرنا

چاہیں خوشی سے بھریں۔ بلکہ اس نے یہاں تک کیا کہ ان سوانگ بھرنے والوں کو انعامات دیتا اور کھڑے ہو کر علموں کی تعظیم کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے عوام یہ سمجھنے لگے کہ انگریزی قوم اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے بھی اچھی ہے"۔

(تاریخ حمید خانی)

(نوٹ:۔ سلطان نے اپنی سلطنت میں مذہبی اصلاحات کے سلسلہ میں محرم کی ان بدعات کو جو جنوبی ہند میں شیعی سلطنتوں یعنے احمد نگر اور بیجاپور کے زمانہ سے رائج تھیں بند کر دئے تھے۔ اس کا مفصل بیان سلطان کے مذہبی اصلاحات میں دیا گیا ہے)

غرض یہ تھا وہ پروپاگنڈا جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سلطان کے خلاف کام لیا اور اسکی وجہ سے سلطان کو شکست ہوئی۔ اور سرنگاپٹم کا معاہدہ لکھا گیا۔

نوٹ:۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آج بھی یوروپین اقوام اسی پروپاگنڈہ سے کام لے رہی ہیں۔ اور اس میں انگلستان کو جو ید طولیٰ حاصل ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

انگریزوں کے پروپاگنڈہ سے نپولین اعظم ایسے شہنشاہ نے پناہ مانگی تھی ۱۹۱۴ء کے جنگ عظیم میں قیصر جرمنی اس کی تاب نہ لاسکا۔ ترکان احرار، حجاز و عراق چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ غازی امان اللہ خان کو افغانستان کے تاج و تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ لہٰذا اگر اقتدار سلطانی کو بھی لارڈ کارنوالس کے بے پناہ پروپاگنڈہ سے صدمہ پہونچا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ ہندوستان کے سادہ لوح باشندوں کو ایک ایسی اجنبی قوم سے سابقہ پڑا تھا۔ کہ جنگی چالوں کی گہرائیوں تک پہونچنا ان کے لئے سخت مشکل تھا۔ اس وقت ایک سلطان ہی تھا۔ جس کی نظروں میں اس قوم کی سیاست پورے طور پر بے نقاب ہو چکی تھی۔ مگر افسوس! اس وقت سلطان کی شخصیت کا سمجھنے والا ہی کون تھا۔ اغیار تو اغیار ہی تھے۔ اپنے پرایوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے (محمود)

اس تیسری جنگ کے بعد سلطان کو بھی پتہ لگ گیا کہ اسکی شکست اسکے غدار امراء و وزراء کی رہین منت ہے۔ لیکن وہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس نے عفو و ترحم سے کام لے کر تمام کو معاف کرتے ہوئے ملک کی آزادی کیلئے ہر ایک سے مسجد اعلےٰ میں قسم لی۔ لیکن جس طرح کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"ان نمک حراموں کے دل بدل چکے تھے۔ انہوں نے اپنی سازشوں کو نہ چھوڑا"

اور جب میسور کی چوتھی جنگ چھڑ گئی۔ تو انہوں نے نہایت فراخ دلی سے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ اگر مقامی روایات پر اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ کی ہوئی تھی تو اہل نوائط کے گھروں سے انگریزی افسروں کو پلاؤ اور مٹھائی پکا کر بطور تحفہ بھیجے جاتے تھے۔

میسور کی تیسری جنگ کے خاتمہ پر تمام امراء وزراء اور افسروں سے قسم لینے کے بعد سلطان مطمئن ہو گیا۔ اس نے پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی۔ کہ ملک کا انتظام رعایا خود اپنے ہاتھ میں لیلے۔ اور آپ نئے سرے سے بری اور بحری فوجی تنظیم اور ملک کی صنعت و تجارت کو ترقی دینے کے وسائل سوچنے میں منہمک ہو گیا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے پھر ایک بار کوشش کی کہ سربلندیٔ اسلام کیلئے تمام مسلمانوں کو متحد کرے۔ اور ادھر ہندوستان کی آزادی کیلئے تمام ہندوستانی رئیسوں کو متفق کرلے۔

نویں سازش
سنہ ۱۷۹۲ء

سرنگاپٹم کو فتح کئے بغیر کارنوالس کی واپسی سے اس جماعت کو جو میسور میں ہندو راج قایم کرنا چاہتی تھی۔ مایوسی ہو گئی۔ اس کا اظہار زرانی نے اپنے خط میں اس طرح کیا ہے:۔

"۔۔۔ گورنر او بنا انگریزوں سے عرض کیجئے کہ اگر وہ ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو

نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے فرانس والوں کو پہونچنے سے پیشتر سلطان سے بھگت لیں۔ انگریزی فوج جس راستے سے بھی بڑھے گی۔ اس کو سامان رسد اور پانی افراط سے ملیگا۔ اور ہم اپنی جانب سے ایک کروڑ روپیہ بطور اخراجات جنگ ادا کریں گے (اقتباس از کتاب پروہانز آف میسور صفحہ ۲۹)

رانی نے یہ خط ترمل راؤ کو ۱۷۹۶ء میں لکھا تھا۔ اس وقت کمپنی کا گورنر جنرل سرجان شور تھا۔ اس نے اس خط پر کمپنی کے ڈائرکٹروں کو افسوس کے ساتھ لکھا:-

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ٹیپو کی روز افزوں طاقت کو توڑ نہ سکا" (تاریخ باسو)

سرجان شور کے مذکورۂ بالا جملہ میں الفاظ "روز افزوں طاقت" بے وجہ استعمال نہیں ہوئے تھے۔ بات یہ تھی کہ تیسری جنگ کے بعد سلطان کے دل میں بھی انگریزوں سے انتقام لینے کی آرزو پیدا ہوگئی تھی۔ اور وہ بحری اور بری طاقت کو ترقی دینے میں صد درجہ مصروف ہوگیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے نئے سرے سے پھر آزادیٔ ہند اور اتحادِ بین المسلمین کی کوششیں کرنے لگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس سے غافل نہیں تھی۔ اور اس کی خوش قسمتی سے سرجان شور کے عوض لارڈ ولزلی گورنر جنرل بنکر آیا تھا۔ جو انگلستان ہی سے سلطان اور فرانس والوں کے خلاف جذبات لیکر آیا۔ ہندوستان پہونچتے ہی اس نے ایک طرف تو میسور کی رانیوں کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط و کتابت شروع کردی تو دوسری طرف مرہٹوں اور نظام علی خاں کو اپنی جانب ملا لینے کی کوشش شروع کردی۔ لارڈ ولزلی کو اس وقت بہت زیادہ خوف نپولین سے تھا جو اس وقت مصر آچکا تھا۔

بہر طور لارڈ ولزلی کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ نظام علیخاں ٹیپو سلطان کے خلاف

فوج کشی پر آمادہ ہوگیا۔ اس معاہدہ پر حیدرآباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ نے دستخط کیا۔

سلطان کو جب ولزلی کی اس جدوجہد کا پتہ چلا تو اس نے بھی اپنی جانب سے نظام علیخاں اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لینا چاہا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ :۔

"اس سلسلہ میں ہندوستان کی کوئی چھوٹی یا بڑی ایسی ریاست باقی نہیں رہی جہاں ٹیپو سلطان کے ایلچی اور خطوط نہ پہونچے ہوں۔ نیپال، کشمیر، جے پور، اور جودھپور کی چھوٹی ریاستوں میں تک سلطان کے خطوط پائے گئے"

ان خطوط میں اس نے ہندوستان کے تمام رئیسوں کو ہندوستان کی آزادی کا واسطہ دیکر انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف صف آرا کرنا چاہا۔ لیکن ملک کی قسمت بدل چکی تھی۔ کسی نے اس پر توجہ نہیں کی۔ بلکہ اس کے برخلاف حیدرآباد نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو فوجوں سے مدد کی۔ کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۲۴ پر اس کے مصنف نے لکھا ہے :۔

"یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے۔ اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ صرف اپنے منتزعہ حصہ ملک کو انگریزوں سے واپس لیں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کریں۔

بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کرلیا کہ جتنا جلد ہوسکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روزافزوں قوت کو ہمیشہ کیلئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو ساحل ملیبار و کورومنڈل پر اتر آنے کے احکام دئے۔

اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں جو بورڈ آف کنٹرول کے پریسیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علیخاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی"

ایک طرف تو لارڈ ولزلی حیدر آباد سے معاہدہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اور اسی وقت دوسری طرف سلطان کے خلاف سازشوں کا وسیع جال پھر ایک بار بچھایا جاتا ہے چنانچہ اپنے ایک خط میں اس نے مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے:-

"چونکہ آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی، لفٹننٹ کرنل آگنیو، کیپٹن ماکم، اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں"

ان افسروں نے سازشوں کا جو وسیع جال پھیلایا اور جو بے پناہ پروپاگنڈہ کیا۔ اس میں پھر سلطان کے ہندو مسلمان افسر پھنس کر رہ گئے۔ ۱۷۹۲ء کی جنگ نے میدان صاف کر رکھا تھا۔ زیادہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ نظام سے معاہدہ اور سازشوں کے انتظام سے فارغ ہونیکے بعد انگریزی اور حیدر آبادی فوجیں سرحد سلطنت خداداد پر بڑھتی ہیں۔ ان سازشوں کا اثر جو کچھ ہوا۔ اس کے متعلق خاص حیدر آباد کی تاریخ "نظام علیخاں" کے صفحہ ۲۱۶ پر اس طرح لکھا گیا ہے:-

"واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے سلطنت منتزع ہو جائے۔ اور وہ اس جنگ میں کام آجائیں۔ چنانچہ قلعہ سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے تک بھی انکو صحیح خبریں نہیں پہونچائی جاتی رہیں۔ اور مقابلہ سے پہلو تہی کرتے رہے"

کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے سلطنتِ خداداد کا زوال کوئی تعجب انگیز ہے ؟

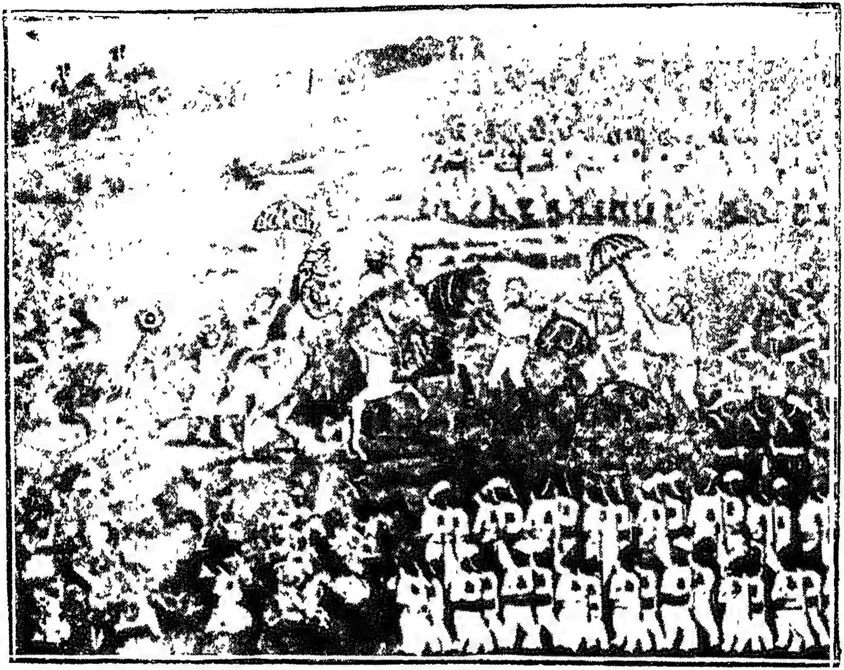
آخر میں مورخ اس حقیقت کو ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظام علیخاں، مرہٹے، والاجاہ محمد علی اور میسور کی رانیوں کا چاہے اس وقت کچھ بھی خیال ہو۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کا خیال صرف اپنی ہوس ملک گیری کو پورا کرنا تھا۔ اس کو کسی سے ہمدردی نہیں تھی۔ یہ لارڈ ولزلی کی ایک پالیسی تھی کہ سلطان کی شہادت کے بعد اپنے سیاسی اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے میسور میں ہندو راج قایم کیا گیا۔ ورنہ اگر لارڈ ولزلی کے شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے سلطان باجگذار بنجاتا تو ہندو راج کبھی قایم نہ ہو سکتا۔

اب ذیل میں سلطان کے امراء و وزراء کے ذاتی حالات دئے جاتے ہیں۔ جو سازشوں میں آلۂ کار بنکر سلطنت خداداد کی تباہی کا باعث ہوئے۔

میر صادق

پہلے سِرا میں مقیم تھا۔ بعد میں ارکاٹ چلا گیا۔ جب نواب حیدر علی نے ارکاٹ فتح کر لیا تو سلطنت حیدری میں ملازم ہو گیا۔ ارکاٹ کا ناظم مقرر ہوا۔ عہد سلطانی میں آصف کے درجہ پر ترقی پائی۔ بعد اسکے سلطان کا چیف سکرٹری اور وزیر بنا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ (نوٹ:۔ لغت میں لکھا ہے کہ میر فارسی لفظ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سادات عجم نے عرب اور عجم میں امتیاز رکھنے کیلئے بجائے سید کے جو عربی لفظ ہے۔ میر کا خطاب اختیار کر لیا۔)

دشمنی کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ سلطان نے ایکدفعہ اس کو معزول کر دیا تھا۔ لیکن بعد میں پھر بحال کر دیا۔ لیکن یہ میرزادہ اپنی توہین کا در پردہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔"



آخری سازش

دربار دولت باغ کی اس تصویر میں آخری سازش بتلائی گئی ہے۔ اس میں میر صادق سلطان کے روبرو ہاتھ جوڑا ہوا ہے۔ لیکن منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ سلطان یہی ہے۔ سلطان کے بائیں جانب میر قمر الدین سبز لباس میں گھوڑے پر سوار ہے۔

ولکس اور بورنگ لکھتے ہیں کہ:۔

"میسور کی تیسری جنگ کے بعد اس نے رعایا پر تشدد کرنا شروع کر دیا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ رعایا کو سلطان سے بددل بنا دیا جائے۔"

یہ کہیں لکھا جا چکا ہے کہ میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے جو اصلاحات جاری کیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس نے ملک میں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) قایم کرتے ہوئے رعایا کو ذمہ دار حکومت دیدیا تھا۔ سلطان نے اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا تھا۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ جب رعایا سلطنت کی ذمہ داری اپنے سر لے لیگی تو ملک میں سازشیں نہ ہونگی۔ اور رعایا حکومت کو اپنی سمجھ کر اس کی حفاظت و ترقی میں ساعی رہیگی۔

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں کہ:۔

"میر صادق نے اپنے رسوخ سے اس پارلیمنٹ کو بے کار بنا دیا تھا۔"

اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ:۔

"یہ میرزادہ جب کبھی سلطان کے روبرو ہوتا تو بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا۔ اس لئے سلطان کو اس پر عار درجہ اعتماد تھا۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف بحوالہ کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"میر صادق سلطان تک کوئی خبر پہونچنے نہیں دیتا تھا۔"

اسی لئے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں سلطان کو شکستیں اٹھانی پڑیں۔ سرنگاپٹم کے محاصرہ کے آخری دن یعنی ۴ رمئے کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ کو اندر سے بند کرا دیا۔ اس غدار کو خوف تھا کہ کہیں سلطان واپس آکر انگریزوں سے صلح نہ کرلے۔ دروازہ بند کر دینے کے بعد اسی غدار نے

فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی سے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج سمٹ کر تین طرف سے فصیل قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کردی۔ اور سلطان شہید ہوگیا۔ میر صادق کی اس سازش کا ثبوت اس تصویر سے بھی ملتا ہے۔ جو دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر بائیں جانب ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے۔ کہ سلطان کے آگے میر صادق گھوڑے پر ہاتھ جوڑے تسلیم کرتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ "سلطان یہی ہے"۔ اس تصویر میں اور غداروں کو بھی تبلایا گیا ہے۔ جو داہنے اور بائیں سے انگریزی فوج کو اشارہ کرتے ہوئے بتلا رہے ہیں کہ سلطان یہی ہے۔ یہ تصویر کرنل ولزلی کے حکم سے کھینچی گئی تھی۔

نوٹ:۔ میر صادق کی غداری کی جو وجہ دی گئی ہے وہ بالکل سطحی ہے۔ اسکی اس قدر گہری غداری کی اصلی وجہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہے۔ معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ اس نے بنگالہ کے میر جعفر کی طرح انگریزوں سے کوئی معاہدہ کیا تھا۔ چونکہ یہ ۴ رمے ۱۷۹۹ء کا دن ہی مارا گیا اس لئے یہ راز اسی طرح چھپا ہوا رہ گیا۔ محمود)

میر غلام علی (لنگڑا)

جب نواب حیدر علی کے ہاتھوں ارکاٹ پر تباہی آئی تو میر صادق کا یہ دست بازو میر غلام علی بھی نواب کی سلک ملازمت میں داخل ہوگیا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ عہد سلطانی میں قلعہ جات اور افواج کا ناظر اعلےٰ (انسپکٹر جنرل) تھا۔ بعد میں میر یم (لارڈ آف دی ایڈ میر لٹی) اور وزیر بنا۔ میر غلام علی حد درجہ طرار اور چالاک و تیز فہم تھا۔ اس کی یہی تیز فہمی تھی۔ جس کے سبب سے اس کو سفیر بنا کر سلطان ترکی کے دربار میں اور دیگر مقامات پر بھیجا گیا۔ حاضر جوابی میں شہرہ آفاق تھا۔ چنانچہ ایک وقت جب یہ قسطنطنیہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا تو بارش

آ گئی۔ بارش سے پناہ لینے کیلئے یہ بھاگنے لگا۔ ساتھ والے ترکی افسر نے کہا کہ :۔

"بارش رحمتِ الٰہی ہے۔ اس سے کیوں بھاگے جا رہے ہو"!

اس کی حاضر جوابی ملاحظہ فرمائیے۔ جواب دیتا ہے :۔

" واقعی بارش رحمت الٰہی ہے۔ مگر میرا بھاگنا اس سے یہ مقصد رکھتا ہے کہ کہیں رحمتِ الٰہی قدموں تلے نہ آ جائے۔ اور یہ اس کی بے حرمتی کا باعث ہو"۔

غلام علی کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جب وہ قسطنطنیہ سے براہِ مصر و عرب واپس ہو رہا تھا تو شریف مکہ نے کاروانِ سلطانی کا جاہ و تجمل دیکھکر غلام علی سے یہ تجویز کی کہ سفارت کے خزانے میں جو روپیہ ہے وہ بطور قرض دیا جائے۔ غلام علی نے سمجھ لیا کہ شریف اس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے رہیگا۔ اس لئے اس نے ایک جعلی خط بنا کر چند آدمیوں کو باہر بھیجدیا۔ یہ لوگ اس جعلی خط کو جو غلام علی کے نام تھا۔ لیکر مکہ پہونچے: یہاں حسب توقع شریف مکہ نے ان نوواردوں کی تلاشی لی اور یہ خط برآمد ہو گیا۔ خط بظاہر سلطان کی جانب سے تھا۔ اس میں اس نے اطلاع دی تھی کہ خدا کے فضل و کرم سے تمام ہندوستان فتح ہو گیا ہے۔ اور ایک زبردست فوج سے عنقریب ساحل عرب پر حملہ کیا جائیگا۔ تاکہ اماکنِ مقدسہ پر سلطنتِ خداداد کا قبضہ رہے۔ اس خط کو دیکھ کر شریف مکہ کے عزم و ارادے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلکہ اس نے غلام علی کی حد درجہ تواضع کرنا شروع کر دی۔

اس کے لنگڑے ہونیکا سبب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حد درجہ متکبر اور خوددار تھا۔ کبھی کسی کے آگے جھکنا اس کو گوارا نہیں ہوا۔ اس خیال سے اس نے کوئی دوا استعمال کر کے پیر خشک کر لیا۔ جب کبھی دربار میں آتا تو چوکی میں بیٹھکر آتا۔ اس لئے انگریزوں میں اس کا نام "غلام آف دی سلور چیر" (نقرئی چوکی کا غلام) مشہور تھا۔

نواب حیدر علی کے زمانہ کی طرز معاشرت کچھ اور تھی۔ اور سلطانی دربار کا جاہ وجلال کچھ اور ہی تھا۔ اور یہی وجہ اسکے پیر خشک کر لینے کی تھی۔ کہ دربار میں تعظیم بجالانے سے اس کو معذور سمجھا جائے۔ لارڈ کارنوالس سے شرائط طے کرنے کیلئے میر غلام علی ہی کو منتخب کیا گیا تھا۔ جب یہ انگریزی کیمپ میں آیا تو طلائی چوکی پر آیا۔ خیمہ میں جہاں لارڈ کارنوالس، مرہٹہ سردار اور میر نظام علی خاں تھے۔ چوکی سے اتر کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ لنگڑا ہے۔

قسطنطنیہ سے جس وقت واپس آیا۔ تو اسکے خلاف شکایت ہوئی کہ بہت سا سامان تحائف جو سلطانِ ترکی نے سلطان کو بھیجا تھا۔ چھپا رکھا ہے۔ سلطانی حکم سے خانہ تلاشی ہوئی۔ اور اسباب بھی مل گیا۔ جس پر غلام علی کو نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ غلام علی جب قسطنطنیہ گیا ہوا تھا۔ تو اس نے سلطان کے منصوبوں سے وہاں کے انگریزی سفیر کو اطلاع دیدی تھی۔

چند دن کی نظر بندی کے بعد سلطان نے عفو وحلم سے کام لیکر معافی دیدی۔ اور اس کو وزیر بحر بنالیا۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ پارسنس لکھتی ہے کہ :۔

"سلطان کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ سلطنت کے تمام اہم امور میں اسی سے مشورہ لیا کرتا تھا"

لیکن باوجود نوازش ہائے سلطانی کے میر غلام علی اپنی نظر بندی کیلئے سلطان سے انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ اور اسکی دشمنی یہاں تک ترقی کر گئی کہ شہادت کے بعد جب سلطنت کی تقسیم ہونے لگی اور سلطان شہیدؒ کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرنے کی تجویز زیر غور ہوئی تو کمیشن کے روبرو یہی غلام علی تھا جس نے :۔

"افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست"

کہکر سلطان کے شہزادوں کو تخت سے محروم کردیا۔

نوٹ :۔ اس جملہ سے اسکے خبث باطنی کا پتہ لگتا ہے۔ اپنے آقا کو سانپ سے تشبیہ دیتے ہوئے اسکے بچوں کو بھی اس نے نہیں چھوڑا۔ ان غداروں کو خوف تھا کہ اگر سلطنت سلطان کے شہزادوں کو دیگئی تو اس غداری کا انتقام ضرور لیا جائیگا (محمود)

اس کی قبر اسی کے بنائے ہوئے مقبرہ میں موجود ہے۔ مقبرہ بالکل سادہ اور ویران پڑا ہوا ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی۔ بڑی قبر غلام علی کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے ڈر سے یہ بڑی قبر ایک زمانہ تک زنانہ وضع پر بنی ہوئی تھی۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ مس کانٹنس ای پارسنس نے بھی ۱۹۳۱ء میں لکھا ہے کہ یہاں صرف زنانہ قبریں ہیں۔ اس لئے اس نے نتیجہ نکالا ہے کہ اس کی قبر ویلور یا حیدرآباد میں ہوگی۔ جہاں اسکے عزیز و اقربا ابھی موجود ہیں۔ لیکن اب حال میں جب مصنف نے ۱۹۳۹ء میں یہاں جاکر دیکھا تو بڑی قبر مردانہ وضع پر بنی ہوئی ہے۔ اس سے دس سال پہلے یہ قبر زنانہ طرز کی تھی۔

غلام علی غالباً انتزاع سلطنت کے دس بارہ سال تک بھی زندہ رہا۔ کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے کہ اس نے ۱۸۰۹ء میں اس کو سرنگاپٹم میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کو تین ہزار طلائی پگوڈا پنشن ملتے تھے۔

بدر الزماں خاں نائطہ

کرنل ولکس لکھتا ہے :۔

"اہل نوائط ارکاٹ فتح کرنے کے بعد سرنگاپٹم آئے اور حیدر علی کی ملازمت قبول کرلی۔ سب سے پہلے حیدر علی کے افسروں میں انہوں نے

ہی بددلی پھیلائی۔ فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کی معزولی انہیں کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ اہل نوائط میں آداب نشست و برخواست و آداب گفتگو وغیرہ کا صد درجہ خیال رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے حیدر علی کے زمانہ ہی میں درباری آداب وغیرہ میں انقلابات پیدا کر دیئے۔ اس سے پہلے حیدر علی کو ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔ اہل نوائط کو اپنے ذاتی حسب و نسب پر بہت بڑا فخر ہے۔"

بدرالزماں بن مراد خاں بھی اہل نوائط سے تھا۔ حیدر نگر کا گورنر مقرر ہوا۔ بعد میں سلطان کا وزیر بن گیا۔ بدرالزماں اور دوسرے اہل نوائط سلطان سے اس لئے ناراض ہو گئے کہ سلطان نے بدرالزماں کی بیٹی کا نکاح اپنے نسبتی برادر برہان الدین سے کرنا چاہا۔ اس کو اہل نوائط نے اپنی توہین سمجھی۔ کہا جاتا ہے کہ نکاح کے بعد ہی اسی شب لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خود کشی کر لی تھی۔ یہ وہ واقعہ تھا جس نے تمام اہل نوائط کو سلطان کا دشمن بنا دیا۔ وہ جوش انتقام میں تڑپ رہے تھے۔ **اپنی عالی نسبی کے آگے ایک اسلامی سلطنت کی ہستی بھی کچھ چیز نہ سمجھی گئی۔**

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میر صادق نے سلطان سے اسکی شکایت کرتے ہوئے اس کو پندرہ دن تک نظر بند کر ادیا تھا لیکن سلطان نے پھر معافی دیکر اس کو وزیر بنا لیا۔

کرمانی لکھتا ہے کہ اسی جذبہ انتقام کی وجہ سے میسور کی تیسری جنگ میں جب انگریزوں نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا تو مہدی علی نائطہ نے عید گاہ کا مورچہ غداری کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور میسور کی چوتھی جنگ میں جب سلطان چتلدرگ جانا چاہا تو بدرالزماں نے اس کو جانے سے روک دیا۔ اس لئے میسور کے مسلمان اس سلطنت کی تباہی کے ذمہ دار تمامتر اہل نوائط کو گردانتے ہیں۔

زوالِ سلطنت کے بعد بدرالزماں خاں ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ ولکس اپنی تاریخ مرتب کرنے میں اس سے بہت مدد لی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایک جگہ لکھا ہے کہ اسکی باتوں میں سچائی نہیں ہوتی تھی۔

میر معین الدین

تمام انگریزی تاریخوں میں اس کا نام صرف سید صاحب لکھا گیا ہے۔ اور اسی نام سے مشہور بھی تھا۔ نواب حیدر علی کی ملازمت میں آنے سے پیشتر کرناٹک کی انگریزی فوج میں ایک معمولی عہدہ پر مامور تھا۔ میسور کی پہلی جنگ کے بعد سلطنت خداداد میں ملازم ہوا۔

مورخ رئیس لکھتا ہے :-

"نواب حیدر علی کے وقت اس (میر معین الدین) نے غداری کر کے مرہٹوں سے مل گیا تھا۔ اور اس کے عوض گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی تھی"

مرہٹوں کے جانے کے بعد حیدر علی نے اس کو معاف کر دیا۔

نوٹ :- گرم کنڈہ۔ گرم کنڈہ نواب حیدر علی کی جاگیر تھی۔ نواب بسالت جنگ جب سرا کی صوبہ داری حیدر علی کو دلوادی تو یہ جاگیر بھی حیدر علی کے نام لکھدی تھی۔ لیکن ولکس لکھتا ہے کہ گرم کنڈہ کی جاگیر سلطنت مغلیہ کے زمانے سے میر علی رضا کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ میر علی رضا نواب حیدر علی کے نسبتی برادر تھے۔ یعنے حیدر علی نے میر علی رضا کی حقیقی بہن سے شادی کی تھی۔ جب میر علی رضا کی محمود بندر میں شہادت ہوگئی تو اس جاگیر کو سلطنت خداداد میں شامل کر لیا گیا۔

گرم کنڈہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ جنگی نقطۂ نظر اور اس کے جائے وقوع کے لحاظ سے یہ قلعہ میسور و پائین گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ یعنے جو طاقت بھی اس پر قبضہ رکھتی تھی۔ اس کے لئے آسان تھا کہ میسور و کرناٹک پر اپنا اثر ڈالے۔ میر معین الدین اس قلعہ کی جنگی اہمیت سے واقف

اور اپنی ایک علیحدہ حکومت قایم کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے مرہٹوں سے سازش کی تھی میسور کی چوتھی جنگ میں بھی یہی ہوا۔ یعنے اس جاگیر کی ہوس میں اس نے سلطان سے غداری کی۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ نواب حیدر علی نے اسکو معاف کرتے ہوئے پھر اس کو سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا تھا۔ میسور کی تیسری جنگ میں یہ نہایت وفادار رہا۔ اسکی یہی وفاداری کی وجہ تھی۔ کہ سلطان نے اسکو سپہ سالاری کے عہدہ پر ترقی دی ۱۷۹۵ء میں سلطان نے اسکی دختر خدیجہ زمانی بیگم سے نکاح کیا۔ اس بیگم سے ۱۷۹۶ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لیکن چندہی دن بعد زچہ اور بچہ کا انتقال ہو گیا۔

میسور کی تیسری جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان کے وفادار کون اور غدار کون ہیں۔ میسور کی چوتھی جنگ میں انگریزوں نے ان تمام وفاداروں پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ انگریزوں کو پہلے ہی معلوم تھا کہ میر معین الدین اور میر قمر الدین گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں ہیں۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس جاگیر کے وعدے پر اس کو اپنا بنا لیا۔ اور اس نے پورنیا سے مل کر وہ غداری کی جو اگلے صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ یعنے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کی دوپہر میں پورنیا کا شریک ہو کر فوج کو فصیل قلعہ پر سے ہٹا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج بغیر کسی مقابلہ کے قلعہ پر قابض ہو گئی۔

میر قمر الدین

میر علی رضا (گرم کنڈہ) کی ایک حرم کے بطن سے تھا۔ اور اس لحاظ سے گویا سلطان کا سوتیلا ممیرا بھائی تھا۔ گرم کنڈہ کی جاگیر پر شروع ہی سے اسکی نظر تھی۔ بلکہ اس کے حوصلے یہاں تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ خود سلطنت خداداد کا حکمران ہونا چاہتا تھا۔ جس کے لئے اس نے کوششیں بھی کیں۔ اسی ہوس میں میر معین الدین کی طرح میسور کی چوتھی جنگ میں یہ بھی انگریزوں سے

مل گیا۔ اور گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی۔

نوٹ :۔ یہاں یہ کہا جائیگا کہ جب میر معین الدین اور میر قمرالدین دونوں گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں تھے تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے دونوں سے ایک ہی جاگیر کے متعلق کس طرح معاہدہ کیا ہوگا۔ لیکن مغربی سیاست اور تاریخ کا جنہوں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان وعدوں کی معنی کیا ہوتے ہیں۔ اگر موجودہ زمانے میں فلسطین کے معاملہ کو ہی لیا جائے۔ تو یہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انگلستان کی حکومت نے اس ملک کا ایک ہی وقت میں یہودیوں سے بھی وعدہ کیا تھا اور عربوں سے بھی۔ اس کو اگر مدنظر رکھا جائے تو معین الدین اور قمرالدین سے ایک ہی وقت میں گرم کنڈہ کا وعدہ کرنا کوئی تعجب خیز نہیں رہتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معین الدین سے کوئی اور وعدہ کیا گیا ہو۔ لیکن اسکی اسی وقت موت نے اس راز کو یونہی سربستہ رکھدیا ہے۔ اور قمرالدین نے گرم کنڈہ کی جاگیر حاصل کرلی۔ (محمود)

میر قمرالدین کی غداری کی وجہ کرمانی یوں لکھتا ہے :۔

"میر قمرالدین کی غداری کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ وہ سلطان کی دختر کا خواستگار تھا لیکن سلطان نے اس رشتہ کو منظور نہیں کیا۔ ان وجوہات کی بنا پر اس غدار کے دل میں سلطان کے خلاف عناد پیدا ہوگیا۔ اور اس نے سلطان کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔"

قمرالدین کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ فتح نرکنڈہ کے وقت حیدرآباد سے خط و کتابت کررہا تھا۔ جس کی رپورٹ سپہ سالار برہان الدین نے حضور سلطانی میں کی تھی۔ اور سلطان نے چندوں کیلئے اسکو نظربند کردیا (کرمانی)، لیکن کرنل ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۱ پر ایک اور واقعہ لکھتا ہے۔ وہ یہ ہے :۔

"جس وقت سلطان ادھونی پر حملہ کررہا تھا۔ تو سراج الدین محمود خاں مفتی ارکاٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور انکا جنازہ تزک و احتشام سے سرنگاپٹم روانہ کیا گیا۔ تمام ملک

بس یہ خبر پھیل گئی کہ خود سلطان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر ہندوستان بھر میں اس سرعت سے شہرت پذیر ہوئی کہ مسٹر مکفرسن جو عارضی گورنر جنرل تھا۔ میسور کو ایک سفیر بھیجا کہ سلطان کے جانشین کو مبارکباد دے۔ جس وقت سلطان کے انتقال کی خبر مشتہر ہوئی تو اس وقت میر قمر الدین جو کسی اور جگہ تھا۔ فوج کے ایک حصہ کو اپنی جانب ملا لیکر خود تخت نشین ہونے کیلئے سرنگاپٹم آیا۔ سلطان نے بمشکل اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس موقع پر سلطان نے قمر الدین کو دو سال تک نظر بند کر دیا۔"

میر قمر الدین کو یہ بھی حسد تھا۔ کہ سلطان کے پاس برہان الدین کی (جو سلطان کا نسبتی برادر تھا) بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔ سلطان نے برہان الدین کا درجہ بڑھا کر اس کو بھی سپہ سالار اور قمر الدین کا ہم رتبہ بنا دیا تھا۔

برہان الدین سے اس کو اس لیئے بھی عداوت تھی کہ اس نے فتح ترکنڈہ کے وقت اسکی سازش سے سلطان کو آگاہ کر دیا تھا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر اس نے میسور کی چوتھی جنگ میں اس غداری سے کام لیا۔ جس کا ذکر اگلے صفحات میں آچکا ہے۔ یعنے میسور کی چوتھی جنگ میں اس نے بمبئی سے آنیوالی انگریزی فوج سے جنگ کرنے کے عوض اس فوج کو قلعہ سرنگاپٹم پر آجانے دیا۔ اور سلطان کی شہادت تک بھی باوجود قلعہ سے باہر رہنے کے کچھ کارروائی نہیں کی۔

نوٹ:۔ میر صادق کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر کرنل ولزلی نے آخری سازش کی جو تصویر اپنے حکم سے کھنچوائی تھی۔ اس میں جہاں میر صادق کو سلطان کے روبرو بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح اسی تصویر میں سلطان کے بائیں جانب میر قمر الدین کو سبز لباس میں گھوڑے پر سوار بتلایا گیا ہے۔ اس کو توہین سے بچانے کیلئے عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ سلطان کے

پیر کی تصویر ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ کوئی نام بتلایا جاتا ہے اور نہ کوئی ثبوت دیا جاتا ہے۔ میدانِ جنگ اور سازش میں سلطان کے پیر کو سلطان کے ساتھ بتلانے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ صرف قمرالدین کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا ہے۔ یہ تصویر حقیقت میں میر قمرالدین کی ہے۔ میر قمرالدین ایک نہایت قوی اور گرانڈیل جوان تھا۔ اس کا ثبوت اس تصویر سے ملتا ہے ونیز آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی کتاب "سرنگاپٹم" میں بھی اس تصویر کو میر قمرالدین کی تصویر ہی بتلایا گیا ہے۔

میر قاسم علی بن پٹیل میر نورالدین

اسکی تمام عمر ملازمت سلطانی میں بسر ہوی اس کا وطن ریاست حیدرآباد کی سرحد پر تھا۔ اور یہ بھی میر صادق و میر غلام علی کی طرح عجمی النسل اور مذہباً شیعہ تھا۔

ایک دفعہ میر قاسم علی سلطان سے رخصت لیکر اپنے وطن جاتا ہے۔ اسکے جانے کے بعد میر صادق اور پورنیا نے سلطان سے شکایت کی کہ وہ بہت سا سرکاری مال اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے۔ جس پر احکام جاری ہوے کہ اس کو پکڑ کر واپس لایا جائے۔ اس کو واپس لایا گیا۔ تلاشی پر اسکے پاس کوئی مال نہ نکلا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دیا گیا کہ وطن جاکر آئے۔ مگر اس کے دل میں سلطان کے خلاف عناد بیٹھ گیا۔ اور وہ انتقام کیلئے موقع کا منتظر تھا۔ واپس آنے کے بعد اس کو سرنگاپٹم کی قلعداری پر مامور کیا گیا۔

چند سال بعد یعنے اپریل ۱۷۹۸ء میں قاسم علی نے سلطان سے اجازت چاہی کہ وطن جاکر اپنے آخری ایام وہیں بسر کرے۔ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے سلطان نے ایک دن دربار عام میں میر قاسم علی کو مخاطب کر کے فرمایا:-

"تم نے اپنے بادشاہ سے نمک حلالی کی ہے۔ تمہارا سلطان تمہاری وفاداری سے

خوش ہے۔ اور اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے وطن جاکر آرام کی زندگی بسر کرو۔ جو لوگ کہ نمک حلالی اور وفاداری سے ملازمت کرتے ہیں انکی قدردانی لازمی ہے۔ اس لئے سلطان کے دل میں تمہاری قدر و منزلت ہے۔ کہ آئندہ یہ نہ کہا جائے۔ کہ سلطان کے نزدیک تمہاری قدر نہیں تھی۔" (میڈوز ٹیلر)

اس خطاب کے بعد سلطان نے اپنے دستِ خاص سے میر قاسم علی کو دو زرین شال ایک ڈوپٹہ، ایک مرصع زیور، ایک گھوڑا (خاص سلطانی اصطبل کا) ایک مرصع تلوار اور ایک ڈھال عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"تمہارا سلطان وفاداروں کی قدردانی کرتا اور انعام بھی دیتا ہے۔"

میر قاسم علی آداب بجالا کر رخصت ہوا۔

نوٹ :- عجب نہیں کہ میر قاسم علی کا اس وقت وطن جانے کی درخواست کرنا پورنیا، میر صادق و دوسرے غداروں کے ایماء سے ہو۔ (محمود)

یہ وہ وقت تھا کہ انگریزی سازشوں کا جال ہر طرف پھیل رہا تھا۔ میر قاسم کو موقع ملا کہ سابقہ توہین کا بدلہ لے۔ سلطان کے اس الطافِ شاہانہ و قدردانی کا بدلہ جس طرح اس نمک حلال میرزادے نے دیا۔ وہ میڈوز کی اس تحریر سے ظاہر ہے :-

"میر قاسم علی بجائے حیدرآباد جانے کے انگریزوں سے جاکر ملتا ہے۔ اور انکی فوج کو ہوسہلی کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل اس گنجان باغ میں ٹھہراتا ہے۔ جہاں سے انگریزی فوج ہم سے کو حملہ آور ہوئی۔ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ انگریزی سپہ سالار کو جس شخص نے قلعہ کے اس کمزور پہلو سے مطلع کیا۔ وہ یہی میر قاسم علی تھا۔"

بوجہل و بولہب کے اس ذریات کی کارروائی اسی پر منتہی نہیں ہوتی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے :-

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ فوج کو خندقوں سے لیکر نکلا اور دریا پار ہو کر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے آگے تھا وہ جنرل بیرڈ تھا۔ اور اسکی رہنمائی کیلئے ایک شخص اس سے بھی آگے آگے تھا اور وہ شخص میر قاسم علی تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا"

غرض اس تمام سازش کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ لارڈ ولزلی کو ان نمکحراموں کی کارروائی پر اعتمادِ کلی تھا۔ کہ وہ سلطان کو ضرور دہوکہ دینگے۔ اس لئے اس نے جنرل ہارس کو قطعی حکم دیا تھا کہ :-

"جبتک سرنگاپٹم پر قبضہ نہ ہو جائے۔ صلح کی گفتگو نہ کرے"

اپنے اس خط میں لارڈ ولزلی لکھتا ہے :-

"اس شہر کے ہمارے قبضہ میں آجانے سے ہندوستان کی قسمت کا دروازہ ہمارے لئے کھل جائیگا"

جنرل ہارس نے سلطان کو جو شرائط بھیجے وہ کامل اطاعت کے تھے۔

اگر مندرجہ بالا سطور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگ سے پیشتر ہی لارڈ ولزلی کو اس سازش کی کامیابی کا کسدرجہ یقین تھا۔

پورنیا

نواب حیدر علی کے زمانہ میں سلک ملازمت میں داخل ہوا۔ کمسرسیٹ (ٹرانسپورٹ) کا افسر اعلیٰ بنایا گیا۔ اسکے بعد وزیر مالیات اور دیوان مقرر ہوا۔ بہ حیثیت دیوان اور وزیر مالیات سلطنت کے کل محکموں پر اسکو دسترس حاصل تھی۔

اس لئے اکثر غدار اس کے اشاروں پر رقصاں تھے۔ سلطان کے محکمۂ جاسوسی کو بیکار کرنے اور اخیر حملے کے وقت تنخواہ تقسیم کرنے کی غرض سے فوج کو علم بتیری سے عین وقت پر ہٹا کر جو غداری اس نے کی اس کا حال آگے آچکا ہے۔

پورنیا کے حال میں ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے :۔

"پورنیا ۱۷۴۶ء میں ضلع ترچنا پلی میں موضع تروکمبور میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے باپ کا نام کرشنا چاری ہے۔ اور ماں کا نام لکشمی اما۔ پورنیا جب گیارہ سال کا ہوا تو اس وقت اس کا باپ فوت ہوگیا۔ خاندان بالکل غریب تھا۔ اس لئے گذر اوقات کے لئے اسکی ماں دوسرے لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ پورنیا کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ جس کا نام ونکٹا راؤ تھا۔ ۱۷۶۰ء میں یہ خاندان تروکمبور چھوڑ کر ستی منگل میں آکر مقیم ہوا۔ یہاں پورنیا نے ایک بنئے (رنگیا) کی ملازمت کرلی۔ اس بنئے کے تعلقات سرنگاپٹم کے ایک اور بنئے سے تھے۔ جو محلات شاہی سے تجارتی تعلقات رکھتا تھا۔ ان تعلقات کی وجہ سے پورنیا اکثر سرنگاپٹم آیا جایا کرتا تھا۔ اور بعد میں اسی بنئے اننداسٹی کے پاس ملازم ہوگیا۔ اب اسکی آمد و رفت محلات شاہی میں ہونے لگی۔ یہاں داروغہ محلات شاہی کرشنا راؤ سے اسکی شناسائی ہوگئی۔ جس نے نواب حیدر علی سے سفارش کرکے اس کو سرکاری ملازمت دلوا دی۔ یہاں سے اسکی ترقی کا زمانہ شروع ہوا۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی نوازشوں سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ اس کو نوبت، نقارہ، پالکی و عماری کے علاوہ طلائی چتر پکڑنے کی بھی اجازت تھی۔"

بجا طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ جب اسکے حال پر سلطان کی اس قدر نوازش تھی تو

اس نے غداری کس وجہ سے کی ۔ ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۳۳۱ پر لکھتا ہے :-

"میسور کی رانی لکشمانے اس سے درخواست کی کہ میسور میں دوبارہ ہندو راج قایم کرنے میں وہ (پورنیا) اسکی مدد کرے تو وہ اس تجویز کا مخالف نہیں تھا۔ لیکن اس نے کھنڈیے راؤ جیسی کھلی بغاوت بھی نہیں کی ۔ اسکی اس پالیسی کی وجہ سے انگریزوں نے اس کو میسور کا دیوان منتخب کیا۔ اور رانی نے بھی قبول کرلیا"

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ پورنیا کی غداری کس قدر گہری تھی۔ اخیر وقت تک بھی سلطان کو اسکے خیالات کا پتہ نہ چل سکا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے۔ کہ نواب حیدر علی نے اپنے اخیر وقت میں سلطان کے نام ایک خط لکھا تھا۔ جس میں سلطان کو تاکید کی تھی کہ پورنیا اور میر صادق کو قتل کردیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ ان پر اور نوازشیں کرنی شروع کردیں۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ان نمکحراموں غداروں کی وجہ سے اسکی سلطنت تباہ ہوگئی ۔

ماڈرن میسور کی اس تحریر سے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ پورنیا کے دل میں ہندو راج قایم کرنے کا شروع ہی سے ارادہ تھا۔ یہ لکھا جاچکا ہے کہ ملازمت کیلئے اسکی سفارش کرشن راؤ نے کی تھی ۔ اور جب کرشن راؤ کے آخری جملہ پر "میں نے جو آگ لگائی ہے وہ سلطان کے بجھائے بجھ نہ سکیگی" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کرشن راؤ کو پورنیا پر کامل اعتماد تھا۔ کہ اسکے بعد پورنیا ضرور سازش کو کامیاب کرکے رہیگا۔ یہ تمام سازشیں سری رنگا کے مندر میں ہوتی تھیں۔ ایک مصنف نے بالکل سچ لکھا ہے "اگر اس بت کی زبان ہوتی تو وہ کہہ سکتا کہ کس قدر راز اسکے سینے میں محفوظ ہیں"۔ یہ تو کھلی ہوی بات ہے کہ اگر پورنیا جیسا غدار نہ ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ میسور کی رانی کو اس

عہد نامہ (جو فرانس اور سلطان کے درمیان ہوا تھا) کی نقل ملجاتی۔ اور جس کو رانی نے مدراس کے گورنر کو ترمل راؤ کے ذریعہ بھیجا تھا۔

پورنیا کی غداری اخیر وقت تک بے نقاب نہیں ہوتی۔ جب سب کچھ ہو چکتا ہے اور یہ یقین ہو جاتا ہے تو یہ اب اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھ کر علانیہ نمک حرامی کرتا ہے یعنے شگاف اور جنوبی فصیل کی متعینہ فوج کو تنخواہ کے بہانے سے مسجد اعلیٰ کے پاس بلاکر انگریزی فوج کو قلعہ پر چڑھ آنے کی سہولت دی جاتی ہے۔ اور اس طرح انچے شامیا اور کرشن راؤ نے جو تجویز کی تھی۔ اس کو اب پورنیا عملی جامہ پہناتا ہے۔

بہرطور پورنیا کی گہری پالیسی کامیاب ہوی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اسکے صلہ میں میسور کی نئی حکومت کیلئے پورنیا کو دیوان مقرر کیا گیا۔ مورخ باسو اپنی تاریخ کے صفحہ ۳۳۲ پر لکھتا ہے :۔

"یہ اسی سازش کا صلہ تھا جو پورنیا کو میسور کا دیوان بنایا گیا"

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۴۱۸ پر لکھتا ہے :۔

"جب سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا تو پورنیا کو نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا گیا اگرچہ ترمل راؤ کو رانی کی سفارش حاصل تھی۔ مگر مسٹر وب نے رانی کو ایک خط لکھ کر سمجھا دیا۔ یہ خط مرہٹی زبان میں تھا اور اس پر "سری وب" دستخط تھے۔"

پورنیا کے متعلق مورخ باسو لکھتا ہے :۔

"پورنیا نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو دونوں کی ملازمت میں رہ چکا تھا۔ لیکن وہ بغیر کسی حسرت و افسوس کے اب اپنے نئے ہندو آقا کی ملازمت میں اس طرح منسلک ہو گیا۔ جیسا کہ ملک میں کوئی انقلاب ہی رونما نہیں ہوا۔"

نمکحرامی اور غداری چاہے مسلمانوں میں ہو یا ہندوؤں میں بدترین گناہ ہے۔
اسی لئے مسلمانوں میں جس طرح میر صادق کا نام بطور منافق و نمک حرام مشہور ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں پورنیا کا نام مشہور ہے۔ یہاں تک کہ ایک کنڑی زبان کے شاعر نے اسکی اور میر صادق کی غداری کے حالات نظم میں لکھے ہیں اور یہ نظم ہر جگہ گراموفون پر گائی جاتی ہے۔

جہاں تک معلومات نے اجازت دی۔ غداروں کے ذاتی حالات اور انکی دشمنی کے وجوہات لکھدی گئی ہیں۔ اگر مسلمان امراء و وزراء کی غداری پر غور کیا جائے تو جو وجوہات دی گئی ہیں، وہ بالکل سطحی و معمولی ہیں۔ آج بھی ہر جگہ یہی ہوتا اور ہو رہا ہے۔ لیکن اس سے سلطنتوں میں انقلاب نہیں آتا۔ تاوقتیکہ ایک دوسری طاقت ان کی پشت و پناہ بنکر انہیں غداری پر آمادہ نہ کرے۔ حیدرآباد، ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹوں کا طرز عمل اس سلطنت کے ساتھ کیا رہا ہے۔ اسکی تشریح پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ اب رہا سلطان کے ہندو امراء و وزراء ان کے مدنظر ایک خاص مقصد تھا۔ جس کے حصول کیلئے انہوں نے غداری کی۔

اصلاحاتِ سُلطانی

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب کے عنوان کے تحت کہیں لکھا جا چکا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پروپاگنڈہ سے متاثر ہو کر بہت سے پالیگار (جاگیردار) اور زمیندار، سلطان کے وزرآ و امراء، سادات اور اہل نوائط بھی انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان نے ملک میں چند ایسی اصلاحات جاری کیں جو ان لوگوں کو ناگوار گذریں یہ اصلاحات دو قسم کی تھیں۔ ایک ملکی اور دوسری مذہبی۔

(۱) ملکی اصلاحات

تمام ملک میسور بلکہ جنوبی ہند میں زمانہ قدیم سے فیوڈل طرز کی حکومت چلی آتی تھی یعنی ہر جگہ چھوٹے چھوٹے جاگیردار جنہیں پالیگار کہا جاتا تھا۔ اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار چلے آتے تھے۔ اسکے عوض وہ سلطنت کو ایک مقررہ رقم دینے کے علاوہ ضرورت کے وقت سپاہ سے کمک دیتے تھے۔ یہ پالیگار اندرونی طور پر بالکل خود مختار تھے۔ کسانوں سے بطور خود لگان وصول کرتے اور اپنے علاقہ کی درآمد و برآمد پر محصول لگاتے تھے۔ اور اسکے علاوہ قسم قسم کی ٹکسیں وصول کی جاتی تھیں۔ اس قسم کی زمینداریاں ملک میں اس کثرت سے تھیں کہ بعض بعض مقامات پر بقول کرنل ولکس بیس میل کے اندر اندر دو تین پالیگار رہتے تھے۔ اور ایک مسافر کو جو ملک میں سفر کرنا چاہتا تھا۔ دوران سفر میں ہر پانچ دس میل پر محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ اسکے علاوہ یہ پالیگار ہمیشہ ایک دوسرے سے

لڑتے رہتے تھے ۔ وجیانگر کی عظیم الشان ہندو سلطنت جو قریباً تین سو سال تک حکومت کرتی رہی اس نے بھی اسی طرز حکومت کو قایم رکھا تھا ۔ اسکے بعد بیجا پور والوں نے بھی اسی کو بحال رکھا ۔ بیجا پور کے بعد مغلیہ سلطنت بھی اسی اصول پر کاربند رہی ۔ لیکن طاقتور پالیگاروں کا زور توڑنے کیلئے عالمگیر نے یہ کام کیا کہ انکی قدیم جاگیرات لے کر انہیں دوسرے غیر آباد علاقے دئے گئے ۔ عالمگیر کی اس پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ غیر آباد علاقے بھی آباد ہو جائیں ۔ لیکن مغلیہ سلطنت کا اقتدار بالکل کم عرصہ تک رہا ۔ عالمگیر کی وفات کے بعد جو افتراق و انتشار اور طوائف الملوکی پھیلی اسکی وجہ سے پالیگاروں میں اور اضافہ ہو گیا ملک کی یہ حالت نواب حیدرعلی کے زمانے تک بھی چلی آتی تھی ۔ گو حیدرعلی نے چند بڑے بڑے پالیگاروں کا خاتمہ کر دیا ۔ لیکن چھوٹے پالیگاروں یا زمینداروں کا جال ملک میں بدستور پھیلا ہوا تھا ۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی جاگیرداری کا یک لخت خاتمہ کر دیا ۔ زمین سرکار کی ملکیت قرار پائی ۔ کسان براہ راست سرکار کو لگان دینے لگے ۔ اور یہ قانون نافذ ہو گیا کہ جب تک کسان زمین کو آباد رکھے ۔ اس کو زمین سے بے دخل نہ کیا جائے ۔ اور زمین کو دوامًا اسی کی ملکیت سمجھی جائے ۔

اس اصلاح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسان جو زمانہ ہائے دراز سے ہر قسم کی مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا تھے ۔ آزاد اور فارغ البال ہو گئے ۔ زمین کی تقسیم از سر نو ہونے سے مزدور بھی کاشتکار اور خوشحال بنگئے ۔ سلطان کا یہ بھی فرمان تھا ۔ کہ جو شخص بھی زمین آباد کرنے کے لئے درخواست دے ۔ اس کو زمین مفت دی جائے ۔ اور اس وقت تک اس سے لگان نہ لی جائے ۔ جبتک زمین میں پیداوار نہ ہو ۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"یہ ایک تسلیم شدہ امر تھا کہ جبتک کاشتکار اور اسکے ورثا زمین کو آباد رکھیں اور مقررشدہ لگان ادا کریں۔ زمین ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ اور جب یہ زمین کو آباد کرنا ترک کر دیں اور مقررہ لگان ادا نہ کریں تو اس وقت حکومت زمین کو دوسرے کاشتکار کے حوالے کرتی تھی۔ زمین گو سرکار کی ملکیت تھی۔ لیکن جب تک کاشتکار لگان ادا کرتا تھا زمین اسی کی سمجھی جاتی تھی۔" (صفحہ ۳۰۱)

"لگان کے تعین کرنے میں زمین کی وسعت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ پیداوار کس قدر ہوئی ہے۔ لگان ہر جگہ زرنقد کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہ رقم اس وقت اناج کی قیمت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی تھی۔ اور جب کبھی کاشتکار اور عاملانِ حکومت میں رقم کے تعین کرنے میں اختلاف ہوتا تھا تو عاملانِ حکومت کو حکم تھا کہ اناج لے لیا جائے۔" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینات جن کیلئے انہار یا تالابوں سے آبپاشی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کاشتکاروں کو اس شرط پر دی جاتی تھیں کہ ان میں اگر پیداوار ہو تو لگان ادا کیا جائے۔ اور یہ لگان پیداوار کا آٹھ فی صدی حصہ ہوتا تھا۔" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینات جو عرصہ دراز سے غیر آباد پڑے تھے۔ اور جنہیں کوئی آباد کرنے راضی نہ ہوتا تھا۔ کاشتکاروں کو کرایہ پر دی جاتی تھیں۔ اس طریقہ کو ستر یا کہا جاتا تھا۔ کرایہ پہلے سال بالکل معاف تھا۔ دوسرے سال سے پانچویں سال تک پیداوار کا چوتھائی حصہ اور پانچویں سال کے بعد پورا کرایہ لیا جاتا تھا (صفحہ ۳۰۰)

"تری زمین کے کاشتکاروں کو خشک زمینات بغیر لگان دی جاتی تھیں۔"

(صفحہ ۲۹۶)

سلطان کے ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کا چپہ چپہ آباد اور ہر جگہ زراعت ہونے لگی۔ اور جاگیروں و زمینداریوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی لئے آج بھی کل میسور علاقے میں کہیں زمینداری یا جاگیرداری نہیں ہے۔

کیا پٹن ٹل جو میسور کی تیسری جنگ میں ایک نمایاں حصہ لیا تھا اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:

" ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ وہ ایک جابر و ظالم حکمران ہے۔ جس کی وجہ سے اسکی تمام رعایا اس سے بیزار ہے۔ لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جارہے ہیں۔ رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابل کاشت زمین جس قدر بھی مل سکتی ہے۔ ان پر کھیتیاں لہرارہی ہیں۔ ایک انچ زمین بھی بیکار نہیں۔ رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت اتم درجہ موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ یورپ کی کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہے "

نوٹ :- کیا پٹن ٹل بمبئی کی اس انگریزی فوج کے ساتھ آیا تھا۔ جس کو حکم تھا کہ بمبئی سے منگلور دھاڑوار کے راستے سے ہوتے ہوئے سرنگاپٹم تک پہونچے۔ اس کی یادداشتیں ایک کتاب کی صورت میں ۱۷۹۴ء میں لنڈن میں طبع ہوئی تھیں۔ اور اس کا مرتب لے. متور ہے۔

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے :-

" جس وقت انگریزی فوجیں ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئیں تو دیکھا گیا کہ تمام رعیت ہندو اور مسلمان نہایت خوشحال ہے۔ تمام ملک سرسبز ہے۔ زراعت اچھی ہو رہی ہے

کل رعیت سلطان کے نام پر فدا ہے۔ جس وقت انگریزی فوج سرنگاپٹم میں داخل ہوئی۔ تو ان لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لاکر رکھدی۔ کہ وہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی ہر دلعزیز تھا"

مسٹر ڈبلیو ٹارنس۔ ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب ایمپائر ان ایشیا میں لکھتا ہے۔—

"ٹیپو کے زیر حکمرانی میسور۔ تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے۔ اسکے خلاف انگریزی اور انکے باجگذار مقبوضات کرناٹک اور اودھ وغیرہ بلکہ بنگال بھی صفحۂ دنیا پر ایک بدنما دھبہ تھا۔ اور رعایا قانونی شکنجے میں کسے ہوئی بالکل پریشان حال تھی"

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار یعنی وہ لوگ جو پالیگار اور جاگیردار تھے سلطان کے خلاف ہو گئے۔ اور ان میں بہت سے ملک چھوڑ کر کرناٹک میں جاکر آباد ہوئے۔ اور موقع کے منتظر تھے۔ میسور کی تیسری جنگ کے آغاز میں کرنل ریڈ نے انہیں پالیگاروں سے فائدہ اٹھایا۔ اور انہیں سبز باغ دکھاکر ملک میں جاسوسی کرنے اور انگریزی فوج کو رسد اور چارہ فراہم کرنے پر متعین کیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے بیان میں بہت سے ان پالیگاروں کے نام دئے گئے ہیں۔ جو انگریزوں سے مل گئے تھے۔

نواب حیدر علی سے پیشتر ملک میں یہ رواج جاری تھا۔ کہ ضلعوں کے بڑے افسروں کو تمام محکموں پر اختیارات حاصل تھے۔ اور ان تمام افسروں کو تنخواہ کے عوض جاگیرات دی جاتی تھیں۔ سلطان نے اس رواج کو موقوف کرتے ہوئے فوجی اور سیول محکمے علیحدہ کر دیئے۔ اور ہر افسر کی تنخواہ مقرر کر دی گئی۔ جس کی وجہ سے وہ تمام افسر

جو اس رواج کی وجہ سے جاگیر دار بنے ہوئے تھے۔ دل ہی دل میں سلطان کے خلاف ہو گئے میر معین الدین، قمر الدین، میر آصف شیر خاں وغیرہ کی غداری کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے۔ اسکے ثبوت میں کرنل تیاری کلوز کے خط کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔ سرنگا پٹم کے زوال کے بعد لارڈ ولزلی نے سلطنت کی تقسیم سے پہلے سلطان کے افسروں کے رجحان کو دریافت کرنا چاہا۔ اس خط کے جواب میں کرنل بیاری کلوز نے لکھا تھا:۔

"ٹیپو کا طرز حکمرانی اس طرح کا تھا کہ اس نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی کو موروثی یا مستقل عہدے نہیں تھے۔ کہ وہ حکومت مسلطہ کے خلاف کچھ کرسکیں۔ اس لئے سلطان کے آصفوں و دیگر عہدہ داروں سے خوف کرنے کیلئے وجوہات نہیں ہیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۷)

(۲) مذہبی اصلاحات

مسلمانوں کی اس وقت کی حالت

عالمگیر اورنگ زیب نے ۱۶۸۶ء میں بیجاپور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ہی مغلیہ فوجیں جنوب کی طرف بڑھیں۔ اور انکے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کثیر آبادی دکن کی اسلامی سلطنتوں سے نکل نکل کر جنوب میں آباد ہونے لگی۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کو یہاں آئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ یہ مسلمان اپنے ساتھ دکن کے تمام رسم و رواج اور روایات کو لیکر آئے تھے۔ دکن کی چار سو سالہ رہائش اور مرہٹے ہندوؤں کے ساتھ میل جول نے ان مسلمانوں کی معاشرت پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا۔ جسکی وجہ سے بہت سے مرہٹی و ہندی رسوم انکی شادی بیاہ وغیرہ میں رائج ہو چکے تھے۔

فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :۔

"جب عادل شاہ کے لڑکوں کی ختنہ ہوئی تو دکنی رسم و رواج کے مطابق لڑکوں کو سرخ لباس پہنائے گئے۔ انکے گلے میں پھولوں کے ہار اور سر پر سہرا تھا۔ باجے کے ساتھ شب گشت نکالا گیا تھا۔ تمام راستے میں آتش بازی ہو رہی تھی۔ اور طوائف ناچ رہے تھے۔"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دکن میں مسلمانوں کی معاشرت کس قدر بدل چکی تھی۔ لوگ عیش و آرام کے خوگر اور ہر قسم کی عیش و عشرت کے دلدادہ بن چکے تھے۔ اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ دکن کے اسلامی سلاطین اپنی سلطنتوں کو عالمگیر اورنگ زیب کے حملوں سے بچانے کیلئے مرہٹوں سے بہت زیادہ مل چکے تھے۔ اور اپنے آپ کو ملکی کہتے ہوئے مغلوں کو غیر ملکی کے نام سے منسوب کرنے لگے۔ گویہ ایک سیاسی چال تھی۔ اور اس سے انکا مطلب ہندوؤں اور مرہٹوں کی تائید حاصل کرنا تھا۔ لیکن اس کا اثر یہ پڑا کہ معاشرت کے لحاظ سے جو فرق ہندوؤں اور مسلمانوں میں باقی تھا۔ وہ بھی مٹنا شروع ہو گیا۔

دکن کی اسلامی سلطنتیں جیسے احمد آباد، گولکنڈہ اور بیجاپور بلحاظ عقیدہ شیعہ سلطنتیں تھیں۔ انہوں نے محرم کو بہت زیادہ رواج دیا۔ علموں اور تعزیوں کے لئے عاشور خانے بنائے۔ اور انہیں جاگیرات دی گئیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج بھی اننت پور، بلاری، کڈپہ، میسور، گدگ اور ہوبلی وغیرہ ضلعوں میں ہر جگہ گاؤں اور دیہات میں مسجد تو نہ ہو گی۔ لیکن عاشور خانے ضرور ملیں گے۔ جن کے لئے جاگیریں وقف ہیں۔ حکومت وقت کی تقلید میں مرہٹے اور ہندو بھی محرم کی رسومات میں شامل ہونے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہولی اور دسہرہ کی بہت سی رسوم محرم میں

شامل ہو گئے۔

غرض یہ تھی وہ معاشرت اور رسم و رواج جو دکنی مسلمان جنوب میں اپنے ساتھ لائے۔ اگر عالمگیر کے بعد سلطنت مغلیہ کو استقلال نصیب ہوتا تو ممکن تھا کہ بہت کچھ اصلاح ہو جاتی۔ لیکن دہلی میں بادشاہوں کے عزل و نصب اور صوبہ داروں کی غداریوں نے مسلمانوں میں حد درجہ افتراتفری پیدا کر دی اور ایک مضبوط مرکز کی نگرانی نہ ہونیکی وجہ سے مسلمان دن بدن مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔

اسی افتراتفری کے زمانہ میں نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ اور اس جانباز سپاہی نے سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی۔ لیکن اس کی ۲۲ سالہ مدت حکومت ہمیشہ جنگ و جدال میں گذری۔ مگر نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت خداداد کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اور سلطان تخت نشین ہوا۔ اس نے مسلمانوں کی اس کمزور حالت کا احساس کرتے ہوئے :۔

(۱) منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ (یہ حکم بلا امتیاز مذہب ہر شخص کیلئے تھا)۔

(۲) ہر شہر اور گاؤں میں قاضی مقرر کئے۔ جن کے ذمہ مسلمانوں کی مذہبی نگرانی تھی۔

(۳) مسلمانوں کو مذہب آشنا بنانے کیلئے کتاب فتح المجاہدین کے پہلے باب کی ہزارہا نقلیں ملک میں تقسیم کیں۔

نوٹ :۔ اس کتاب کا پہلا باب "مسائل عقاید و نماز و جہاد و ترکہ وغیرہ" پر مشتمل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ نماز جمعہ میں پڑھنے کیلئے نئے خطبات تدوین کئے گئے۔ جن میں زیادہ تر جہاد پر توجہ دلائی گئی۔ ان میں ایک خطبہ اسی کتاب میں کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔

(۴) ان لوگوں پر جو صرف پیری مریدی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ پابندیاں عاید کر دیں۔

(۵) محرم کی ان رسومات کو جو دکن کی اسلامی شیعہ سلطنتوں کے زمانے سے چلی آتی تھیں ممنوع قرار دیا گیا۔ (یعنے شببیر، ریچھ، بندر وغیرہ کے سوانگ اور گروہ بنانا)

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طبقہ جو پیری مریدی اور مروجہ محرم کی رسومات روٹی پیدا کر رہا تھا سلطان کے خلاف ہوگیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے مسلمانوں کی اسی ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر مذہبی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے خاص طور پر محرم منانے کی اجازت دی اور خود بھی تعزیوں اور علموں کی تعظیم کی۔ جس پر جاہل ملاؤں نے یہ مشہور کر دیا کہ اعتقاد کے لحاظ سے مسلمان بادشاہوں سے فرنگی بہت اچھے ہیں۔ پیری مریدی پر پابندیاں اہل سادات کو نہایت گراں گذریں۔ ان حضرات نے دکن کی اسلامی سلطنتوں میں اور بعد میں ارکاٹ اور سرا میں اپنی تعظیم و توقیر دیکھی ہوئی تھی۔ کہ کس طرح ان کے صرف سید ہونے کے لحاظ سے انہیں جاگیریں اور وظائف ملتے تھے۔ سلطان نے ان جاگیروں اور وظائف کو بند کرتے ہوئے انہیں تجارت اور ملازمت کرنے کی ترغیب دی اور اس میں اس نے نہایت فراخدلی دکھائی۔ اس کی سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو اس میں کثرت سے سادات کے نام ملیں گے اور شبہ ہوتا ہے کہ کہیں سلطان سید پرست تو نہیں تھا؟

مسلمانوں میں حسب و نسب کا غرور اور خون کا امتیاز حد درجہ ترقی کر گیا تھا۔ سلطان مساوات کا دلدادہ تھا۔ اس نے اس برائی کی اصلاح کرنی چاہی۔ اس کے لئے اس نے ذاتی قربانیوں سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے نسبتی برادر برہان الدین کی شادی بدر الزماں نائطہ کی لڑکی سے کی۔ اسی لئے اہل نوائط جنہیں اپنے حسب و نسب پر بہت زیادہ فخر تھا سلطان کے خلاف ہوگئے۔

ان ملکی ومذہبی اصلاحات کو دیکھتے ہوئے پروفیسر جاسے سرکی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ:

"ٹیپو اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا"

میسور گزیٹیر کی جلد دوم کے صفحہ ۲۶۸۴ پر تحریر ہے :-

"ابھی تک ملک میں اس (ٹیپو سلطان) کے اصلاحات پر وہ نظر نہیں ڈالی گئی۔ جس کی وہ مستحق ہے۔ یقیناً اسکے یہ اصلاحات صد درجہ قابل تعریف و توصیف ہیں۔ یہ ایک بدقسمتی ہے کہ ٹیپو کی زندگی کا صرف تاریک پہلو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے روشن پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ٹیپو کی اصلی شخصیت ابھی تک دنیا پر ظاہر نہیں ہوئی"

زوالِ سلطنت کا ایک اور سبب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب میں اندرونی و بیرونی سازشوں کے ساتھ ساتھ سلطان کے امراء و وزراء کی غداریوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اب یہاں فرانس اور سلطان کے تعلقات کو واضح کیا جاتا ہے۔ یہی وہ تعلقات تھے جو الیسٹ انڈیا کمپنی کو مضطرب بنا کر لارڈ ولزلی کو فوری کارروائی کرنے پر آمادہ کر دئے تھے۔ جس کا نتیجہ میسور کی چوتھی جنگ اور زوال سلطنت میں نکلا۔

آزادئ وطن کیلئے سلطان کی جدوجہد

فرانس اور ٹیپو سلطان کے تعلقات

گذشتہ اوراق میں بتلایا جا چکا ہے کہ جب

۱۷۸۴ء میں میسور کی دوسری جنگ ختم ہوئی اور انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان منگلور کے عہد نامے پر دستخط ہو چکے۔ تو مرہٹوں اور نظام نے سلطان کے خلاف معاہدہ ایت گیر کرتے ہوئے سلطنت خداداد پر چڑھائی کی تھی سلطان کو اس وقت یقین ہو گیا کہ اہل وطن میں نہ مرہٹوں کو اپنے وطن کے تحفظ کی فکر ہے اور نہ نظام الملک نظام علی خاں کو ۱۷۶۱ء سے وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح نظام اور مرہٹے بار بار سلطنتِ خداداد پر چڑھائی کرتے رہے ہیں۔ اور حیدر علی کے ان ارادوں میں مزاحم ہوتے رہے۔ جو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے کر رہے تھے۔ یہ تو کھلی ہوئی بات تھی کہ ہندوستان میں اس کا کوئی حلیف نہیں تھا۔ سب کے سب ایسٹ انڈیا کمپنی کی جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اس سے بے خبر تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عزم و ارادے کیا ہیں۔ تنہا ایک سلطان ہی تھا جس نے اس راز کو سمجھ لیا تھا۔ اور بار بار مرہٹوں اور نظام سے اتحاد کی کوشش کی۔ لیکن ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی۔ اگر حالات یہیں تک محدود رہتے تو اور بات تھی۔ لیکن یہ طاقتیں انگریزوں سے ملکر اسکی سلطنت کو مٹانا چاہتی تھیں۔ اس لئے اب بجز اسکے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنے لئے حلیفوں کی تلاش کرے۔ اسکی نظریں بیرون ہندوستان ترکی، ایران، افغانستان اور فرانس پر اٹھیں۔ ان میں فرانیسی پہلے ہی سے ہندوستان میں موجود تھے۔

فرانسیوں کے متعلق اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ سوائے تجارت کے ہندوستان میں انکا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ گو انہوں نے جنوبی ہند میں ارکاٹ کے معاملہ میں دخل دیا تھا۔ لیکن تاریخ دان جانتے ہیں کہ انہوں نے بمجبوری ایسا کیا تھا۔ فرانسیسوں اور انگریزوں میں تجارتی رقابت تھی اور اسی لئے دونوں قوموں میں جنگیں برپا ہوئیں۔ اور ان جنگوں میں والاجاہ محمد علی نے انگلستان کو مدد دینی شروع کی۔ فرانیسی گورنر مسٹر ڈوپلے نے

محمد علی کو تنبیہ بھی کی کہ ان معاملات میں دخل نہ دے۔ لیکن اس نے نہیں سنی۔ جس کی وجہ سے فرانسیسی مجبور ہو گئے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔ (اس کا مفصل بیان کتاب کے شروع میں آچکا ہے۔ (محمود)

اسکے بعد فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے گورنر ڈوپلے کو واپس بلا لیکر ہندوستانی معاملات سے ایک حد تک کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے صرف تجارت پر قانع ہو گئی۔ لیکن اہل فرانس کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف جذبات باقی رہے۔

سلطان فرانسیسیوں کے ان جذبات سے واقف تھا۔ اس نے جہاں ایران، افغانستان اور ترکی کو سفارتیں روانہ کیں۔ فرانس کو بھی ایک سفارت روانہ کی۔ اس سفارت کو سلطان نے اختیارات دئے تھے کہ شاہ لوی سے مندرجہ ذیل شرائط پر معاہدہ کرے۔

قلم اول:- اس معاہدہ کی مدت دس سال ہوگی۔ یہ معاہدہ انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے کیا جاتا ہے۔ قلعہ چینا پٹن (مدراس) مع ملک کرناٹک اور دیگر بندرگاہیں یعنے بمبئی اور بنگالہ پر قبضہ ہونے تک انگریزوں سے صلح نہ کی جائے۔

قلم دوم:- اس معاہدہ کی تحت فرانس کو چاہئے کہ دس ہزار سواران کلاہ پوش کو ہندوستان روانہ کرے۔ یہ فوج جب پلچیری (پانڈیچری) یا کلیکٹ یا سلطنت خداداد کی جس بندرگاہ پر بھی اتریگی۔ اس وقت سے انکی رہائش، خوراک، تنخواہ وغیرہ کا انتظام سلطنت خداداد کے ذمہ ہوگا۔ اور تمام جنگی سامان بارود اور گولہ سرکار خداداد فراہم کریگی۔

قلم سوم:- تمام فرانسیسی سردار و سپاہی جنگی معاملات میں سرکار خداداد کے حکم کی اطاعت کرینگے۔ اور اگر کسی سے تقصیر ہو جائے تو انصاف کے مطابق انہیں سزا

دی جائیگی۔ اور اس میں فرانسیسی سرداروں سے مشورہ لیا جائیگا۔

قلم چہارم:۔ تمام ملک کرناٹک اور قلعہ چینا پٹن پر قبضہ کرنے کے بعد قدیم الایام سے جن بندرگاہوں پر تجارت ہوتی ہے۔ اور انکی متعلقہ زمین اور ملک کنارا کی بندرگاہیں سرداران فرانس کے حوالے کی جائیں گے۔ اور قلعہ ترچناپلی، تنجاور اور ملک کرناٹک جو قدیم الایام سے اہل اسلام کی ملکیت ہے۔ سرکار خداداد کے مقبوضات متصور ہوں گے۔

قلم پنجم:۔ بندرگاہ بمبئی اور کلکتہ کی تسخیر کے بعد تمام بندرگاہیں اور انکی متعلقہ زمین فرانس والوں کے حوالے کی جائیگی۔ اور دوسرے علاقہ جات جن پر انگریز قابض ہیں۔ سرکار خداداد کی ملکیت متصور ہوں گے۔

(ان ہدایات کو سلطان کی ایک قلمی بیاض سے لیا گیا ہے۔ اور اسکی تصدیق اس اعلان سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرانسیسی گورنر ملارٹی نے مراشس میں کیا تھا۔)

فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدہم نے اس سفارت کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور اس خوشی میں خاص تمغے دیئے گئے۔ جن کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"ایلچیان ٹیپو سلطان غازی محمد درویش خاں و اکبر علی خاں و محمد عثمان خاں با ولیس بادشاہ فرانسیس ملاقات کردند ششم ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۲ ہر سہ ایلچیاں بدارالضرب اشرفی در ملکہ پرس تشریف کردند بتاریخ ہفتم ماہ ذی حجہ ۱۲۰۲ ۱۷۸۸ء

(از صفحہ ۴۷ سیاحت نامہ کیاپٹن نئل مطبوعہ لنڈن)

فرانس کے لوئی کے وزراء ٹیپو سلطان کی ان شرائط کو دیکھکر اسکی دریا دلی اور جود و کرم سے بہت خوش ہوئے۔ انہیں ٹیپو کی آزادانہ ذہنیت نے متحیر کر دیا۔ اور وہ فرانسیسی سپاہیوں کو بھیجنے پر آمادہ ہوگئے۔ لیکن لوئی نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس نے

صرف دوستانہ تعلقات رکھنا کافی سمجھا۔ اس لیئے کہ اس کو اپنے ملک میں انقلاب کا ڈر لگا ہوا تھا۔

فرانسیسی مورخ بجا طور پر لوئی کو الزام دیتے ہیں کہ اس نے اس زرین موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔"

بہرطور سفارت بے نیل و مرام واپس ہوی۔ اس ناکامیابی سے سلطان مایوس نہیں ہوا۔ دوسری مرتبہ سلطان نے پھر ایک اور سفارت بھیجی۔ اس دفعہ سمندر کی موجیں اسکی کامیابی کی راہ میں حائل ہوگئیں۔ اور جہاز خراب ہوکر منگلور واپس ہوگیا۔

اس عرصہ میں میسور کی تیسری جنگ چھڑ گئی۔ مرہٹے، نظام اور انگریزوں نے ملکر سلطنت خداداد پر چڑھائی کی سلطان کو شکست ہوئی۔ اور معاہدۂ سرنگاپٹم کی رو سے اتحادیوں نے سلطان کا نصف ملک لے لیا۔ اس جنگ کے حالات میں بتلایا جا چکا ہے کہ کس طرح سلطان نے نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کی کوشش کی۔ کس طرح اس نے انکا وہ ملک جس پر سلطنتِ خداداد کا قبضہ ہو چکا تھا۔ انہیں واپس کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا۔ اور کس طرح اس نے اس اتحاد کو دیرپا بنانے کیلئے نظام سے رشتہ داری کی تجویز کی۔ لیکن اس کو مایوس ہونا پڑا۔ جنگ میں شکست کے بعد اسکی زندگی صرف انتقام لینے کیلئے رہگئی۔ لیکن وہ مرہٹوں اور نظام سے انتقام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو تڑپ تھی تو یہی کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ اس لئے اس نے پھر نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کرنا چاہا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اور سفارت فرانس کو روانہ کی گئی۔ اس سفارت میں حسین علی اور شیخ ابراہیم تھے۔ ۱۹ جولائی ۱۷۹۶ء کو جہاز پورٹ لوئی مراشس میں لنگر انداز ہوا۔

جب جنرل ملارٹی کو معلوم ہوا کہ یہ ٹیپو سلطان کے سفیر ہیں تو انکے اعزاز میں ۱۵ توپوں

کی سلامی دی گئی۔ رعایا نے انکے ساتھ اظہار عقیدت کیا اور ان پر چوطرف سے پھول برسائے گئے۔ سلطان کے خطوط کا پاس رکھتے ہوئے جنرل ملارٹی نے معاہدہ کیا۔ لیکن ماریشس کی گورنمنٹ نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا۔

جنرل ملارٹی اپنے معزز مہمانوں کو مایوس ہوتے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ "وہ ہندوستان کو فرانسیسی فوج روانہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ اور برطانیہ کو نکال باہر کرنے میں سلطان کا ساتھ دیگا۔ اور ایک جنگی جہاز معہ سلطان کے خطوط کے پیرس روانہ کرکے فوری امداد کا مطالبہ کریگا"۔ سفراء کی روزافزوں مایوسی سے اسے تکلیف ہونے لگی۔ اس نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو کوئی سلطان میسور کی امداد کیلئے ہندوستان جانا چاہے اسے بخوشی روانہ کیا جاتا ہے۔ اعلان کی عبارت ذیل میں درج ہے:-

"آزادی اور مساوات! جمہوریہ فرانس یہی چاہتی ہے۔

اعلان - منجانب اینی جوزف ہولنٹ ملارٹی امیر اعظم و گورنر جنرل جمہوریہ فرانس حکومت متحدہ و نو آبادیات دراس امید۔

شہریو! ہم نے ہمیشہ سے تم میں جوش اور ملک و قوم کی خدمات کا جذبہ پایا ہے اسی جذبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم تمہارا ٹیپو سلطان سے تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہماری ایک معمولی سی امداد کے لئے اس نے کیا کیا شرائط قبول کئے ہیں۔ اس نے کئی خطوط نظارت عالیہ کو لکھے ہیں۔ اور یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ فرانسیسی اسکے ساتھ خلط ملط ہو جائیں اور اسکے منشا کے موافق کام کریں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ہم جب تک ہندوستان میں ٹھہرے رہیں گے۔ وہ ہمارے اخراجات کیا مالی، کیا معاشی اور کیا جانی برداشت کریگا

جتنے بھی اسلحہ ہم یورپینوں اور خصوصاً فرانسیسیوں کیلئے ضروری ہیں۔ اس نے مہیا کرنے کا اٹل وعدہ کیا ہے۔ لیکن شراب وکباب یقیناً یہ چیزیں وہ ہمارے لئے مہیا نہ کرسکے گا۔ کیونکہ ہندوستان میں اس کا بالکل رواج نہیں۔ اور نہ اُسے یہ مشروبات کہیں مل سکتی ہیں۔ اس نے ہمیں خطوط میں لکھا ہے کہ ہمارے استقبال کا اس نے بڑی گرمجوشی سے انتظام کیا ہے۔ اور یہ کہ وہاں پہونچنے کے بعد فرانسیسی عہدہ دار اپنی ضروریات کی وہ تمام چیزیں تیار پائیں گے جو ایک یوروپی کو بوقت جنگ رکھنی ضروری ہیں۔ بہرحال وہ صرف اس گھڑی کا منتظر ہے جبکہ فرانسیسی اسکی امداد کیلئے پہونچیں۔ اور برطانیہ کی جڑ اکھیڑنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ یہ اس کی دلی تمنا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی راج نہ رہے۔ بلکہ خود ہندوستانی اپنے ملک سے مستفید ہوں۔ ۱۵۸ ویں رجمنٹ بندرگاہ فرائزنانٹ پر متعین ہے۔ اس لئے اس کا بھیجا جانا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے شہریو ہماری تم سے التجا ہے کہ ٹیپو کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں۔ سلطان ٹیپو نہ صرف افواج شاہی کا استقبال کریگا۔ بلکہ ہمارا ہر وہ شہری جو میسور جائے گا۔ مہر وعنایت کے دروازے اس کے لئے کھولدئے جائیں گے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ جو شخص چاہے وہ فوجی ہو یا معمولی شہری میسور جائیگا۔ ٹیپو اسے اس فوری امداد کے صلہ میں ایک بڑی رقم دیگا۔ اسکے سفر سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کا مطلب بر آنے پر ان تمام فرانسیسیوں کو واپس کردیا جائیگا۔ جو اپنے وطن کو واپس ہونا چاہتے ہیں۔"

بندرگاہ نارتھ وسٹ　　۳۰ر جولائی ۱۷۹۶ء　　"ملارتی"

اس اعلان کے بعد جنرل ملارٹی نے حسب وعدہ مرکزی گورنمنٹ (پیرس) کو متوقع فوائد کے زیر نظر توجہ دلائی اور سلطان کے خطوط پیرس روانہ کئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریزی جاسوسوں نے جو اس سفارت کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اسکی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ راستے میں ایک انگریزی جہاز نے اس فرانسیسی جہاز پر حملہ کر دیا۔ جو سلطان کے خطوط پیرس لیجا رہا تھا۔ فرانسیسی جہاز تباہ ہوگیا۔ اور اس طرح فرانس کی نظارت عاملہ کو ٹیپو سلطان کے یہ خطوط پہونچ نہ سکے۔

لیکن سلطان پھر بھی پست ہمت نہ ہوا۔ اس نے پھر ایک سفارت روانہ کی۔ اب فرانس میں نپولین کا دور دورہ تھا۔ اس سفارت میں دو میسوری سفیر اور ایک فرانسیسی امیر البحر ڈیوبک تھا۔ فرانس کی نظارت عاملہ نے اس سفارت کا شاندار استقبال کرتے ہوئے نپولین کے آگے ٹیپو سے معاہدہ کرنے کی گذارش پیش کی۔ نپولین نے اس گذارش کے جواب میں ٹیپو سلطان کے نام مصر سے ایک خط لکھا:۔

" آزادی! مساوات!! بونا پارٹ!!!

ممبر آف دی نیشنل کنونشن۔ جنرل ان چیف

صدر مقام۔ قاہرہ

۷ر تاریخ

سال ہفتم۔ جمہوریت

میرے سب سے زیادہ عظیم الشان سلطان، میرے سب سے عزیز دوست ٹیپو سلطان کی خدمت میں!

آپ کو یہ اطلاع تو غالباً پہونچ گئی ہوگی۔ کہ ہماری فوج ظفر موج نے آج کل

بحرِ قلزم کے سواحل پر اپنا ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ میری اور میری فوج کی دلی خواہش اور تمنا ہے کہ کسی طرح آپ کو برطانیہ کے آہنی پنجہ سے چھٹکارا دلایا جائے میرا خیال ہے کہ مستعا اور موخا کے راستے آپ تک پہونچوں۔ لیکن اس سے قبل آپ کے ملک کی سیاسی حالت کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے آپ اپنے ایک سربرآوردہ اور دیانتدار عہدہ دار کو جس پر آپ پورا اعتقاد اور اعتماد رکھتے ہیں، سویز یا قاہرہ کے راستے روانہ کریں۔ جس کے ساتھ میں گفتگو کر سکوں۔" "نپولین"

ابھی یہ خط سلطان کو پہونچا بھی نہیں تھا کہ مصر میں انگریزی بیڑے نے اگست ۱۷۹۸ء میں اس فرانسیسی بیڑے پر اچانک طور پر حملہ کر دیا۔ جو خلیج ابوقیر میں لنگر انداز تھا۔ (اس جنگ کا نام جنگ نیل ہے) نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی بیڑا تباہ ہو گیا۔ نپولین یہ دیکھکر شام کی جانب بڑھا۔ جہاں ترکوں نے اس پر حملہ کر دیا اور وہ بندرگاہ عکہ میں محصور ہو گیا۔

اس طرح سلطان کی ان تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جو اس نے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے کی تھیں۔

نوٹ:۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اس قسم کا کوئی خط جو نپولین کی جانب سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سلطان کے کاغذات میں نہیں ملا۔ اگر اس خط کی کوئی حقیقت ہوتی تو میجر اسٹوارٹ (جو دارو غہ کتب خانہ تھا) ضرور اپنی یادداشتوں میں اس کا تذکرہ کرتا

نپولین کا یہ خط جعلی ہو یا اصلی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ انگلستان اسوقت ہندوستان میں ٹیپو سلطان اور یورپ میں نپولین سے سخت خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ انگلستان کی فضا میں نپولین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے فرانس کی پارلیمنٹ میں کہے تھے:۔

"یورپ اور ہندوستان کے درمیان آمدورفت کا راستہ مصر ہی ہے۔ اس پر قابض

ہوکر ہم انگلستان کو تباہ کر سکتے ہیں۔ اس قبضہ سے بحیرۂ روم ہمارے قبضہ میں آ جائیگا اور وہ گویا فرانسیسی جھیل بن جائیگا۔ مصر پر قابض ہو جانے سے دو باتیں ہمارے اختیار میں ہو جائیں گے۔ خواہ مصر کو فرینچ نوآبادی اور میگزین بنائیں اور خواہ یہ کام لیں کہ انگلستان کے ایشیائی مقبوضات کو فتح کرنے کیلئے بحیرۂ قلزم میں زبردست بیڑا بنائیں۔ ہندوستان کی تجارت راس امید کے راستے زیادہ عرصہ نہیں ہوتی رہے گی۔ اور وہ ضرور مصر کی طرف عود کریگی۔ شام، عرب اور کل آفریقہ کی تجارت کی منڈی تو اس وقت بھی قاہرہ ہی ہے ان سب کی تجارت ہمارے ہاتھ میں آ جائیگی۔ مصر بہت زرخیز ملک ہے۔ اور ہر قسم کا اناج وہاں بافراط پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا قبضہ امریکہ کی فرینچ نوآبادیوں کے چھن جانیکا خاصہ معاوضہ ہو جائیگا۔"

(تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم صفحہ ۲۵۶)

یہ تھے وہ الفاظ جو لارڈ ولزلی کو سلطنت خداداد کا جلد از جلد خاتمہ کرنے پر آمادہ کر دیئے تھے۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ اگر ایک طرف نپولین اور دوسری طرف ٹیپو سلطان اشتراک کر لیں تو پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہے۔

بعض مورخوں نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ اس نے فرانسیسیوں سے کیوں خط و کتابت کی تھی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسکی سلطنت تباہ ہو گئی۔ سلطان ایک آزاد حکمران تھا۔ اسکو اختیار تھا کہ جس سے چاہے دوستانہ تعلقات بڑھائے۔

آجکل بھی دنیا کی تمام سلطنتیں یہی کرتی ہیں۔ اور اپنی حفاظت کیلئے دوسروں سے معاہدے کئے جاتے ہیں۔ اگر سلطان نے بھی یہی کیا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ ورنہ کسی معاہدے

سے اس کو پابند کیا گیا تھا کہ کسی سے تعلقات نہ بڑھائے۔ فرانس سے اگر اس نے تعلقات بڑھائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ نظام مرہٹے اور انگریز بار بار بغیر کسی وجہ کے اسکے ملک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نظام نے انگریزوں سے دوستی حاصل کرنے کیلئے اس کا ملک ۱۷۶۶ء میں ایک سند کی رو سے انگریزوں کو دے چکا تھا۔ جنرل میڈوز نے بلا وجہ اور بغیر اعلان جنگ فوج کشی کر دی تھی۔ لارڈ کارنوالس نے بھی یہی کیا۔ ان حالات میں سلطان کیلئے ایک حلیف کی ضرورت تھی۔ اس لئے نہیں کہ وہ دوسروں کا ملک اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ خالص اپنی حفاظت کیلئے۔ اس نے فرانس کو یہ نہیں لکھا کہ حیدرآباد اور مرہٹوں کا ملک انہیں دیا جائے گا۔ اسکی شان آزادی کی جھلک اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اس نے انگریزوں کو ملک سے بدر کرنے کے بعد فرانسیسیوں کو اختیار دیدیا تھا کہ اپنے ملک کو واپس چلے جائیں وہ ہندوستان کی ایک انچ زمین بھی سوائے ان تجارتی کوٹھیوں کے جہاں انگریزوں کا قبضہ تھا۔ فرانس کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ فرانس اس وقت آزادی و جمہوریت کا دلدادہ تھا نپولین نے سلطان کو مدد دینا چاہا تو نہ صرف انگریز بلکہ ترک بھی اس کے سدِّراہ ہو گئے۔ قسطنطنیہ اور مصر میں انگریزی رسوخ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ سلطان کی سفارت ناکام رہ گئی اور مملوکوں اور ترکوں نے انگریزوں سے ملکر نپولین کے راستے میں حائل ہو گئے جس کی وجہ سے سلطان کی توقعات آزادی ہند کے متعلق بر نہ آئیں۔

نپولین کی جس تقریر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو واضح کرنے کیلئے اس صفحہ کی پشت پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ یہ نقشہ سلطان کی ان تجاویز کو بھی سمجھنے میں مدد دیگا۔ جو اس نے ایران و ترکی کے آگے اسلامی ممالک و ہندوستان کی حفاظت کیلئے پیش کیا تھا۔



نقشہ۔ جس میں یورپ سے ہندوستان کا راستہ براہ راس امید دکھایا ہے۔ موجودہ راستہ براہ جبرالٹر۔ سویز و عدن ہے
ٹیپو سلطان نے ہندوستان سے براہ عمان۔ بصرہ و استنبول تجویز کیا تھا۔

انتظامِ سلطنتِ خداداد

انتظامِ سلطنتِ خداداد

سلطان نے جس اصول پر سلطنت خداداد کا انتظام کیا تھا۔ اسکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے :-

سلطان بحیثیت بادشاہ ہونے کے حاکم اعلے تھا۔ اور ہر فرمان پر سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

انتظام سلطنت کیلئے سب سے بڑا محکمہ صدر الصدور تھا۔ جس کا صدر دیوان اور اسکے بعد دوسرے وزرا تھے جنکے ماتحت مختلف محکمے تھے سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندو راج میں یہ محکمے اٹھارہ کچہری کہلاتے تھے۔ اور ان اٹھارہ کچہریوں کو بلحاظ انکی نوعیت کے علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے تھے۔ حیدر علی اور سلطان نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بلکہ ان میں اور محکموں کا اضافہ کردیا۔ گو بڑے محکمے اٹھارہ ہی تھے۔ دراصل یہ محکمے باب حکومت تھے۔ جسکو آجکل سکرٹریٹ کہا جاتا ہے۔ اور ہر محکمے کیلئے ایک میر آصف مقرر تھا۔ جو اپنی رپورٹ وزراء کو دیتا تھا۔ تاریخ نشان حیدری میں ان محکموں کی تعداد ۹۹ بتائی گئی ہے اور وجہ یہ لکھی جاتی ہے کہ ننانوے اسمائے الہٰی کے صفات کے لحاظ سے جو نظام قدرت کے قیام کیلئے قادر مطلق نے خود قایم کیا ہے۔ سلطان نے بھی ۹۹ محکمے قایم کئے۔ اور ان ہی محکموں سے تمام عاملان حکومت کے نام احکام جاری کئے جاتے تھے۔ جن پر صدر محکمہ کے دستخط کے بعد وزیر یا دیوان اور سب سے اخیر میں سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

ان محکموں سے جو فرمان جاری ہوتے وہ تین زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ فارسی۔ کنڑی،

اور مرہٹی۔ بعض مقامات کیلئے مرہٹی کے عوض وکھنی زبان کا رواج تھا۔ ہر فرمان آصف ضلع کے پاس روانہ کیا جاتا۔ اور وہ اسکی نقل اپنے دستخط سے عاملان تعلق کو بھیجدیتا تھا۔ جہاں سے وہ طرفداروں (شیخداروں) میں تقسیم ہوتے تھے۔

زمانۂ قدیم سے میسور میں قصبوں اور دیہات کا انتظام پٹیل اور شانبھوگ کرتے آئے ہیں سلطنتِ خداداد کے وقت ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوی اور آج بھی یہی طریقہ جاری ہے۔

(نوٹ:۔ ہندوستان میں شانبھوک اور پٹیل کو پٹواری اور ذیلدار کہا جاتا ہے۔)

سلطنتِ خداداد میں سلطان نے علاوہ معمولی کاموں کے یہ کام بھی انکے ذمہ کردیا تھا۔ کہ اپنے علاقوں میں جو شاہراہیں اور دوسرے اہم راستے ہوں انکی دیکھ بھال کریں اور سایہ کیلئے دوطرفہ درخت لگاتے رہیں۔ راستوں کی مرمت اور دیہاتوں کی حفاظت کیلئے جو دیواریں یا جھاڑیاں ہوں ان کو اچھی حالت میں رکھیں۔

انتظام ضلع وتعلقہ

نواب حیدرعلی کے بعد جب سلطان تخت نشین ہوا تو اس نے تمام ملک کو پانچ ہزار ہن کے تعلقوں پر تقسیم کردیا۔ اور انتظام کیلئے مندرجۂ ذیل عملہ رکھا گیا:۔

ہر تعلقہ کیلئے:۔ ایک عامل۔ ایک سررشتہ دار۔ تین محرر۔ چار طرفدار (شیخدار) چھ اتھاوُنی[ف۱] چپراسی

ماہانہ تنخواہ:۔ ۱۰ ہن ۵ ہن ۲ ہن ۲ ہن ۶ فلم

ایک گلہ[ف۲]۔ ایک صراف ایک فارسی منشی ایک چپراسیوں کا نایک (دفعدار)

۸ فلم ۸ فلم ۲ ہن ۸ فلم

ف۱ اتھاوُنی:۔ وجیانگر کے زمانہ میں میسور میں مالگذاری کے چپراسیوں کو اتھاوُنی اور فوجی سپاہیوں کو کنداچار کہا جاتا تھا۔

ف۲ گلہ:۔ جنکے ذمہ روپیہ رکھنا اور مہر ڈالنے کا کام تھا۔ آج بھی میسور کے تعلقوں اور قریوں میں خازن کو گلہ یا گولوتی کہا جاتا ہے تعلقوں اور شہروں میں جو قاضی مقرر تھے انکی تنخواہ ۲ ہن سے ۸ ہن تک ماہانہ تھی۔ انکے علاوہ جہاں ذخائر وغیرہ رہتے تھے وہاں دلدوڑ بھی مقرر تھے (محمود)

وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ہر بیس سے تیس تعلقوں پر ایک آصف مقرر ہوتا تھا جس کا دفتر ضلع کے صدر مقام میں رہتا تھا۔ اور اسکے تحت میں مندرجۂ ذیل عملہ تھا۔

ہر ضلع کیلئے :-	آصف اول، آصف دوم	دو سررشتہ دار	دس محرر	چالیس چپراسی	ایک صراف
ماہانہ تنخواہ :-	۵۰ سے ۶۰ ہن	۲۵ سے ۳۰ ہن تک	۶ سے ۷ ہن	۶ سے ۸ فلم	۲ ہن

ایک منشی	ایک مشعلچی	ایک فارسی دان سررشتہ دار	ایک فارسی دان محرر	ایک گلہ (خازن)
۸ ہن	۶ سے ۸ فلم	۲۵ سے ۳۰ ہن تک	۸ ہن	۲۰ ہن

سول لسٹ

سلطنت خداداد میں تمام سرکاری ملازمین کی ایک فہرست یا سول لسٹ رکھی جاتی تھی۔ یہ فہرستیں ضلع وار تیار ہوتی تھیں۔ انکی ایک نقل محکمۂ صدر الصدور میں اور ایک نقل ضلع کے میر آصف کے دفتر میں رہتی تھی۔ اس قسم کی ایک سول لسٹ جو ضلع جعفر آباد سے متعلق تھی مصنف کی نظر سے بھی گذر چکی ہے۔ اور اسی سے یہاں اقتباس دیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس قدر جامع اور وقتِ ضرورت مطلوبہ شخص کے حالات کا پتہ لگانے میں کس قدر ممد و معاون ہو سکتی ہے۔

کچہری جعفر آباد

(۱) عاملِ اتی بیادہ باسم سید محمد ولد سید جلال الدین ابن سید سلطان مذہب حنفیہ قوم سادات حسینی پیدایش فرحیاب حصار و پیدایش والد ایشاں شاہ نور و پیدایش جد ایشاں بیجا پور۔

اقارب	واقف کار
(۱) میر محمد سید سلطان	(۱) منشی حبیب اللہ
برادر حقیقی	در حضور

(۲) سید امام	(۲) سید غلام محی الدین
برادر حقیقی	میر میراں
عملدار ہوسدرگ	

نسبت ایشان درخانۂ شیخ محی الدین باشندۂ دورگ و نسبت والدایشان درخانۂ شیخ ندیم باشندۂ بیجاپور و نسبت جدایشان درخانۂ علاؤالدین باشندۂ بیجاپور
پنجاہ پنج سالہ

(۲) عامل عالمباری باسم سید امام ولد سید حسین ابن سید بودہن قوم سادات حسینی مذہب حنفیہ پیدایش پنکنڈہ و پیدایش والدہم و پیدایش جدہم پنکنڈہ

اقارب	واقف
(۱) سید رسول عامل دویم	(۱) سید رسول عملدار
گلشن آباد	بلے ہنور - کچھری نگر
برادر حقیقی	
(۲) شیخ محمد عامل	(۲) عملدار برکے
تعلقہ مصطفے آباد	باسم سید احمد
برادر نسبتی	

نسبت ایشان درخانہ سید حسین باشندۂ پٹن نسبت والدایشان درخانہ سید مصطفےٰ باشندۂ پٹن نسبت جدایشان درخانۂ سید محجن باشندۂ کولار - سی سالہ

(اقتباس از کتاب" دریافت حسب و نسب عمالان میر آصف کچھری
روبروی سید محمد میر آصف و میر فخرالدین میر میراں و شیخ اسمٰعیل میر خازن")

محکمۂ پولیس

نواب حیدر علی خاں کے زمانہ میں محکمہ پولس اعلیٰ درجہ پر تھا۔ اس پولس کے ساتھ خفیہ پولس بھی تھی۔ جو مشتبہ لوگوں کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھتی تھی: اور یہ اکثر سرحدوں پر متعین تھی۔ نواب حیدر علی ان سے اکثر یہ کام بھی لیتے تھے کہ اپنے امرأ و وزرأ کے خیالات سے آگاہ ہوں۔ سلطان کے زمانہ میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوی۔ پولس اپنے کام میں اس قدر مستعد رہتی تھی کہ ایک مرتبہ ایک خونی مجرم سرنگاپٹم سے فرار ہوا۔ اور تین دن کے اندر اندر اس کو دوبارہ ماگڑی کے جنگلوں میں گرفتار کرلیا گیا۔ پولس کے ذمہ خصوصًا رعایا کے امن و امان کا کام تھا۔ رعایا کے امن و آسائش کا سلطان کو اس قدر خیال تھا کہ اس نے پولس کو رعایا کے جان و مال کی سلامتی کا ذمہ دار بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کہیں چوری ہوجائے تو افسران پولس اسکے ذمہ دار گردانے جاتے تھے۔ اور جو نقصان کہ رعایا کو ہوتا تھا۔ اسکی تلافی ان افسرانِ پولس کی تنخواہ سے کی جاتی تھی۔ جو اس جگہ مامور ہوتے تھے۔

اور جس جگہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کا خوف رہتا تھا۔ وہاں رعایا کو بھی ہتھیار رکھنے کیلیئے لائسنس دئے جاتے تھے۔

پولس کو ماہ بماہ تنخواہ تقسیم کی جاتی تھی۔ اور نئے ملازموں کو پیشگی رقم دیکر ان سے ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم وصول کرلی جاتی تھی۔

تمام محکموں میں ملازموں کو ہر ۳ سال پر ترقی دی جاتی تھی اور ہر تین سال کے خاتمہ پر یکمشت رقم بھی بطور انعام دی جاتی تھی۔ اور اس مبلغ سے وہ رقم جو بطور پیشگی دی جاتی تھی۔ وضع کرلی جاتی تھی۔

مذکورۂ بالا بیان کے ثبوت میں سلطان کے اس فرمان کی نقل دیجاتی ہے جو اسنے محکمۂ پولس کے

نام جاری کیا تھا:-

تصدیق باسم
عامل کولار

سواری بقیمت چہار صد روپیہ بداده وبجیہ کشتی باید کرد. اگر ندارد
منجملہ تحریرکہ در صدر مسطور است طالبے نخواہد شد وتاریخ داشتند
اسپ در دفاتر متصدیان باید نویسانید

موازی یک صد و پنجاه نفر را مبلغ یک صد و شصت و نه راحتے در ماه مقرر فرموده شد
باید کہ بعد انقضاع ایام مذکور قسم زر موافق نرخ بازار در وجہ طلب وتحریر بموجب تفصیل
صدر تقسیم باید نمود. منجملہ مردمان قدیم کسانیکہ مثل حضور وکچہری شده منشور ورقم کچہری
آورده باشند آنہا را من ابتدائے غرۂ ماه احمدی سال ساحر سنہ ۱۲۲۱ محمد موافق تصدیق
طلب بدہند وآئنده کسانیکہ از حضور پُر نور وکچہری مثل شده رقم ومنشور لامع النور
بیارند. از روز داخل شدند تعلقہ وحاضر بودند بکار سرکار خداداد موافق نوشتہ
صدر طلب باید داد و در تعلقہ مذکور مردم قدیم   مثل عامل را از تاریخ مذکور
مذکور از سنہ ۲۱ طلب داده ونوملازم را از تاریخ نو ملازمی وجہ در ماه دست بدست تقسیم
نمایند وعوض زر تقسیم شده را ماه بماه قبض الوصول می گرفتہ باشند ووجہ در ماه ماه
زاید کہ بعد ۳ سال یکدفعہ می آید داده ندرکار نیست واز پیاده ہائے متعینہ قلعہ نوشتہ
صدر وتحصیلے اگر ہنگامہ دزدان وپالیگاران غیره شود وجمعیت آنہا از بیں دو چند باشد از
پیاده ہائے مذکور ورعایائیکہ برائے داشتن تفنگ بآنہا حکم فرموده شد تنبیہ دزدان باید

نمود۔ بدیں موجب اگر بندوبست نہ نمود، تغافلے کرد، بآرام خواہند نشست نصیحتے کہ بہ وزداں مقرراست بشما خواہد شد وطلب مردمان صدر از ابتدائے نوملازمی از شما گرفتہ خواہد شد۔ این معنے یقین دانستہ بندوبست باید نمود۔ سوائے آں اگر ہنگامہ وزدان ازین افزودہ شود تحقیق کرد۔ بدستخط و مہر شما کہ فلانے بجمعیت این قدر آمدہ است بحضور عرض داشت نوشتہ بفرستند، بندوبست آں از حضور نمود خواہد شد و مرمت قلعہ بروقت از رعایائے تعلقہ بعمل آوردہ درست دارند۔ چوکی و پہرہ قلعہ از پیادہا متعینہ بعمل آوردہ باشند۔ منجملہ پیادہائے کنڈا چار ہر قدر کہ بعلاقہ قلعہ مقرر گشتہ و ہر قدر کہ باقی باشند آنہا را معمور کار زراعت سازند

تحریر فی السلخ

بست و پنجم ماہ احمدی سال ساحر ۱۲۲۱ محمد پرما دیچہ سسہ ہندی

(نبی مالک)

الواثق باعطاف السلطان المہیمن
السید محمد صادق آصف حضور پُرنور

الواثق باعطاف المہیمن
السید محمد صادق آصف حضور پرنور

۱۲۲۱ محمد
سال ساحر ماہ بہاری
انفصال
ثبت
میر اسمٰعیل علاقہ
آصف نگری
حضور
۱۲۲۱ محمد
سال ساحر ماہ بہاری

(نوٹ:۔ جہاں کہیں فرماں میں الفاظ مٹ گئے تھے۔ انہیں چھوڑ دیا گیا ہے (محمود))

محکمۂ ڈاک

رسل ورسائل کیلئے محکمۂ ڈاک قایم تھا۔ اس زمانہ میں ایک شہر کو دوسرے شہر سے سواروں اور پیادوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جاتی تھی۔ ڈاک کو جلد از جلد پہنچانے کیلئے سلطان نے محکمۂ ڈاک کے ملازموں کو تین گروہ پر تقسیم کیا۔ جن میں سب سے تیز رو قاصدوں کو بجلی اور ڈاک تقسیم کرنے والوں کو آنچے کا نام دیا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو ڈاک کا انتظام کرتا تھا۔

نوٹ :- آج بھی ریاستِ میسور، ملیبار و ٹراونکور کے دیہات میں چٹھی رسانوں کو آنچل ہی کہا جاتا ہے اور بہت سے خاندان بجلی کے نام سے موسوم ہو گئے ہیں۔ (محمود)

مالگذاری منشیات

حیدر علی کے زمانہ میں منشیات جیسے شراب، تاڑی، افیون وغیرہ پر حسب معمول اور قدیم طریقہ پر محصول لیا جاتا تھا۔ جب سلطان تخت نشین ہوا تو نشہ کی چیزیں فروخت کرنے کیلئے لائیسنس (سرکار سے منظوری) حاصل کرنیکا فرمان جاری کر دیا اور بغیر لائیسنس کوئی شخص انکی خرید و فروخت نہیں کرسکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنیوالے کیلئے سخت سزا مقرر تھی۔ اس طرح منشیات پر جب پابندیاں عاید ہو گئیں تو چند سال کے بعد ہی سلطان نے تمام سلطنت میں منشیات کا استعمال بالکل ممنوع قرار دیدیا۔ اس سلسلہ میں سن اور خشخاش کی کاشت کرنا بند کر دی گئی۔ اور اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو اپنے خاص باغوں میں بھی انکے بونے کی اجازت نہیں تھی۔ صندولے کے درخت جن سے تاڑی نکلتی ہے۔ تمام سلطنت میں کٹوا دئے گئے اور احکام جاری ہوئے کہ آئندہ کوئی درخت نہ بویا جائے۔ منشیات کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دینے سے اگرچہ سلطنت کی آمدنی میں کافی کمی واقع ہو گئی۔ لیکن سلطان کو رعایا کی اخلاقی ترقی اور مفاد اس درجہ عزیز تھا کہ اس نے اس خسارہ کی کوئی پرواہ نہیں

کی ۔ بورنگ لکھتا ہے :۔

"ٹیپو نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک عاقل ریفارمر کا کام کیا تھا"

رئیس لکھتا ہے کہ :۔

"منشیات کو ممنوع قرار دینے سے سلطنت کی آمدنی میں جو کمی ہوئی۔ اس کو سلطان نے دوسرے طریقوں سے پورا کیا"

لگان کی وصولی

زمین کی تقسیم اور مالگذاری کے متعلق سلطان کے ملکی اصلاحات کے زیر عنوان مفصل لکھا گیا ہے۔ اس لئے یہاں صرف مورخ رئیس کی کتاب سے یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ ہر علاقہ میں سلطنت کی جانب سے دو برہمن ہرکارے خفیہ اطلاعات بھیجنے کیلئے مامور تھے۔ انکے ذمہ یہ کام تھا کہ کاشتکار کو اگر حاکم ضلع یا تعلقہ سے کوئی شکایت ہو تو اسکی اطلاع صدر دفتر میں دیجائے۔ اور ہر سال تمام بنجر زمینوں کی بھی اطلاع دیں۔ حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان انہیں خوف تھا کہ عمالانِ حکومت کاشتکار سے بنجر زمین کا لگان بھی وصول نہ کریں۔ یہ ہرکارے حاکم ضلع یا تعلقہ کے ماتحت نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے انکی تمام اطلاعات براہ راست صدر دفتر میں موصول ہوتی تھیں۔ اسکی وجہ سے عمالان حکومت کو رعایا کو ستانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

تقسیم تنخواہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ میں ہر ملازم کو ماہانہ تنخواہ وقتِ مقررہ پر ملتی تھی۔ اسکی پابندی کا سلطان کو حد درجہ خیال تھا۔ کہ ملازمین کو تکلیف نہ پہونچے۔ اس کا ثبوت لارڈ ولزلی کے خطوط سے بھی ملتا ہے۔ جو اس نے تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جنرل ہارس کے نام لکھا تھا :۔

"آپ فوراً تمام قلعداروں اور امینوں کی تنخواہ فیصل کرنے کی طرف توجہ کریں اور

جہاں تک ہو سکے۔ اپریل وسے کی تنخواہیں بے باق کر دیں"

نوٹ:۔ اپریل میں سرنگاپٹم کا محاصرہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے ذمہ صرف اپریل کی تنخواہ تھی۔ اوائل مے میں سلطنت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

رشوت کا سدّباب

میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے:۔

"سلطان کو رشوت سے اس قدر نفرت تھی کہ ۵ رجون ۱۷۹۴ء میں سلطان نے اپنے تمام ۳۷ آصفوں اور انکے عملے کو دارالسلطنت میں طلب فرمایا اور یہاں اٹھارہ کچہری (سکرٹریٹ) کے عملے کے ساتھ انہیں محل میں مدعو کر کے ان سے اقرار لیا کہ وہ کبھی سے رشوت نہ لیں گے مسلمان قرآن پر، برہمن اپنی شاستروں پر اور بعض دوسرے دودہ اور چاول پر قسم کھائیں۔"

اسی جرنل میں لکھا ہے کہ:۔

"باوجود حلف اٹھانے کے بھی بہت سے افسروں نے اس پر عمل نہیں کیا"

لیکن جب کبھی سلطان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی افسر نے رشوت لی ہے تو وہ بالکل سخت سزا دیتا تھا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"میر صادق ایسے واقعات سلطان تک پہونچنے نہیں دیتا تھا۔ اس لئے کہ وہ خود ہی لوگوں پر ظلم کرتا تھا"

عاملانِ حکومت کی مجلس مشاورت

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان نے اپنے افسرانِ ضلع کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر سال وہ پایۂ تخت میں جمع ہو کر انتظامی معاملات میں

مشورہ کریں"۔

آج انگریزی حکومت میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ چند سال سے ہر صوبہ کے کلکٹروں کی ایک کانفرنس صوبہ کے کسی ایک مقام میں منعقد ہوتی ہے۔ جس میں تبادلۂ خیالات کے علاوہ انتظامی معاملات پر بحث و مباحثہ بھی ہوتا ہے۔

عدالت و انصاف

ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک پنچائت مقرر تھی۔ قدیم دستور کے مطابق ہر گاؤں میں پٹیل معمولی تنازعات کا پنچائت کی رائے سے فیصلہ کر دیتا تھا۔ تعلقوں اور ضلعوں میں عامل اور آصف فیصلہ کرتے تھے۔ اگر فریقین مقدمہ کو اس فیصلہ سے تشفی نہ ہوتی تو مقدمہ صدر عدالت تک اور اسکے بعد سلطان تک پہونچایا جاتا تھا۔ صدر عدالت میں دو حاکم رہتے تھے۔ ایک مسلمان اور ایک ہندو۔

مسلمانوں کے شرعی مقدمات کیلئے ہر شہر میں قاضی مقرر تھے۔ اور یہ بھی پنچائت کے ذریعہ ہی فیصلہ کرتے تھے۔ شرعی مقدمات بھی صدر عدالت تک پہنچائے جاتے تھے۔ عام ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رو سے پنڈت فیصلہ کرتے تھے۔ قاضیوں کے ذمہ علاوہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے مندرجۂ ذیل کام بھی تھے۔

کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"قاضیوں کا یہ کام بھی تھا کہ خصوصاً جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی حاضری دیکھیں اور مسلمانوں کو منشیات سے دور رکھیں (یعنے فرائض محتسب بھی ادا کریں) اس زمانہ میں مقدمات شاذو نادر ہی فیصلہ کے لئے آتے تھے۔ کیونکہ چوروں اور مجرموں کو سخت اور عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ جن سے دوسروں کو

ارتکاب جرم کی جرأت نہیں ہوتی تھی"۔

چوری کے متعلق رئیس لکھتا ہے :۔

"چور کا پتہ چلانے سے پیشتر چوری گیا ہوا اسباب تلاش کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ خوف تھا کہ کہیں اس نقصان کی تلافی عاملانِ حکومت کی تنخواہ سے پوری نہ کی جائے"۔

مقدمات کے متعلق یہی مصنف لکھتا ہے :۔

"اس زمانہ میں تنازعات بالکل شاذونادر ہوتے تھے۔ جب مقدمہ پیش ہوتا۔ تو مدعی ومدعا علیہ دونوں عدالت میں حاضر ہوکر اپنے بیانات دیتے۔ اور تائیدیں سندات پیش کرتے۔ گواہوں کا بیان لیا جاتا۔ مگر ان سے قسم نہ لی جاتی تھی۔ تمام مقدمہ سن کر پنچائت کے لوگ اس کی تحقیق کرتے۔ اور جج کو اپنا بیان دیتے۔ ہر ایک کارروائی زبانی ہوتی تھی۔ فریقین سے مچلکہ یا ضمانت لے لی جاتی تھی کہ پنچائت کے فیصلہ پر وہ راضی ہیں"۔

مذکورۂ بالا سطور سے ظاہر ہے کہ مقدمات پر فریقین کی ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی تھی۔ اور مقدمے عدالت میں جس دن داخل ہوتے تھے فیصل ہوجاتے تھے۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں اسٹامپ کورٹ فیس وغیرہ کے مصارف ہرگز نہیں ہوا کرتے تھے۔

انتظام سلطنت کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ

مجلسِ وطنی

بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ سلطان نے اپنی سلطنت کے انتظام میں رعایا کو حصہ دینے کیلئے پارلیمنٹ یا مجلس وطنی بھی قایم کی تھی۔ اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" تھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ شخصی اقتدار کا خاتمہ

کرتے ہوئے ملک کی زمام حکومت رعایا کے ہاتھ میں دیدی جائے۔ اور بادشاہ ایک کانسٹیٹیوشنل (آئینی حکمران رہے۔ اس مجلس کو "زمرۂ غم نباشد" کا نام دینے سے اسکی مراد یہ تھی۔ کہ پھر سلطنت کو کسی طرح کا اندرونی خطرہ باقی نہ رہیگا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک اس وقت اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھا کہ اس سے فائدہ اٹھاسکے۔ مگر اس مجلس کے قیام سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سلطان کے دل میں جمہوریت اور مساوات کا کس قدر احساس تھا۔ اس سلسلہ میں کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے :۔

"جمہوریت جس کی اس وقت فرانس میں دھوم تھی وہ یہاں ٹیپو کے پاس کوئی نئی یا تعجب خیز بات نہیں تھی۔ اس نے ہر شخص کو مساوات دے رکھی تھی"!

لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس زمانے میں ملک اس مجلس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں ایسے لوگ منتخب ہوئے جو حکومت کے نااہل تھے۔ مورخ کرمانی نے یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ :۔

"یہ لوگ میر صادق کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔"

اور اس طرح یہ جماعت نہ ہونے کے برابر تھی۔

نوٹ :۔ اسلامی مورخین نے جو زوال سلطنت کے بعد ہی تاریخیں لکھی ہیں۔ انہوں نے بھی یہ سمجھا ہی نہیں، کہ یہ مجلس یا پارلیمنٹ کیا ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے گو اس کا ذکر تو کیا ہے۔ لیکن قسم قسم کی تاویلات سے کام لیا ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک فوجی دستہ تھا۔ اور کسی نے اور کچھ لکھا ہے۔ کرمانی بھی اسکی تہ کو نہیں پہونچا۔ ورنہ وہ ضرور اسکی اہمیت کو نمایاں کر دکھاتا۔ اس نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ غم نباشد کے حروف تہجی سے مراد مندرجہ ذیل قومیں لی گئی تھیں :۔

غ = غیر وطنی۔ م = مغل اور مرہٹے۔ ن = نوائط۔ ب = برہمن اور ہندو۔ ا = افغان۔ ش = شیعہ۔ د = اہل دائرہ (مہدوی)

فوجی انتظام

(فوجی انتظام کے متعلق اردو فارسی تاریخوں میں کچھ مواد نہیں ہے۔ اس لئے تمام مضمون انگریزی تاریخوں سے لیا گیا ہے)

بری فوج

جس طرح ملکی انتظام کیلیئے مختلف محکمے قایم کئے گئے۔ اسی طرح فوجی انتظام کے لئے بھی علیحدہ محکمہ قایم ہوا۔ اور اس کے ماتحت دوسرے محکمے تھے۔

یہ تمام محکمے گیارہ سپہ سالاروں کے ماتحت تھے۔ جن کا صدر مقام سرنگاپٹم تھا۔

فوجی محکمے

(۱) پیادہ فوج (۲) تعمیر قلعہ جات (۳) سوار فوج (۴) توپ خانہ (۵) کمسریٹ۔ (۶) چراگاہیں (۷) تنخواہ (۸) بحری فوج (۹) تعمیر جہازات (۱۰) تیاری سامان حرب وغیرہ (۱۱) محکمۂ نظارت (انسپکٹر)

سلطنت کے کل رقبہ کو ۲۲ فوجی اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر رقبہ ایک سپہ سالار کے ماتحت تھا۔ جس کے ماتحت ۲۰ سے ۳۰ سپہ دار ہوتے تھے۔

بہ حیثیت بادشاہ ہونے کے سلطان فوج کا سب سے بڑا افسر یا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔

ولکس لکھتا ہے :-

"میر غلام علی (لنگڑا) وزیر فوج اور انسپکٹر جنرل قلعہ جات اور میر یم بھی تھا"

سلطنت خداداد میں کل فوج کی تعداد تین لاکھ بیس ہزار تھی۔

سلطان کی بری فوج کے انتظام کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتا ہے :

"سلطان نے ایک فرمان کی رو سے بری فوج کو جس کا نام "پیادہ عسکر" تھا۔ پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کیا تھا۔ اور ہر ڈویژن میں ۲۷ قشون یا رجمنٹیں تھیں۔ اور ہر رجمنٹ میں ۱۳۹۲ سپاہی تھے۔ جن میں ۱۰۵۶ سپاہیوں کے پاس بندوقیں ہوتی تھیں۔ ہر رجمنٹ کے ساتھ اسکے باربرداری کے جوان بھی تھے۔ ہر رجمنٹ میں دو توپیں اور گولنداز بھی رہتے تھے۔

سوار فوج کو سلطان نے تین محکموں میں تقسیم کیا تھا۔

باقاعدہ کیولری ۔ سلحدار ۔ کازک ۔

ان میں اوّل الذکر کو سوار عسکر کہا جاتا تھا۔ اس عسکر کے تین ڈویژن تھے۔ جن میں ہر ایک میں چھ رجمنٹیں اور ہر رجمنٹ میں ۳۷۶ سوار متعین تھے۔ ان سواروں کو گھوڑے دئے جاتے تھے۔ لیکن سلحدار اور کازک جو تعداد میں چھ ہزار اور آٹھ ہزار تھے۔ اپنے خاص گھوڑے رکھتے تھے"

اس فوج میں نو سو ہاتھی۔ چھ سو اونٹ۔ تیس ہزار گھوڑے اور چار لاکھ باربرداری کے بیل تھے۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۲ پر لکھتا ہے :-

" ملک کی مدافعت کے لئے ایک لاکھ اسی ہزار کی بہترین منظم باقاعدہ فوج تھی۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار پانچسو کی امدادی فوج تھی۔ جو مختلف فوجی کاموں پر مامور تھی۔

(۱) مستقل سوار فوج

(۲) پنڈاروں کی سوار فوج

(۳) سلحدار جن کے اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے۔

(۴) صناع جیسے معار وغیرہ

(۵) بار یعنے باقاعدہ پیادہ فوج

(۶) باڈی گارڈ یعنے محافظ فوج

(۷) مختلف شہروں اور قلعوں کی محافظ فوج

(۸) افریقی (حبشی) فوج

(۹) ہرکارے اور جاسوس

(۱۰) پائنیر یا سفر مینا

(۱۱) بہیرا اور خیمہ و باربردار

(۱۲) لوہار و بڑائی۔ جو اسلحہ سازی کے کارخانوں میں کام کرتے تھے۔"

اوپر جو مختلف مورخوں کی تحریروں سے اقتباسات دئے گئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سلطنت کا فوجی محکمہ کس قدر بڑا اور باقاعدہ تھا۔ یہی نہیں کہ سلطنتِ خداداد کی فوج اس زمانے میں نہایت ہی منظم تھی۔ بلکہ اس زمانے کے جدید سے جدید اسلحہ سے بھی مسلح تھی۔ اور یہ اسلحہ سلطنت خداداد میں اس قدر تیار ہوتے تھے کہ جنگی نقطہ نظر سے فوج میدان جنگ کیلئے ہر وقت تیار رہتی تھی۔ ان اسلحہ کیلئے سلطنت خداداد یوروپین یا دوسرے کسی ملک کی محتاج نہیں تھی۔ بلکہ تمام کے تمام چھوٹے بڑے اسلحہ ملک کے اندر ہی تیار ہوتے تھے۔ (نوٹ:- انکا بیان صنعت وحرفت کے باب میں دیا گیا ہے)

سلطان نے تمام فوجی انتظام یوروپین طرز پر رکھا تھا۔ اس نے فوجی افسروں کی تربیت کے لئے ایک مدرسہ قایم کیا۔ اور پایۂ تخت میں ایک اصطبل (لیبا یو بیٹری) بھی تھا۔ فوج کے لیے ایک خاص وضع کی وردی تھی۔ گو مختلف رجمنٹوں کیلئے مختلف رنگ تھے۔

سلطان نے اپنے فوجی محکمے کیلئے اپنی زیر نگرانی ایک کتاب لکھوائی۔ جس کا نام تحفۃ المجاہدین تھا (لیکن یہ کتاب فتح المجاہدین کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔ مصنف "تاریخ سلطنت خداداد" کی نظر سے اس کتاب کی ایک نقل گذری ہے۔ جس پر سلطان کی مہر تھی۔ اور ہر مضمون کے اخیر میں سلطان کا دستخط بھی تھا۔ اس کتاب پر نام تحفۃ المجاہدین لکھا ہوا تھا۔) اس کتاب میں تمام فوجی قواعد وضوابط کے علاوہ قلعہ کشائی، تعمیر قلعہ جات، سامان حرب کی تیاری۔ فوجی تنظیم اور سپاہیوں کی ضروریات تک درج ہیں۔ یہ کتاب آٹھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل تھی۔

ناظرین کی آگاہی کیلئے اس کتاب کے ابواب کے عنوانات ذیل میں دئیے جاتے ہیں:۔

باب اول :۔ مسائل عقائد ونماز، منع تمباکو، نمک حرامی، ترکہ وجہاد وغیرہ

باب دوم :۔ فالنامہ ادنیٰ علی، واسمائے نو مقرری برائے تقسیم حساب ولفظ وزن وتعداد مقرر کردہ حساب گز شرعی۔

باب سوم :۔ دربیان تدابیر حرب۔ جس میں ایکسو اکیس [121] عنوان ہیں۔ جن میں جنگ و محاصرہ کرنا اور قلعہ سازی کے تمام اصول وغیرہ آگئے ہیں۔

باب چہارم :۔ دربیان احکام بنام سرجنشی ومتصدیان تعلق وکچہری حضور وغیرہ۔ جس میں نو عنوان ہیں۔ ان میں دفتری کاموں کے تمام احکام ہیں۔

باب پنجم :۔ دربیان ضابطۂ تفویض خدمات۔ جس میں گیارہ عنوان ہیں۔

باب ششم :۔ دربیان سام قواعد ولام داران حضور یعنے سیز برداران چھ عنوان ہیں تمام نیزہ برداران وغیرہ کے قواعد ڈرل اور طریقے آگئے ہیں۔

باب ہفتم :۔ دربیان قواعد سواران تعلقۂ عسکر۔ چودہ [14] عنوان ہیں۔

باب ہشتم :۔ قواعد پیادہ تعلقۂ عسکر۔ پندرہ [15] عنوان

ضمیمہ :- ایسے نسخہ جات جو بوقت ضرورت فوج کیلئے کارآمد ہوں۔

اسی کتاب سے وہ فوجی ترانے جو بانڈا اور بگل کیلئے وضع کیے گئے تھے۔ نقل کیے جاتے ہیں۔ اور وہ نسخے بھی جن کا ذکر ضمیمہ میں کیا گیا ہے۔ لکھے گئے ہیں۔

درنغمۂ ابیض۔ بیت وقت طلوع صبح

تا سفیدہ شد وہاں گردید ظلمت منتشر　　از عروج دیں شدہ مخذول کفار جہاں

بیت۔ وقتِ دویم نہضت

وصفِ عزم لشکرِ شاہنشہ دارا غلام　　می نماید صفحہ را چوں مہر تاباں راہوار

بیت۔ وقت سویم نہضت

ہر کجا گردد سپاہت جلوہ گر اے شاہ دہر　　نصرت و فتح و ظفر گردد ز گردش آشکار

درنغمۂ اصفر بیت وقت چاشت و تبدیل منقلا

چو راکب گشت فوج و لشکر شاہ جہاں آئیں　　کند بر منقلائے او فلک فتح و ظفر تعیں

بیت وقتِ سرور و فرحت

چو گیرد رعد در کف چابک برق ابر میگرید　　ز ہول شاہ زنیساں کافراں غرق اندر شاشا

بیت وقتِ اجتماع

ز حکم محکم شاہنشہِ خورشید و مہ آسا　　عجب نبود کہ گردد اجتماع روز و شب یکجا

درنغمہ احمر بیت وقت جلد قدم

سپاہ شاہ باشد جلد زاں ساں　　کہ زو شد شرمگیں برق درخشاں

بیت۔ وقتِ تشہیر

ز عدل شاہ گردد فتنہ بیروں　　نہ از عالم ز زیر چرخ گردوں

بیت ۔ وقتِ ضربِ ثانی

کند ضربِ سناں فوجِ سلطاں عدو را در زماں نابود و بے جاں

در نغمۂ زبرجد ۔ بیت وقتِ آہستہ قدم

نا شد بہر کار آہستہ بود کہ از صبر ہا آب گوہر شود

بیت روزِ عید

دلِ خلق لبریز شد از نشاط کند دامِ گلشن از و انبساط

در نغمۂ ورد ۔ بیت وقتِ نشان

شانِ خورشید و فلک پیشِ توا اے شاہِ جہاں نیست زاں گونہ کہ در خاطرش آرند کساں

بیت وقتِ نشانی در درخشِ شام

ز نشان گفتن واز توپ نشاں خصم بسوخت زانکہ ایں راز و ہد خانۂ او را بر باد

در نغمۂ عباسی ۔ بیت وقتِ درخشِ یکپاس شب

از توپ شاہ گرد دلِ خستہ کافراں را سوزاں تراست از برق بر جانِ مشرکاں را

بیت وقتِ اول نہضت

ہر کہ قلم تو بید عزم سپاہ سلطاں سرعت کند از دوام خورشید و ماہِ تاباں

اُردو ترانے

وقتِ طلوعِ آفتاب

وصفِ حسنِ خلق تیرا گر لکھوں اے شہریار

بے گماں ہر بیت ہووے مطلعِ صبحِ بہار

وقت یکپاس

جاہ تیرا دیکھے اے جمجاہ جب عرض حشم　　تنگئ جا کے سبب ہفت آسماں ہو شہر مسار

در وقت تری اول نہضت

ابر کے مانند بر بر روئے ہوا ہووے رواں　　عزم تیرے کے صفت کہئے اگر با کوہسار

در وقت تری دویم یعنے زین بندی

جب ترے سیں (سے) زیب پاوے خانۂ زیں ہے عجب　　جلوہ کر کر مہر ہو بر ابلق لیل و نہار

در وقت تری سیوم یعنے سوار شدہ راہ رفتن

مہر و ماہ روپوش ہو جوں زنگ آلود آئینہ　　جب ترا گلگوں گرد انگیز ہو در کارزار

وقت آب خوردن اسپہا

گرم جولاں ہوئے جب وہ برق تگ ہاموں نورد　　چشمۂ آئینہ سیں (سے) سیراب ہووے مور و مار

در وقت شمشیر کشیدن

اژدہا دم تیغ تیری جب علم ہو در مصاف　　برق جھانکے ابر کے پردہ سیں (سے) پنہاں بار بار

بھاگ کرے جس طرح وہ افعیٔ روئیں درنیام　　اژدہا اس دھیج (ڈھنگ) ستی ہرگز نہ لاوے روبکار

در وقت جنگ

برق جاں کوہ گراں، پیک اجل دست قضا　　تیغ و گرز و تیر و خنجر کے ترے ہیں نام چار

در وقت فتح

ہر ملک کوں (کو) ورد ہوا آنّا فتحنا دمبدم　　جب تو ہو پا در رکاب از بہر قصد کارزار

بجہت اجتماع مردم

حکم محکم سیں (سے) ترے لے مہر تاباں کیا عجب　　گر بنات النعش یکجا جمع ہو پروین وار (پروانہ)

وقت یکساعت روز باقیماندہ بجہت نشان

کس طرح کہئے تجھے جمجاہ اے یکتائے دور
ہے کہیں بندہ سیں (سے) تیری شان کسری آشکار

وقت یکپاس شب گذشتہ

حکم تیرا گر کرے امریزہ کداری بچرخ
ماہ ہو باخیل انجم در پہ تیرے پاسدار

وقت نہفت در ساز نر برسالۂ شتر عسکر باید نواخت

بیائید وقت جہاد است این
غنیمت شمارید وقت چنین

وقت راہ رفتن ورساز نر برسالۂ شتر عسکر باید نواخت

خدایا جہاں پادشاہی تراست
زما خدمت آید خدائی تراست

وقت جنگ ورساز نر رسالۂ شتر عسکر باید نواخت

بیائید اے زمرۂ مسلمین
کہ در درک اسفل ہمہ مشرکین

فرسید واجر عظیم از خدا
بیابید بے شبہ روز جزا

نوٹ:۔

سلطنت خداداد کی تباہی کے بعد ۱۸۰۱ء میں تمام سرکاری دفاتر فارسی سے کنڑی اور انگریزی میں بدل دئے گئے۔ مندرجۂ بالا ابیات سے اس زمانہ کی اردو کا پتہ چلتا ہے۔ میسور میں فارسی تو بالکل مفقود ہو چکی ہے، اور اب اردو کو مٹانے کی کوشش خود چند مسلمان ہی کر رہے ہیں۔ بہت سے گراجویٹ بجائے اردو کے کنڑی زبان لیکر پاس ہو رہے ہیں۔ (محمود)

کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کا ضمیمہ

نسخہ جات

علاج۔ سانپ، بچھو، دیوانہ کتا اور کوڑیلے کے زہر کا

۱۔ جس شخص کو سانپ کاٹا ہو۔ اس کو انکولے کی جڑ جس میں کانٹے نہ ہوں، ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر پلائیں اور یہی جڑ پیس کر زخم پر لیپ کریں۔

۲۔ شالی کی جڑ سوکھی ہو یا کچی دھو کر صاف کرکے کوٹ کر شیرہ نکالکر پلائیں۔ اگر جڑ خشک ہو تو ٹھنڈے پانی میں کوٹ کر شیرہ نکالیں (نوٹ) یہ جڑ ایک کدہ سے زیادہ استعمال نہ کریں۔ ایک کدہ سے زیادہ ہو تو زہر کی خاصیت پیدا کرتی ہے۔ اور انسان مر جاتا ہے

۳۔ چھچھوندر جس کا منہ لمبا ہوتا ہے۔ پکڑ کر اس کا پوست نکال لیں، پوست پر سے بال نکال کر خشک کریں۔ سانپ کاٹے ہوئے کو ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر کھلائیں زہر دفع ہو جائیگا۔

۴۔ سمندر پھل۔ ایک ہون وزن ٹھنڈے پانی میں گھس کر مارگزیدہ کو کھلائیں۔ اور جس جگہ سانپ کاٹا ہو۔ وہاں گھس کر لگائیں۔ یہی علاج بچھو کیلئے بھی کریں۔ گھوڑے کو بھی اگر سانپ کاٹا ہو تو یہی علاج کریں۔ مگر گھوڑے کیلئے مقدار دوائی ۴ ہون ہے اسی کا سفوف بناکر نسوار کی طرح گھوڑے کی ناک میں پھونکیں۔

۵۔ اگر کسی کو چوہا یا گھونس کاٹے اور بدن گھاٹی دار ہو جائے، تڑک جائے، یا پیپ جاری ہو۔ اس کو سانپ کا پوست ایک قلم یا دو قلم وزن پیس کر گڑ (قند سیاہ) میں ملا کر چار وقت کھلائیں۔ شفا ہو گی۔

۶۔ **علاج دیوانے کتے کے زہر کا:۔** چھوٹا سیاہ ببول۔ جسکی پھلی چار انگل کے مقدار کے برابر ہوتی ہے۔ اور پھول زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ پھلی مع پوست و بیج گائے کے دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ دن تک کھلائیں۔ غذا دہی کھانا کھائیں۔ اور پیاس لگے تو دہی پئیں۔ پانی ہرگز نہ پیا کریں۔

اگر دیوانہ کتا یا کولا گھوڑے کو کاٹے تو ایک ایک پوری پھلی دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ روز کھلائیں۔

۷۔ **علاج نارو:۔** ایک قلم یا دو قلم وزن سانپ کا پوست باریک پیس کر پرانے گڑ (قند سیاہ) میں صبح کا وقت سات دن تک کھلائیں۔

۸۔ **علاج بچھو کاٹے کا:۔** اگر کسی کو بچھو کاٹے تو تین پتے کسوندے کے کھلائیں اور تھوڑا پتہ ہاتھ سے ملکر زخم پر لگائیں۔ (از کتاب فتح المجاہدین)

کیا کتاب فتح المجاہدین دیکھکر بھی انکار کیا جا سکتا ہے کہ سلطنت کا انتظام کس درجہ ترقی یافتہ تھا۔ اور اس کے علاوہ تمام مملکت میں حکام کی آگاہی کیلئے مندرجۂ ذیل کتابیں تقسیم ہوئی تھیں:۔

۱۔ منتخب ضوابط سلطانی (سول اور فوجی ضوابط)
۲۔ رسالہ کچہری (دفاتر کے نظم و نسق کیلئے احکام)
۳۔ ضابطۂ امثال راہ رفتن سواری (سوار فوج کیلئے احکام)
۴۔ وقائع منازل۔
۵۔ حکم نامہ

اس کتاب میں خاص طور پر ایک باب میں تمباکو نوشی کے مضرات دکھلاتے ہوئے فوجی سپاہیوں اور رعایا کو تمباکو کے استعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے باب میں تاجروں اور دوکانداروں کو ناپ اور تول میں خیانت کرنے سے منع کرتے ہوئے مذہب کی رو سے بھی خیانت کو مذموم بتلایا گیا ہے۔

صحت اور صفائی کے متعلق جو احکام دئیے گئے ہیں۔ ان میں خاص طور پر افسرانِ ضلع کو ہدایت دی گئی ہے۔ کہ شہروں اور دیہاتوں میں ایسے درخت لگائے جائیں جو غلیظ ہوا کو جذب کرلیں۔ دھوبیوں اور اسی قسم کے پیشہ وروں کو جنکی طرف سے گندگی پھیلنے کا احتمال ہو شہر سے باہر مکانات دئیے جائیں۔

بحری فوج کا انتظام

حالات نواب حیدر علی میں لکھا جا چکا ہے کہ اپنی سلطنت کی حفاظت کیلئے نواب حیدر علی نے بحری طاقت کی طرف توجہ کی۔ اور جہازات بنانے کی ابتدا بھی کردی تھی۔ نواب حیدر علی کی وفات کے وقت چند جہازات موجود تھے۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی اس جانب اپنی پوری توجہ کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایک ایسا زبردست بحری بیڑا بنایا جائے جو سواحل ہند کی حفاظت کے علاوہ ان تمام بحری راستوں کی بھی نگرانی کرے۔ جن سے ہو کر مغربی قومیں ہندوستان کو آرہی تھیں۔ اس مقصد کیلئے اس نے بندرگاہ بصرہ، بوشہر، عمان اور عدن کا انتخاب کیا۔ سلطان کی دوربین نظر اسی زمانے میں یہچان چکی تھی۔ کہ جب تک ان مقامات پر ہندوستان کا قبضہ نہ ہو۔ ہندوستان سلامت نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ان بندرگاہوں کے حصول کی کوشش

کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی بحری طاقت کو بھی ترقی دینے کیلئے احکام جاری کئے۔

رئیس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"بحری بیڑہ پہلے بورڈ آف ٹریڈ کے ماتحت رکھا گیا۔ اس سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ کہ بحری قزاقوں سے ساحل کی حفاظت کرے۔ ان میں باربرداری کے جہاز بھی تھے۔ اور یہ جہاز تجارتی سامان لیکر ایران و عرب کی بندرگاہوں تک جاتے تھے۔ ۱۷۹۲ء میں جب سلطان کو شکست ہوئی اور سلطنت کا کچھ حصہ ہاتھ سے نکل گیا تو سلطان کو معلوم ہوا کہ بحری بیڑے کی کمزوری کی وجہ اس کو شکست ہوئی ہے۔ سلطان نے اس کو محسوس کرتے ہوئے اسکی تنظیم شروع کی۔ کہ انگلستان کی بحری فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ کے بعد ۱۷۹۳ء میں سلطان نے بھٹکل میں بحری مدرسہ قایم کیا۔ طرز تعلیم انگریزی طرزِ جہازرانی پر رکھی گئی۔ بحری فوجی تعلیم کے لئے ایک کتاب لکھی گئی (افسوس ہے کہ اس کتاب کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ محمود) جس میں جہاز کے ایک کیل سے لیکر پورے جہاز کی ضروریات۔ جہازوں کی تعمیر، جنگ کے قواعد، جہاز چلانا، سپاہیوں کی خوراک ہاربر (جہازوں کا پناہ گاہ) بنانا وغیرہ کے متعلق مفصل اور مشرح احکام موجود تھے۔ جہازی بیڑے کو بورڈ آف ٹریڈ (محکمۂ تجارت) کے ماتحتی سے نکالکر ایک خاص بحری کمیشن کے سپرد کیا گیا۔ اس میں گیارہ میر یم (لارڈ آف اڈمیرلٹی) اور تیس میر بحر (اڈمیرل) تھے۔ جن میں دس ساحل پر اور بیس جہازوں پر رہتے تھے۔

اسی سال سلطان نے سو جنگی جہاز تیار کرنے کا حکم دیا۔ ۱۷۹۴ء میں سلطان نے بیس جہازوں کو ناقابل ٹھہراکر ڈبو دینے کا حکم دیا۔ سلطان کی بحری فوج میں دس ہزار پانچ سو بیس ملاح تھے۔ جنگی جہازوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

۷۲ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۷۲ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

۴۶ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۶۶ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

رئیس لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان کے احکامات پر ۱۷۹۶ء تک عمل نہیں ہوا"

نوٹ:۔ آج بھی ریاستِ میسور بھٹکل کو اپنا بندرگاہ بنانے کیلئے انگریزی گورنمنٹ سے خط و کتابت کر رہی ہے۔ سلطان کی وسیع النظری نے اسی زمانہ میں اس کو انتخاب کر لیا تھا۔

بورنگ اپنی کتاب حیدر علی و ٹیپو سلطان کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھتا ہے:۔

"اسکی وہ آنکھیں جو ہمیشہ بیدار رہتی تھیں۔ ان سے ایک زبردست بحری بیڑے کی ضرورت بھی چھپی نہیں رہی۔ اسکے متعلق اس نے ایک فرمان جاری کیا۔ جس میں جہازات بنانے کے طریقے، لکڑی کا انتخاب اور تمام بحری قواعد و ضوابط درج تھے۔ اس نے اس فرمان میں جزئیات پر تک بحث کی تھی۔ یہاں تک کہ جہازوں کے پیندوں کیلئے کس قسم کی دھات اور کیلیں لگائی جائیں اس میں لکھا ہوا تھا۔ اس فرمان کی رو سے اس نے ایک محکمۂ بحری (بورڈ آف اڈمیرلٹی) قایم کیا تھا۔ جس میں گیارہ میر یم؟ اور ۳۰ میر بحر تھے۔ اس فرمان میں حکم کیا گیا تھا کہ مندرجۂ ذیل جہازات بنائے جائیں:۔

۲۰ اول و دوم قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر علی الترتیب ۷۲ اور ۶۰ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

۲۰ تیسری قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر ۴۶ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

سلطان نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ جب کبھی میر یم معائینہ کے لئے آئے تو سرکاری خرچ پر جہازوں کے ملازم اس کی دعوت (ڈنر) کا انتظام کریں۔

اس بیڑے کی تقسیم سلطان نے اس طرح کی تھی :-

اول و دوم قسم کے جنگی جہازات ہیں

۱۔ بندرگاہ جمال آباد (منگلور) میں

۲۔ " واجد آباد میں

۳۔ " مجید آباد (سداسیوگڑھ) میں

مقیم رہیں۔

مندرجہ بالا تجویز کے مطابق جہازات کا بنانا شروع ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ تجویز تکمیل کو نہیں پہونچی تھی کہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔"

تجارت یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ "رعایا کی فارغ البالی اور ملک کی عام خوشحالی حکومت مسلطہ کی طرز حکمرانی پر منحصر ہے" اس لحاظ سے سلطنت خداداد یقیناً کل ہندوستان میں یگانۂ روزگار تھی۔

بچانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :-

"سلطان ٹیپو ایک تجارتی دماغ لیکر پیدا ہوا تھا"

میجر آلن لکھتا ہے :-

"ٹیپو علاوہ بادشاہ ہونیکے ایک بہت بڑا تاجر بھی تھا"

تخت نشین ہونیکے بعد سب سے پہلا کام جو سلطان نے کیا وہ ملکی تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینا تھا۔ تجارت کو ترقی دینے کیلئے سلطان نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "احکام"

تھا۔ یہ کتاب آٹھ باب پر مشتمل تھی۔ اس میں تجارت کے تمام اصول، قواعد وضوابط مندرج تھے۔
رئیس لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان نے اپنی مملکت میں ایسے احکام جاری کئے تھے۔ جن کی رو سے وہ صدر التجار تھا۔ تجارت کی ترقی اور نگرانی کیلئے ایک بورڈ آف ٹریڈ (محکمہ تجارت) قایم کیا گیا۔ اس محکمہ میں نو تجارتی بیر آصف (ٹریڈ کمشنر) مقرر ہوئے اور انکی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کیلئے سترہ کوٹھیاں کھولی گئیں۔ اور اندرون سلطنت صنعت وحرفت کو ترقی دینے کیلئے تیس کارخانے (فیاکٹریاں) قایم ہوئیں۔ تاجروں کو درآمد وبرآمد کرنے کیلئے محکمہ تجارت یعنی بورڈ آف ٹریڈ کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ چند مخصوص اشیا جیسے تمباکو، صندل، کالی مرچ اور معدنیات کیلئے اجارے (مانوپلی) دیئے جاتے تھے۔"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:۔

"تجارت میں سلطان کی یہ تمام جد وجہد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت اور انکے احکام وضوابط کی نقل تھی۔"

رئیس لکھتا ہے:۔

"سلطان کا نصب العین یہ رہا کہ ملک کا روپیہ ملک سے باہر نہ جائے۔ سلطان یوروپین تاجر اور خصوصاً انگریزوں کے ساتھ تجارت کرنے کو خطرناک سمجھتا تھا۔ باہر کے تمام مال کی درآمد سختی سے بند کر دی گئی۔ اور برآمد پر بھی بہت سے قیود لگا دیئے گئے تھے۔ میسور کی کالی مرچ کثرت سے باہر جاتی تھی۔ اور خصوصاً یوروپین تاجر اسکی خریدی کے لئے آتے تھے۔ سلطان نے کالی مرچ کی برآمد روک دی۔ مگر چونکہ یہ ساحلی علاقوں میں

بھی ہوتی تھی اسلئے چوری چھپے اسکی تجارت ہو جاتی تھی۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا تو ساحلی اضلاع پر بھی ان کی کاشت مسدود کر دی گئی۔ صرف اندرونی علاقوں میں محدود رقبوں میں کاشت ہونے لگی۔

اس سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت کے راز باہر افشا نہ ہوں۔ مگر چند ایسی اشیا بھی تھیں۔ جن کی برآمد کی اجازت سلطان نے دے رکھی تھی۔"

اگر سلطان کے مکاتیب اور وہ ہدایات جو اس نے لنگڑے غلام علی کو ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے دئے تھے اور انکے ساتھ ساتھ بچانن کی تحریر کا اقتباس جو کسی اور جگہ دیا گیا ہے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سلطان کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہندوستان کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ تمام ممالک اسلامیہ کی خوشحالی بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے ترکی، ایران، مصر، برما اور چین میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد ان کوٹھیوں سے یہ تھا کہ مسلمان پھر تجارت صنعت و حرفت کی طرف راغب ہوں۔ اور وہ روپیہ جو تجارت کے ذریعہ یورپین اقوام لے جا رہے تھے اس کا سدباب ہو جائے۔

مندرجہ بالا سطور سلطان کی تعریف کیلئے نہیں لکھے گئے۔ بلکہ ان کا ثبوت آئندہ اوراق میں بچانن کی تحریر کا اقتباس اور سلطان کے مکاتیب وغیرہ دے رہے ہیں سلطان کا ارادہ تو یہ تھا کہ اپنا ملک خوشحال اور رعایا فارغ البال بنے۔ اسکی اس جد و جہد کا رئیس نے گو تذکرہ تو کیا ہے۔ لیکن پھر بھی تعصب سے لکھتا ہے۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل کرتے ہوئے سلطان نے اپنی مملکت میں بہت سے احکام جاری کئے۔ اس سے اس کا مقصود ذاتی منفعت تھا۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سلطنت میں تجارت زیادہ ہو اور صنعت و حرفت روز افزوں

ترقی پر ہو تو خاص سلطان کو بھی کس طرح فائدہ پہونچ سکتا ہے؟ اس سے تو ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے اور سلطنت کی آمدنی میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہزاروں آدمیوں کے لئے معاش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سلطان کی اس جدوجہد کا نتیجہ یہی نکلا کہ ملک بالکل خوش حال اور اس میں انگریز مورخوں کا [illegible] تحریر اس طرح دے رہی ہے:-

"ٹیپو کی زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے"

بنک

رئیس لکھتا ہے:-

"تمام سلطنت میں رعایا، تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولت اور ان کے فائدے کیلئے بنک جاری تھے۔ ان میں مخصوص بات یہ تھی کہ غریب طبقہ اور چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ فائدہ پہونچایا جاتا تھا۔ چنانچہ پانچ سو روپیہ جمع کرنے والے کو ۵۰ فی صدی سالانہ نفع اور پانچ سو سے پانچہزار تک ۲۵ فیصدی سالانہ نفع اور پانچہزار سے اوپر ۱۲ فیصدی سالانہ نفع ملتا تھا۔ یہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل تھی۔ اور اس کا مقصد صرف لوگوں کو لوٹنا تھا"

افسوس ہے کہ رئیس نے اس لوٹ کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچایا۔ سلطان کا ہر ہنر دشمنوں کو عیب ہی نظر آیا۔ دروغ گورا حافظہ نباشد کے مصداق رئیس پھر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:-

"ان بنکوں کے ماتحت سرکاری دوکانات ہوتی تھیں۔ جہاں ہر قسم کا مال مہیا ہوتا تھا، جو سرکاری اور دوسرے لوگوں کو فروخت کیا جاتا تھا۔ اس طرح جو منافع

حاصل ہوتا وہ بینک کے ذریعہ لوگوں کو دیدیا جاتا تھا۔"

نوٹ:۔ سرکاری دوکانات سے رئیس کی مراد غالباً آج کل کی کواپریٹیو سوسائٹیاں ہیں۔)

زراعت

سلطنت خداداد سے پہلے میسور ایک خالص زراعتی ملک تھا۔ جہاں ضروریات زندگی پیدا کرلی جاتی تھیں۔ عام طور پر باشندوں کی غذا راگی ہے۔ جو کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ سرنگاپٹم اور اس کے نواح میں چاول کی بھی کاشت ہوتی تھی البتہ میسور کے جنگلات میں ساگوان اور شیشم کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اور اب بھی پیدا ہوتا ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطنت خداداد سے پیشتر ملک میسور کو ہندوستان میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہ سلطنت خداداد کا احسان ہے کہ اس کا نام اطراف عالم میں گونج اٹھا آج بھی انگلستان و یوروپ میں اگر حیدرعلی و ٹیپو سلطان کا نام نہ لیا جائے تو میسور کی اہمیت کو کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میسور کی خام پیداوار اور صنعت و حرفت سے دنیا نا آشنا تھی سیاسی دنیا میں میسور کو اہمیت حیدرعلی ٹیپو سلطان کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اسکے علاوہ صنعت و حرفت کی ترقی سے میسور کو دنیا سے جس نے روشناس کرایا وہ سلطان ٹیپو تھا

اگلی سطور میں تجارت کے متعلق لکھا جاچکا ہے۔ اب یہاں سلطان کی اس جد و جہد کا بیان کیا جاتا ہے۔ جو اس نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے کی۔

سلطان کی ملکی اصلاحات میں بتلایا جاچکا ہے کہ اس نے زمینداریوں کو ختم کرکے کسانوں کو زمین کا مالک بنادیا۔ جس کی وجہ سے کاشتکار جو سالہا سال سے قسم قسم کے محصولات سے دبے ہوئے تھے۔ آزاد ہوگئے۔ اصلاحات کی تحت میں یہ بھی لکھا جاچکا ہے۔ کہ زمین کا لگان کس حد تک کم کردیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لگان زمین کی وسعت پر نہیں بلکہ پیداوار کے لحاظ سے لیا جاتا تھا۔ اور تری زمین کرنے والے کاشتکاروں کو خشک زمین مفت دی جاتی تھی۔

اور یہ بھی سلطانی حکم تھا کہ جب تک زمین میں پیدا وار نہ ہو۔ لگان نہ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میسور کا چپہ چپہ زمین آباد ہوگئی۔

میجر ڈائرم جو میسور کی تیسری جنگ میں انگریزی فوج کا افسر تھا۔ اپنے چشم دید حالات اس طرح لکھتا ہے:۔

"ٹیپو نے جس اصول پر سلطنت کا نظام قایم کیا ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا ملک ہر جگہ آباد پایا گیا۔ اور زمین جو قابل کاشت ہے۔ اپنی انتہا تک کاشت کی گئی ہے۔ اس کا فوجی نظام اور میدان جنگ میں اسکے سپاہیوں کی وفاداری اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ اس نے ملک میں ایک ایسی حکومت قایم کر رکھی ہے جو رعایا کو شخصی آزادی دے رکھی ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بادشاہ رعایا کو تکلیف دینے والا نہیں۔ بلکہ ان کے درد و دکھ کا شریک ہے۔ اس کا بے رحمانہ سلوک اگر کسی پر ہوتا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں۔ جو اس کے دشمن سمجھے جاتے ہیں"

(میجر ڈائرمس نیارٹیٹیو صفحہ ۲۴۹)

سلطان سے پہلے ملک میسور ریشم اور اس کی کاشت سے بالکل بے گانہ تھا۔ ملک میں جو ریشمی چیزیں بنی ہوی آتی تھی وہ یا تو چین سے آتی تھیں یا بنگالہ سے۔

سلطان نے دو وفد روانہ کئے۔ ایک چین کو اور دوسرا بنگالہ کو۔ وہاں سے ان وفود کے ارکان نے شہتوت کی چند شاخیں اور کچھ ریشم کے کیڑے لیکر واپس آئے۔ ملولی تعلقہ میں وھنگور اور ٹمکور علاقہ میں موضع کنگل میں ریشم کی کاشت شروع کی گئی۔ وہاں سے ریشم سرنگاپٹم لاکر اس سے یہاں کپڑا تیار ہونے لگا۔ آج بھی ریاست میسور میں ایک خاص قسم کے شہتوت کو سلطانی کڈی کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں جب یہ "تاریخ" لکھی جا رہی ہے۔ میسور نے ریشم کی کاشت اور مصنوعات میں اس قدر ترقی کی ہے کہ قریباً دو لاکھ خاندان اس پر اپنا گذارہ کر رہے ہیں۔

ریشم کی طرح جائپھل سے بھی میسور نا آشنا تھا۔ سلطان نے ٹراونکور سے چند جائپھل کے پودے منگوا کر نہایت احتیاط سے انہیں لگوائے۔

مورخ ولکس لکھتا ہے :۔

"سلطان نے بڑی احتیاط سے چند جائپھل کے پودے ٹراونکور سے لاکر لال باغ میں لگوائے۔"

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج میسور سے جائپھل باہر کے ممالک کو بھیجا جاتا ہے

نوٹ :۔ یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میسور میں اگلے زمانے میں کافی نہیں ہوتی تھی۔ آج سے قریباً چار صدی پہلے بابا بڈھن نامی ایک بزرگ عرب سے ہندوستان آئے۔ اور خوش نصیبی سے اس قطعۂ زمین پر اقامت فرمائے۔ جو ریاست میسور میں بابا بڈھن گری کہلاتا ہے۔ آپ کافی کے چند بیج اپنے ہمراہ لائے۔ یہاں پہونچکر اسکی زراعت کی ترویج دی۔ آج ملک میں کافی کے صدہا باغات ہیں۔ جس سے رعایا اور حکومت دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں۔)

تجارت کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے تیس ۳۰ کوٹھیاں کھولی تھیں۔ یہاں سے غیر ممالک کو مال بھیجا جاتا تھا۔ میسور سے جو خام پیداوار بھیجی جاتی تھی۔ ان میں کالی مرچ صندل، الائچی اور کافی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

سلطان نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے بنگلور اور سرنگاپٹم میں دو باغ بنائے سرنگاپٹم کا لال باغ تو آج موجود نہیں ہے۔ لیکن بنگلور کا لال باغ ابھی موجود ہے اور اسکی شہرت ہندوستان سے لیکر یوروپ و امریکہ تک پہونچ چکی ہے۔

لال باغ بنانے سے سلطان کا مقصد ایک زرعی معمل تھا۔ جہاں اور ممالک کے درخت اور

بیج منگوا کر یہ دیکھا جاتا تھا ۔ کہ انکی کاشت اس ملک میں ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

بچانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :۔

" میں نے لال باغ دیکھا ۔ یہاں زمین کو مربع قطعوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ اور قطعہ کے بازو راستہ ہے ۔ جس پر دونوں جانب خوبصورت سرو کے درخت لگے ہوئے ہیں ۔ یہ قطعے پھلدار درختوں اور گملوں سے بھرے ہوئے ہیں ۔ درختوں کی قسموں کو علیحدہ علیحدہ قطعے مخصوص کئے گئے ہیں ۔ یہاں سرو ، انگور ، ناشپاتی اور سیب کثرت سے اور نہایت عمدہ ہوتے ہیں ۔ یہ تعجب سے دیکھا گیا کہ ٹیپو نے جنوبی آفریقہ سے صنوبر اور سرو کے جو درخت منگوا کر لگائے ہیں وہ نہایت اچھی حالت میں ہیں "

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۸۰)

(نوٹ :۔ بچانن سنہ ۱۸۰۰ء میں یعنے زوال سلطنت کے ایک سال بعد یہاں آیا تھا ۔)

ایک اور سیّاح لکھتا ہے :۔

" لال باغ میں ٹیپو نے تجربہ کے طور پر دنیا کے تمام درخت لگائے ہیں ۔ اور یہاں رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے ۔ کہ کونسے مفید درخت یہاں کی آب وہوا کے لحاظ سے موزوں ہوسکتے ہیں "

اسی سلسلے میں سرنگاپٹم کے لال باغ میں جو تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انجیر ، امرود اور تربوز یہاں کی آب وہوا میں خوب پھلتے اور شیریں ہوتے ہیں ۔

نوٹ :۔ آج میسور گورنمنٹ نے سرنگاپٹم میں پھر انجیر کی کاشت پر توجہ کی ہے ۔ اور کاشت کرنے والوں کو پانی اور زمین مفت دینے کے علاوہ دوسری سہولتیں بھی دی گئی ہیں ۔

سلطان کے مکاتیب جو کسی اور جگہ دیئے گئے ہیں ۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے

یہاں زعفران کی کاشت کا تجربہ بھی کیا تھا۔

کسانوں کی حالت بہتر بنانے اور ملک میں زراعت کو ترقی دینے کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ دریائے کاویری کا وہ پشتہ ہے جس کو آج "کرشنا راج ساگرا" کہا جاتا ہے اس لئے بجا طور پر آج کے مورخین سلطان کو "ٹیپو دی ڈیام بلڈر" (Tipu the Dam Builder) لکھتے ہیں۔ بمبئی کے مشہور اخبار السٹرٹیڈ ویکلی مورخہ اکٹوبر ۳۸ء میں اسی عنوان سے دریاء کاویری کے پشتہ کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ لیکن یہاں میسور گورنمنٹ کی کتاب "ٹورسٹ گائیڈ ٹو میسور" (Tourist Guide to Mysore) سے مضمون لیا جاتا ہے:۔

"کرشنا راج ساگرا"

"دریائے کاویری کے دامن میں جو قابل زراعت زمین علاقۂ میسور میں ہے۔ اس کی وسعت ۱۱۵۰۰ مربع میل ہے۔ زمانۂ قدیم سے دریا سے نالے کاٹ کر جو زمین کاشت کی جاتی تھی۔ اس کا رقبہ کل ۱۰۰ میں ہے۔ بقیہ خشک زمین کی آبپاشی کرنے کیلئے میسور گورنمنٹ ایک عرصہ سے تجاویز سوچ رہی تھی۔ آخر ۱۹۱۱ء میں موجودہ بند جس کو "کرشنا راج ساگرا" کا نام دیا گیا ہے شروع کیا گیا۔ جس سے تین مقاصد زیر نظر ہیں۔

۱۔ گرمی کے دنوں میں قلتِ آب کی وجہ سیوا سمدرم میں برقی طاقت حاصل کرنے میں جو مشکلات ہوتی ہیں۔ ان کا سدباب کیا جائے۔

۲۔ سیوا سمدرم کی برقی طاقت جو کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کو ایک حالت پر لایا جائے۔

۳۔ خشک زمینوں کا ایک وسیع رقبہ نہروں کے ذریعہ قابل کاشت بنایا جائے۔

یہ مشہور بند شہر سرنگاپٹم سے نو میل جانب مغرب میں ہے۔ اور اس کا رقبہ تقریباً پچاس ۵۰ مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ بند ۱۲۴ قدم اونچا اور اس میں پانی کی مقدار اوپر کی نالیوں کی سطح سے ۴۴۸۲۷ ملین مکعب فیٹ ہے۔ اس میں ایک چوتھائی حصہ برقی روشنی کیلئے اور تین چوتھائی آبپاشی کیلئے رکھا جائیگا۔

اس موقع پر اگر ہم ایک تاریخی سچے واقعہ کا ذکر کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ جب اس بند کیلئے کھدائی کا کام ہو رہا تھا۔ تو ایک قدیم کتبہ ملا جس میں ٹیپو سلطان کی یہ فارسی تحریر موجود ہے۔

کتبہ

بنیاد افتتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۔ بروز دوشنبہ علی الصباح قبل طلوع آفتاب اچھی لگن اور نیک ساعت میں اللہ کے فضل اور اس کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں زمین و زماں کے خلیفہ سلطان جہاں حضرت ٹیپو ظل اللہ (خداوند تعالیٰ انکی سلطنت اور خلافت کو برقرار رکھے) نے کاویری ندی پر دارالسلطنت کے قرب میں "مہی" نام کے پشتہ کی سنگ بنیاد رکھی۔ شروع کرنا ہمارا کام ہے اور تکمیل تک پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

جس مبارک ساعت میں بنیاد رکھی گئی۔ اس دن سورج، چاند، شکر (زہرہ) اور برہسپت (مشتری) چاروں کا ایک ہی برج (راس) میں مبارک قیام تھا اللہ کے فضل سے یہ پشتہ تا قیامت قایم و برقرار رہے۔

اس پشتہ کی تیاری میں جو لاکھوں روپیئے سرکار خداداد نے خرچ کیئے۔ وہ

صرف اللہ ہی کی راہ میں صرف کئے گئے ہیں ۔ قدیم یا جدید کاشت کے علاوہ بھی جو کوئی بھی اس تالاب سے آبپاشی کریگا ۔ وہ اس پیداوار یا رقم کا جو اور رعایا قانوناً سرکار میں جمع کرتی ہے ۔ صرف ¾ حصہ سرکار خداداد کو دے ۔ باقیماندہ ایک چوتھائی خدا کی راہ میں معاف ہے ۔ اور جو کوئی اس پشتہ (تالاب) سے نئی زمین میں کھیتی باڑی کریگا ۔ تو وہ زمین اسکی اولاد اور وارثوں کے قبضہ میں نسلاً بعد نسلاً اس وقت تک رہیگی جب تک زمین و آسمان قایم ہیں ۔ اگر کوئی شخص اس میں رکاوٹ ڈالے یا اس کارخیر میں مداخلت کرے تو وہ کمبینہ خصلت ملعون ۔ شیطان کی طرح صرف کسانوں ہی کا نہیں بلکہ تمام انسانی نسل کا دشمن سمجھا جائیگا "

کتبہ سید جعفر (ترجمۂ فارسی)

میسور گورنمنٹ نے اس کتبہ کو بند کے داخلہ کی جگہ پر ایک کمان باندھکر نمایاں طور پر لگایا ہے ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان نے لاکھوں روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کئے ۔ اور کسانوں کو اجازت دی کہ جو شخص تالاب یا نہر کے پانی سے زمین میں نئی زراعت کریگا ۔ اس کو اوروں کی طرح زیادہ لگان دینے کے بجائے کم لگان دینا پڑیگا ۔ اور سینچی ہوئی زمین اسکی موروثی سمجھی جائے گی ۔

اس بند کی تعمیر اور اس کتبے کو دیکھتے ہوئے قدرتی طور پر خیال گذرتا ہے کہ سلطان کس قدر رعایا کی فکر میں منہمک رہتا تھا ۔ اور اس زمانہ کے لوگ فن انجینیری میں کس قدر ماہر تھے ۔ حکومت میسور نے جب دریائے کاویری پر بند باندھنا چاہا تو اس کے لئے میسور کے انجینیروں کے



کتبۂ سدِّ محی

ٹیپو سلطان کا یہ کتبہ کرشنا راج ساگر پر لگا ہوا ہے۔

علاوہ جرمنی انگلستان اور امریکہ سے تک انجنیر طلب کئے۔ جنہوں نے سالہا سال دریائے کاویری کا سروے کیا اور آخراس نتیجہ پر پہونچے کہ یہ بند موضع بنگولا کے قریب جو سرنگاپٹم سے دس میل جانب مغرب ہے۔ تعمیر کیا جائے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان ٹیپو کا انجنیری دماغ اور اسکی عالی دماغی ڈیڑھ سو سال پہلے اسی جگہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ یہ ایک حسن اتفاق تھا۔ بلکہ قدرت کو منظور تھا کہ اس سلطان کا نام جس کو مغربی مورخین نے حد درجہ بدنام کر دیا ہے۔ دنیا میں پھر ایک بار روشن کرے۔ چنانچہ جب کھدائی ہوئی تو انجنیروں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ وہاں ایک فارسی کتبہ زمین میں گڑھا ہوا ملا (اس کتبہ کی عبارت اوپر دی گئی ہے اور اس کا عکس بھی دیا گیا ہے) عبارت سے ظاہر ہے کہ سلطان کے دل میں رعایا پروری کا کس قدر صحیح جذبہ موجود تھا۔

کیا آج دنیا کی کوئی حکومت اس سے بڑھکر رعایا پروری۔ فراخدلی اور فیاضی کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

نوٹ:۔ یہ بند جس کا آغاز سلطان نے کیا اور سنگ بنیاد بھی رکھدیا تھا سلطنت کے سقوط کی وجہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ اسکی روح ابھی میسور میں کام کر رہی ہے۔ بند کی تعمیر کا خیال حکومت میسور کو آیا اور وہی جگہ منتخب ہوئی جو سلطان نے کی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ میسور کی موجودہ حکومت نے بھی اس پر لاکھوں روپیہ خرچ کی ہے اور اسکی تکمیل موجودہ مہاراجہ سری کرشنا راجہ وڈیر کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اور اسی لحاظ سے اس کو "کرشنا راج ساگرا" کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ قرین انصاف تھا۔ کہ میسور کے اس محسن سلطان کے نام پر اس بند کا نام رکھا جاتا۔ اس بند کے دیوار کی اونچائی ۱۲۴ قدم اور پانی کی مقدار ۴۸۱۵۰۰ ملین کیوبک فیٹ ہے۔ اس بند پر حکومت میسور نے ۳۶۵ لاکھ روپیہ خرچ

کیا ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس سے ڈیڑھ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہورہی ہے۔ بند کے نیچے جو باغات لگائے گئے ہیں وہ یقیناً اس شعر کی یاد تازہ دلاتے ہیں۔ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است	ہمیں است وہمیں است وہمیں است

زراعت کو تقویت دینے کیلئے سلطنت خداداد کا دوسرا بڑا کارنامہ امرت محل ہے

امرت محل

ایک زراعتی ملک کے لئے عمدہ قسم کے جفاکش مویشی کی جس قدر ضرورت ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ میسور و ہندوستان میں زراعت بیلوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ سلطنت خداداد سے پیشتر جو مویشی ملک میں موجود تھے۔ وہ اس قدر چھوٹے اور کمزور تھے کہ زیادہ محنت کے قابل نہیں تھے۔ اور اسی لحاظ سے گائے بھی بالکل چھوٹی ہوتی تھی۔ جو بالکل کم دودھ دیتی تھی۔ اس لئے رعایا کو دودھ اور گھی کافی مقدار میں نہیں ملتا تھا۔ اس کے علاوہ فوجی نقطۂ نظر سے بھی جو بیل میسور میں تھے۔ وہ باربرداری کے قابل نہیں تھے۔ اور نہ گھوڑے ہی ملک میں پیدا ہوتے تھے۔ البتہ میسور کے جنگلات میں ہاتھی ملتے تھے۔

سلطنت خداداد کے حکمران نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا اس ملک پر ایک بڑا احسان ہے۔ جو انہوں نے ایک محکمہ امرت محل کے نام سے قایم کیا۔ اور اس میں بیل، گائے گھوڑے، خچر اور ہاتھیوں کی پرورش اور عمدہ نسل کشی کا انتظام کیا۔

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۹۹ میں لکھتا ہے:۔

"امرت محل جیسے کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ خالص دودھ کی فراہمی کیلئے ہے۔ یہ محکمہ فوجی ضروریات کیلئے قایم ہوا۔ حیدر علی کا مقصد اس محکمہ کے قایم کرنے سے یہ تھا کہ فوجی باربرداری کیلئے عمدہ اور محنتی مویشی حاصل کئے جائیں۔ اس غرض کیلئے

ترچنا پلی سے ایک خاص قسم کے نر بیل بچہ کشی کیلئے لائے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ بیلوں کی ایک خاص قسم جس کو میسور میں "ہلی کار" کہا جاتا ہے۔ پیدا ہوئی جو اپنی جفاکشی اور اپنی محنت کیلئے نہایت ہی مشہور ہے"

سر مارک کبن لکھتا ہے:۔

"یہی وہ محکمہ ہے۔ جس نے حیدرعلی کو کرناٹک کی جنگ میں صرف دو دن کے اندر ایک سو ننانوے میل طے کر کے چدمبرم پر دھاوا کرنے میں مدد دی۔ یہی وہ باربرداری کے بیل ہیں جو ٹیپو سلطان کو جزیرہ نمائے جنوبی ہند کو ایک ماہ کے اندر عبور کرتے ہوئے بدنور پر حملہ کر کے قبضہ کرنے میں ممد و معاون ہوئے۔ اور یہی وہ جانور ہیں جنکی وجہ سے ٹیپو سلطان نے ۶۳ میل کا فاصلہ دو دن میں طے کر کے جنرل میڈوز کو شکست دی"۔

اسی محکمے کے بیل تھے جن سے انگریزوں نے بعد زوال سلطنت خداداد کام لیکر مرہٹوں کو شکست دی۔ ڈیوک آف ولنگٹن کو یوروپ میں جبکہ وہ جنگوں میں مصروف تھا تو یہی حسرت رہی کہ:۔

"سامان رسد اور توپوں کی جلد سے جلد نقل و حرکت کے لئے اس کے پاس محکمۂ امرت محل کے مویشی نہیں ہیں"۔

سلطنتِ خداداد کا یہ وہ احسان ہے۔ جس کے بار سے میسور سر نہیں اٹھا سکتا۔ ان مویشیوں کو پالنے کیلئے خاص چراگاہیں مقرر تھیں۔ اور انکا رکھ رکھاؤ نہایت اعلیٰ درجہ پر تھا۔ زوال سلطنت کے بعد جب یہ محکمہ میسور کے راجہ کی تحت میں دیا گیا تو نسل کشی اور بیلوں کی قسم میں اس قدر انحطاط آگیا۔ کہ مجبوراً سرکار انگریزی کو یہ محکمہ اپنے ماتحت لینا پڑا۔

خچر :۔ میسور اور جنوبی ہند میں نامعلوم تھے. بار برداری کیلئے خچروں سے زیادہ مضبوط اور جفاکش جانور کوئی نہیں. خاص اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیپو سلطان نے عرب سے نسل کشی کیلئے عمدہ گدھے منگوائے.

رئیس لکھتا ہے کہ :۔

"سلطان کی رعایا اس قسم کی نسل کشی کے خلاف تھی. اس لئے اس باب میں سلطان کچھ زیادہ کارروائی نہیں کر سکا"

(نوٹ:۔ میسور کے ملّا لوگ جو زیادہ تر سادات تھے مخالف ہو گئے کہ گھوڑے جیسی اعلیٰ اور گدھے جیسے ادنیٰ جانور کے ملاپ سے کیوں ایک انوکھی اور ادنیٰ نسل پیدا کی جاتی ہے)

گھوڑے. کرنل ولش لکھتا ہے :۔

"کل ہندوستان میں جو گھوڑے استعمال میں ہیں. وہ وہی بدنما ٹٹو ہیں. جن کی اونچائی بارا ہاتھ سے بڑھکر نہیں ہوتی. حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے گھوڑوں کی نسل عمدہ بنانے میں حد درجہ کوشش کی. نسل کشی کے لئے عرب اور مختلف ملکوں سے عمدہ جانور منگوائے گئے.

گھوڑوں کی ترقی کیلئے محکمہ امرت محل کے ماتحت مختلف مقامات پر چراگاہیں اور فارم قایم کئے گئے. اور انکا انتظام نہایت ہی اعلیٰ درجہ پر تھا. جو نسل کہ یہاں حاصل کی گئی. وہ اس قدر جفاکش اور محنتی تھی کہ سلطنت خداداد کی کیولری میں یہی گھوڑے استعمال ہوتے تھے"

یہی کرنل لکھتا ہے :۔

"اس محکمہ کے ماتحت کولار میں جو نسل پیدا ہوئی. وہ اس قدر شریر اور تند و تیز

تھی۔ کہ آج بھی تمام جزیرہ نمائے ہند میں جہاں کہیں اس نسل کا گھوڑا ہوتا ہے۔ اس کو کولاری کہا جاتا ہے "

ہاتھی:۔ رئیس لکھتا ہے:۔

" ہاتھیوں کی پرورش اور نسل کشی کے لئے مختلف مقامات میں چراگاہیں محفوظ تھیں"

(نوٹ:۔ اس وقت ریاستِ میسور میں جو محکمۂ امرت محل ہے۔ اس میں صرف گائیوں کی پرورش اور نسل کشی ایک محدود پیمانہ پر ہوتی ہے۔ کنگل میں گورنمنٹ کی جانب سے گھوڑوں کی نسل کشی کے لئے بھی چھوٹے پیمانہ پر ایک فارم ہے اور یہاں کے گھوڑے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں)

صنعت و حرفت

تجارت کا دار و مدار زراعت اور صنعت و حرفت پر ہے۔ جس قدر پیداوار زراعت سے ہو گی۔ کسان اسی قدر فارغ البال ہوں گے۔ بشرطیکہ حکومتِ مسلطہ انہیں بھاری بھاری ٹیکسوں میں نہ جکڑے۔ سلطنت خداداد میں کاشتکاروں کو جو سہولتیں سلطان نے دی تھیں۔ ان کا بیان اصلاحات سلطانی اور زراعت کے عنوانات کے تحت دیا گیا ہے۔ تجارت کے عنوان کے تحت یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ سلطان نے سترہ تجارتی کوٹھیاں اور تیس کارخانے کھولے تھے۔ جن میں ہزارہا آدمی کام کرتے تھے۔ ان کارخانوں میں جو چیزیں تیار ہوتی تھیں۔ انکا ذکر رئیس نے بھی کیا ہے اور سیاح بچانن نے بھی۔

رئیس نے جن صنعتوں کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

" ا۔ **معدنیات:۔** سونا اور لوہا وغیرہ نکالا جاتا تھا۔ بہت سے مقامات پر سونا اس طرح دستیاب ہوتا تھا۔ کہ سونے کی مٹی لیکر اس کو پانی میں چھان لیا جاتا تھا۔ سونا بوجہ بھاری ہونیکے تہ نشین ہو جاتا۔ اس طرح سونا زیادہ تر علاقۂ کولار اور وائناڈ

میں ملتا تھا۔

نوٹ :۔ میری عمر کے تقریباً ۱۵ سال معدنہائے طلا میں گذرے ہیں۔ جن میں آخر کے چند سال نئے معدنوں کی دریافت میں بسر ہوئے۔ اس سلسلۂ ملازمت میں میں نے میسور، اننت پور، کڈپہ، کرنول گدگ، اننا وار وغیرہ کے جنگلوں میں قیام کیا ہے۔ اور ذاتی تجربہ کی بنا پر رئیس اور ولکس کی تحریر پر یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ سونا دو طرح سے نکالا جاتا تھا۔ ایک تو وہی طریقہ جو اوپر تحریر ہوا ہے اور دوسرا کان کنی کے ذریعہ۔ آج کل سونا نکالنے والی کمپنیوں کا دار و مدار بھی اسی پر ہے۔ کہ پرانے کان دریافت کریں۔ اور وہاں کام جاری کریں۔ اننت پور میں جو معدنہائے طلا، تھے۔ ان میں ناگ سمدرم ریلوے اسٹیشن سے دس۱۰ میل مغربی جانب پر قدیم کانوں کا ایک سلسلہ آٹھ دس میل طول پر پھیلا ہوا ہے۔ کانوں کے اندر چونکہ ہوا پہونچانے کا ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ کان صرف کنوئیں کے نمونہ کے ہیں۔ گو ان کا طول و عرض پچیس۲۵ تیس۳۰ فیٹ ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض دو ڈھائی سو فیٹ گہرے ہیں۔ نہیں معلوم کہ پانی کس طرح خارج کیا جاتا تھا۔ گنتکل سے بیس۲۰ میل پر چند کانیں ہیں۔ یہ بھی اسی طرح کی ہیں۔ مگر زمین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سطح زمین پر بھی سونا بکثرت تھا۔ جو پتھر کاٹ کر نکالا جاتا تھا۔ اور ہر ہر قدم پر کاٹنے کے نشانات ہیں۔ کرنول سے چالیس۴۰ میل پر نانبے کی کانیں بھی اسی نمونہ کی ہیں۔ پتھر سے سونا نکالنے کیلئے ہر جگہ ان کانوں کے قریب پانی کے نزدیک پتھروں کے بڑے بڑے سل اور گولے موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے پتھروں کو یہاں لاکر پیس لیا جاتا تھا۔ اس قسم کے پتھر ضلع اننت پور میں دریائے پنار کے کنارے پانچ چھ مقامات پر ہیں۔ گدک وغیرہ میں بھی بہت سے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ گرم کنڈہ کے قریب ایک پہاڑ پر لوہے کے پگھلا ہوئے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لوہا نکال کر ڈھالا جاتا تھا۔ اننت پور کے بہت سے ایسے کانوں

کے قریب تالاب بھی ہیں۔ جن کے پشتہ پر صرف سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ اور یہ سنہ حیدرعلی و ٹیپو سلطان کے زمانہ کا ہے۔

اس سے یہ مقصد نہیں کہ حیدرعلی و ٹیپو سلطان کے زمانے میں ہی کان کنی کا رواج ہوا ہے۔ بلکہ قدیم زمانہ سے (غالباً ہندو قوم جب اپنے عروج پر تھی) ہندوستان میں کان کنی جاری تھی۔ اور عجب نہیں کہ حیدرعلی و سلطان کے زمانہ میں بھی ان کانوں پر کام کیا گیا ہو۔ محمود)

۲۔ **مٹی کی مصنوعات** :۔ علاوہ تمام گھریلو ضروریات کے جو ہر جگہ بنائی جاتی تھیں۔ کارخانوں میں چینی کے برتن۔ کانچ کے صراحی اور چراغوں کے فانوس اور آئینے وغیرہ بنائے جاتے تھے۔

۳۔ **لکڑی کا کام** :۔ میسور آج بھی اس کے لئے مشہور ہے۔ چن پٹن وغیرہ میں لکڑی کی بہترین اشیا اور کھلونے بنتے ہیں۔

۴۔ **چرم سازی** :۔ چمڑے کی دباغت اور چمڑے سے ہر قسم کا سامان بنایا جاتا تھا ہری ہر میں مچی کار قوم سرخ مراکو کا بہترین چمڑا تیار کرتی تھی۔

۵۔ **تیل اور تیل کے دیگر مصنوعات** :۔ (علاوہ ان تیلوں کے جو گھریلو زندگی کے لئے ضروریات سے ہیں ہر جگہ کشید کیے جاتے تھے) صندل کا تیل بھی نکالا جاتا تھا۔

۶۔ **صندل** :۔ صندل کی لکڑی سے بہت سی چیزیں بنتی تھیں۔ سرنگاپٹم کے علاوہ ساگر (ضلع شیموگہ) اس کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ صندل کی لکڑی باہر کے ملکوں کو بھیجی جاتی تھی۔ اور اندرون ملک اگربتیاں اور دوسری خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں۔

۷۔ **رسی اور قالین** :۔ بنگلور اپنی قالینوں کے لئے مشہور تھا۔ رسیاں طیار

میں بنائی جاتی تھیں۔

۸۔ **ہاتھی دانت کا کام**:۔ یہ فن میسور میں مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ ان سے آگے میسور اس فن سے نابلد تھا۔ صندل اور شیشم کی لکڑی میں ہاتھی دانت سے منقش کام کیا جاتا ہے۔

۹۔ **نمک بنانا**:۔ نمک بھی ملک کے اندر بنایا جاتا تھا۔

۱۰۔ **زر**:۔ سونے کی تار نکالنا۔

۱۱۔ **کاغذ پر سونے کا رنگ چڑھانا**:۔ یہ وہ معمولی کاغذ نہیں جو آج سنہری رنگ کا فروخت ہوتا ہے۔ یہ خاص طور پر تیار ہوتا تھا۔ اور اکثر محلات وغیرہ میں زیبائش کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور برسوں تک خراب نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی اس قسم کی [illegible] زیادہ دولت باغ پر چڑھا ہوا ہے۔ یہ صنعت اب بالکل معدوم ہو گئی ہے

رئیس نے اپنی کتاب میں اسکے بنانے کا طریقہ لکھا ہے

۱۲۔ **اون**:۔ اون کی مصنوعات جیسے کمبل، شال وغیرہ

۱۳۔ **فنونِ لطیفہ**:۔ نقاشی و مصوری (سلطان خود بھی ایک بڑا آرٹسٹ تھا)

۱۴۔ **ریشم**:۔ ریشم کی کاشت اور اسکے مصنوعات

۱۵۔ **روئی کی مصنوعات**۔ کپڑے بنانا۔

رئیس نے جن مصنوعات کا ذکر کیا ہے۔ انکے متعلق اس نے کوئی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے۔ اس لئے ذیل میں مختلف کتابوں سے مضمون لیکر بعض مصنوعات کے متعلق تشریحی بیان دیا جاتا ہے:۔

(۱) مٹی کی مصنوعات میں رئیس نے شیشہ سازی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بچانن کی تحریر سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ فن نہایت عروج پر تھا۔ اور مختلف قسم اور قد وقامت کے شیشے بنائے جاتے تھے۔ بجا نن کی مراد شیشوں سے آئینوں کی ہے اور اگر اس تحریر کے ساتھ ان انگریزی افسروں کی تحریر بھی ملا کر دیکھی جائے، جو سلطانی محل کی لوٹ میں شامل تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں دوربینیں بھی تیار ہوئی تھیں۔

ریشم اور روئی کی مصنوعات:۔ یوں تو سلطنت کے طول وعرض میں ہر قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے۔ لیکن سرنگا پٹم اور بنگلور خاص طور پر اپنی بعض مصنوعات کے لحاظ سے نہایت مشہور تھے۔ سرنگا پٹم کے کارخانوں میں ریشمی کپڑا، پھولدار چھینٹ اور بہترین قسم کا ململ تیار ہوتا تھا۔

(نوٹ:۔ ململ کے بہت سے نمونے میسور کے مہاراجہ صاحب کے محل میں موجود ہیں۔ ابھی حال ہی میں یعنی ۱۹۳۶ء میں دسہرہ کی نمائش میں انہیں رکھا گیا تھا۔)

بنگلور میں ریشمی کپڑا، قالین، گوٹا، کناری اور نکھی بنائی جاتی تھی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۱ پر لکھتا ہے:۔

"پٹویگر اور کھتری قوم کے لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کا مضبوط ریشمی کپڑا تیار کرتے تھے ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے تھے۔ جو لوگ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ وہ ان جولاہوں کو نصف قیمت پہلے ہی بطور اڈوانس دے رکھتے تھے۔ اور جب مانگ نہ ہوتی تھی تو جولاہے ان سوداگروں سے روپیہ قرض لیا کرتے تھے۔ جو بعد میں مال کی قیمت میں وضع کر لیا جاتا تھا۔ اسی طرح کپڑا بنانے والے جولاہے بھی اڈوانس حاصل کرتے تھے۔ ٹونگار و قوم کے لوگ ایک قسم کا سفید کپڑا بناتے تھے۔ جن کے کنارے سرخ رنگ کے ہوتے تھے۔ اس کپڑے کی ساڑیاں بنتی تھیں جو غریب طبقہ میں بہت مستعمل تھیں۔"

سسباح بچانن جو زوالِ سلطنت کے ایک سال بعد آیا تھا لکھتا ہے :۔

"بنگلور کے جولا ہے اپنے فن میں طاق نظر آتے ہیں. انہیں اگر امداد دی جائے تو یہ بہترین قسم کے کپڑے تیار کرینگے. زوال سلطنت کا باعث یہ لوگ سخت مشکلات میں گھر گئے ہیں. اس لئے کہ یہ جس قدر کپڑا تیار کرتے تھے. سرنگا پٹم میں کھپ جاتا تھا. اب امید نہیں کہ انگریزی افسر جو اس ملک میں مقیم ہیں. اس قسم کا اور اسی قدر کپڑا استعمال کریں گے. جتنا کہ مسلمان امراء کرتے تھے. اگر حکومت ان کے لئے کوئی منڈی پیدا نہ کرے تو انکی تباہی یقینی ہے"

نوٹ :۔ بچانن نے جو کچھ لکھا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا سلطنت خداداد پر انقلاب آتے ہی نہ صرف جولا ہے بلکہ تمام دوسرے کارخانے بھی تباہ ہو گئے. اور انکی جگہ یورپ کی مصنوعات نے لے لیں (محمودؔ)

لوہے کی مصنوعات :۔ لوہا اور فولادیوں تو عام ضروریات جیسے گاڑیوں کے پہیئے اور ہل وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا تھا. لیکن اسکی زیادہ تر کھپت سلطانی کارخانوں میں تھی. جہاں جنگی اسلحہ جیسے سنگینیں، تلوار، بندوق، توپ گولے اور گولیاں وغیرہ بنتی تھیں. اسلحہ سازی کا سب سے بڑا کارخانہ سرنگاپٹم میں تھا. بنگلور، نگر اور گرم کنڈہ میں بھی اسلحہ بنائے جاتے تھے :۔

کیپٹن لٹل اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"بنگلور پر جب ہماری فوج نے قبضہ کر لیا تو قلعہ میں ایک عجیب وغریب مشین نظر آئی. جو پانی کے ذریعے چلتی تھی. اس مشین سے توپوں میں سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا. اور یہ سوراخ بالکل صحیح اور سیدھے ہوتے تھے"

میجر ڈٹسن لکھتا ہے :۔

"سرنگاپٹم میں توپیں ڈھالی جاتی تھیں جو کسی طرح یورپ کی بنائی ہوئی توپوں سے
کم درجہ پر نہیں تھیں۔ بلکہ مار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی توپوں سے بھی زیادہ فاصلہ پہ
مارنے والی تھیں۔ اور یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ
ڈالنے کے لئے سرنگاپٹم میں جو مشینیں ہیں وہ پانی سے چلائی جاتی تھیں"

مال غنیمت میں انگریزوں کو سرنگاپٹم میں جس قدر اسلحہ ملے انکی تعداد ماڈرن میسور کے
مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۴۷ میں لکھا ہے :-

"قریباً ایکہزار توپ پیتل اور لوہے کے سرنگاپٹم کے قلعہ میں پائے گئے۔ پانچ لاکھ سے
زیادہ گول اور دوسری وضع کی گولیاں۔ بارہ ہزار گولے۔ ساٹھ ہزار بندوق،
لاکھوں تلواریں، سنگینیں اور دوسرے ہتھیار ملے۔ ان میں ۱۵ توپیں ایسٹ انڈیا
کمپنی کی ساخت کی تھیں۔ باقی جس قدر توپیں۔ بندوق اور اسلحہ تھے۔ وہ سب کے سب
سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اور صنعت کے لحاظ سے نہایت اعلےٰ
درجہ کی تھیں۔ ٹیپو کی جدید ایجاد یہ تھی کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ
ڈالنے کیلئے اس نے پانی سے چلنے والی ایک مشین ایجاد کی تھی۔ جو بالکل
سیدھا سوراخ ڈالتی تھی"

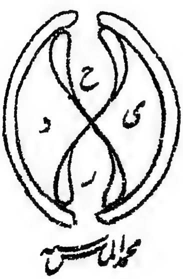
اسی مصنف نے مدور کے قلعے میں جو مال غنیمت انگریزوں کو ملا۔ اسکی تفصیل میجر آلن کی تحریر کے
حوالے سے اس طرح دی ہے (نوٹ۔ مدور کا قلعہ بنگلور سے قریباً پچاس میل جانب جنوب میسور کے راستے
میں ہے۔ اور سرنگاپٹم سے قریب تیس میل جانب شمال ہے)

"اس قلعہ میں ۳۷۳ میدانی توپ، ۶۰ کوہستانی توپ، ۱۱ برجی توپ، بالکل مکمل
حالت میں موجود تھے۔ ۴۶۶ میدانی توپ، ۱۲ کوہستانی توپ اور ۷ برجی توپ

ناکمل حالت میں تھے۔ جو توپیں مکمل تھیں۔ ان میں سے ۲۸۷ توپیں فصیل قلعہ پر چڑھی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ قلعہ کے اندر ۴ لاکھ چوبیس ہزار گولیاں۔ پانچ لاکھ بیس ہزار پونڈ بارود۔ ۹۹ ہزار بندوق (جن میں تیس ہزار فرینچ ساخت، ۷ ہزار انگریزی ساخت اور باقی چوپن ہزار سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اس مقام پر پانچ اسلحہ سازی کے کارخانے اور ۱۷ عمارتیں تلوار اور دوسری جنگی ہتھیاروں سے بھری ہوئی تھیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۴۲)

مذکورہ بالا تحریر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف سرنگاپٹم اور مدور کے دو قلعوں میں اسقدر اسلحہ ملے جو تمام کی تمام سلطانی کارخانوں کے بنے ہوئے تھے۔ تو سلطنت خداداد میں جسکی وسعت اسّی ہزار میل تھی۔ اور اس میں بے شمار قلعے تھے۔ انہیں کسقدر اسلحہ ہونگے۔ ان اسلحہ کا اندازہ کرتے ہوئے خیال کیا جا سکتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں کسقدر کام ہوتا ہوگا۔ اور کس قدر لوگ یہاں کام کر رہے ہونگے اور ملک کسقدر خوشحال رہا ہوگا

سلطانی کارخانوں میں جو اسلحہ تیار ہوتے تھے۔ ان پر مقام اور مہتمم کارخانہ یا اسلحہ ساز کا نام لکھا جاتا تھا۔ سلطان اپنے خاص اسلحہ پر "اسد اللہ الغالب" کندہ کراتا تھا۔ بنگلور کے عجائب خانہ اور بہت سے مقامات پر ابھی تک بہت سے اسلحہ رکھے ہوئے ہیں۔ میسور میں ایک توپ ہے۔ جس پر اس طرح کا نشان کندہ ہے۔



محمد الیاس

نوٹ:- اس قسم کا نشان اور بہت سے ہتھیاروں پر بھی پایا جاتا ہے۔

اقتباس از سفرنامہ بچانن

(بچانن کا پورا نام ڈاکٹر فرانسس بچانن ہے۔ یہ شخص ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں سرجن کے عہدہ پر مامور تھا۔ زوال سلطنت خداداد کے چند ماہ بعد لارڈ ولزلی نے اسکو سلطنت خداداد کا زرعی، صنعتی اور اقتصادی سروے کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ بچانن اوائل سنہ ۱۸۰۰ء میں سلطنت خداداد میں آیا۔ اور کامل دو سال تک سیاحت کی۔ اس حساب سے بچانن سلطنت خداداد کے زوال کے ٹھیک ایک سال بعد اس ملک میں آیا تھا)

"**ناگل** میں زمین سے نمک نکالا جاتا ہے۔ یہ نمک ایک سلطانی فنم (فنم:- ایک چاندی کا سکہ تھا۔ جس کی قیمت ۴؍ کے برابر تھی) کے عوض بیس سیر ملتا ہے۔ مدراس کا سمندری نمک اسی قیمت میں آٹھ سیر ملتا ہے۔ سلطان ہمیشہ دیسی نمک استعمال کرتا تھا۔ سلطان کا حکم تھا کہ اسکے باورچی خانہ میں سوائے سلطنت کے اندر نکلے ہوئے نمک کے کوئی دوسرا نمک ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ یہی ہدایت اس نے اپنی رعایا اور افسروں کو بھی دی تھی۔ یہ حکم اس لئے نافذ کیا گیا تھا کہ مدراس سے آتے ہوئے نمک کا منافع غیر ملکیوں یعنے ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوتا تھا۔

مالور میں بکروں کی اون سے کمل بنائی جاتی ہیں۔

کارگوڑی میں چونا نکالا جاتا ہے۔ جس کا رنگ بالکل سفید ہے۔

مدور میں عمدہ قسم کا گڑ بنایا جاتا ہے۔

سرنگاپٹم اپنی مختلف مصنوعات کیلئے خاص طور پر مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر فوج سے متعلقہ سامان بنایا جاتا ہے۔ گنجام میں بے شمار جولاہے موجود ہیں۔ یہاں کی تمام تجارت کا انحصار شاہی محل پر ہے۔ جہاں اناج، کپڑا اور تعیش کا سامان

مہیا کیا جاتا ہے۔ سلطانی حکم سے ان تمام تاجروں کو نقد قیمت ملتی تھی ۔ سلطان کے حکم سے یہاں قسم قسم کے کپڑے، کاغذ، گھڑیاں اور چاقو وغیرہ تیار ہوتے تھے۔ اور انکے بنانے کے طریقے بالکل راز میں ہیں۔ سر جان شور گورنر جنرل نے سلطان کو بطور تحفہ دو گھڑیاں بھیجی تھیں۔ سلطان نے اپنے کاریگروں کو بلا کر اسی نمونہ کی گھڑیاں بنانے کا حکم دیا۔ چند دنوں میں کاریگروں نے گھڑیاں تیار کر دیں۔ سلطان نے ایک گھڑی سر جان شور کو اور دوسری لارڈ ولزلی کو بطور تحفہ بھیجی تھی (نوٹ :- افسوس ہے کہ آج باوجود ان بلند بانگ دعوؤں کے کل ہندوستان میں گھڑی سازی کا کوئی کارخانہ موجود نہیں۔ تمام گھڑیاں یوروپ و امریکہ سے بنکر آتی ہیں ۔ محمود)

پتھر کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ سنگ ساز چالیس سے پچاس فنم تک روزانہ پیدا کرتے ہیں۔

چن پٹن میں شیشہ سازی کا عمدہ کام ہوتا ہے ۔ اسی شہر میں فولاد کی باریک تار بنائی جاتی ہے۔ جو سازوں میں کام آتی ہے۔ اس کی مانگ نہ صرف ہندوستان بلکہ یوروپ میں بھی ہے۔ ایک تولہ تار کی قیمت ایک سلطانی فنم ہے (آج بھی یہ تار جو یہاں بنائی جاتی ہے۔ یوروپ اور امریکہ کو جاتی ہے۔ اور ابھی تک اس سے بہتر تار ایجاد نہیں ہوئی م) اسی شہر میں نہایت اعلیٰ قسم کی سفید شکر بھی بنتی ہے۔ اسکے بنانے کا طریقہ صیغہ راز میں ہے۔ سلطان نے اس خاندان کو جو شکر بناتا ہے۔ ایک گاؤں بطور جاگیر دے رکھا ہے۔ ایک من شکر کے ۲۷ سلطانی فنم لیئے جاتے تھے۔

لوہے کا کام ملک میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ اخیر زمانے میں توپیں بھی نہایت عمدہ ڈھلنے لگی تھیں ۔ اور ان میں سوراخ بھی درست ہوتا تھا۔ اور یہ ہر حیثیت سے

یوروپی ساخت کی توپوں کی برابری کرتی تھیں۔

بنگلور میں ہر قسم کے سکے رائج ہیں۔ لیکن حساب پگوڈا اور فنم میں رکھا جاتا ہے سکہ جات کے تبادلہ کا نرخ ہر مہینے میں سلطانی حکم سے مقرر ہوتا تھا۔

ملک کے پٹویگر اور کھتری ذات کے لوگ ریشم سے نہایت عمدہ اور قیمتی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے ہیں۔ اکثر تاجران لوگوں کو مال تیار کرنے کیلئے پیشگی رقم دے رکھتے ہیں۔ اسی طرح کا سلوک سوتی کپڑا بنانیوالوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ جُلاہوں کی حالت ملک میں بہت اچھی ہے۔ وہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص چند ملازم بھی رکھتا ہے۔ ریشم زیادہ تر باہر کے ملکوں سے آتا ہے۔ اس پر محصول بہت کم لیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس صنعت کی طرف اپنا روپیہ لگا رہے ہیں۔ تو سلطان کے حکم سے محصول معاف کر دیا جاتا تھا۔

چک بالاپور میں مصری تیار ہوتی ہے۔ یہ مصری ملک چین کی مصری اور شکر کے ہم پلہ ہے۔ سلطان نے سرنگاپٹم میں بھی مصری تیار کرنے کا حکم دیا اس کے بنانے کا طریقہ راز میں رکھا گیا ہے۔ سرنگاپٹم میں چین کی بنی ہوی مصری سستی قیمتوں پر آکر فروخت ہوتی تھی۔ سلطانی حکم سے جب مصری سرنگاپٹم اور چک بالاپور میں تیار ہونی شروع ہوی تو باہر کی مصری کا منگوانا ممنوع قرار دیا گیا اس کی وجہ سے اس صنعت کو یہاں بہت ترقی ہوئی۔ معمولی مصری ملک میں ہر جگہ بنائی جاتی ہے۔

مادھوگری، چن رائے درگ، ہاگل واڑی اور دیورائے درگ

اپنی لوہے کی صنعتوں کے لئے مشہور ہیں۔ یہاں لوہا پتھر سے نکالا جاتا تھا۔ یہ لوہا اس لوہے سے بہتر مانا جاتا ہے۔ جو مٹی سے نکلتا ہے۔ انہیں مقامات میں لوہے سے فولاد بھی بناتے ہیں۔ اس فولاد سے معماروں کے اوزار تلوار اور ساز کی تار بنائی جاتی ہے۔

منتھنڈ میں ایک قسم کا شیشہ تیار کیا جاتا ہے۔ جس سے مختلف رنگوں کی چوڑیاں تیار ہوتی ہیں۔

جیساکہ ہمیں معلوم ہے ٹیپو ایک حکمران ہونے کے علاوہ ایک بڑا تاجر بھی ہے۔ اس خاص مقصد کیلئے اس نے اپنے محل کو ہر قسم کی اشیاءِ تجارت سے بھر رکھا ہے"۔

(ماڈرن میسور صفحات ۳۰۹ تا ۳۱۹)

صنعت و حرفت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ رئیس اور بچانن کی تحریروں سے لیکر لکھا گیا ہے۔ فارسی اور اردو تاریخوں میں صنعت و حرفت کے متعلق کوئی ذکر نہیں مگر یوروپین مورخ اسکے متعلق کچھ نہ لکھتے تو آج دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ سلطنت خدا داد نے صنعت و حرفت میں کس قدر ترقی کی تھی۔

آہ! میسور و ہندوستان کس قدر تباہ ہو گئے۔ حالت یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ زندگی کی ہر ایک ضرورت بلکہ سوئی تک کے لئے ہندوستان یوروپ کا محتاج بن گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ میسور گورنمنٹ نے اب کوئی دس پندرہ سال سے ادھر ملک کی زراعت، صنعت و حرفت پر توجہ کی ہے اور قسم قسم کی چیزیں پھر ملک میں بنائی جارہی ہیں جن میں صندل اور لکڑی کی مصنوعات، صابن سازی، ریشم اور لوہے کی مصنوعات کو ایک خاص امتیاز حاصل ہو رہا ہے۔ ابھی حال میں مٹی اور کانچ مصنوعات، کاغذ، شکر اور سیمنٹ

بنانے کے کارخانے بھی جاری ہوئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے آج ریاستِ میسور کو ہندوستان بھر میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ جس طرح ڈیڑھ صدی پہلے سلطان کے زمانے میں اس کو حاصل تھا۔

سلطنتِ خداداد کے سکّے

خدا جانے مصنفِ حملاتِ حیدری کو یہ روایت کہاں سے ملی۔ اور مزید تعجب یہ ہے کہ انہوں نے اس کو بغیر تحقیق کتاب میں درج بھی کر دیا ہے۔ کہ نواب حیدر علی کے سکّے پر ایک جانب

ثانی سلطان سکندر حیدر آخر زماں

اور دوسری جانب :-

نائبِ دینِ محمدؐ قاتلِ کل کافراں

ثبت تھا۔

نوٹ :- معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو بدنام کرنے کیلئے یہ شعر کسی متعصب دماغ کا ایجاد کردہ ہے۔ پنجاب میں حیدر علی کی تاریخ جو اشہری صاحب نے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے بھی بلا تحقیق یہی مندرجہ بالا شعر لکھ دیا ہے۔ ورنہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے جس قدر سکّے ہیں۔ وہ قریب قریب عجائب خانہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے پاس بھی محفوظ ہیں۔ ہم نے ان تمام سکوں کو دیکھا ہے۔ ان میں کسی پر بھی وہ شعر نہیں۔ انگریزی تاریخوں میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے ورنہ انگریزی مورخ ضرور اس کو شہرت دیتے۔

رئیس اور کرنل ولکس نے بھی نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے سکّوں کا مفصل تذکرہ

اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور کتاب

"جنوبی ہند کے سکے"

میں جنوبی ہند کے تمام سکوں کا حال درج ہے۔ اس میں بھی نواب اور سلطان کا تذکرہ آیا ہے مگر مذکورہ بالا شعر کا کہیں ذکر تک نہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے اقتباس دیا جاتا ہے:۔

"نواب حیدر علی نے اپنا پہلا سکہ فتح بدنور کے بعد رائج کیا۔ یہ سکہ بہادری ہن کہلاتا تھا۔ اس پر ایک جانب سیوا اور پاروتی کی تصاویر اور دوسری جانب نقطوں کے دائرہ میں اپنا نام مضروب تھا۔ (ح)

بنگلور میں بھی اسی قسم کا سکہ رائج تھا۔ جس کا نام بنگلوری ہن تھا۔

ٹیپو سلطان کے زمانہ میں اس سکہ کا نام سلطانی ہن ہو گیا۔ اس پر ایک طرف

ہن سلطان العادل سنہ

اور دوسری جانب حیدر علی کا دستخط "ح" اور سنہ جلوس سلطانی اور شہر کا نام مضروب تھا۔

نواب حیدر علی اور سلطان کے جس قدر سکے تھے۔ انکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

سونے کے سکے

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نگر (حیدر نگر)	بہادری ہن	نواب حیدر علی	سیوا اور پاروتی کی تصویر	(ح)
بنگلور	"	"	"	"
کالی کٹ	"	"	"	"
"	نصف ہن	"	"	"
"	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	کالی کٹ سنہ ۱۱۹۶ھ	(ح)

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سرنگاپٹم	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	ضرب پٹن سنہ	(ح)
"	" (دویم)	"	"	"
نگر	نگر صالح ہن	"	ضرب نگر سنہ ۱۲۰۰ھ	"
"	دہوٹی ہن	"	فرحی سنہ ۱۲۱۵ھ	"
"	راحتی	"	ضرب[1] خالق آباد سنہ ۱۲۱۷ھ	"

[1] خالق آباد دنڈیگل کا نام ہے۔ رئیس لکھتا ہے کہ یہ چنڈگل کا نام ہے جو سرنگاپٹم سے تھوڑی دور پر واقع ہے

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
بادشاہی ہن	حیدر علی	(با) لاپو (ر)	(ح)
چک بالاپور ہن	"	(با) لاپو (ر)	مرہٹی زبان کے حروف
سلطانی اشرفی (احمدی)	ٹیپو سلطان	دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است ضرب پٹن سال اول سنہ ۱۱۹۷ھ	وہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ ۲ جلوس
سلطانی نصف اشرفی (صدیقی)	"	صدیقی ضرب سال سرا	سنہ جلوس

چاندی کے سکے

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نقرہ (حیدری)	ٹیپو سلطان	دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است ضرب پٹن سال ازل سنہ ۱۱۹۵ھ	وہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ ۲ جلوس
سلطانی روپیہ (امامی)	"	"	"
سلطانی آدہا روپیہ (عابدی)	"	"	"
سلطانی پاؤ روپیہ (باقری)	"	اللہ محمد ہو السلطان العادل ۱۲۱۵ھ	باقری سنہ پٹن

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سلطانی ½ روپیہ (جعفری)	ٹیپو سلطان	محمد سنہ ۱۲۲۶ ضرب پٹن	جعفری سنہ ۱۲ جلوس
" ۱/۱۶ " (کاظمی)	"	"	کاظمی
" ½ آنہ (خضری)	"	ضرب دار السلطنت	خضری سنہ ۱۲ جلوس

(ٹیپو سلطان کی جدت طبع نے تمام سکوں کو نام دے دیا تھا۔)

سلطنت خداداد کے جس قدر سکے کپتان ٹل کو دستیاب ہوئے تھے۔ ان تمام کا عکس اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ وہی عکس (دو عدد پلیٹوں کے ذریعہ) اس کتاب میں بھی دیا گیا ہے۔ ہر سکے کے ساتھ نمبر دیا گیا ہے اور اسکی تشریح ذیل میں کر دی گئی ہے۔

پلیٹ نمبر ۱

۱۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی

ایک جانب۔ دین احمد درجہاں روشن ز فتح حیدرؒ است

دوسری جانب۔ ہوالسلطان الوحید العادل سوم بہاری سنہ ۳ جلوس

۲۔ سلطانی اشرفی۔ سونا

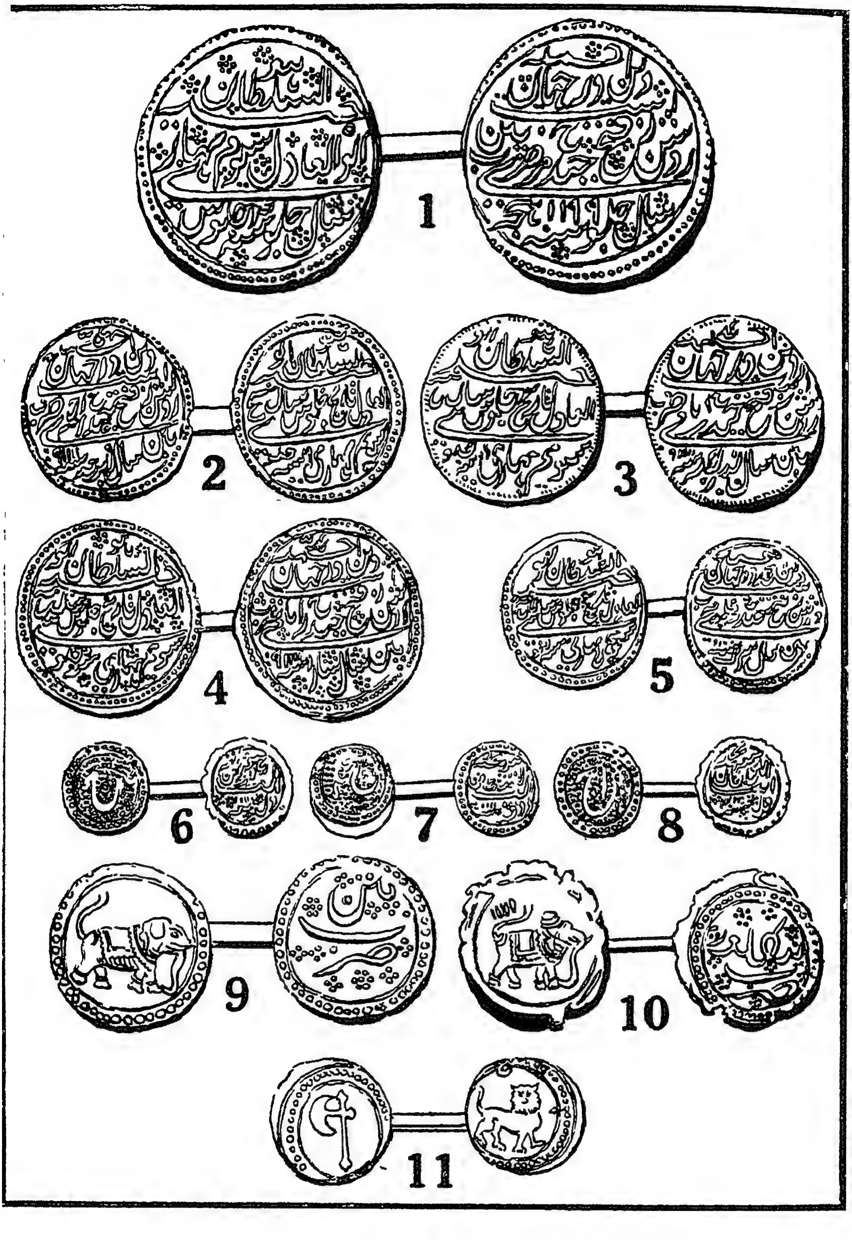
ایک جانب۔ دین احمد درجہاں روشن ز فتح حیدرؒ است ضرب پٹن سال زبرجد سنہ ۱۲۱۹

دوسری جانب۔ ہوالسلطان الوحید العادل: تاریخ جلوس سال سنح سویم بہاری ۹ سنہ جلوسی

(اس سکہ کا نام احمدی تھا)

۳۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی } عبارت وہی ہے جو اشرفی پر ثبت ہے۔
۴۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی }

۴ سلطانی نصف روپیہ۔ چاندی



سلطنت خداداد کے سکے

پلیٹ نمبر ۱

ایک جانب ۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدرؔ است ۔ ضرب پٹن سال سراب ۱۲۱۲ سنہ

دوسری جانب ۔ ہوالسلطان الوحید العادل ۔ تاریخ جلوس سال سنخ سویم بہاری ۹ سنہ جلوسی

۶ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ہوالسلطان العادل محمد ۱۲۰۱ سنہ

دوسری جانب ۔ پٹن ح

(نوٹ :۔ ن کو ح لگایا گیا ہے ۔ مراد حیدر سے ہے اور پٹن سے مراد سرنگاپٹم ہے ۔)

۷ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا (ضرب حیدر نگر)

ایک جانب ۔ ہوالسلطان العادل محمد ۱۲۱۰ سنہ

دوسری جانب ۔ نگر ح

۸ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (دارالضرب کا نام ج ا ہے ۔ معلوم نہیں ج ا سے مراد کونسا شہر ہے ۔ غالباً جمال آباد (کنانور) ہوگا ۔

عبارت وہی ہے جو نمبر (۶) اور (۷) کی ہے ۔

۹ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ضرب پٹن ۔

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ سال درج نہیں ہے)

۱۰ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بنگلور)

ایک جانب ۔ ضرب بنگلور

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ ہاتھی کی دم پر سنہ ضرب ۱۲۱۱ درج ہے)

۱۱ ۔ سلطانی آدھا پیسہ ۔ تانبہ ۔ ایک جانب شیر ۔ دوسری جانب تبر

پلیٹ نمبر ۲

۱ ۔ سلطانی بڑا پیسہ ۔ تانبہ

ایک جانب ۔ سلطنت کا شاہی نشان ۔ یعنے ہاتھی جس کی پشت پر سلطنت کا علم ہے ۔

(نوٹ :۔ علم پر چمکتا ہوا پورا سورج دکھایا گیا ہے)

دوسری جانب ۔ ضرب دارالسلطنت ۔ عثمانی ۔ فرخی

۲ ۔ سلطانی پاؤ روپیہ ۔ چاندی ۔ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ہوالسلطان الوحید العادل محمد سنہ ۱۲۰۶

دوسری جانب ۔ ح پٹن باقری سنہ ۶

(نوٹ. باقری سکہ کا نام ہے . اور اسکو فنم کہا جاتا تھا . جو موجودہ ۲ کے برابر تھا)

۳ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فیض حصار)

ایک جانب ۔ ضرب فیض حصار

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۱۲۱۸ (نوٹ :۔ فیض حصار سے مراد گتی ہے)

۴ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بے نظیر)

(نوٹ :۔ بے نظیر سے مراد ہولے ہنور ہے)

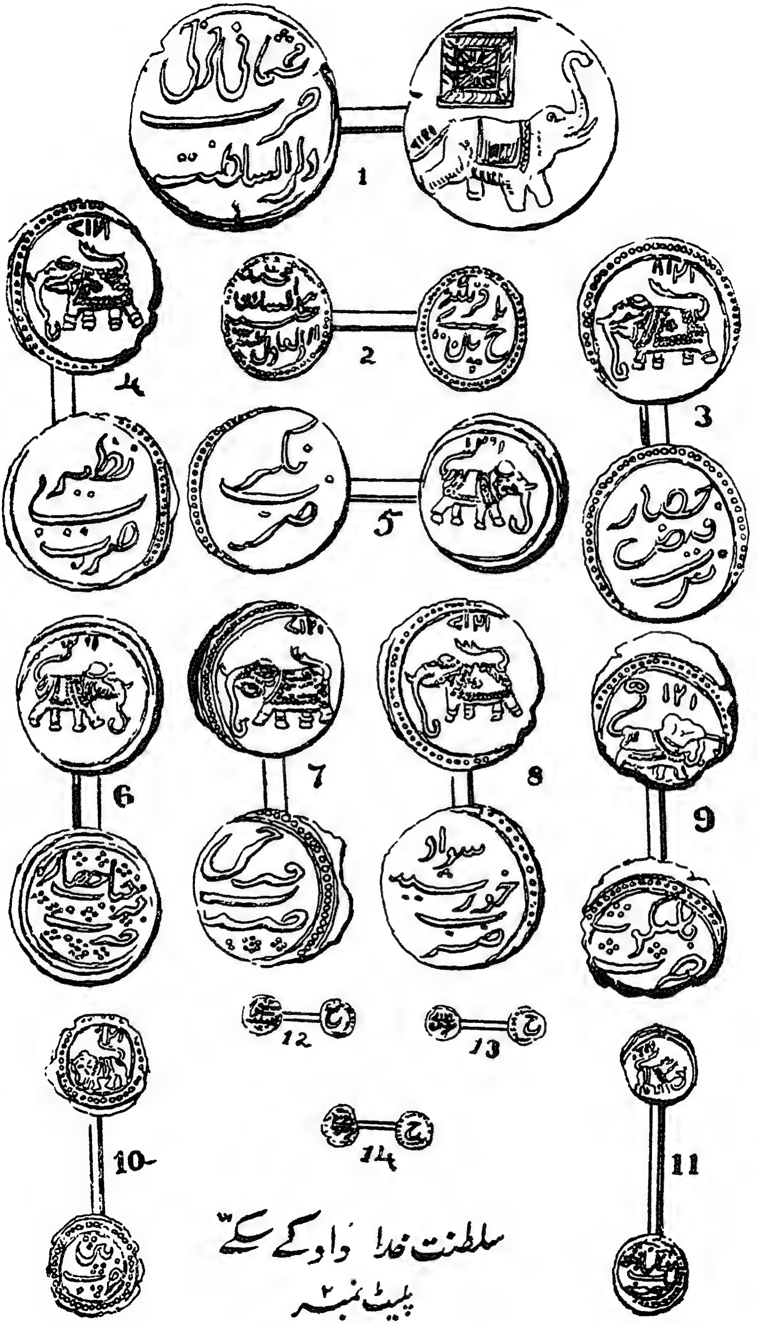
۵ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب حیدر نگر)

۶ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فرخیاب حصار سنہ ۱۲۰۱)

۷ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب فرخی)

۸ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب خورشید سواد)

(نوٹ :۔ خورشید سواد سے مراد دھارواڑ ہے)



سلطنت خداداد کے سکے
پلیٹ نمبر ۲

۹۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ ۔ (ضرب کلی کوٹ = کلی کٹ)

۱۰۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب سرنگا پٹم)

۱۱۔ سلطانی آدھا پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بنگلور)

۱۲، ۱۳، ۱۴ ۔ نواب حیدر علی کے سکے ہیں۔ (تصویر آدھے پیسے کی دکھائی گئی ہے)

ایک جانب صرف ح لکھا ہوا ہے ۔ اور دوسری جانب دارالضرب کا نام ہے

کرنل ہنڈرسن کی رائے سلطانی سکوں کے متعلق :۔

"ٹیپو کے سکے دیکھ کر مجھے اس کی غیر معمولی قابلیت اور جدت طبع کا اعتراف کرنا پڑتا ہے ۔ اس نے سکوں میں اپنی جدت کا جو نمونہ پیش کیا ہے ۔ وہ حد درجہ حیرتناک ہے"۔

محکمۂ تعمیرات

سلطنتِ خداداد کی تعمیرات میں قلعوں کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ جو ملک کے طول و عرض میں بے شمار بنائے گئے تھے ۔ اور آج بھی انکے آثار ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔

سلطنت کے فوجی انتظام میں یہ بتلایا جا چکا ہے ۔ کہ فوج میں پانیر یا سفر مینا کی پلٹنیں بھی تھیں ۔ جن کے ذمہ قلعوں اور فوجی بارکوں کی تعمیر تھی ۔ اسکے علاوہ سول کاموں کے لئے ایک علیحدہ محکمہ تھا ۔ جس کا عملہ تالابوں کی دیکھ بھال ۔ پشتوں کی تعمیر و درستگی پر مامور تھا نواب حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان ۔ انہیں اپنی ۳۲ سالہ مدت حکومت میں جنگوں سے اس قدر فرصت نہیں ملی کہ وہ دوسری تعمیرات پر توجہ کرتے ۔ لیکن جس قدر بھی ہو سکا ۔ انہوں نے اس طرف توجہ کی ۔ ان تعمیرات میں قابل الذکر عمارات حسب ذیل ہیں ۔

سرنگاپٹم میں مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، گنبد اعلیٰ، دریا دولت باغ ۔ سلطانی محل

بارہ دری یا سرنگاپٹم کے لال باغ کا رنگین محل ۔ بنگلور میں سلطانی محل اور مسجد ۔ چیتلدرگ میں محل اور مسجد ۔ نگر میں محل اور مسجد ۔ ہوسکوٹہ میں عیدگاہ ۔ کولار میں نواب حیدر علی کی والدہ کا مقبرہ ۔

مسجدیں یوں تو بہت سے مقامات پر تعمیر ہوئیں جو فن انجنیری یا خوبصورتی کے لحاظ سے نا قابل ذکر ہیں ۔

اوپر جن عمارات کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ان میں موجودہ وقت سرنگاپٹم میں دریا دولت باغ ۔ گنبد اعلے ۔ مسجد اقصے اور مسجد اعلیٰ باقی ہیں ۔ چیتلدرگ میں مسجد، کولار میں مقبرہ ، اور بنگلور میں محل کا ایک حصہ باقی ہے ۔

بنگلور میں جو مسجد سلطان نے تعمیر کی تھی وہ اپنی صنعت کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں پہلی مسجد تھی ۔ اس کا ایک نقشہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد مراقشی تعمیر کا نمونہ تھی ۔ اور اس پر صرف ایک مینار تھا ۔ یہ مسجد موجودہ گوہی پورم (سٹی) کے پہاڑی پر تھی ۔ اس وقت یہاں مندر بنا ہوا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ عربی تاجر جب یہاں آتے تھے تو اسی جگہ اترتے تھے ۔ اور یہاں ایک قسم کا پتھر جس پر آنکھ کا نشان بنا ہوتا تھا ۔ ملتا تھا ۔

بنگلور میں سلطانی محل پر جو کتبہ لگا ہوا تھا ۔ اس پر یہ قطعہ کندہ تھا :-

تا بنائے محل بشوکت شد	سر باوج فلک زبہجت شد
واہ چہ فرخ محل بنائے رفیع	برتر از آسماں زرفعت شد
ہست آئینہ خانہ بصفا	ہر کسش دید محوِ حیرت شد
گوئی از فرش بود زکف چرخ	چرخ زاں سرنگوں زخجلت شد

وصف این قصر را شنید مگر — زاں فریدوں بخواب غفلت شد

جستمش از حساب زر تاریخ — گفت ہاتف کہ بیتِ عشرت شد

چوں شد این قصر تازہ نقش تمام — صوتِ چینی خجل ز غیرت شد

جستم از خضرِ عقل تاریخش

گفت لا ریب رشکِ جنت شد

۱ ۲ ۰ ۶

(یہ کتبہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے)

ان تعمیرات کے علاوہ مختلف قلعہ داروں نے بھی اپنے اپنے مقامات پر مسجدیں اور قلعے تعمیر کئے تھے۔ جن میں مثال کے طور پر قلعہ کپّل کا تذکرہ تاریخ سلطنت بیجا پور سے اقتباس لیکر کیا جاتا ہے۔

قلعۂ کپّل

علاقۂ حیدر آباد کپّل میں جو اس وقت نواب سالار جنگ کی جاگیر ہے۔ پہاڑ پر نواب حیدر علی کے زمانہ کا ایک قلعہ ہے۔ قلعہ کے اندر کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ اس قلعہ کے تین دروازے ہیں۔ جن میں ایک ٹیپو سلطان کے نام پر سلطانی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:-

اللہ — بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ -

مالک این قلعہ را بود بہادر نواب ٹیپو سلطان از و طالع شدہ آثار کل عمارت تیار کرد

فدوی قلعہ دار محمد خاں بہلمی نہادہ ام در سلطان باب

سنہ ۱۱۹۸ ہجری

دوسرے ایک دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

اَللّٰہُ کَافِی

حَمْداً کَثِیْراً دروازۂ مکّہ بالقاب معظّمہ مزین شدہ

۱۱۹۳ھ

بندۂ نیاز نشان محمد عثمان ساکن کولار جنوبی و تار یہ حسب آب خورش حسب الامر جلیل القدر نواب نامدار فلک اقتدار سپہر مدار خورشید رکاب صاحب السیف والقلم حاکم الملک والعلم یعنے نواب حیدر علی خان بہادر عرف فتح حیدر دام السلطنۃ وعظمۃ بنائے طیاری قلعۂ کپّل و مت داد - جا بجا نیز بیا یہ نہج فرنگ و کارٹانکہ و نہر و خندق وغیرہ ترتیب یافت۔

یازدہم ذی قعدہ ۱۱۹۲ھ ہجری

(قلعہ کے پاس "چاند کٹہ" پر یہ کتبہ ہے)

درین ایام عمل نواب بہادر — عمارت ساخت در کپّل نوادر
نوادر کار شد او یافت نامی — قلعہ دار از محمد خان بہلی
نخستین ز آب قلت یافت عالم — بہائیم طیر جملہ نسل آدم
ز دریا فیض بکشایند او شاں — قلعہ گچی و مٹی را حتے داں
نہادند نام او را چاند کٹہ — بنز واست بر سر او جوگی بنڈہ
بہ عقلش آنکہ شد از اطراف تیلاب — میان جل پڑے بر آب سیلاب
بماند یادگارے تا قیامت — نمونہ قتہ بہ کپّل را سلامت
مرتب شد درین رجب مہ نو — سنہ ہجری یکہزار صد و پنجاہ نو

ٹیپو سلطان کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار وغیرہ

حلیہ میجر آلن کی تحریر جو پہلے دی جا چکی ہے۔ اس میں سلطان کا حلیہ لکھا جا چکا ہے صاحب نشان حیدری اسکی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"سلطان گندمی رنگ کا تھا، اس کی ناک خمدار، آنکھیں پُرآب اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرہ کے خط و خال نہایت نازک تھے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے تھے سلطان داڑھی منڈایا کرتا تھا۔ گردن پر بل پڑتے تھے۔ قد پانچ فیٹ اور آٹھ انچ تھا"

لباس سلطان بالکل سادہ اور شرعی لباس پہنتا تھا۔ اور اپنی دستار پر اور ٹھڈی کے نیچے سفید رومال باندھتا تھا۔ کمر کی پیٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتا تھا۔ پالکی اور اس قسم کی سواریوں سے اس کو نفرت تھی۔

طرز گفتگو و زبان سلطان کا طرز گفتگو بالکل ملایم اور شیریں تھا۔ سلطان کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں نکلتا تھا۔ اکثر یہی جملے زبان پر رہتے کہ گیدڑ کی سَو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔

سلطان زیادہ تر فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو کنڑی اور دکھنی پر بھی کامل عبور تھا۔ صاحب حملات حیدری لکھتے ہیں :۔

"وہ مغفور ہر ایک علم سے بقدر ضرورت بہرہ ور تھا۔ گفتگو فارسی زبان میں کیا کرتا۔

محتاط ایسا کہ کسی امر میں بمصداق خیرالامور اوسا طہا کے اعتدال سے قدم باہر نہ رکھتا ایسی مزاح وہذل کا جس سے کسرشانِ اسلام کی پائی جائے. کیا امکان کہ اس پیروِ شریعت کی مجلس میں مذکور نکلے۔"

غیرت وحمیّت

تمام عمر سلطان نے خود کسی کو ہاتھ اٹھاکر سلام نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کو سلام کی اجازت دی. جس دن ۱۷۹۲ء میں میسور کی تیسری لڑائی کے بعد سلطان کو محصور ہوکر مجبوراً صلح کرنی پڑی. اور لارڈ کارنوالس کو ایک بڑا علاقہ اور دو بیٹے بطور یرغمال دینے پڑے تو اس دن سے لیکر شہادت کے دن تک سلطان نے کبھی چارپائی پر نہیں سویا. زمین کے فرش پر کھدر کے ایک موٹے کپڑے پر سوتا تھا. اور قسم کھالی تھی کہ جب تک انتقام نہ لیا جائیگا. چارپائی پر سونا میرے لئے حرام رہیگا: وہ تضحیک وتمسخر کی باتیں سخت ناپسند کرتا تھا. اور کسی کو اس کے آگے ایسی باتیں کرنیکی جرأت نہ ہوتی تھی.

سادگی

مسلمانوں کے اختلال کو دیکھتے ہوئے سلطان نے معلوم کرچکا تھا کہ جبتک مسلمان عجم وہند کے خصائص جوان میں سرایت کرگئے ہیں. نہ چھوڑیں گے اور جبتک زمانۂ خیرالقرون کی سادہ زندگی اختیار نہ کریں گے. وہ دنیا میں ترقی نہیں کرسکتے اس لئے اس نے تمام تکلفات کو برطرف کردیا. نشست وبرخاست، آداب وسلام اور تحریر و تقریر میں جوسادگی اس نے اختیار کی. وہ آپ اپنا نمونہ ہے. اس سے پہلے یعنے مغلیہ حکومت کے زمانے سے آداب وسلام کے طریقوں میں کئی کئی بار جھک کر بلکہ زمیں بوس ہوکر سلام کیا جاتا تھا. اور ہاتھ باندہکر کھڑا ہونا تو ایک معمولی بات تھی. یہاں تک کہ مساجد میں بھی امیروں کی تعظیم وتکریم شروع ہوگئی تھی. مسجدوں میں انسانونکی تعظیم وتکریم روکنے کیلئے خود سلطان نے مسجد میں

علیحدہ دروازے سے آکر نمازیوں میں شامل ہوجاتا تھا۔

روزانہ مشاغل

سلطان علی الصباح بیدار ہوتا۔ اور نماز صبح کے بعد ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن مجید کرتا۔ جس کے بعد آدھا گھنٹہ توشک خانہ میں جواہرات وغیرہ کا معائینہ فرماتا۔ اور سیر کے لئے جاتا۔ واپسی کے بعد ناشتہ کرتا۔ اور اس وقت سلطان کے ساتھ تین چھوٹے شاہزادے اور ایک منشی ہوتا۔ اکثر خطوط ناشتہ کے وقت لکھائے جاتے تھے۔ غذا میں زیادہ تر پھل اور دودھ ہوتے۔ ناشتہ کے بعد فوج کا معائینہ کیا کیا جاتا۔ محل کو واپسی کے بعد باہر کے آئے ہوئے خطوط اور رپورٹ سنائے جاتے۔ اور احکام جاری ہوتے۔ رات کو کھانے پر بڑے شہزادے اور افسران سلطنت ضرور حاضر رہتے۔ کھانے کے وقت اکثر تاریخ اور شعراء کا تذکرہ ہوتا۔ سونے سے پیشتر چہل قدمی کی جاتی۔ جس کے بعد سلطان نیند آنے تک کسی کتاب کا مطالعہ کرتا۔ غذا دن میں صرف دو وقت تھی۔

سلطان کی روزانہ مصروفیت کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ پر لکھتا ہے:-

" ٹیپو میں ایک سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ دن بھر بغیر آرام لینے کے سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور ہر کام قرینہ اور باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ وہ روزانہ اس قدر خط و کتابت اپنے ہاتھ سے کرتا تھا کہ دیکھ کر اس کی جفاکشی اور اس کے دل و دماغ پر حیرت ہوتی ہے "۔

چونکہ اوپر کی تحریر میں سلطان کی خط و کتابت کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے یہاں سلطان کے ان چند مکاتیب کی نقل دی جاتی ہے۔ جو روزانہ وہ اپنے افسروں، ایجنٹوں اور دوسروں کو لکھتا تھا۔ ان مکاتیب سے اسکی حیرتناک قابلیت اور عالی دماغی کا پتہ چلتا ہے اور کسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کیسی عظیم المرتبت تھی۔

سلطنت کا روزمرہ انتظام

مکاتیب سلطانی

ان مکاتیب کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ "ان کے ذریعہ سلطنت کے روزمرہ انتظام اور سلطان کی مصروفیت کا پتہ چلتا ہے"۔ میسور گزیٹیر کا مصنف لکھتا ہے کہ "ٹیپو میں یہ ایک بڑا وصف تھا۔ کہ وہ ہمیشہ سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور جس قدر روزانہ خط و کتابت ضروری ہوتی تھی۔ اس کا انجام اسی دن ہوتا تھا"

(نوٹ :۔ ان خطوط پر سنہ ہجری اور سلطان کا ایجاد کردہ سنہ بہاری لکھا ہوا تھا لیکن سہولت کیلئے انہیں سنہ عیسوی میں منتقل کیا گیا ہے۔)

(۱) خط بنام شیخ احمد۔ مورخہ ۲۸ر جون ۱۷۸۵ء

تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری مرضی کے مطابق تمہیں امور تجارت کی ذمہ داری دی جائے گی۔ تمہارے کارخانے کیلئے ایک مناسب جگہ کے ساتھ پیشگی رقم بھی دی جائیگی۔ کہ تمہیں اپنے کاروبار میں سہولت حاصل ہو۔ جو کچھ منافع حاصل ہو دو سال تک وہ خاص تمہارا حصہ ہوگا۔ اس عرصہ میں تمہارے مال تجارت پر بھی کوئی محصول نہیں لیا جائیگا۔ اس لئے فوراً حضوری میں چلے آؤ۔

(۲) خط بنام نور محمد خاں۔ مورخہ ۱۴ر ستمبر ۱۷۸۵ء

سنا گیا کہ تم نے راؤ رستہ کی طلبی پر بھی دفتر میں حاضر ہونے سے انکار کردیا۔ اس کا سبب ایک مسلمان عورت کو بتلایا جاتا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ اگر اس عورت کو چھوڑ دیا جائے تو تم حاضر ہونگے۔ یہ بیان سن کر نہایت تعجب اور حیرت ہوئی۔ ملکی لوگوں میں ہمیشہ اسی طرح کے خانگی جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے سرکاری کاموں کو نظر انداز

کرتے ہوئے راؤ رستہ کے پاس حاضر نہ ہونے کی تمہیں کیا ضرورت پیش آئی؟

آئندہ کیلئے تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ خانگی معاملات میں دخل مت دو۔ اور بحیثیت سرکاری ملازم کے صرف سرکاری معاملات سے ہی تعلق رکھو۔

(۳) خط بنام محی الدین علی خاں۔ مورخہ ۲۱؍اگست ۱۷۸۵ء

تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ دفتر میں حاضری کے عوض تم اپنا سارا وقت گھر میں گذارتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تمہیں ایک مناسب وقت دفتر میں گزار کر کے وہاں امور سرکاری کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ کسی شخص کو بھی سرکاری کام کے متعلق گھر پر آنے کی تکلیف نہیں دینا چاہیئے۔

(۴) خط بنام سید محمد قلعدار سرنگاپٹم۔ مورخہ ۲؍ستمبر ۱۷۸۵ء

اطلاع ملی ہے کہ متصدی کرشنا راؤ کو دیوانہ کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ اس لئے ہماری یہ خواہش ہے کہ مذکور متصدی کو حکیم محمد بیگ کے پاس بھیجا جائے۔ کہ ٹھیک علاج کرے۔ مذکور متصدی سے یہ بھی کہا جائے کہ زخم کو بند کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ چھ ماہ تک کھلا رکھے کہ تمام مواد نکل جائے۔

(۵) خط بنام غلام حیدر۔ مورخہ ۱۲؍اکتوبر ۱۷۸۵ء

تم نے بعض اشیا کا بازاری نرخ مقرر کرنے کیلئے یہاں کے متصدیوں سے قیمتیں دریافت کی ہیں۔ بوڑھاپے نے تمہارے حواس پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں کے متصدیوں کی بہ نسبت مقامی متصدی وہاں کے بازار کا نرخ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اس لئے ضروری اطلاعات وہیں کے متصدیوں سے حاصل کی جائیں۔

(۶) خط بنام امام مسقط۔ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۷۸۵ء

ایک دیسی کشتی (دہو) جو رتن جی اور جیون داس تاجران مسقط کی ملکیت ہے، طوفان کی وجہ سے شکستہ ہو کر ہمارے بندرگاہ بھٹکل میں آگئی ہے۔ اگرچہ ملکی قانون کے مطابق اس جگہ کے حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اس پر قبضہ کرلے۔ لیکن سرکار خداداد اور سرکار مسقط میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ تاجر آپ کی رعایا ہیں۔ اس لئے اس کشتی اور تمام مال کو ان تاجروں کے حوالے کرکے اس خط کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔

(۷) خط بنام میر کاظم۔ مورخہ ۲۵ر نومبر ۱۷۸۵ء

بعد دریافت یہ معلوم ہوا ہے کہ جزیرۂ دراز کے کسی حصہ میں زعفران پیدا ہوتی ہے وہاں کے دو مقامی باشندوں کو سرکاری ملازمت میں لیکر ان کو یہاں روانہ کردیا جائے اور ان کے ساتھ دو من بیج بھی بھیجے جائیں۔

معلوم ہوا ہے کہ صندل اور کالی مرچ ابھی تمہارے پاس باقی ہے۔ اب اور زیادہ مال بھیجا جارہا ہے۔ ان اشیاء کو فوراً فروخت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ یہ مشہور کرو کہ تمہیں حکم ملا ہے کہ مسقط میں انکی فروخت بند کرکے ان اشیا کو جدہ بھیجدیا جائے۔ اگر یہ بات اچھی طرح مشہور ہو جائے تو ان چیزوں کی قیمت وہاں بڑھجائے گی۔ اس وقت جب فی من بحیثیت[۲۵] یا تیس[۳۰] پگوڈہ قیمت بڑھجائے تو اس وقت فوراً ان اشیاء کو فروخت کردو۔

(۸) خط بنام ارمنی تجار مورخہ ۲۹ر نومبر ۱۷۸۵ء

معلوم ہوا ہے کہ تم سامان تجارت لیکر انگریزی یا پرتگالی جہازوں میں آنے والے ہو۔ اور اسکے لئے تم خاص اجازت چاہتے ہو۔ تمہارے ارادے اور خواہش کے مطابق حکم دیا جاتا ہے کہ تم بندرگاہ منگلور یا کلی کٹ میں بالکل اطمینان سے اتر سکتے ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے

کہ جن چیزوں کی ہم کو خواہش ہے انہیں ایک مناسب قیمت پر سب سے پہلے ہمارے پاس فروخت کیا جائے۔ اور باقی اشیا تم اپنی مرضی سے فروخت کر سکتے ہو۔ تمہاری رہائش وغیرہ کے متعلق ارشد بیگ خاں فوجدار کلی کٹ اور غلام حیدر عامل منگلور کو پروانے بھیجدیئے گئے ہیں۔ تم جہاں چاہو اتر سکتے ہو۔

(۹) خط بنام ناظم اصطبل فیلاں مقام حیدر نگر۔ ۱۷ فروری ۱۷۸۵ء

تمہاری عرضی موصول ہوی تم لکھتے ہو کہ تمہارے دفتر کے متصدی آرام طلب ہوگئے ہیں۔ اور ابھی تک نگر میں اس لئے مقیم ہیں کہ تعلقدار سے بعض معلومات حاصل کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پندرہ دن کے عرصہ میں سوائے نگر کے حسابات کے دوسرے مقامات کے حسابات ابھی تک تیار نہیں ہوے۔ مہلت طلبی کیلئے تمہاری یہ عرضی نہایت تعجب خیز ہے جب کبھی تمہارے محکمہ کے متصدی تمہاری مرضی کے مطابق کام نہ کریں۔ انہیں سخت سزا دی جائے۔

(۱۰) خط بنام محی الدین علی خاں۔ مورخہ ۵ جنوری ۱۷۸۶ء

تم لکھتے ہو کہ کسی جگہ قلعی زمین میں دریافت ہوی ہے۔ اور تم نے بذریعہ ڈاک اسکے سات ٹکڑے بطور نمونہ بھیجے ہیں اور دریافت کیا ہے کہ آیا یہ قلعی بیلوں پر لاد کر حضوری میں بھیجدی جائے یا حضوری سے کسی آدمی کو روانہ کیا جائیگا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ قلعی سد ہوٹ کے قلعے میں جمع کیجائے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں زمین میں قلعی رہتی ہے۔ وہاں نیچے چاندی کی کان پائی جاتی ہے۔ اس لئے تم وہاں کی تھوڑی سی مٹی جمع کر کے رکھو۔ یہاں سے ماہرین جماوات کو روانہ کیا جائیگا۔

(۱۱) خط بنام غلام علی خاں۔ مورخہ ۷ر جنوری ۱۷۸۶ء

حال میں سرکار خداداد کے ملک میں کافور کا درخت دریافت ہوا ہے۔ اس درخت کے تیل کی دو شیشیاں تمہیں بھیجی جاتی ہیں۔ تم اپنے پیروں پر اس کا استعمال کرو۔ اور قریباً ایک تولہ شوربہ کے ساتھ اندرونی طور پر استعمال کیا جائے۔ اگر اس سے کچھ فائدہ پہونچے تو حضوری میں اطلاع دی جائے۔

(۱۲) خط بنام راجہ ملک پیگو (برما) مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۷۸۶ء

محمد قاسم اور محمد ابراہیم کے ذریعہ خدمت عالی میں دو گھوڑے اور ایک بیش بہا خلعت بھیجی جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اس لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ میسور اور پیگو کے سرکاروں میں باہمی فائدہ کیلئے تجارت کا سلسلہ قایم ہو۔ اس ملک سے جن چیزوں کی ضرورت ہو۔ انہیں وہاں بھیجا جا سکتا ہے، سنا گیا ہے کہ پیگو میں قیمتی لعل ملتے ہیں۔ اس لئے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ اپنے وزرار کو حکم دیں۔ کہ وہ لعل خریدکرنے میں ہمارے آدمیوں کی مدد کریں۔

(۱۳) خط بنام غلام علی۔ مورخہ یکم مارچ ۱۷۸۶ء

یہ ہماری خواہش ہے کہ بندرگاہ بصرہ حاصل کیا جائے۔ اس لئے یہ سنکر خوشی ہوی کہ تم بصرہ کے راستے سے قسطنطنیہ جانا چاہتے ہو۔ وہاں پہونچکر تم بندرگاہ کی حالت کے متعلق اچھی طرح دریافت کرو۔ یہاں سے نجف پہونچکر وہاں کے لوگوں سے دریافت کرو کہ اگر انکی مرضی ہو تو دریائے فرات سے ایک نہر نکالکر نجف تک لائی جائے گی۔ اور اگر انکی خوشی ہے تو یہاں سے ضروری روپیہ اور لوگ اس نہر کے نکالنے کیلئے بھیجے جائینگے

(۱۴) خط بنام بدرالزماں خاں۔ مورخہ ۵ر مارچ ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوا ہے کہ پانچ سو کرگی لوگ چیچک سے مرگئے ہیں۔ ملک کا دہ

حصہ جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے انہیں کھلے میدان میں جہاں کہ آب و ہوا انہیں راس آئے۔ رکھا جائے۔

(۱۵) خط بنام فرانسیسی جنرل مانشیور لالی۔ مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۷۸۶ء

(یہ فرانسیسی افسر ٹیپو سلطان کی فرینچ فوج کا ...)

شراب فروخت کرنے کیلئے تمہارے کیمپ میں ایک سے زیادہ دکانوں کی اجازت نہ دی جائے۔ اور یہ امتناعی حکم دیا جائے کہ سوائے یوروپین لوگوں کے سپاہیوں کے ہاتھ شراب ہرگز فروخت نہ ہو۔ بلکہ مکان پر سرکاری پہرہ رکھا جائے۔ اس لئے کہ سرکار خداداد میں شراب کی فروخت کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۱۶) خط بنام مانشیور کاسگنی۔ مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۷۸۶ء

یورپ سے ایک کتاب ابھی آئی ہوئی ہے۔ جس میں آلہ مقیاس الحرارت کے متعلق معلومات درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں یہ تحریر ہے کہ اگر کسی بخار زدہ شخص پر اس کا استعمال کیا جائے تو بخار کا درجۂ حرارت معلوم ہوجاتا ہے۔ اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرکے حضوری میں پیش کیا جائے۔

(۱۷) خط بنام تربیت علی خاں۔ مورخہ ۲ر دسمبر ۱۷۸۶ء

تم نے شکایت کی ہے کہ تمہیں خطوط کے فوری جواب سے سرفراز نہیں کیا جاتا۔ اس "بڑے آدمی" (یعنے تربیت علی خاں) کو دن بھر سوائے دو یا تین مرتبہ کھانے۔ آرام کرنے یا خوش گپیوں کے کچھ اور کام نہیں ہے۔ مگر ہم صبح سے لیکر رات تک امورات ملکی میں منہمک رہتے ہیں۔ اور جس وقت بھی فرصت ملتی ہے۔ ہم تمہارے خطوط کے جواب دینے کی طرف فوراً متوجہ ہوتے ہیں۔

(۱۸) خط بنام ارشد بیگ خاں۔ مورخہ ۲ فروری ۱۷۸۶ء

تم کو چاہیئے کہ وہاں کے تاجروں اور باشندوں کو قطعی حکم دیدو کہ وہ انگریزی تاجروں سے کوئی مال نہ خریدیں اور نہ ہی ان کے ہاتھ کوئی مال فروخت کریں۔ اگر اس طرح کیا گیا تو وہ لوگ کب تک اس ملک میں رہیں گے۔ آخر مایوس ہو کر یہاں سے چلے جائیں گے۔

(۱۹) خط بنام راجہ رامچندر۔ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ذات کا کوئی مناسب آدمی یہاں نہ ملنے سے تم اپنی بیٹی کی شادی پائین گھاٹ میں کرنا چاہتے ہو۔ اس لیئے برات کو پائین گھاٹ سے آنے کیلئے پروانہ راہداری چاہتے ہو۔ پروانہ ملفوف ہے۔ جس شخص کے ساتھ تمہاری لڑکی کی شادی ہو۔ اس کو اپنے ہی پاس ٹھہرا رکھو۔ پائین گھاٹ کو واپس بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کوشش کرکے یہاں ہی اپنی ذات برادری کا کوئی اور بر تلاش کر لو۔ ضرورت ہے کہ ملک میں آبادی بڑھائی جائے۔

علمی قابلیت

سلطان بہت بڑا منشی تھا۔ طب، تجارت، معاملات مذہبی و فوجی اور بے شمار دوسرے امور پر یکساں رائے دیتا تھا۔ اس کا ثبوت وہ مکاتیب دے رہے ہیں جو ابھی اوپر لکھے گئے ہیں۔

کرنل کرک پیاٹرک (جسکے ذمہ بعد زوال سلطنت خداداد سلطان کا کتب خانہ تھا) اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے :-

"سلطان کی تحریر دوسری تحریروں سے بالکل متمیز تھی۔ اس قدر مختصر اور پُر معنی ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ سے کئی کئی معنے نکلتے تھے۔ اس کی تحریر کا خاص وصف یہ تھا

کہ وہ ایک ہی نظر میں پہچانی جاتی تھی ۔کہ یہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے۔ الفاظ میں

تحکم پایا جاتا تھا۔"

آر۔ پیج کیمبل لکھتا ہے :۔

"سلطان نہایت آسانی سے نثر و نظم لکھتا تھا۔ اور اس کے مضمون میں ایک خاص

شان پائی جاتی تھی۔ اس نے کبھی کسی کو سلام نہیں کیا۔ اور نہ کسی سے سلام قبول کرتا تھا"

کتاب تحفۃ المجاہدین اور دوسرے کتب جیسے وقائع منازل، احکام نامہ وغیرہ سلطان کی خاص نگرانی میں لکھے گئے۔ ان کتابوں میں بہت سے مضامین اور اشعار خاص سلطان کی تصنیف ہیں۔

سلطان اپنے ہر فرمان اور دوسری تحریروں پر جو منشیوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان پر اپنے مہر لگاکر آغاز عبارت پر اپنے قلم سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا۔ اور اختتام عبارت پر اپنے دستخط ثبت کردیتا تھا۔ تاکہ اس میں کوئی اور لفظ بڑھا لیا نہ جائے۔

نوٹ :۔ کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کے فارسی وارد و ابیات اور ان میں جو احکام ہیں وہ کسی دوسری جگہ دئے گئے ہیں۔ کتاب میں مصنف کا نام

"میر زین العابدین شوستری دیا گیا ہے"

مگر مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ کتاب سلطان کے زیر نگرانی لکھی گئی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سلطان کس قدر قادر الکلام شاعر اور نثار تھا۔ اور اس سے انکی اعلیٰ جنگی قابلیت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

(نوٹ: میر زین العابدین حیدرآباد کے میر عالم کے بھائی اور سلطان کے میر منشی تھے۔ انکے متعلق کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ سازش میں شریک تھے۔ لیکن حیدرآباد اور میر عالم کی کھلی ہوئی دشمنی کو دیکھتے ہوئے

تعجب ہوتا ہے کہ سلطان نے کس طرح انہیں اس قدر ذمہ دار عہدہ دے رکھا تھا۔ زین العابدین اور صادق کو عہدوں پر بحال رکھنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سلطان کو ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا۔ اور وہ بحیثیت ایک سچا مسلمان ہونے کے دوسروں سے بھی یہی سچائی کی امید رکھتا تھا۔ محمود)

یہ اسی علمیت اور علمدوستی کا نتیجہ تھا کہ اس نے سرنگاپٹم میں اپنی سرپرستی میں جمیع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قایم کی تھی۔ اس کا خاص کتب خانہ نہایت بیش قیمت تھا۔ تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جو غارتگرانہ لوٹ ہوی۔ اس کے بعد بھی مندرجۂ ذیل نادر الوجود قلمی کتابیں یہاں موجود تھیں۔

قرآن مجید	تفسیریں	کتب وظائف	کتب احادیث	الہیات
۴۴ جلد	۴۱ جلد	۳۵ جلد	۴۲ جلد	۴۶ جلد
تصوف	علم اخلاق	فقہ	علوم وفنون (آرٹس)	فلسفہ
۵۰ جلد	۲۴ جلد	۹۵ جلد	۱۹ جلد	۴۵ جلد
نجوم	ریاضی	حکمت (طب)	تحقیق زبان	فرہنگ لغات
۲۰ جلد	۷ جلد	۶۲ جلد	۴۵ جلد	۲۹ جلد
نظم کی کتابیں	ہندی اور دوسری نظم کی کتابیں	ہندی اور دکھنی انشا	ترکی نثر	قصص وحکایات
۱۹ جلد	۲۳ جلد	۴ جلد	۲ جلد	۱۸ جلد

یہ کتب [illegible] کمتب کے تمام کا تمام ولایت بھیجدیا گیا۔ چند کتب کلکتہ کو بھی بھیجی گئیں۔

سلطان کے متعلق میجر اسٹورٹ اور پروفیسر آربیس۔ گھوش لکھتے ہیں کہ :-

"کتب خانہ کی ترتیب وتہذیب کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا۔ سلطان کو تصنیف وتالیف کا بھی بہت شوق تھا۔ سلطان کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق ہیں۔ سلطان نے اپنے فرامین کے متعدد مجموعے تیار کرائے تھے۔ جو اس وقت بھی یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سلطان جو کتاب مطالعہ کرچکتا تھا۔ اس پر مہر لگا دیتا تھا۔ اس طرح اکثر کتابوں پر مہریں ثبت تھیں۔"

۱۷۹۹ء میں جب سرنگاپٹم پر انگریزی تسلط ہوا تو یہ کتب خانہ چھ سال تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ اسکے بعد میجر اسٹورٹ نے عربی فارسی اور اردو مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی جو ۱۸۰۸ء میں بمقام کیمبرج چھپ کر شائع ہوئی۔

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال میں جو کتابیں سلطانی کتب خانہ کی ہیں۔ انکی تفصیل یہ ہے:۔

رسالہ پندکھا۔ منتخب ضوابط سلطانی۔ رسالہ کچہری۔ ضابطہ امثال۔ راہ رفتن و سواری۔ فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) وقائع منازل۔ روزنامہ وکلاء حیدرآباد اتالیق شاہزادہ۔ مجموعہ سندات۔ حکمنامہ۔ فرمان۔ فرامین۔

اردو کی تمام کتابیں انڈیا آفس لائبریری میں ہیں۔ جن میں میجر اسٹورٹ نے اپنی فہرست میں حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:۔

نام کتاب	مصنف	تصنیف	مختصر کیفیت
تذکرۂ شعرائے ہندی	فتح علی حسین	۱۱۶۵	بمقام دہلی۔ اس میں ایک سو شعرا کے حالات ہیں۔
علی نامہ	ملا نصرتی	۱۰۷۱	مصنف علی عادل شاہ بیجاپور کا درباری شاعر

نام کتاب	مصنف	تصنیف سنہ	مختصر کیفیت
			ہے یہ کتاب شاہنامہ فردوسی کے جواب میں شاہنامۂ دکن ہے۔
گلشن عشق	ملا نصرتی	۱۰۶۸	مجموعہ غزلیات۔ کتاب مصور ہے۔ چار ہزار غزلیں ہیں۔ تصویریں آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔ ضخامت تین سو صفحات۔
کلیات قطب شاہ	محمد قلی قطب شاہ	۱۰۶۸	قطب شاہ فرمانروائے گولکنڈہ کا فارسی اور دکنی کلام۔ صفحات ۱۶ سو
قصۂ رضوان شاہ روح افزا	فائز	۱۰۹۴	ایک ضخیم مثنوی ہے۔ (فائز ایک دکھنی شاعر ہے) صفحات تین سو
قصۂ ماہ پیکر	"		قصہ
قصہ بہرام و گل اندام	طبعی باشندہ گولکنڈا	۱۰۸۱	مثنوی ۱۳۴۰ ابیات ہیں۔ ننانوے صفحات
پھول بن	ابن نشاطی	۱۰۶۶	ابن نشاطی عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا۔ کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت مختلف مضامین نظم و نثر ہیں۔ کتاب مصور ہے
طوطی نامہ	"	۱۰۹۴	قصہ
قصہ پدمات و دکھنی	"	"	قصہ
قصۂ [illegible]	عارف الدین خاں عاجز باشندہ دکن	۱۱۰۰	کتاب اردو زبان میں ہے اسکا ترجمہ سلطان شہید کے حکم سے فارسی میں میر حسن عزت نے سنہ ۱۱۹۲ھ میں کیا۔

نام کتاب	مصنف	سنہ تصنیف	مختصر کیفیت
دیوانِ یقین	انعام اللہ خاں یقین	۱۱۰۰	مشہور شاعر کا دیوان
بھوگ بل	مترجم شہاب الدین	۱۱۰۰	برید شاہ کی فارسی کوک شاستر کا دکھنی میں ترجمہ کتاب گولکنڈہ میں بعہد امیت بارہ لکھی گئی ہے صفحات ڈیڑھ سو۔
مفرح القلوب	مترجم حسین علی		حسین علی سلطان شہید کا درباری شاعر اور ملک الشعرا تھا۔ کتاب سلطان کے نام پر معنون کی گئی ہے۔ اس نام کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ
قصۂ رضوان شاہ	فائز		فائز ایک دکھنی شاعر ہے۔ سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ صفحات ۳۰۰
قصۂ ماہ و پیکر	نامعلوم		
قصہ بہرام و گل اندام	مصنف طبعی باشندۂ گولکنڈہ		مثنوی ۱۳۴۰ ابیات ہیں سنہ تصنیف ۱۰۸۱ھ صفحات ۱۰۰
دیوان رفیع سودا	مرزا رفیع سودا		مشہور دیوان
قصائد رفیع سودا	"		مرزا سودا کے قصائد
سری گنیش			اس نام کی سنسکرت کتاب کا اردو ترجمہ
سندر سنگھار ہندی			یہ بھی سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے۔ مختلف عنوانات پر نظم ہیں۔
دھوری ہندی	شاہ درویش گجراتی		تصوف کی تین کتابوں کا ترجمہ

روضۃ الشہداء	سیوا متوطن گلبرگہ		اس کتاب کا ماخذ فارسی روضۃ الشہداء ہے
رسالہ سرود وراگ	"		قدیم دکھنی غزلیات کا مجموعہ
نشاط العشق شرح غوثیہ	مسترجم		حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ۔ موضوع کتاب نہایت نادر نسخہ ہے۔
ترجمہ مفتاح الصلوٰۃ	مترجم فتح محمد برہانی		اس نام کی فارسی کتاب کا دکھنی میں ترجمہ
خلاصۂ سلطانی	سید امام الدین و محمد صمد قاضی سرنگاپٹم		سلطان شہید کے نام سے قدیم اردو نثر میں لکھی گئی۔
کلید زبان تلنگی			یہ تلنگی ٹیچر ہے۔

انکے علاوہ ونڈسر کیسل کے کتب خانہ میں قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی موجود ہے۔ جو شہنشاہ اورنگ زیب کا تھا۔ اور سلطان ٹیپو کے خزانہ میں دستیاب ہوا۔ یہ قرآن شریف نو دہزار روپیہ کا قیمتی کہا گیا ہے۔ اور نہایت ہی نفیس خط نسخ میں لکھا ہوا عمدہ نقش ونگار سے مزین ہے۔

سلطان نے شرعی احکام کے لئے فتاوے مرتب کروائے تھے۔ سلطان کی علم دوستی کا پتہ اس سے بھی ملتا ہے کہ جمیع الامور کے نام سے جو یونیورسٹی قایم کی تھی۔ اس میں مذہب کی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

شوقِ ایجاد واختراع

علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ سلطان کو ایجاد واختراع کا بھی شوق تھا۔ اس کا یہ شوق ملک کو فائدہ پہونچانے

کی غرض سے تھا۔ سلطان سے پہلے ملک میں مغلیہ زمانے سے سنہ ہجری کا رواج چلا آتا تھا اور اس میں یہ نقص تھا کہ لگان کی وصولی میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لئے کہ لگان فصلوں کی تیاری کے بعد لیا جاتا تھا۔ سنہ ہجری کے مہینے آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تقویم بنائی۔ جس کی وجہ سے ہر مہینہ ٹھیک اسی موسم میں آتا تھا۔ جیسے اگلے موسم میں تھا۔ تقویم بنانے کے بعد اس نے مہینوں کے نام ابجد و ابتث کے حساب پر رکھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب یا ابجد کے حساب پر اگر نام رکھے جائیں تو لوگوں کو یاد رکھنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔

مہینوں کے نام

نوٹ: بحساب ابجد ان ناموں کے ہر حرف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔

بحساب ابجد	بحساب ابتث
(۱) احمدی	(۱) احمدی
(۲) بہاری	(۲) بہاری
(۳) جعفری	(۳) تقی
(۴) دارائی	(۴) ثمری
(۵) ہاشمی	(۵) جعفری
(۶) واسعی	(۶) حیدری
(۷) زبرجدی	(۷) خسروی
(۸) حیدری	(۸) دینی
(۹) طلوعی	(۹) ذکری

نوٹ: بحساب ابتث ان ناموں کے حروف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔

(۱۰) یوسفی	(۱۰) رحمانی
(۱۱) یازدی	(۱۱) راضی
(۱۲) بیاسی	(۱۲) ربانی

چونکہ ہندوؤں کے حساب سے ساٹھ سال کا ایک جگ ہوتا ہے۔ اس لئے ان ساٹھ سالوں کو بھی مذکورۂ بالا طریقہ پر نام دئے گئے۔ جو ذیل میں دئے جاتے ہیں:-

سالوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ابتث	بحساب ابجد	بحساب ابتث
۱ - احد	احد	۱۳ - جهاد	بار
۲ - احمد	احمد	۱۴ - وجد	حاجب
۳ - اب	اب	۱۵ - حاد	جسر
۴ - ابا	ابا	۱۶ - زہد	رجا
۵ - باب	باب	۱۷ - جوزا	حشر
۶ - باج	تاب	۱۸ - حی	ور
۷ - ابد	تابا	۱۹ - واحد	وار
۸ - آباد	باج	۲۰ - بدوح	راحت
۹ - جاہ	تاج	۲۱ - طیب	بارد
۱۰ - اوج	ثابت	۲۲ - طائب	چرخ
۱۱ - حج	ابد	۲۳ - یوز	خراج
۱۲ - جهد	آباد	۲۴ - کد	تاز

	بحساب ابجد	بحساب ابتث
۲۵	حاوی	خرد
۲۶	کبد	بدرتاب
۲۷	آگاہ	ورتاج
۲۸	وحید	واوار
۲۹	یاحی	زاو
۳۰	کائی	زر
۳۱	کیا	زار
۳۲	کبود	بزر
۳۳	ابل	زرآب
۳۴	دل	ستا
۳۵	دال	زرتب
۳۶	جبال	ربتاز
۳۷	زکی	ساخ
۳۸	ازل	ساغا
۳۹	جلو	دراز
۴۰	دلو	واسا
۴۱	مادہ	شا
۴۲	کبک	سارا
۴۳	جم	سراب
۴۴	جام	ستا
۴۵	آدم	زبرجد
۴۶	ولی	سحر
۴۷	والی	ساحر
۴۸	کوکب	راسخ
۴۹	کواکب	شاد
۵۰	یم	حراست
۵۱	دوام	ساز
۵۲	حمد	شاداب
۵۳	حامد	بارش
۵۴	جان	رستار
۵۵	اون	بشتر
۵۶	ہمائے	بشارت
۵۷	مجید	شرح
۵۸	کحل	رشد
۵۹	جہاں	صباح
۶۰	مجیز	ارشاد

نوٹ :- حساب ابجد و ابتث اس طرح ہے :-

(ابجد) ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ

(ابتث) ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ ی ۔ ت

سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی اختیار کیا گیا۔ جو آنحضرت صلعم کی تاریخ پیدائش سے ہے

سلطان جب کارخانوں کے ملاحظہ کو جاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اختراع فرماتا۔ اور شال، مخمل، کمخواب وغیرہ میں نئے اختراعوں کی تعلیم ضرور ہوتی تھی۔

ببری کپڑا سلطان کی خاص ایجاد ہے۔ سلطان اکثر اسی کی قبا پہنتا تھا۔ سلطان کا تخت شیر کی صورت پر بنایا گیا۔ اور محل میں جو ارغنون تھا وہ شیر کی صورت پر تھا۔

سلطان نے ایک ایسی بکتر بنائی تھی۔ جس پر گولی کارگر نہیں ہوتی تھی۔

سلطان کو شیر کی صورت سے خاص دلچسپی تھی۔ اور شیر کے بہادرانہ اوصاف سے اس کو خاص مناسبت تھی۔ اس لئے وہ اپنے اختراعات میں خاص اس کا لحاظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، اور گنبد کو بھی ببری رنگ میں رنگا گیا۔ (اب سوائے گنبد کے مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ پر سفیدی پھیر دی گئی ہے۔)

سلطان اپنی جدت پسند طبیعت کے لحاظ سے نہ خالص سیاہی سے لکھتا تھا نہ سرخی سے۔ بلکہ دونوں کو مخلوط کر کے لکھتا تھا۔

سلطان پہلے پہل اپنا دستخط اس طرح کیا کرتا تھا۔ 

بعد میں اپنا نام اڑا دیکر صرف نبی مالک اس طرح  لکھتا تھا۔

ف۔ حروف ابجد کی طرح حروف ابتث سے بھی اس لئے تاریخ نکالنے کا رواج دیا۔ اور اس کو تاریخ زر کا نام دیا گیا

اس کے شوق ایجاد نے شہروں کے قدیم نام بدل کر نئے نام دیئے :-

قدیم نام	نیا نام	قدیم نام	نیا نام
ڈنڈیگل	خالق آباد	بلاری	ثمر پٹن
کشنگری	فلک الاعظم	کوئمبتور	سلام آباد
پاؤگڈھ	خستی	قلعۂ گتی	فیض حصار
سنگل درگ	مظفر آباد	نندی گڑھ	گردون شکوہ
پنوکنڈہ	فخر آباد	میسور	نظر آباد
قلعۂ بل	منظر آباد	فیروک	فرخی
ملولی	گلشن آباد	سیرا	رستم آباد
منگلور	جمال آباد	کلیکوٹ	اسلام آباد
دیون ہلی	یوسف آباد	بنگلور	دارالسرور
ہوسکوٹہ	اسلام پور	ماگڑی	ساون گڈھ
سرنگاپٹم	ظفر آباد	قلعۂ چتلدرگ	فرحیاب حصار

سلطان نے اپنی سلطنت کا نام سلطنت خداداد رکھا تھا۔

سلطان نے جیش کا نام بدلکر "عسکر" رکھا۔ اسی لحاظ سے بنگلور چھاؤنی کو آج بھی "معسکر" کہا جاتا ہے۔ تمام کچہریوں کے نام اسمائے حسنیٰ پر رکھے گئے۔ اس نے بندوق کا نام تفنگ، توپ کا نام ورخش، بان کا نام شہاب رکھا۔ اشرفی کا نام احمدی، احمدی وصدیقی اور ہن کا نام فاروقی۔ روپیہ کا نام امامی۔ اٹھنی کا نام باقری۔ دونی کا نام کاظمی۔ آنہ کا نام آبیہ

رکھا گیا۔ ہندسوں کی تحریر بھی سیدھی طرف سے لکھنے کا حکم دیا گیا۔

زہد و تقویٰ

سلطان ہر روز بلاناغہ بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید کرتا۔ اور نماز کا اس قدر پابند تھا۔ کہ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے۔ اس موقع پر بڑے بڑے علماء اور مشائخین آئے ہوئے تھے۔ طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہ امامت کرے۔ مگر صاحب ترتیب کوئی نہیں تھا۔ اس پر سلطان نے کہا۔

"الحمد للہ میں صاحب ترتیب ہوں"

چنانچہ پہلی نماز کی امامت خود سلطان نے کی۔

"ایک دن عید کے بعد سلطان اپنی والدۂ ماجدہ کے محل سرا میں ادائے تہنیت کیلئے گیا۔ بعد تسلیم و نیاز کے وہیں ایک کمرہ میں سو رہا۔ اس اثنا میں نواب حیدر علی بہادر مرحوم کی دو منظور نظر کنیزیں جو جوان سال اور خوبصورت تھیں۔ اپنے حجروں سے نکلکر سلطان کے پاس پہونچیں۔ اور پیر دابنے لگیں۔ سلطان کی آنکھ کھلتے ہی اس کو طیش آگیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ اور خوف خدا سے کانپنے لگا اور کہا۔

"یہ تم نے کیا کیا۔ تم میری مائیں ہو۔ میں اس روسیاہی پر روز قیامت باپ کو کیا جواب دوں گا؟"

بعد ازاں ان کنیزوں کو سلطان نے خواجہ سرا کے حوالے کر دیا کہ انہیں ایسی سزا دے کہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔" (نشانِ حیدری)

سلطان کو زنا سے اس قدر نفرت تھی کہ زانیوں کو قتل کا حکم تھا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انگریزوں سے جس وقت جنگ ہو رہی تھی تو پائین گھاٹ میں معلوم ہوا کہ چند

مسلمان عورتیں گوروں سے زنا کی مرتکب ہوئی تھیں تو سلطان نے انکے قتل کا حکم دیدیا تھا۔

صاحبِ نشانِ حیدری لکھتے ہیں :۔

"سلطان اس قدر کامل الحیا تھا کہ سوائے اسکے پیر کے گھٹنوں اور کلائیوں کے اس کے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہ دیکھا۔ یہاں تک کے حمام میں بھی وہ اپنے تمام جسم کو چھپائے رکھتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان نیا کی دوسری حیرت انگیز مثال تھا۔"

اور یہ حیا اس کی ذات تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرح حیادار دیکھنا پسند کرتا تھا۔ کورگ اور ملیبار میں ہندو عورتیں زمانۂ قدیم سے سر و سینہ برہنہ کرکے باہر نکلتی تھیں۔ اور ایک مختصر سی تہ بند باندھتی تھیں۔ سلطان نے فرمان جاری کیا کہ اس طرح کوئی عورت باہر نہ نکلے۔ اور اگر نکلے تو اس کیلئے سزا مقرر تھی۔ اس وقت سے ان تمام علاقوں میں عورتیں سینوں پر ایک کپڑا ڈالتی ہیں۔ اور اسی طرح میسور میں بھی چولی پہننے کا رواج ہوا۔

رئیس اپنی تاریخ میں سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندو عورتوں کی حالت پر ایک طویل مضمون صفحہ ۴۳۲ پر لکھا ہے۔ جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"عورتوں کی حالت ہندو راج میں نہایت درجہ گری ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ ذلت کے خوف سے ایک سہمی ہوئی زندگی بسر کرتی تھیں۔ علانیہ سر بازار فروخت کردی جاتی تھیں۔ بڑے شہروں میں ان کی فروخت کیلئے خاص خاص منڈیاں تھیں اور ان منڈیوں سے راجہ کو آمدنی ہوتی تھی۔ جو سما یا چار کہلاتی تھی۔"

ملک و سوسائٹی میں ہندو عورتوں کی عزت و احترام بڑھانے کیلئے سلطنت خداداد

نے عورتوں کی فروخت کو ممنوع قرار دیدیا تھا۔ کہ کوئی عورت بے چادر باہر نہ نکلے۔

انگریزی مورخین مشرقی بادشاہوں کو بدنام کر رکھے ہیں۔ کہ وہ حرم سرایے میں صدہا عورتوں کو رکھکر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر سلطان کی ذات اس عیب سے پاک تھی۔

ولکس جیسا متعصب مورخ بھی اعتراف کرتا ہے کہ :۔

"سلطان کے محل میں کبھی تین سے زیادہ بیگمات ایک وقت میں نہیں ہیں۔ سلطان کی شادی دو بیگمات سے ہوئی تھی۔ ان میں ایک کے انتقال کے بعد ایک دوسری بیگم سے شادی ہوئی۔ سلطان کی شہادت کے وقت کوئی بیگم بھی زندہ نہیں تھی۔"

اطاعتِ والدین

سلطان نے کبھی بھی اپنے والدین کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸۹ پر لکھتا ہے:

"اس کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کا صدرجہ احترام کرتا تھا۔ ماں کی نصیحت سے کبھی اس نے بے اعتنائی نہیں کی۔ گو بعض اوقات ماں کی باتیں اس کی خواہشوں کے بالکل خلاف ہوتی تھیں۔"

انسانی ہمدردی

آج سلطان کی ہمدردی پر میسور کو فخر ہے۔ شہر میسور کے قریب چامنڈی پہاڑی پر کالی دیوی کے مندر میں ایک نامعلوم عرصہ سے دیوی کو خوش کرنے کیلئے انسانی قربانی کی جاتی تھی۔ سلطان نے اس کو سختی سے روک دیا۔ میسور گورنمنٹ سے جو کتاب راہنمائے میسور شائع ہوی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۶۱ پر یہ ذکر ہے :۔

"اس پہاڑی کا نام کالی دیوی یا چامنڈی کے نام پر رکھا گیا۔ کالی کی پوجا اس

مندر میں ہوتی ہے ۔جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے ۔ زمانۂ قدیم سے یہاں انسانی قربانی ہوتی تھی۔ جو سلطنت حیدری (سلطنت خداداد) کے زمانہ میں سختی سے روک دی گئی ؛"

یہ اسی ہمدردی کا نتیجہ تھا کہ سلطان نے اپنے تمام قلمرو میں ہر جگہ سرکاری خرچ پر یتیم خانے جاری کئے تھے ۔ گو ان کی ابتدا حیدر علی کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی۔ ان یتیم خانوں کے متعلق ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"سلطان نے ان یتیم خانوں میں ان لڑکوں کو داخل کیا تھا جو کورگ سے اسیر ہو کر اپنے والدین کے ساتھ آئے تھے ۔ یہاں ان بچوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے سلطان کا مقصد اشاعت اسلام تھا ۔ اسکے علاوہ ان یتیم خانوں سے سلطان کی مراد یہ بھی تھی ۔ کہ جو بچے یہاں سے نکلیں وہ فوج میں بھرتی کر لئے جائیں ۔ وہ ترکی کے سلطان سلیم کی تعلید میں ینگچری فوج کے طرز پر اپنی فوج تیار کرنا چاہتا تھا ؛"

ٹیپو سلطان اور انسداد غلامی

سلطان کے تخت نشین ہونے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان اور میسور میں غلامی کا رواج تھا ۔ اس لئے سلطان نے انسداد غلامی کیلئے ایک فرمان جاری کیا ۔ جس کی نقل ذیل میں دی جاتی ہے :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم | ٹیپو سلطان

" در شہر گنجام برادران وخویشان مردم نوکر پیشہ وغیرہ کہ بروزگار ہستند۔ آنہارا گرفتہ در پیادہ ہائی علاقہ ایشاں نوشتہ نو ملازم کنانید ۔ وغلاماں را در سرکار خداداد ایک قلم آزاد فرمودہ شدہ است ۔ ایشاں نیز تعقید و خبر گیری ایں معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند ۔ غلاماں برضا ورغبت خود پیش ہر کس کہ بطور نوکراں نوکری

نمائند۔ مختار اند۔ نوزدہم ماہ دی سال حراست ۱۲۶۴ مولود محمد نبی

رحمدلی

سلطان کی رحمدلی کی ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک دیجاتی ہے:۔

"جس وقت مرہٹوں سے جنگ چھڑی ہوئی تھی تو اس وقت خبر آئی کہ فوج کی زیادتی کی وجہ سے ایک گاؤں میں عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ سلطان کو جب خبر پہونچی تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے سپاہیوں کو قابل عبرت سزا دی۔ تاکہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اسی جنگ میں ایک جگہ مرہٹی سرداروں کی عورتیں گرفتار ہو کر آئیں۔ سلطان نے بہت بڑی عزت کے ساتھ علیحدہ خیموں میں رکھا۔ اور اگرچہ جنگ کا سلسلہ جاری ہی تھا۔ ان عورتوں کو پالکی میں بٹھا کر تحائف گراں بہا کے ساتھ پونا کو روانہ کر دیا"۔ (ٹیپو سلطان از کرنل ولس صفحہ ۷۵)

سلطان کی رحمدلی کا اظہار اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو مختلف مورخین نے اس کے حالات میں لکھا ہے:۔

"رات کا وقت تھا سلطان اپنے خیمہ میں سو رہا تھا تو اس کو کراہنے کی آواز آئی۔ خیمہ سے نکلکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیدی پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ سلطان نے خود جاکر انہیں پانی لاکر پلایا۔ اور اس وقت تک نہیں سویا۔ جبتک یہ قیدی نہیں سو گئے"۔

رعایا پروری اور رعایا کے آرام و آسائش کا خیال

اصلاحات سلطانی اور انتظام سلطنت کے زیر عنوان دکھلایا جا چکا ہے کہ سلطان نے اپنی رعایا کو فارغ البال بنانے کیلئے کیا تجویزیں کی تھیں اور رعایا کس قدر آسودہ حال تھی۔ یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا کہ جس کی وجہ سے اس نے تمام ملک میں صنعت و حرفت کے کارخانے اور تجارتی کوٹھیوں کا اجراء کیا۔ اور کاشتکاروں کو

خوشحال بنانے کیلئے زمینداری کا خاتمہ کر دیا۔

میتھک سوسائیٹی جرنل (مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء) میں تحریر ہے :۔

"میسور میں سلطنت خداداد سے پیشتر ۱۷ بڑی زمینداریاں تھیں۔ چونکہ زمیندار اپنے کسانوں پر حد درجہ ظلم کرتے تھے۔ اس لئے سلطان نے تمام زمینداریوں کا خاتمہ کر دیا تاکہ کسان اور سلطنت میں براہ راست تعلق رہے۔ اس لئے میسور میں کوئی زمینداری نہیں ہے"

رشوت کا سد باب کرنے کیلئے اس نے جو کچھ کارروائی کی۔ اس کا بیان آگے آچکا ہے اور یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا۔ جو اس کو منشیات کو منع کرنے پر آمادہ کیا متعصب سے متعصب مورخ بھی اس کا اعتراف کرتا ہے کہ سلطان نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک بہت بڑے ریفارمر کا کام کیا تھا۔ سلطان کے ان اصلاحات کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸۹ پر لکھتا ہے :۔

"اصلاحات کیلئے اس کے دل میں ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اور یہی اسکی حکومت کا ایک نمایاں جوہر ہے۔ گو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اصلاحات قبل از وقت تھے یا بالفاظ دیگر ٹیپو اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا"

سلطان کے دل میں رعایا کے آرام و آسائش کا جو خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس فرمان سے ہو سکتا ہے۔ جو اس نے عاملان حکومت کے نام جاری کیا تھا (اس کی نقل پہلے دی جا چکی ہے) اس سے بڑھکر سلطان کی رعایا پروری کا اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ اس نے سوائے ملک کے بنے ہوئے کپڑے کے کبھی دوسرا کپڑا اور ملک کے بنے ہوئے نمک کے کبھی باہر کا نمک استعمال نہیں کیا (ملاحظہ ہو بچانن کی تحریر) اور یہی حکم اس نے اپنے تمام افسروں اور رعایا

کو بھی دے رکھا تھا۔

جنگی قابلیت

بچپن ہی سے علم کے ساتھ ساتھ فن حرب کی بھی تعلیم ہوئی۔ تعمیر قلعہ جات اور فوجی معاملات میں سلطان کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"وزارت کا کام کر سکتا تھا۔ سپہ سالاری میں طاق تھا۔ امیر البحر تھا۔ اور سب قسم کے علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ اسکی قابلیت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی۔ کہ جس وقت جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو اس نے امیران یم کی جماعت میں جہازوں کے نمونے تک بھیج دئیے تھے۔ کہ ان نمونوں کے مطابق جہاز تیار کر لیئے جائیں اور جہازوں کے پیندوں کیواسطے ہدایت ہوئی تھی کہ تانبے کے بنائے جائیں۔ نیز جہازوں کی لکڑی کیلئے جنگل بھی نامزد کر دیا گیا تھا"

میدان جنگ میں اس کی قابلیت اور شہرت محتاج بیان نہیں۔ مدراس پر اس کا مشہور دھاوا بیلی، بریٹھ وائٹھ فلرٹن اور منرو کی شکست اور دوسری لڑائیاں اس کا بین ثبوت دے رہی ہیں۔ اور ۱۷۸۹ء میں میڈوز کی شکست کے متعلق بورنگ نے جو رائے دی ہے۔ وہ پہلے لکھی جا چکی ہے۔ ہاں چند انگریزی افسر لکھتے ہیں کہ :-

"اس نے میدان جنگ میں اس قابلیت کا اظہار نہیں کیا۔ جو حیدر علی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس نے سوار فوج میں ایک نمایاں کمی کر دی۔ اور اس کے عوض توپ خانہ کو بڑھا دیا۔ جس کی وجہ سے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں وہ اچانک حملے پائے نہیں جاتے جو ان جنگوں سے پیشتر حیدری فوج کا ایک خاص فن سمجھے جاتے تھے"

لیکن کرنل آرتھر ولزلی (جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہوا) دوسرے افسروں کی اس رائے

سے اتفاق نہیں کرتا۔ وہ لکھتا ہے :۔

"اس کی کیولری (سوار فوج) دنیا میں سب سے بہترین فوج ہے۔ ہمارے اس ملک میں داخل ہونے کے وقت سے وہ ہمارے پیچھے اس طرح لگی رہی کہ ہماری فوج میں سے ایک آدمی کا بھی کیمپ سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن ہم ایک ایسے راستے سے آگے بڑھے جو بالکل غیر معروف تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ہم بنگلور چھوڑ کر آگے نہ بڑھ سکتے تھے" (ماڈرن میسور صفحہ ۱۹۴)

کرنل آرتھر ولزلی اپنی اس تحریر میں اعتراف کرتا ہے۔ کہ انگریزی فوج ایک غیر معروف راستہ سے آگے بڑھی تھی۔ یہ راستہ کس نے بتلایا تھا؟ اگر میر قاسم علی کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس غدار نے انگریزوں کی رہنمائی اس راستے سے کی تھی۔ اس لئے سلطان کی جنگی قابلیت کے متعلق شک و شبہ کرنا خارج از بحث ہے۔

سلطان کی شکست کا راز اسکی جنگی قابلیت کے فقدان میں نہیں بلکہ اس کے امراء و وزراء کی غداری کا سبب ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح عربوں کی غداری سے ترکی سلطنت اور شور بازاری ملا کی بے ایمانی سے امیر امان اللہ خان کی حکومت (افغانستان) کا تختہ الٹ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماڈرن میسور کا مصنف بھی انہیں خیالات سے متاثر ہوا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے :۔

"سلطان کی جنگی فراست و قابلیت میں کوئی شک نہیں۔ لیکن جنگ کا نتیجہ جو کچھ نکلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت نے پہلے ہی سے اس کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اور قدرت پر کامیاب ہونا انسان کی دسترس سے باہر ہے"

یہی مصنف اپنی کتاب میں فوج کی ترتیب کے متعلق اس طرح لکھتا ہے :۔

"(۱) باقاعدہ کیولری (۲) پنڈاری کیولری (۳) سلحہ دار جن کے پاس اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے (۴) معمار (۵) بارلین باقاعدہ پیادہ فوج (۶) باڈی گارڈ (۷) ملک کے مختلف حصوں کی مقامی فوج (۸) آفریقی حبشی (۹) ہرکارے اور جاسوس (۱۰) پانیر (۱۱) بہیر یعنے فوجی باربردار و متعلقین (۱۲) لوہار اور بڑھائی"۔

جس طرح نواب حیدر علیؒ قلعہ بنانے میں مشاق تھے۔ سلطان نے بھی یہ قابلیت وراثت میں پائی تھی۔ اور آج بھی اس کے بنائے ہوئے قلعے موجود ہیں۔
فن انجنیری میں وہ اس قدر مشاق تھا کہ کرنل ولزلی اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے :۔

"جب ہم محل میں سلطان کے خاص کمرے میں داخل ہوئے تو یہاں چارپائی کے قریب میز پر اقلیدس کا ایک نسخہ، چند کاغذات، جس پر اقلیدس کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ اور پرکار وغیرہ کا ایک بکس رکھا ہوا تھا"۔ (ماڈرن میسور)

شجاعت و بہادری

سلطان کی شجاعت و بہادری کی اس سے زیادہ روشن مثال اور کوئی نہیں مل سکتی۔ کہ وہ دست بدست جنگوں میں بذاتِ خاص شریک ہوتا۔ شیر کا شکار اسکی بہترین تفریح تھی۔ ایام شہزادگی میں ایکروز کا واقعہ ہے کہ جنگل میں بہادر سلطان ایک فرانسیسی افسر کے ساتھ شیر کا منتظر تھا۔ سامنے شیر دکھائی دیا۔ فرانسیسی افسر فوراً بندوق سے نشانہ تاکتا ہے۔ شیر دل شہزادہ بندوق چھین لیتا ہے۔ شیر دونوں پر لپک پڑتا ہے۔ دو دھاری تلوار بے نیام ہو کر بجلی کی طرح شیر پر کوندتی ہے اور چشم زدن میں شیر کے چاروں پاؤں جسم سے الگ کر دیتی ہے۔ آج بھی میسور اس جری سلطان کو شیر میسور کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہی وہ مردانگی تھی کہ سلطان اخیر وقت تک دادِ شجاعت دیتا ہوا شہید ہوا اور اپنا آخری جملہ دنیا میں یادگار چھوڑ گیا۔

"گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایکدن کی زندگی اچھی ہے"۔

سلطان نے کئی شیر اپنے محل میں پال رکھے تھے۔ شیر کی صفات، شیر کی لڑائی۔ شیر کا رنگ اس کو اس قدر محبوب و مرغوب تھا کہ اس کا محل۔ اسکی تعمیر کردہ مسجد اور گنبد تمام اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس کی تمام ہتھیاروں پر۔

"اسد اللہ الغالب"

کندہ تھا۔

تمام میسور میں یہ روایت زباں زد عام ہے کہ نواب حیدر علی نے میر نظام علی خاں نظام الملک کو پیغام دیا تھا کہ دونوں خاندانوں میں اگر آپس میں شادیاں ہو جائیں تو آئندہ دونوں سلطنتوں میں اتحاد رہیگا۔ اس تجویز کو عمل میں لانے کیلئے تجویز کی گئی کہ ٹیپو سلطان کی شادی نظام علیخان کی دختر سے ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حیدر آباد سے سلطان کی تصویر طلب کی گئی۔ اور چند نامور مصوّر حیدر آباد سے سرنگا پٹم آئے۔

سلطان نے یہ کہہ کر تصویر دینے سے انکار کر دیا کہ

"مردوں کی بہترین تصویر انکی جوانمردی ہے"۔

میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۹۸ پر سلطان کے اوصاف میں لکھتا ہے:-

"اس کی سپاہیانہ بے جگری۔ اسکی ذاتی بہادری اور ایسے وقت میں بھی جب شکست یقینی تھی۔ اس کا اپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کرنا شجاعت اور جوانمردی کی وہ بے نظیر مثال ہے۔ جس کیلئے وہ حد درجہ تعریف کا مستحق ہے۔ اُن لوگوں سے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھتا تھا۔ کبھی اس نے بے وفائی نہیں کی ۱۷۹۹ء کی جنگ میں جیسا انگریزوں کا مطالبہ تھا کہ اس کی ملازمت میں جو چند فرانسیسی ہیں انہیں حوالے کر دیا

جائے ۔ فرانسیسوں کو انگریزوں کے حوالے کر دیکر وہ اپنے تاج و تخت کو بچا سکتا تھا
لیکن اسکی شجاعت نے اس کو گوارا نہیں کیا ۔"

کہا جاتا ہے کہ اسکندر اعظم اور جولیس سیزر کے بعد نپولین بونا پارٹ اعظم دنیا کا سب سے بڑا سپہ سالار فاتح اور نامور جنرل تھا ۔ جوانمردوں کی جوانمردی اور بہادروں کی بہادری کا احترام ہر شخص پر فرض ہے ۔ نپولین اعظم کے لئے اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نپولین اور ٹیپو سلطان کے اخیر لمحات کا موازنہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ سلطان کی شخصیت نپولین اعظم کی شخصیت سے کس قدر شاندار ہے :۔

نپولین کو جب اخیر وقت اس کے امراء کی غداری کیوجہ سے شکست ہوی تو اس نے اپنے وطن کو دشمنوں کے سپرد کرتے ہوئے سلامتی اسی میں سمجھا کہ دشمنوں کی اطاعت قبول کر لی جائے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی زندگی قیدخانہ میں بسر ہوئی ۔ اور وہ قیدخانہ ہی میں مر گیا ۔

سلطان کو جب اس کے وزراء اور امراء کی سازش کی وجہ شکست ہوئی تو اس نے آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے میدان جنگ میں ملک وملت کی مدافعت میں شمشیر بکف مرجانا گوارا کر لیا کہ :۔

"گیدڑوں کی سو سالہ زندگی سے ایکدن کی شیر کی آزاد زندگی اچھی ہے ۔"

میسور گزٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۹۰ پر لکھتا ہے :۔

"ٹیپو نے اپنے لئے وہ موت پسند کی جس سے اس کا ہمعصر دوست نپولین ہمیشہ ترساں رہا"

جذبۂ جہاد

سترہویں صدی عیسوی میں مسلمانان ہند جس قسم کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ اسکے متعلق سلطان کے مذہبی اصلاحات میں کچھ بیان آچکا ہے اور مزید حالات آئندہ اوراق میں "سلطنت خداداد کی تباہی اسلامی وہندی نقطہ نظر سے"،

کے زیر عنوان دئے گئے ہیں مسلمانوں میں مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ راحت طلبی اور عیش و آرام کی خواہش حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو کر ملک اور حکومت سے بے پرواہ ہو گئے تھے۔ اور مغربی قومیں دن بدن چیرہ دست ہو کر اپنا تسلط قائم کر رہی تھیں۔ سلطان نے ان برائیوں کا واحد علاج یہی سمجھا کہ مسلمانوں کو جو اپنے راستے سے بھٹک چکے تھے۔ پھر اسی راستہ پر لے آئے۔ جس کی تعلیم انہیں زمانۂ خیر القرون میں مل چکی تھی۔ یعنے انہیں مذہب کی صحیح تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ اسکے خیال میں جہاد ہی ایک واحد علاج تھا۔ جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو کر ملک اغیار کے تسلط سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ اسلام اور آزادی کوئی دو علیحدہ نظریئے نہیں ہیں۔ اس مقصد سے اس نے کتاب فتح المجاہدین میں خاص طور پر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔ اس کتاب میں اس نے دلائل کے ساتھ بے شمار مسائل جہاد پر لکھے ہیں۔ جن سے دو یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

اس کتاب کے صفحہ ۱۳۱ پر لکھا ہے :-

"مسئلہ۔ جہاد با کفار از برائے نصرت دین محمدؐ اسلام است"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے :-

مسئلہ۔ نیکو نیست باج دادن بکفار با قدرۃ بر جہاد"

اس کے علاوہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کیلئے سلطان نے موید المجاہدین کے نام سے خطبات جمعہ کی تدوین کا حکم دیا۔ اور یہی خطبات مسجدوں میں پڑھے جاتے تھے۔ کتاب میں پچاس خطبات جمعہ اور دو عیدین کے خطبات ہیں۔ اور ہر خطبہ میں مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلائی گئی ہے۔ کتاب کی تصنیف کا سبب دیباچہ میں اس طرح تحریر ہے :-

"اس زمانہ میں کہ تیرہویں صدی ہجری ہے۔ اور اس وجہ سے کہ سلطنت تیموریہ دہلی پر خانہ زادوں اور نوکروں کی نمک حرامی کی وجہ تباہی آگئی ہے۔ اور ایک غیر قوم دن بدن غلبہ پاتی ہوئی ملک پر مسلط ہوتی جارہی ہے۔ اور خطۂ ہند کے باشندے کسب کمال سے عاری اور درس و تدریس اور احکام مذہب سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ اس لئے بحکم سلطانی ان خطبات کی فارسی زبان میں ترویج کی جاتی ہے۔ اب تک خطبات جمعہ عربی زبان میں مروج تھے مگر چونکہ اکثریت اس زبان سے ناآشنا ہوگئی ہے۔ اس لئے فارسی کو موزوں سمجھا گیا۔"

ذیل میں اس کتاب سے ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے :۔

"خطبہ در بحر مشہور متضمن حمد الٰہی و نعت حضرت رسالت پناہی و مناقب اکابر دین و ترغیب جہاد بمسلمین مزین و محلے باسم سامی ہمایون پادشاہ دین پناہ حضرت ٹیپو سلطان خسرو غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

الحمد للّٰہ الذی خالق بیل وانہار و عالم الجہر والاسرار و کاشف الظلمت والانوار ونشہد ان محمد عبدہ و رسولہ المختار وعلیٰ الہ واصحبہ الاخیار اسمعوا قولہ العزیز الغفار۔ یا ایہا الذین امنو لا تتخذ والکافرین اولیاء من دون المومنین۔

رسد با وج سخن از ثنائے رب کریم　　حکیم و قادر و قیوم و کردگار علیم
چگونہ شرح تواں داد نعمت عامش　　کہ شمہ ایست ز فیضش تمام باغ نعیم
نمود خلق بیک لفظ کن تمام جہاں　　بمحض قدرت خود بے شریک و ضد و سہیم
برائے نعت نبیؐ کلک چوں شود پویاں　　ز فیض صفحہ شود پیشگاہ باغ نعیم
زہے خجستہ رسولیکہ بہر او ایجاد　　نمود کرسی و عرش و جہان رب کریم

کجا بحیطۂ تحریر می توان آورد | ثنائے آن شہِ محبوب کردگار قدیم
ہمیشہ باد تحیات زاکیات برآن | شہنشہِ دو جہان تا کہ ہست عرش عظیم
ز پند و موعظۃ اکنون گہر فشان گردد | قلم کہ ہست ز فیض قدم چو ابر کریم
بحفظِ دینِ نبیؐ جہد کن کہ در دو جہان | شوی عزیز و نصیبت شود بہشت نعیم
غزاست فرض بارباب دین خصوص گہے | کہ آورند بر اسلام زور فوج لئیم
خدا نکردہ اگر سستی کنی بجہاد | بہر دو کون شوی خوار و زار و زشت و ذمیم
گرفتم اینکہ بیابی حیات جاویدان | چہ سود چونکہ شود دینداریٔ تو عدیم
مپوش دیدہ ز ایمان و دین سلے دانا | چو کافران و غل از برائے گوہر و سیم
بس است آنچہ نمودم بیان پئے ہوشیار | خدا ز لطف کند جملہ را سہیم و فہیم
ہمیشہ تا کہ بود آفتاب نور فشان | قلوبِ زمرۂ اربابِ دین باد سلیم

خطبۂ ثانی

کنم سپاس خداوند آسمان و زمین | بدیع و رب و غفور و سمیع و بر و قدیم
بلفظ کن دو جہان را نمودہ است ایجاد | چسان حدیث جلالش کنم بفکر سقیم
زہے مدبر و دانا زہے خبیر و بصیر | زہے مدبر و بے شبہ و مثل رب رحیم
ز نعت احمد مرسل شفیع روز جزا | قلم چو دوحۂ طوبیٰ شود پئے ترقیم
زہے شفیع امم کائنات را رہبر | زہے خلاصۂ ایجاد و خلقِ ربِّ کریم
فلک بدور گہش از منطقہ کمر بستہ | برائے کسب شرف روز و شب چو عرش عظیم
مدام باد صلوٰۃ و درود بے پایان | بذروہ اش کہ چو عرش است واجب التعظیم
بود خلیفۂ اول صدیق خاص نبیؐ | بنام حضرت بوبکر واجب التعظیم

عمر خلیفۂ ثانی کہ عدل و داد او — نماند ظلم و ستم در مزاج دہر سقیم

خلیفہ سیومین ہست صاحب نورین — بنام حضرت عثمان بخلق و طبع سلیم

چہارمین کہ بود شیر حق شہ مرداں — علیؓ عالی اعلیٰ حبیب رب کریم

ہمیشہ باد ازیں چار کردگار رضا — کہ ہر یکے است بدین نبیؐ بقصد عظیم

ہم از حسینؓ و حسنؓ شہیدان اہل جناں — بطبع ہر دو سلیم و بخلق ہر دو کریم

دگر ز فاطمہؓ بنت حبیبؐ عز و جل — کہ ہست خاک درش فیض بخش چون تسنیم

ہم از خدیجۂ مخدومۂ نساء جہاں — کہ ہست منزلت شان آں رضیۂ عظیم

دگر ز سائر ازواج طاہرات نبیؐ — کہ بودہ اند ہمہ خاص کردگار کریم

ہم از دو عم گرامیش حمزہؓ و عباسؓ — کہ ہر دو در رہ دیں اند واجب التکریم

ہم از شش آں کہ زدہ باقی اند کایشاں را — بشارتے بجناں دادہ کردگار رحیم

ہم از صحابۂ احمدؐ ہمہ کہ در رہ دیں — ہمہ نجوم سپہر ہدائے و باتکریم

ہم از تمامیٔ اسلامیاں ز فضل اتم — ہم از تمامیٔ ایمانیاں ز لطف عمیم

نعت

کنوں ثنائے شہنشاہ میکنم آغاز — شہے کہ بردہ گرو از شہاں بخلق کریم

شہنشہے کہ بود نام نامیش ٹیپو — بجبہہ مہر فروزاں بکف سحاب کریم

الٰہی از کرم عام خویش ایں شہ را — ہمیشہ دار بفرخندگی بناز و نعیم

عنایتش بنما عمر خضر و شوکت جم — مدام دار باعزاز و جاہ و باتکریم

مظفرش بنما خاص بر اعادیٔ دیں — بہ بخشش فتح مدامش بکافران لئیم

عزیز دار بہر دو جہانش پیوستہ — مدام زیب بیابد ز فرق او دیہیم

عطوف کن با میران و زمرۂ غربا | روف ساز بخلقش بہ بخش لطف عمیم
نصیر دین نبی ہر کہ ہست از دل و جاں | ہمیشہ ناصر او باد کردگار کریم
شود ہر آں کہ بخذلان دین حق دائم | مدام باد گرفتار در عذاب الیم
تو ئی کریم خدایا بمسلمیں آں بخش | کہ در دو کون بگروند صاحب تکریم"

سلطان کے اس جذبۂ جہاد و دیگر اوصاف جمیلہ کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال نے لکھا ہے:

"سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے مقام تک کسی نے رسائی کی تو وہ ٹیپو ابن حیدر علیؒ تھا۔ اور اس کی نیابت الہیہ کی ایک ادنی سی جھلک صرف یہی سنکر آپ کی آنکھوں میں پھر جائے گی، کہ اسکی سلطنت کا نام دولت خدا داد اور اس کے ایوان عدالت کا نام دریا دولت تھا" (روزنامۂ انقلاب لاہور)

اسوۂ عالیہ کی جو صحیح مثال اس نے قایم کی اس لحاظ سے ہندوستان کے تمام مسلمان سلاطین میں اس کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔

ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری

تمام انصاف پسند مورخین کو حیرت ہے کہ باوجود اس قدر مذہبی جذبہ رکھنے کے سلطان کس قدر بے تعصب اور روادار تھا۔ لیکن متعصب مورخین نے اس کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس سے ان کا ایک خاص مقصد وابستہ ہے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالکر اپنی حکومت قایم کرنے کیلئے ایسٹ انڈیا کمپنی جس پالیسی پر کاربند رہی۔ یہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ کہ مدارس میں پڑھانے کیلئے ایسی تاریخیں لکھی گئیں جو شروع ہی سے بچوں کے دل میں عناد پیدا کرے۔ ان تاریخوں میں جو باتیں لکھی گئیں انکا ثبوت ان مورخوں نے کہیں نہیں دیا ہے۔ اور نہ کوئی تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ بعد میں

آنے والے مورخوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا۔ کہ جو کتابیں پہلے لکھی گئی تھیں، انہیں اپنے الفاظ میں نقل کر لیا۔ ورنہ اگر اسکے متعلق معمولی تحقیق سے بھی کام لیا جاتا تو میسور کا ذرہ ذرہ ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کا ثبوت فراہم کرتا۔ خصوصاً موجودہ زمانے میں سفر کے وسائل اس قدر آسان ہو گئے ہیں کہ ہر شخص میسور آ کر سلطان کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا بین ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

ریاستِ میسور میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو عمارتیں ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں وہ ہندوؤں کے قدیم معابد و منادر ہیں۔ جن میں بعض کی تعمیر ہزار سال سے پیشتر کی ہے۔ سلطان اگر متعصب ہوتا تو اس کیلئے آسان تھا کہ ان مندروں کا نام و نشان نہ رکھے۔ بخلاف اس کے ان مندروں میں سلطان کی دی ہوی جاگیرات کے فرامین موجود ہیں۔ جن سے آج بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

سلطان کا پایۂ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور ہر سال ہزارہا لوگ اسکے دیکھنے کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی سب سے پہلے زائر کی نگاہ ان دو بڑے مندروں پر پڑتی ہے۔ جو اسٹیشن سے بالکل قریب ہیں۔ سلطان کا محل انہیں مندروں کے بالکل قریب تھا۔ محل کے پیچھے بلکہ محل سے لگا ہوا ایک اور بڑا مندر ہے بنگلور میں بھی محل سے لگا ہوا ایک چھوٹا مندر ابھی تک موجود ہے۔

اسکے علاوہ میسور کے علاقہ میں سرنگری، بیلور، ننجن گڈھ، السور (بنگلور) وغیرہ میں ایسے مندریں موجود ہیں۔ جن کی تعمیر صدیوں پیشتر کی ہے۔ سلطان نے ان مندروں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اپنی طرف سے جاگیریں دیں۔ اور یہاں کے گروؤں کی اسکے پاس حد درجہ وقعت تھی۔ جس کا ثبوت ریاست میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے آرکولاجیکل رپورٹ

سے بخوبی ملتا ہے۔

میسور کے آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے:۔

"سرنگری کے مندر میں نواب حیدر علی کے تین ۳ اور ٹیپو سلطان کے تیس ۳۰ خطوط و فرامین ملے ہیں۔ ان تمام فرامین و خطوط میں سلطان نے سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی بھی استعمال کیا، جو اسکی خاص ایجاد ہے۔ یہ تمام خطوط و فرامین سرخ کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں اکثر خطوط کے لوح پر سلطان کی مہر موجود ہے۔ ان خطوط میں بخلاف دوسرے خطوط کے جن میں سلطان کا نام پہلے لکھا جاتا تھا سلطان نے سرنگری کے گرو کا نام اور القاب پہلے لکھا ہے۔ اور اپنے نام کے ساتھ کوئی خطاب یا القاب استعمال نہیں کیا ان میں بہت سے خطوط میسور کی تیسری جنگ کے واقعات پر تیز روشنی ڈالتے ہیں۔ اور بعض خطوط سرنگری کے گرو کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہیں"۔

میسور کی تیسری جنگ میں انگریز، نظام اور مرہٹوں نے سلطنت خداداد پر فوج کشی کی تھی۔ مرہٹی فوج پرسرام بھاؤ کے ماتحت تھی۔ اس فوج نے جہاں تمام ملک کو لوٹ مار کرکے تباہ کیا وہاں سرنگری جیسا مقام بھی اسکے ہاتھوں نہ بچ سکا۔ گرو نے سلطان کو لکھا کہ مرہٹی فوج سرنگری کے مندر کو لوٹ کر تباہ کر دی ہے۔ اور سارادا دیوی کے بت کو اپنی جگہ سے نکالکر پھینک دیا گیا ہے۔ مندر کا جملہ نقصان ساٹھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوا ہے۔ مندر کے ہاتھی، گھوڑے وغیرہ تمام مرہٹے لیکر چلے گئے ہیں۔

اس کا جواب سلطان نے ۳۰ ماہ ربانی مطابق ۱۷۹۱ء میں اس طرح دیا:۔

"ہم ان دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں۔ جو ہمارے ملک پر چڑھائی کرکے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں۔ آپ کی ذات مقدس مآب اور تارک الدنیا ہے۔ اس لئے یہ آپ کا اور مندر

ہے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کیلئے خدا سے دعا کریں کہ
ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش وخرم رہے۔"

پھر ایک خط میں گروجی نے سلطان کو لکھا تھا کہ انھوں (یعنے گروجی) نے مجبور ہو کر کسی اور جگہ اقامت اختیار کی ہے اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ مرہٹوں نے مندروں میں گھس کر برہمنوں کو زخمی اور قتل کر دیا ہے۔ اور مندروں میں جو کچھ اثاث تھا۔ لیکر چلا گئے ہیں۔ اور بغیر حکومت کی تائید کے سارداد یوی کے بت کو دوبارہ نصب نہیں کیا جا سکتا۔

سلطان نے اسکے جواب میں لکھا ہے:۔

"ان لوگوں کو جو مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے سے بھی نہیں باز آتے۔ یقین ہے کہ اس کالی یوگ میں انہیں بہت جلد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ ملیگا۔ لوگ بدی کا کام ہنستے ہوئے کرتے ہیں۔ لیکن خمیازہ روتے ہوئے بھگتیں گے۔ گروؤں سے دغابازی خود اپنی نسل کو منقطع کرنا ہے۔"

اس خط کے ساتھ سلطان نے ایک حکم نامہ نگر کے آصف کے نام بھیجا تھا۔ جس میں حاکم علاقہ کو حکم دیا گیا تھا کہ دوسو راحتی (سلطانی اشرفی) نقد اور دوسو راحتی کے اجناس فوراً گروجی کی خدمت میں پیش کرے۔

اسی خط میں سلطان نے گروجی کو لکھا تھا:۔

"آپ کو اختیار ہے کہ انعامی دیہات سے جن چیزوں کی ضرورت ہو حاصل کرلیں۔ اس رقم اور اجناس سے سارداد یوی کے بت کو نصب کرتے ہوئے برہمنوں کو کھانا کھلائیں اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کیلئے دعا کریں۔"

ایک اور خط میں سلطان نے لکھا ہے:۔

"آپ کا بھیجا ہوا پرسادا اور شالیں موصول ہوئیں۔ آپ کے استعمال کیلئے ایک جوڑی

شال اور دیوی کے بت کیلئے کپڑے روانہ کئے جاتے ہیں"۔

ماہ جعفری میں سلطان نے ایک اور خط لکھا ہے۔ اس میں گروجی کو اطلاع دی گئی ہے کہ "انکی خاص سواری کیلئے ایک ہاتھی روانہ کیا جاتا ہے"۔ اسی خط میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام جو حکم نامہ لکھا تھا اسکی نقل بھی ملفوف تھی۔ اس حکم نامہ میں تاکید کی گئی ہے کہ گروجی کے چیلوں پر باہر آنے جانے کیلئے کوئی پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔

ماہ حیدری کا ایک رکارڈ بتلاتا ہے کہ گروجی نے مندر میں دو خاص پوجا کی رسمیں ادا کرنے کیلئے سلطان سے مالی تائید چاہی تھی۔ اور یہ پوجا ۴۸ دن تک ہر روز ہونے والی تھی۔ جس کو سلطان نے منظور کر لیا۔ اور نگر کے آصف کے نام حکم بھیجا کہ سرگرمی سے ہو سکے تمام انتظامات مکمل کرنے میں گروجی کی تائید کرے۔ اسی ماہ میں گروجی کو بھی سلطان نے خط لکھا کہ :-

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے

اور نقدی دینے کے متعلق نگر کے آصف کو حکم بھیجدیا گیا ہے"۔

ماہ دینی کے چار رکارڈ مندر میں موجود ہیں۔ ان میں پہلے رکارڈ میں محمد رضا آصف نگر کو ہدایت کی گئی ہے کہ پوجا کے دنوں میں خاص انتظام کر رکھے کہ شریر لوگ مندر کے کاموں میں مداخلت نہ کر سکیں۔

ایک اور رکارڈ میں سلطان نے اطلاع دی ہے کہ سارا دیوی کے بت کے استعمال کے لئے ایک پالکی اور گروجی کے استعمال کیلئے ایک دوسری پالکی بذریعہ چوبدار نقیب محمد روانہ کی جاتی ہے۔ ذاکری مہینے کے ایک رکارڈ میں لکھا ہے کہ لنباڑی قوم کے حملوں سے مندر کو محفوظ رکھنے کیلئے پیادہ فوج کے سپاہیوں کو مندر کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے (لنباڑی ایک خانہ بدوش

ہندو قوم ہے۔ جو جنگلوں میں رہتی ہے۔ اور اس کو سگالی بھی کہا جاتا ہے)

مندر میں ایک اور رکارڈ (خط) موجود ہے۔ جس میں ضلع نگر کے عامل (سید محمد) کو سلطان نے لکھا ہے :-

" سوامی جی سمندری غسل کے لیئے جانے والے ہیں۔ انہیں سفر میں تمام ضروریات مہیا کیئے جائیں "

ماہ ربانی کے ایک رکارڈ میں سلطان نے سوامی جی کو اطلاع دی ہے کہ انکے استعمال کیلیئے دو نقرئی چنور ارسال کیئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ وہ (سوامی جی) خود پرسرام بھاؤ کے پاس جاکر اس سے درخواست کرینگے کہ مندر کا تمام مال جو مرہٹی فوج نے لے لیا تھا۔ واپس دیا جائے۔ اس کے جواب میں سلطان نے سوامی جی کو راہداری کا پروانہ دیتے ہوئے تمام عمالان حکومت کو لکھا ہے کہ دورانِ سفر میں سوامی جی کو ہر قسم کا آرام اور تمام ضروریات مہیا کیئے جائیں۔ اسی خط میں سلطان نے سوامی جی کے استعمال کیلیئے شالیں اور ہاتھی، نوبت نقارہ اور علم بھیجنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس نے اپنی جانب سے بطور نذرانہ گرو جی کو دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ گرو جی پونا پہونچے، پرسرام بھاؤ سے ملاقاتیں کیں، لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لیئے ان کو وہاں زیادہ عرصہ لگ گیا۔ اس پر سلطان نے انہیں ایک خط لکھا (یہ خط ماہ "رضی" میں لکھا گیا اور پلیٹ سترہ نمبر ۳ میں محفوظ ہے۔)

" آپ جگت گرو ہیں۔ آپ دنیا کی بھلائی کیلیئے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں۔ جس ملک میں آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو اس ملک میں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ بارش اچھی اور فصلیں عمدہ ہوتی ہیں۔ آپ کو ایک غیر ملک میں اس قدر عرصہ ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا کام جلد انجام کو پہونچا کر اپنے ملک میں واپس آجائیے "

ماہ ربانی کے ایک خط میں سلطان نے گروجی کو اطلاع دی ہے کہ :-

"آپ کی ہدایت کے مطابق چھتروں (سراؤں) میں برہمنوں کو کھانا کھلایا جا رہا ہے۔

آپ کی خیریت سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں"

۱۷۹۱ء میں سوامی جی نے اطلاع دی ہے کہ وہ پونا سے واپس آنیوالے ہیں۔ اس کے

جواب میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ :-

"راستے میں سوامی جی کی تمام ضروریات فراہم کرتے ہوئے سوامی جی کے تمام اعزاز و

مراتب کا لحاظ رکھا جائے"

اس کے بعد ایک اور خط میں سلطان نے سوامی جی سے درخواست کی ہے کہ :-

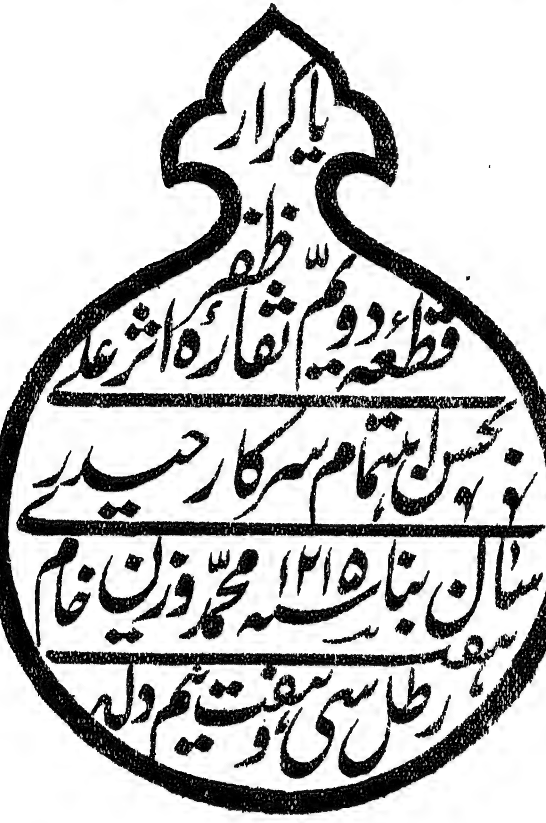
"پایہ تخت میں تشریف لا کر درشن دیں"

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سرنگری کے مندر سے متعلق ہے۔ اور یہاں کا مندر تمام جنوبی ہند اور میسور میں نہایت متبرک اور مقدس مانا جاتا ہے۔ اور یہاں کے گرو اکثر راجاؤں کے مذہبی راہنما سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کی عظیم الشان سلطنت وجیانگر کے راجاؤں کے راہنما بھی اسی مندر کے برہمن گرو تھے۔ سلطان نے اس مندر اور یہاں کے گروؤں سے جو سلوک کیا اسکی شہادت وہ ریکارڈ دے رہے ہیں، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور یہ ریکارڈ ابھی مندر میں محفوظ ہیں۔

سلطان نے اپنی ہندو رعایا سے جو مراعات کیں اور انکے مندروں کیلئے جو نوازشات دیں انکی تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام سلطنت میں جس قدر مندر ہیں بھی موجود ہیں۔ سلطان کے انعام واکرام سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ بہت سے مندروں میں ابھی تک سلطان کے دیئے ہوئے نقارے۔ برتن اور ملبوسات استعمال ہو رہے ہیں

میسور آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں میل کوٹ کے مندر کا ذکر ہے۔ اس رپورٹ کے

صفحہ ۶۷ پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔



(یا کرار۔ قطعہ دویم نقارہ ظفر اثر علی بحسن اہتمام سرکار حیدری

سال بنا ۱۲۱۵ھ سنہ محمد وزن خام ہفت رطل سی و ہفت نیم دانگ)

یہ نقش اس نقارے پر ہے جو سلطان نے مندر کے استعمال کیلئے دیا تھا۔ آج بھی یہ نقارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

میسور آرکیولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے:۔

"نیل کوٹ کے مندر میں بعض زیورات اور برتن سونے اور چاندی کے پائے گئے۔ ان پر

جو تحریر ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ٹیپو سلطان کے دئیے ہوئے انعامات ہیں"۔

اسی رپورٹ کے صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے :۔

"موضع کلالی (ننجن گڈھ تعلق) میں لکشمی کنتا کے مندر میں چاندی کے چار پیالے ایک طبق اور ایک گلدان موجود ہے۔ جو ٹیپو سلطان نے اس مندر کو دئیے تھے۔ میل کوٹ تعلق میں نارائن سامی کے مندر میں بھی ایک چاندی کا گلدان ہے۔ جس پر لکھا ہوا ہے۔ کہ بادشاہ ٹیپو سلطان کا عطیہ ہے"۔

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر اگر حیدر علی کا بنایا ہوا ہے تو یہاں کے بت کے استعمال میں جو کپڑے اور برتن ہیں وہ سلطان کے ہیں۔

افسوس ہے کہ باوجود ان سرکاری رکارڈوں کے موجود ہونیکے بھی آج اس سلطان کو متعصب کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ایک انگریزی مضمون اخبار ینگ انڈیا سے لیکر لکھا جاتا ہے۔ جس سے سلطان کی مذہبی رواداری کا بخوبی ثبوت ملتا ہے :۔

"ٹیپو سلطان اور گروایور کا مندر

اسلامی بے تعصبی

ٹیپو سلطان میسور کا مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں انگریزوں سے سخت جنگ کی تھی۔ اگر اس وقت نظام حیدر آباد انگریزوں سے نہ مل جاتے تو ٹیپو سلطان انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بادشاہ بہت ہی بہادر تھا۔ اس نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے فرانس کے مشہور بہادر نپولین بوناپارٹ اعظم سے بھی بات چیت کی تھی۔ یہ بادشاہ جس قدر بہادر تھا

اسی قدر خدا ترس اور بے تعصب ، اس کی نگاہیں ہندو اور مسلمان دونوں پر برابر تھیں کسی مذہب سے وہ تعرض نہیں کرتا تھا۔ آؤ ہم تمہیں ٹیپو سلطان کے متعلق ایک واقعہ سنائیں کہ اس نے مالابار کے ایک مشہور مندر کو بربادی سے کس طرح بچا لیا۔

مالابار میں گروایور کا مندر بہت پرانا اور مشہور ہے۔ مالابار کے ہندوؤں کا اگر اس کو کعبہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ہزاروں خوش اعتقاد اسکی زیارت کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا اوتار کرشن جی مہاراج کے والد واسدیو نے وشنو کی یہ مورت اپنی پرستش کیلئے ایک خواب دیکھکر بنائی تھی۔ اور گرو برہسپتی اور وایو نے جنوبی ہند میں ایک مناسب مقام تلاش کر کے یہ مورت نصب کی۔ اور اسی لیئے اس کا نام گروایور قرار پایا۔ ٹیپو سلطان جب مالابار کو فتح کرتا ہوا گروایور کے قریب پہونچا تو اس مندر کے پجاری بہت گھبرائے۔ اور انہوں نے دیوتا کی بیش قیمت مورت کو ریاست ٹراونکور کے ایک مشہور مندر میں بھیجدیا۔

ٹیپو سلطان تو گروایور کے قریب ہی ایک مقام پر رک گیا۔ اور اپنی فوجوں کو گروایور فتح کرنے کیلئے بھیجدیا۔ اس کے سپاہیوں نے گروایور کو فتح کر لیا۔ اور چونکہ ان دنوں مسلمانوں کی مرہٹوں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اس لئے بعض مسلمان سپاہیوں نے ازراہِ انتقام اس مندر کو جلا کر خاک کر دینا چاہا۔ چنانچہ چند سپاہیوں نے مندر کی دیواروں پر گھی چھڑک کر آگ لگا دی۔ عمارت تھوڑی ہی جلنے پائی تھی کہ ٹیپو سلطان کے افسروں کو اپنے بادشاہ کے احکام کا خیال آ گیا۔ اور انہوں نے جلدی جلدی آگ بجھا کر مندر کے دو تین برہمنوں کو ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر شورش پسند سپاہیوں کی شکایت کریں۔

ٹیپو سلطان نے جس وقت پجاریوں سے یہ سنا کہ اس کے چند شریر سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اور رات ہی رات سفر طے کر کے گروایوار پہونچا۔ یہاں پہونچکر اس نے تحقیقات شروع کی۔ اور جن مسلمان سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تھی۔ ان کو سخت سزا دی۔ مندر کو درست کرایا۔ اور حکم دیا کہ اس شہر سے جو کچھ آمدنی ہو وہ سرکاری خزانے میں داخل کرنیکے بجائے ہمیشہ اس مندر کو بخشدی جائے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ پجاریوں نے اس کے خوف سے مندر کی مورتی کو ٹراونکور بھجوا دیا ہے۔ تو اس نے حکم دیا کہ دیوتا کی مورت کو فوراً واپس منگا کر اس مندر میں نصب کیا جائے۔"

لارڈ ولنشیا لکھتا ہے :-

"پیر لدا نامی ایک بزرگ سرنگا پٹم میں رہتے تھے۔ جنہوں نے ایک بار شکایت کی۔ کہ ہندوؤں نے ان کے معتقدوں کو بہت مارا پیٹا ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا۔ کہ زیادتی مسلمانوں کی ہے۔ ہوا یہ کہ ہندوؤں کا جلوس جا رہا تھا۔ جس پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔

پیر لدا نے کہا کہ ہندوؤں کا اس طرح مسلمانوں کو مارنا گویا اسلام کی توہین کرنا ہے اور یہ سلطنت بحیثیت ایک اسلامی سلطنت ہونے کے اس کا فرض ہے کہ اسلام کو ایسی توہین سے بچائے۔ اور اس معاملہ میں قرار واقعی قدم اٹھایا جائے۔ تاکہ آئندہ اور اسی طرح آزادانہ دستبرد کا سلطان ہی باعث نہ ہو جائے۔ جواب ملتا ہے کہ سلطنت کی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں مساوی ہیں۔ پیر لدا نے کہا اگر یہی حال رہا تو میں حدود سلطنت سے باہر چلا جاؤنگا۔ جس پر سلطان کی طرف سے جواب

ملتا ہے کہ جو مرضی میں آتے کیا جائے۔ پیر لدا مدراس جاکر مقیم ہوئے اور وہیں رہ گئے۔"

نوٹ :۔ یہ کسی تاریخ سے بھی معلوم نہ ہوا کہ غداری میں یہ پیر صاحب کا ہاتھ کہاں تک تھا۔ (محمود)

سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کی اس سے بڑھکر اور مثال کیا مل سکتی ہے۔ کہ سرکاری ملازمتوں میں اس نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو بھی اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ پورنیا جس کا نام مثل میر صادق کی طرح بچے بچے کی زبان پر ہے۔ دیوان سلطنت تھا۔ پایۂ تخت سرنگاپٹم اور بنگلور کے قلعے سلطنت میں خاص وقعت اور حیثیت رکھتے تھے۔ اور انہیں کے استحکام پر سلطنت کا دارو مدار تھا۔ ان قلعوں کے قلعدار کشن راؤ اور شاب رائے تھے۔ اچھے شامیا محکمۂ ڈاک کا افسر اعلیٰ تھا۔ سلطنت خداداد کی فوجی و سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندو افسروں کی تعداد بھی مسلمان افسروں سے کچھ کم نہیں تھی۔ دیہات میں شانبھوگ سب کے سب برہمن تھے۔ اور پٹیل یا تو برہمن ہوتے تھے۔ یا دوسری ذات کے ہندو۔ سلطان کی اس بے تعصبی اور رواداری کے متعلق گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں لکھا ہے :۔

"ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ"

میسور کا بادشاہ فتح علی ٹیپو سلطان اجنبی (انگریزی) مورخوں کی نگاہ میں تو وہ متعصب مسلمان تھا۔ جس نے اپنی ہندو رعایا کو بجبر مسلمان بنایا۔ لیکن یہ سب جھوٹ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں سے اس کے تعلقات بہت دوستانہ رہے۔ اسکے کارنامۂ زندگی کی یاد ایسے وقت میں جبکہ ہندو اور مسلمان اپنے اصلی بدیسی دشمن کو بھولکر جو دروازے پر ڈیرا جمائے ہوئے ہے۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ اور رفو و خوض کی قوت ان سب سے سلب ہو چکی ہے۔ دل میں مسرت کی ایک گدگدی پیدا کر دیتی ہے

اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیراعظم ایک ہندو تھا. جس نے، نہایت شرم سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس فدائے آزادی کو دغا دیکر دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیا۔

میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے پاس اس وقت سلطان کے و تیس[۳۰] سے زائد خطوط ہیں جو سلطان نے سرنگری مٹ کے شنکراچاریہ کو لکھے تھے. یہ خطوط کنڑی زبان میں ہیں. ٹیپو ایک خود مختار حکمران تھا. مگر اسے کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ ہندو ساہوکاروں کو اس پر مجبور کرے کہ وہ اپنا حساب وکتاب عربی حروف میں رکھیں. بخلاف اس کے اس نے خود اپنی قومی زبان میں شنکراچاریہ کے خط کا جواب دیتے ہوئے پتسیاؔ (دُعا خوانی) کی درخواست کی تھی. اور اپنے ملک کی بھلائی اور ساری دنیا کی فلاح کی دعا چاہی تھی. کہ آپ میسور جلد واپس آئیں. کیونکہ نیکوں کے قدم کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور فصل اچھی ہوتی ہے (یہ خط اس قابل ہے کہ زرین حروف میں لکھا جائے. اس موقع پر ینگ انڈیا نے کنڑی زبان کے اس خط کو دیوناگری حروف میں دیا ہے) ٹیپو نے ہندو مندروں کیلئے نہایت فیاضی سے جائدادیں وقف کیں. اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے گردوپیش سری ونگنا راماؔ، سرینواس، اور شری رنگناتھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہیں. اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید ملت سلطان شہید جس سے بڑھکر کوئی دوسرا نہیں مل سکتا. اپنی عبادت اللہ میں ہندوؤں کی پوجا کی گھنٹیوں سے پریشان نہ ہوتا تھا. ٹیپو آزادی کے ساتھ جنگ کرتا ہوا شہید ہوا. مگر اس نے دشمنوں کی اطاعت گوارا نہ کی۔

ہمیں بھی سلطان ٹیپو کے اس الہامی مقولہ کو یاد رکھنا چاہئے۔

ذوون شیر کی طرح جینا کتوں کی ذوسو سال کی زندگی سے بہتر ہے

یا اللہ! جنگ کی اس بدلی میں جس سے ہمارے سروں پر خون ٹپک رہا ہو مرجانا

ذلت اور بے حیائی کی زندگی سے ہزار گونہ بہتر ہے"

اکثر عیسائی مورخین نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ کورگ کے معاملہ میں اس نے نہایت تعصب سے کام لیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"نواح کورگ میں اکثر ہندو لوگ عیسائی مذہب قبول کرتے جاتے تھے تو سلطان نے اس پر انہیں لکھا کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کریں۔ مگر جب چھ دفعہ لکھنے پر بھی اس کا اثر نہ ہوا تو آخر سلطان نے لکھا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ تم میں کا کوئی شخص اپنا آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کرے۔ اور اگر ایسا ہی تبدیل مذہب کا شوق ہو تو خود اپنے بادشاہ کا جو ظل اللہ ہے۔ مذہب اختیار کریں"

اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ واقعی سلطان نے کورگ کے ہندوؤں کو یہی مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ تبدیل مذہب کا شوق رکھتے ہوں تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کریں۔ لیکن اس کو تعصب اور ناانصافی نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس نے صاف طور پر انہیں کہا کہ اپنا قدیم اور آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کریں۔ اب رہا عیسائیت کے خلاف اسکا حکم، اسکو معلوم تھا کہ لوگوں کو مذہب حق کی تلاش نہیں بلکہ وہ عیسائی پادریوں کے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور عیسائی پادری مذہب کیلئے نہیں بلکہ آئندہ سیاسی فوائد کو مدنظر رکھکر لوگوں کو اپنی جال میں پھانس رہے ہیں۔ اس کی دوربین نظر یہ دیکھ چکی تھی کہ بنگال اور کرناٹک میں یہی معصوم عیسائی پادری کس طرح مذہب کا جال بچھا کر عیسائی حکومت کیلئے راستہ صاف کر چکے تھے۔ یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ گذشتہ چار صدیوں سے یورپین حکومتوں نے جہاں کہیں اپنا سیاسی

اقتدار جمانا چاہا۔ وہاں سب سے پہلے عیسائی پادریوں کو امن اور نجات کے دیوتاؤں کے بھیس میں روانہ کیا۔ اور اس کے بعد جب دیسی باشندوں سے ذرا بھی کہیں مخالفت ہوی تو کلیسا اور پادریوں کو بچانیکے بہانے سے ان حکومتوں نے اس ملک پر فوج کشی کر دی۔ تاریخیں ان واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ سلطان پادریوں کی ان فریب کاریوں سے واقف تھا۔ اسی لیئے اس نے کورگ کے باشندوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے بجائے اپنے ہی آبائی مذہب پر رہنے کا حکم دیا اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ میسور گزیٹیر کا ہندو مصنف بھی جس نے اپنی کتاب سرکاری خرچ پر شائع کی ہے۔ اور جس کو چاہیئے تھا کہ بالکل بے تعصبی سے کام لیتا۔ اپنی کتاب میں سلطان کے متعلق اس طرح لکھتا ہے:۔

"حقیقت میں اس کا تعصب اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مذہبی اور سوشیل معاملات میں وہ کسی دوسرے کے مذہبی احساسات کی بالکل پروا نہیں کرتا تھا۔ گو اس نے سرنگری کے گرو سے تعلقات رکھے تھے۔ لیکن ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ جس سے وہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔" (میسور گزیٹیر مصنفہ ہیودن راؤ صفحہ ۲۶۸۵)

لیکن یہی مصنف اپنی پوری کتاب میں کہیں اسکی ایک مثال بھی پیش نہیں کرسکا کہ سلطان نے اپنی ہندو رعایا کی سوشیل و مذہبی معاملات میں دخل دہی کی ہو۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصنف نے کس لیئے تعصب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور جب اس کو ایک مثال بھی اپنے بیان کے ثبوت میں نہیں مل سکی تو اس نے یہ لکھدیا کہ سلطان نے سرنگری کے گرو سے جو تعلقات رکھے تھے ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ اس مصنف کے ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے کہ اس کو کوئی ثبوت سلطان کی بے تعصبی کا مل نہ سکا تو زبردستی ان تعلقات کو زیر بحث لایا ہے۔ جو سرنگری کے گرو اور سلطان کے درمیان تھے۔

اب رہا ان تعلقات کا مقصد صرف سیاسی ہونا۔ اس سے شاید بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سلطان مسلمان تھا اور یہ ناممکن تھا۔ کہ مذہبی حیثیت سے وہ گروؤں اور مندروں سے اعتقاد رکھے۔ سلطان تو خیر آج کوئی ہندو ہو یا مسلمان مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسی طرح عیسائی اور ہندو، اور عیسائی اور مسلمان بھی مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس سے تو یہ مصنف بخوبی واقف ہے کہ آج ہندوستان میں کئی ایک ہندو اور مسلمان ریاستیں ہیں۔ ہندو ریاستوں کے راجہ اپنی ریاست میں مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ اور مسلمان نواب دہرمسالے اور مندر بناتے ہیں۔ کیا یہ مصنف کہہ سکتا ہے کہ ہندو راجہ اسلام کے شیفتہ ہو کر مساجد کی تعمیر کیا۔ یا مسلمان نواب ہندو مذہب کے گرویدہ ہو کر مندر بنا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حکمران وقت کو چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنی رعایا کی دلجوئی کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ دلجوئی سیاسی مقصد کیلئے ہی ہوتی ہے۔

اطالیہ نے طرابلس میں کئے ایک مسجدیں تعمیر کیں۔ فرانس کے دارالسلطنت پیرس میں حکومت نے مسلمانوں کے لئے مسجد بنائی۔ خیر یہ تو دور کا قصہ ہے۔ میسور ہی میں دیکھا جائے تو حکمران وقت نے اپنے خرچ سے چند مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ آخر ان کا مقصد کیا ہے۔ یہی کہ اپنی رعایا کی دلجوئی۔ اگر ٹیپو سلطان نے بھی یہی کیا تھا تو اس میں اس مصنف کو عیب کیوں نظر آتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے مورخین اور مصنفین سے تنگدلی دور نہیں ہوئی۔ اور یہ اسی قسم کی کتابوں کا نتیجہ ہے کہ ہندو مسلم تعلقات بجائے سلجھنے کے اور کشیدہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

سلطان کی بے تعصبی کی ایک اور مثال

سلطان نے بچپن میں جس جگہ پرورش پائی تھی۔ اس جگہ اب مسجد اعلیٰ بنی ہوئی ہے۔ پہلے

یہاں ایک مختصر مندر اور مسافر خانہ تھا۔ فقیر نے یہیں پیشین گوئی کی تھی۔ سلطان نے حسب ہدایت فقیر یہی جگہ مسجد کی تعمیر کیلئے انتخاب کی۔ مگر مندر ہونے کی وجہ سے اس کو پس و پیش رہا۔ پجاریوں اور عام ہندوؤں کو بلا کر کہا گیا کہ اگر یہ جگہ مسجد کیلئے دیدی جائے تو اس کے عوض ایک عالیشان مندر تعمیر کر کے دیا جائیگا۔ انکے راضی ہونیکے بعد سلطان نے اپنے قول کو جس طرح نباہا اس کا ثبوت وہ عالیشان مندر جو مسجد سے مغربی جانب ایک فرلانگ دور سڑک کے سیدھے بازو پر ہے۔ دے رہا ہے۔ اور اس مندر کو جو پیش قرار جائداد دی گئی۔ اس کے سندات ابھی مندر میں موجود ہیں۔

اس باب کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں میتھک سوسائیٹی جرنل مورخہ جولائی ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۱۴۶ سے وہ تبصرہ درج کیا جاتا ہے۔ جو ٹیپو سلطان کے عادات و اطوار اور طرز حکمرانی پر مضمون "میکنگ آف میسور" میں لکھا گیا ہے :-

"ٹیپو ایک نہایت ہی عالی حوصلہ حکمران اور شیر میسور کے نام سے مشہور تھا۔ فرانسیسی اور انگریز دونوں اس سے خوفزدہ تھے۔ جن سیاحوں نے ٹیپو کی سلطنت کو اسکی تخت نشینی سے بارہ سال بعد یعنے ۱۷۹۴ء میں دیکھا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ملک میں زراعت خوب ہو رہی ہے باشندے جفاکش اور ہنرور ہیں۔ تجارت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ اور ہر جگہ خوشی و خرمی ہے۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طرز حکومت لوگوں کے پسندیدہ ہے۔ اور ملک کی عام حالت بتلا رہی ہے۔ کہ رعایا اپنے حکمران سے خوش اور قانع ہے۔ اگرچہ ٹیپو کو گذرے ہوئے آج سوا صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ لیکن لوگ آج بھی ٹیپو کا اس کے عمدہ صفات کے لحاظ سے ادب و احترام کرتے ہیں۔ بخلاف معترضین کے ٹیپو کے مداح دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔"

ہندوستان اور ممالکِ اسلامیہ کو مغربی قوموں سے بچانے کیلئے

سُلطان کی جدوجہد

اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی خوشحالی و ترقی کیلئے

سُلطان کی مساعیٔ جمیلہ

یوں تو سلطان کے متعلق جس قدر تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب میں اس کا ذکر ہے کہ سلطان نے ترکی، ایران اور افغانستان کو سفارتیں روانہ کی تھیں۔ ولکس اور بورنگ نے ان سفارتوں کا تمسخر اڑایا ہے۔ دوسرے مورخین خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم صرف یہ لکھنے پر اکتفا کئے ہیں۔ کہ سفارتیں روانہ کی گئی تھیں۔ لیکن ان سفارتوں کے مقاصد اور گہرائیوں تک پہونچنے کی سعی کسی نے بھی نہیں کی۔

اتحاد بین الاقوام ہند کے سلسلہ میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ سلطان نے مرہٹوں سے بار بار اتحاد کی درخواست کی تھی۔ اتحاد بین المسلمین کیلئے اس کے ایلچی متعدد بار حیدر آباد جاکر مایوس واپس آئے۔ اسکی وجہ سے سلطان کو یقین ہوگیا کہ ہندو ہو یا مسلمان اپنے ملک سے بالکل بے پرواہیں اور ان سے اتحاد کی کوئی صورت نہیں نکل آتی۔ اس اتحاد سے سلطان کا مقصد اس خط سے ظاہر ہے جو اس نے نظام علی خاں کو بھیجا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۲۱۹) اس کے دل میں ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اسکی دوربین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ بنگالہ اور بمبئی میں تجارت

کے پردے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا کس طرح ملک پر قبضہ کر چکی ہے اور جنوبی ہند میں والاجاہ محمد علی کی خود غرضی و اسلام و وطن دشمنی نے کمپنی کو کس قدر چیرہ دست بنا دیا ہے۔ وہ جان چکا تھا کہ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک نہ ایک دن وہ تمام ہندوستان کو اپنا غلام بنا لیگی۔ اس لئے کہ ملک میں ہندو ہو یا مسلمان دونوں ایک ہی ناؤ میں سوار تھے۔ اپنی اور ملک کی آزادی کی کسی کو بھی رتی بھر فکر نہیں تھی۔ اس وقت ان دونوں قوموں کی جو حالت تھی اس کا اندازہ سلطان کی خاص تحریر سے ہوتا ہے۔ صاحب حملات حیدری نے لکھا ہے کہ یہ تحریر خاص سلطان کی نہیں ہے بلکہ عام طور پر اس زمانے کے متعلق کسی نے لکھی تھی۔

"خدا نے فصلی حیثیتوں سے جیسے اس ملک میں تمام دنیا کے مجموعی اوصاف جمع کر دیے ہیں یعنی سردی، گرمی، بارش، برف وغیرہ آثار قدرت جو ... ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب قدرت نے اس ملک کے مختلف حصوں کو عنایت کیے ہیں باشندگان ملک کیلیے تمام زمین کو ہر قسم کے غلوں سے وغیرہ گنگا قدرت نے ... سینکڑوں ندیوں اور عالیشان دریاؤں سے ملک کی سیرابی کا سامان موجود ہے۔ ہر طرح کے پھل پھول سے جنگل گلزار ہو رہے ہیں۔ یہاں کے دریاؤں میں موتی۔ مونگوں کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے پہاڑ یاقوت و الماس کی جھولیاں بھرے ہوے کھڑے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ویسے ہی قدرت نے یہ نعمت عظمٰی اس قوم کو عنایت فرمائی تھی۔ جو اپنے وقت میں تمام دنیا کی قوموں سے بہتر اوصاف رکھتی تھی۔ یہاں کی قوم ہنود کی تعریف دور دور کے ملکوں میں بطور ایک نادیدہ مثال کے بیان کی جاتی تھی۔ انکی نفس کشی اور ریاضت کی کوئی حد نہ تھی۔ نرم دل ایسی تھی کہ ذی روح کو اگر چہ وہ بھنگا اور چیونٹی کیوں نہ

ہو تکلیف نہ دیتی تھی۔ محبت اور ملنساری میں دوسرے ملک والوں کو ایسا موہ لیتی تھی کہ اسکے اطوار سنجیدہ اور اخلاق برگزیدہ کے رہین منت ہو کر اس کی تعریف کا افسانہ ساتھ لیجاتے تھے۔ کسی جاندار کا ایذا دینا حرام مطلق تھا۔ اور اس حکم کی پابندی اس دلی رحم ولینت سے کی جاتی تھی کہ وہ ہر شخص کی طبیعت ثانی بنگئی تھی۔ خیرات اور صدقات کی کچھ حد نہ تھی۔ حتیٰ کہ صدقات وخیرات لینے والے بمشکل دستیاب ہوتے تھے۔ بعض راجے اپنا راج تک خیرات کر دیتے تھے۔ ایفاء عہد اور قول پروری اس وقت کا خاصہ تھی۔ ذرا سی قدرتی جھلک میں مظاہر یزدانی کی پرستش پر آمادہ رہتے تھے۔

زاں بعد وہی قوم دوسری قوموں کی آمیزش اور اختلاط اور اپنے قانون عملی کو چھوڑ کر ایسی گمراہ اور خراب ہوی کہ انکی ہر نیکی سے ان گنت برائیاں پھوٹ نکلیں۔ بت پرستی نے سرتاپا کفر وضلالت میں مبتلا کر دیا۔ انکی خیرات ومبرات کے بیجا مصرف نے ان گنت فقیر وسائل پیدا کر دیئے۔ جن کے افعال واطوار اس لائق نہ تھے۔ کہ ان کو حرام خوری کا موقع دیا جاتا۔ ان کے دلوں سے رحم اور خدا ترسی کا مادہ گھٹنے اور تعصب ونفسانیت کا مادّہ بڑھنے لگا۔ اور ان کا رحم قدیم بجائے عام بنی نوع انسان کے اپنے اغراض وخصوصیات سے متعلق ہو گیا۔ جس نے ان سے وہ عام برگزیدگی کے اوصاف واپس لے لیئے۔ اور یہ بتدریج روحانیت کی تابناک روشنی سے کفر وبادہ پرستی کی تاریکی میں پڑ گئے۔ مسلمانوں کے وقت میں انکے تعصب اور نفسانیت اور ریا وخوشامد وغیرہ نے ترقی کی۔ اور وہ خصائل جو تونگری اور تموّل کو لازم ہیں۔ ان میں گھر گئے۔ اولاد کی کثرت، تعلیم کی قلت عیش وتنعم کے اسباب، ہنرمندی کے فقدان

نے ان کو شاہراہ ترقی سے دور رکھا۔ دون فرومائگی، رذیل شیووں کا اختیار کرنا۔ خوشامد چاپلوسی، مکروفریب سے دوسرے کے ساتھ ملنا۔ دغا و زور کو اپنا ذریعہ کامیابی جاننا۔ انکا شیوہ ہو گیا۔ غیرت اور حمیت سے سروکار نہ رہا۔ بیکار پڑے رہنے کو ذریعہ تنعم خیال کیا۔ دولت جمع کرنے کیلئے انکے لالچ اور طمع کی حد نہ رہی۔ فی الحقیقت اس سے زیادہ ذلت کیا ہوگی۔ کہ ایک ملک کے لوگ آپس میں تو لڑیں لیکن دوسروں کو اپنا خداوند نعمت بنائیں۔ انکے سامنے ذلت اور عاجزی سے سر جھکائیں۔ اور انواع مکروخوشامد سے پیش آئیں۔ اور خود انکے بار حکومت کے نیچے دب جائیں۔ ہندوؤں کے مذہبی تنوع نے ان میں سخت تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ انہیں وجوہ سے بعض غیر ملک کے بہادر اور اولوالعزم اور محنت کوش بادشاہوں نے اپنی قوم کا اس ملک کی بودوباش سے علیحدہ رہنا پسند کیا ہے۔ چنانچہ گرشاسپ نامہ اسدی میں لکھا ہے کہ جب ضحاک نے اپنے سپہ سالار گرشاسپ کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا تو اس کو یہ نصیحت کی۔

مثنوی

وصیت چنیں کرد گرشاسپ را	کہ در ہند پدرود کن خواب را
نداری ز خونِ سپاہاں دریغ	ہمیں کار فرما درخشندہ تیغ
بجستی دہ انجام کار بزرگ	برا بیشاں چناں زن کہ بر گلہ گرگ
نمانی دراں بوم سالے تمام	کہ لشکر گراں گیرد از ننگ و نام
گرد بگزرو چار موسم دراں	ز فرہنگ و مردمی نیابی نشاں

یعنی اے گرشاسپ تو بعد حصول فتح ہندوستان کے وہاں رہنے کا ہرگز قصد نہ کرنا کیونکہ اگر تجھ پر اور تیرے لشکر پر ایک سال وہاں گذر گیا تو یقین کر کہ پھر

مردی و فرزانگی کا نام و نشان بھی تب یہ لشکر میں باقی نہ رہیگا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی حالت پر غور کیجیے کہ ایران، توران، بلخ، ہرات غزنین۔ قندہار وغیرہ سے کیسے کیسے توانا اولوالعزم مغل اور پٹھان یہاں آئے لیکن یہاں کی رہائش سے وہ کیسے خانہ نشین و عشرت پسند ہوگئے۔ اور ان شیروں، بہادروں کی اولاد کیسی کمزور اور زنخی ہوگئی۔ اور انہوں نے کیسی نحیف اور رزذیل عادتیں اختیار کیں کہ انکی اصلیت کا کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہا۔ اور وہ بھی ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے اوصاف شجاعت و مردانگی و غیرت و حمیت کو کھو بیٹھے۔ اور اولوالعزمی ان کی سرشت سے نکل گئی"۔ (حملات حیدری)

سلطان کو جب حیدرآباد اور مرہٹوں سے اتحاد میں مایوسی ہوی تو اس نے فرانسیسیوں سے اتحاد کرنا چاہا (جس کا بیان آگے آچکا ہے) اسی سلسلہ میں اس نے افغانستان، ایران اور ترکی کو بھی سفارتیں روانہ کیں۔ ان ممالک کو سفارتیں روانہ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ہندوستان کو مغربی قوموں سے محفوظ رکھے بلکہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کو بھی ان سے مصئون رکھنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے اس جذبہ کو پین اسلامزم کہا جائے یا کچھ اور۔ لیکن یہ حقیقت تو اس پر واضح تھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے اور اس پر مستقل حکومت کرنے کیلئے ان قوموں (خصوصًا انگریز) کی نظریں بلاد اسلامیہ کے ان سواحل پر پڑ رہی تھیں جو ہندوستان کے راستے میں تھیں۔ وہ اس سے واقف تھا کہ ایک نہ ایک دن عراق، ایران وعرب کے سواحل پر انگریز اپنا قبضہ جمالیں گے۔ اس لئے کہ ان ممالک کے پاس کوئی بحری طاقت نہیں تھی۔ جو یوروپین اقوام کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ ممالک اسلامیہ کا آپس میں اتحاد کرنے سے سلطان کے مدنظر مندرجۂ ذیل فوائد تھے:۔

(۱) اگر ترکی و ایران کو ہندوستان میں بندرگاہیں دی جائیں اور اس کے عوض ان ممالک کے ساحلوں پر سلطنت خداداد کی بندرگاہیں موجود رہیں تو اسلامی جہازات کی آمدورفت کی وجہ سے مغربی قوموں کو ان ساحلوں پر قبضہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملیگا۔

(۲) قدیم زمانے سے ہندوستان کی تجارت خشکی کے راستے ہوتی تھی۔ اور یہی تجارت ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی خوش حالی کا باعث تھی۔ لیکن یوروپ والوں نے کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) کا راستہ دریافت کر کے اس تجارت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس لئے سلطان نے پھر اس تجارت پر قبضہ کرنے کیلئے ہندوستان سے براہ بصرہ و ترکی بحری راستہ تجویز کیا۔ جو راس امید کے راستے سے زیادہ نزدیک اور سہل تھا اور اس سے علاوہ تجارت کے یہ مقصد بھی تھا کہ تجارت کی حفاظت کرنے کیلئے اسلامی ممالک بھی ان سمندروں میں اپنی بحری طاقت قایم کرینگے جواب تک نہیں تھی۔

(۳) مسلمان صنعت وحرفت اور تجارت سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ یہی تجارت اور صنعت و حرفت انہیں اقوام عالم کا سرتاج بنا رکھی تھی۔ اس لئے سلطان نے نہ صرف اپنی سلطنت میں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تجارتی کوٹھیاں کھول کر مسلمانوں کو اس جانب توجہ دلانی چاہی۔

(۴) ترکی سے جس کی شہرت اقصائے عالم پہ پھیلی ہوی تھی فوجی امداد حاصل کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالدیا جائے۔

ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے جو سفارت ترکی کو بھیجی۔ اس کا رئیس میر غلام علی تھا۔ یہ سفارت نہایت شان و احتشام سے روانہ کی گئی۔ اس کے لیئے خاص طور پر سلطنت کے سب سے بڑے جنگی جہاز "فخر المراکب" کو جس کے جلو میں چار چھوٹے جنگی جہاز تھے مختص کیا گیا۔

سلطان نے میر غلام علی کو سلطان ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے مختار نامہ دیا تھا۔ اس میں اس نے جو ہدایات لکھی تھیں۔ وہ بعینہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:۔

"قلم اول:۔ سرکار خداداد و سلطان روم کے درمیان شمس و قمر کے دور قیام تک دوستی و یک جہتی قایم رہے گی۔

قلم دوم:۔ بندرگاہ بصرہ و ملحقہ ملک معہ ملازمان سرکار خداداد کو اجارہ پر دیا جائے اس کا زر اجارہ سلطان روم کو دیا جائیگا۔

قلم سوم:۔ اسکے عوض سلطان روم کو سلطنت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو اجارہ پر دی جائیگی۔ اس ذریعہ سے اہل اسلام کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہوتی رہے گی۔ جس کے سبب دین متین احمدی کو روز افزوں تقویت ملیگی

قلم چہارم:۔ ترکی سلطنت ہماری تائید کیلئے جس قدر جمعیت جہازوں پر سوار کرکے روانہ کریگی۔ اسکے تمام اخراجات سلطنت خداداد برداشت کریگی۔ اور جس وقت ترکی سلطنت کو اس فوج کی ضرورت لاحق ہوگی تو اس فوج کو جہازات پر سوار کرکے سلطنت خداداد کے خرچ سے واپس بھیجا جائیگا۔

قلم پنجم:۔ سرکار خداداد میں اگرچہ بندوق و توپ ساز بہت سے موجود ہیں۔ لیکن اور چند بندوق، توپ اور قرابہ سازوں کو جو ماہرین فن ہوں۔ ترکی سے بھیجے جائیں۔ اور انکے عوض ہر قسم کے کاریگر جو سلطان روم کو مطلوب ہوں سرکار خداداد سے ترکی کو بھیجے جائیں گے۔

ہدایت کی جاتی ہے کہ اوپر لکھی ہوئی شرائط کو اقرار نامہ کی صورت میں قلمبند کراکے سلطان روم کا مہر دستخط لیا جائے اور اسکی ایک نقل ہمارے دستخط کیلئے بھیجی جائے۔"

غلام علی کو یہ بھی ہدایات ساتھ دی گئی تھیں کہ وہ ماہرین معدن گندک اور چند ماہرین معدن طلا و چاندی اپنے ساتھ لے آئے۔ اور چوبیس توپیں بھی خرید کی جائیں۔

سلطان ترکی کو زبانی طور پر اس عہدنامہ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھانے کے لئے سلطان نے میر غلام علی کو ایک اور منشور دیا۔ جس میں واضح طور پر شرائط کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا:۔

(۱) اس اتحاد کی اس لئے ضرورت ہے کہ انگریز ملک بنگالہ کو جس کے محاصل ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ اور ملک سورت و گجرات جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ اور ملک کرناٹک کو جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ ہیں۔ جو بادشاہ ہندوستان کی ملکیت میں ہیں مقامی حکام سے سازش کر کے پچیس یا تیس سال سے اپنے قبضہ میں لے آئے ہیں۔ اور اکثر اہل اسلام کو گرفتار کر کے انکے مساجد و مقابر کو تباہ کر کے اپنے کلیسا تعمیر کئے ہیں۔ اور ان ممالک میں کفر کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے سلطان ان سے جنگ کرنے میں مشغول ہے اس جہاد میں آپ کی تائید چاہئے۔

(۲) نصاریٰ کے قلع و قمع کے لئے جہازات کی سخت ضرورت ہے۔ اور بفضل خدا سلطنت خداداد جہازات کی تیاری میں مشغول ہے۔ لیکن ان جہازات کی آمد و رفت اور طوفان کے وقت پناہ لینے کیلئے بندرگاہیں چاہئے۔ اس لئے اگر بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تو ان جہازوں کو پناہ کی جگہ مل سکیگی۔ اور اسکے ذریعہ ممالک اسلامیہ کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہمیشہ قایم رہیگی۔ اور یہ امر دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویت کا باعث ہوگا۔

(۳) بندرگاہ بصرہ کے عوض ترکی سلطنت کو حکومت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت

ہو۔ دی جائیگی۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ ترکی سلطنت کا اگر ایک بندرگاہ ہندوستان میں ہو تو سلطان ترکی کے جہازات ہندوستان کو آتے جاتے رہیں گے۔ اور اس طرح نصاریٰ کی آمدورفت کا قلع و قمع ہو جائیگا۔ اور تمام ممالک اسلامیہ اور بلاد مقدسہ کی سلطنتیں انکی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔

(۴) نصاریٰ ہر طرح سے یعنے صنعت و حرفت۔ تجارت اور ملک گیری کے ذریعہ اہل اسلام پر غالب آنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ دول اسلام بھی صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف توجہ کریں۔ سلطنت خداداد چونکہ اس معاملہ میں پیش قدمی کر چکی ہے اس لئے اس سلطنت میں بندوقیں اور توپیں بے شمار اور نہایت عمدہ تیار ہوتی ہیں۔ انکے علاوہ گھڑیاں۔ ظروف چینی۔ دُوربینیں۔ آئینے وغیرہ بھی نہایت عمدہ بنتے ہیں۔ سلطنت ترکی کو اپنے یہاں ان اشیا کی ساخت کیلئے ماہرین فن کی ضرورت ہو تو سلطنت خداداد سے ایسے لوگ بھیجے جا سکتے ہیں۔ اور ترکی سے جو ماہرین فن سلطنت خداداد میں آنا چاہیں۔ انہیں بخوشی یہاں ملازمت دی جائے گی۔ اور تمام سفر خرچ وغیرہ برداشت کیا جائیگا۔ اور جب کبھی یہ لوگ ترکی کو واپس جانا چاہیں تو انہیں واپس جانیکا اختیار ہوگا۔

(۵) چونکہ نجف اشرف میں پانی کی قلت کی وجہ سے زائرین کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے دریائے فرات سے نجف اشرف تک ایک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ اس کا تمام خرچ سلطنت خداداد خود برداشت کریگی۔ اور منظوری حاصل ہونے پر ماہرین فن کو یہاں سے بھیجدیا جائیگا۔ یہ نہر علاوہ نجف اشرف میں میٹھا پانی مہیا کرنے کے دوسری ضروریات کے بھی کام آئے گی۔"

غلام علی کو ان ہدایات کے دینے کے علاوہ سلطان نے سفارت کو حکم دیا کہ

بندرگاہ بصرہ میں اتر کر بغداد و نجف اشرف اور کربلا کے راستے سے قسطنطنیہ پہونچے

اور راستے میں مقامات مقدسہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سے سلطنت خداداد کو آگاہ

کیا جائے۔

چنانچہ سلطان نے اسکے متعلق میر غلام علی کو جو حکم نامہ لکھ کر بھیجا تھا، اسکی نقل بجنسہٖ زبان فارسی

میں دی جاتی ہے:-

"نقل حکم نامہ:- آنکہ در اثنائے راہ چہ در ممالک عرب و عجم و روم درگاہ بزرگان

و پیغمبران باشند، رفتہ از طرف سرکار غلاف و نذر و شیرنی بردہ فاتحہ نمودہ و بقدر

مناسب از نقد خیرات نمایند۔ واز شریف مکہ و سلطان روم ہر چیز کہ در اینجا نمودہ بحضور

معروض دارند۔ در مکہ شریف و در مدینہ شریف و درگاہ حضرت پیران پیر و در نجف

اشرف و در کربلائے معلےٰ و در درگاہ حضرت امام رضاؑ برائے نذر کدام چیز مقبول و

پائدار است و نیز اگر درواز ہائے نقرہ فرستادہ شود و در مکانہائے موصوف نصب نمودہ

شد یا نہ و ہم درگاہ روبروئے درگاہ اگر کلاں بستہ و براں بالاخانہ تیار کردہ نقارخانہ

گذاشتہ شود بہتر است یا نہ؟

مرقومہ پانزدہم حیدری سال جلو از مقام متصل ظفرآباد سنہ ۱۲۰۱ ہجری

(نوٹ:- معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نامہ سرنگاپٹم سے سفارت کے روانہ ہو جانے کے بعد میر غلام علی کو

بھیجا گیا تھا۔ محمود)

غرض یہ سفارت نہایت شان و شوکت سے قسطنطنیہ (استنبول) پہونچی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھتا ہے:-

"عہدنامہ منگلور کے بعد سلطان نے ایک سفارت قسطنطنیہ کو بھیجی۔ اس سفارت کا رئیس میر غلام علی تھا۔ اس سفارت کے ذریعہ سلطان ترکی کو نہایت بیش قیمت تحایف کے علاوہ ٹیپو نے نئی بندوقیں جو اسکے کارخانوں میں تیار ہوئی تھیں۔ دس لاکھ روپیہ جو نئے ڈھلے ہوئے تھے۔ قیمتی پارچہ جات۔ سونا اور جواہرات بھی بھیجے تھے۔"

سفارت بندرگاہِ بصرہ میں پہونچی۔ ترکی گورنر نے باب عالی سے حکم آنے تک اس کو یہاں ٹھہرا رکھا۔ تین ماہ کے بعد جب حکم پہونچا تو اس کو جانے کا حکم دیا گیا۔ قسطنطنیہ پہونچکر ارکان سفارت نے وزیر اعظم اور دوسرے امراء سے ملاقاتیں کیں۔ لیکن بارگاہ سلطان ترکی میں ایک عرصہ تک باریابی نہ ہوسکی۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"جب یہ سفارت قسطنطنیہ پہونچی تو بمشکل نو ماہ کے بعد باریابی ملی۔ سلطان سلیم نے ٹیپو کی ان تجاویز کا مضحکہ اڑایا۔"

سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کی تجاویز کا مضحکہ اڑایا ہو یا نہ اڑایا ہو۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے معاہدہ کرنیسے انکار کر دیا۔ اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستی کا رہنا کافی ہے۔ جب اسکے بعد بندرگاہ بصرہ کی حوالگی اور نجف اشرف میں نہر کی تیاری کی درخواستیں پیش ہوئیں تو یہ بھی مسترد کر دی گئیں۔ بلکہ بصرہ میں تجارتی کوٹھی کھولنے کی بھی اجازت نہیں ملی۔ رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۴ پر لکھتا ہے:۔

"غلام علی نے جب سلطان ترکی کے آگے ٹیپو سلطان کی یہ تجویز پیش کی کہ بندرگاہ بصرہ میں سلطنت خداداد کو ایک فیاکٹری (تجارتی کوٹھی) کھولنے کی اجازت دی جائے۔ اور اس امر کی بھی اجازت دی جائے کہ نہر فرات سے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی جائے۔ مگر سلطان سلیم نے ان تجاویز کو قبول نہیں کیا۔"

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"جب باب عالی کے آگے سلطان کی یہ تجویز پیش ہوئی کہ دریائے فرات سے نجف تک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ تو وزیر اعظم نے کہا۔ اس قسم کی باتیں قدیم زمانے میں جب زمین پر جنات اور دیو آباد تھے سنی جاتی تھیں۔ ریگستان میں نہر نکالنا اب تک نہیں سنا گیا۔ اگر خدا کو منظور رہے کہ یہ نہر نکالی جائے تو وہ خود اس کا سامان پیدا کردیگا۔ اور ترکی کو ٹیپو سلطان کی مدد کی ضرورت نہیں پڑیگی۔"

یہ الفاظ حقیقت میں وزیر اعظم نے کہا تھا یا ولکس کے دماغ کی ایجاد ہے۔ اس کے متعلق اس وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں ترکی اور تمام عالم اسلام پر ایک جمود کا عالم طاری تھا۔ سترہویں صدی عیسوی میں ہر جگہ کے مسلمانوں کی یہی حالت تھی۔ ترکی جو دنیائے اسلام کی سب سے زبردست اور دنیا میں اکیلا اسلام کہلاتی تھی۔ تباہی کے عمیق غار میں گر چکی تھی۔ باب عالی میں یوروپین اقوام کی ریشہ دوانیاں اور ان کے سفیروں کی آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑھکر انگلستان حصہ لے رہا تھا۔ جو فرانس کے خوف سے ترکی کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہتا تھا۔ صنعت و حرفت کا ملک میں نام و نشان تک نہیں تھا اور تمام تجارت یوروپین اقوام کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ مذہبی و اخلاقی نقطہ نظر سے بھی ترک حد درجہ گر چکے تھے۔

تاریخ خاندان عثمانیہ میں اس زمانہ میں ترکی کی اندرونی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے :-

ترکی کی حالت

(۱) وہی قومیں جو مذہب، معاشرت اور زبان میں ترکوں سے متغایر تھیں۔ نہیں بگڑی ہوئی تھیں۔ بلکہ مسلمان رعایا میں بھی جو کافی زبردست ہو جاتے تھے۔ وہ بطور

قاعدہ کلیہ نمائشی اور زبانی فرمانبرداری کے سوا اور سب طرح سے مطلق العنان ہوجاتے تھے۔ بغاوت اور خانہ جنگی بڑے بڑے پاشاؤں کا معمولی وظیرہ تھا۔

(۲) عام طور پر گورنر ایک سال کیلئے مقرر ہوتے تھے۔ اور یہ تقرریاں عموماً رشوتیں دیکر حاصل کی جاتی تھیں۔ اور وہ لوگ جو گورنر ہونا چاہتے تھے۔ مالدار تو نہیں ہوتے تھے اس لئے عموماً رشوت کا روپیہ کسی مالدار یونانی یا یہودی سے قرض حاصل کرتے تھے۔ قرض دہندہ فی الحقیقت اس صوبہ کا جس پر اس کا مقروض متعین ہو۔ مرتہن ہوجاتا تھا اور رہن بھی باقبضہ ہوتا تھا۔ کیونکہ لازمی طور پر اس کا معتبر ایجنٹ سکرٹری کی حیثیت میں پاشا کے ساتھ جاتا تھا۔ اور بسا اوقات صوبہ کا واقعی حاکم یہی سکرٹری ہوتا تھا۔ اور پھر ہر سال عہدہ کی تجدید کی ضرورت پاشاہوں کو اس مالی غلامی سے آزاد نہیں ہونے دیتی تھی۔

(۳) قاضی صاحبان یعنے مجسٹریٹ بھی عموماً پاشاؤں کی طرح اپنے عہدے بذریعہ خرید حاصل کرتے اور انہی جیسے ظالم اور خائن ہوتے تھے۔

(۴) جاگیری انتظام میں بے اندازہ خرابیاں پیدا اور بابِ عالی کی غفلت یا کمزوری سے سلطنت کے اہم صوبوں میں مختلف اقوام و مذاہب کی چھوٹی چھوٹی خودسر ریاستوں کے قائم ہوجانے سے بھی سلطنت عثمانیہ کی کمزوری و بدنظمی میں مختلف و بے حساب اضافہ ہوگیا تھا۔

(۵) جاگیردار زبانی اور نام نہاد طور پر سلطان اور اسکے گورنر کی اطاعت کو مانتے رہنے سے تو انکار نہیں کرتے تھے۔ لیکن کسی سرکاری عہدہ دار کی مجال نہیں تھی کہ جاگیردار کے قلعہ میں داخل ہوکر حکم کی تعمیل کرا سکے۔

(۶) علما اور بالخصوص مفتی یعنے شیخ الاسلام کی طاقت بہ نسبت سابق بہت بڑھ گئی تھی۔ یہی کیفیت املاک اوقاف کی بھی تھی۔ لوگ ٹیکسوں سے بچنے کیلئے اپنی املاک متولیان اوقاف سے خفیہ معاہدہ کرکے وقف کر دیتے تھے۔

(۷) الغرض سلطنت کے ہر شعبہ کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس صدی کے خاتمہ کے قریب سلطنت عثمانیہ کمال انحطاط کے درجہ پر پہونچ گئی تھی تو اس میں ذرہ بھی مبالغہ نہ ہوگا" (تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم اقتباس از صفحات ۲۴۰ تا ۲۴۸)

ان حالات میں سفارت کا ناکام واپس آنا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔

لیکن سلطان اس سے مایوس نہیں ہوا۔ اس نے پھر دو سفارتیں روانہ کیں۔ اور ان میں جو اخیر سفارت تھی وہ ۱۷۹۸ء؁ میں روانہ کی گئی تھی۔ اس وقت باب عالی میں انگریزی سفیر کا طوطی بول رہا تھا۔ ترکی پورے طور پر انگریزوں کے اثر میں تھی۔ اس لئے جب ٹیپو سلطان کا خط پیش ہوا۔ تو سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کو لکھا کہ فرانسیسیوں پر اعتماد نہ کریں۔ بلکہ انگریزوں کے ساتھ مل جائے۔ سلیم ہندوستان کے حالات سے ناواقف تھا۔ بہر طور یہاں سلطان سلیم کا خط اور اس کا جواب جو ٹیپو سلطان نے بھیجا تھا درج کئے جاتے ہیں:۔

"سلطان سلیم فرمانروائے سلطنت عثمانیہ کا خط۔ مورخہ ۸ ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ؁ بنام ٹیپو سلطان"

(یہ اصل خط عربی میں تھا۔ عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا۔)

اس سلطان برادر قدردان کو معلوم ہو کہ ان ایام میں فرانسیس لوگ دیار فرنگ کی اکثر ریاستوں کے ساتھ سرگرم پیکار تھے۔ ہماری سرکار نے ان لوگوں کے تعارف اور دوستی کے سبب جو سابق سے چلی آتی ہے ان کے دشمنوں کے طرفدار نہ ہو کر صلح کل کا طریقہ

اختیار کیا۔ اس سرکار کو چونکہ بنسبت ان لوگوں کے نہایت درجہ میلان والتفات اور ان کی لگاوٹ کی باتوں کا کمال اعتماد تھا۔ اسی سبب سے دوسروں کے سوال و پیغام انکے خلاف مسموع نہ ہوتے ہے۔

سرکار عالی کو یہ خیال تھا کہ وہ بھی ان مدارات کے بدلے لوازم مروت اور دوستی بجالاینگے۔ لیکن برخلاف اسکے ان لوگوں نے یکایک دغابازی اور مکاری کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ پہلے تو انہوں نے طولوں میں جو ملک فرانسیس کے متعلق بندروں میں سے ہے۔ جہازوں کی تیاری کی۔ اور ان جہازوں کے روانہ کرنے کا لوازمہ واسباب مہیا کرنے کے بعد کثیر لشکر ان پر چڑھایا۔ اور بعضے آدمیوں کو جو عربی زبان سے ماہر اور قبل اسکے ملک مصر میں گئے تھے۔ ساتھ کیا۔ اور سرداری اسکی بوناپارٹ کو دی جو اس قوم کا سپہ سالار تھا۔ چنانچہ سپہ سالار مذکور نے ان جہازوں وغیرہ سمیت جزیرہ مالطہ کی سمت کوچ کر اس مقام کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ پھر یہاں سے اسکندریہ کی جانب روانہ ہوکر ۸ ار محرم الحرام ۱۲۱۳ھ کو اسکے سامنے جاکر اکبارگی اپنا سارا لشکر شہر میں داخل کردیا۔ کچھ دنوں بعد اس نے وہاں عربی عبارت میں اس مضمون کے اشتہار شائع کئے۔ کہ ہمکو سرکار عثمانیہ کے ساتھ کچھ پرخاش نہیں۔ بلکہ تادیب تعذیب مصر کے بیگوں کی۔ جنہوں نے قوم فرانسیس کے سوداگروں کو تکلیف پہونچائی۔ منظور ہے عرب کے جتنے آدمی فرانسیسوں کی موافقت اختیار کرینگے۔ انکے ساتھ حسن سلوک عمل میں آئیگا۔ اور جو لوگ مخالف ہونگے وہ موت کا مزا چکھیں گے۔ تعجب تو یہ ہے کہ ان مفتریوں نے یہ بھی مشہور کردیا کہ مصر کی مہم ہماری مرضی اور صلاح سے واقع ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ بات محض جھوٹ ہے۔

اسکے بعد اس مکار نے شہر روضنہ میں دخل کر لیا۔ تب تو دولت عثمانیہ کی نوجوں
نے جو شہر قاہرہ سے ان مصیبت زدوں کی مدد کو بھیجی گئی تھیں۔ ان کا مقابلہ کیا۔
اور مصر کی سرزمین جو اس اعتبار سے کہ متصل قبلۂ اہل اسلام مکہ معظمہ اور بھی مدینۂ
منورہ کے واقع ہے۔ اس کی نسبت قوم مذکور کے بعض خط پکڑے گئے۔ ان کی عبارتوں
سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عرب کے ملک کو لیکر اس کو چھوٹے چھوٹے صوبوں پر تقسیم کرنا
چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو نیست ونابود کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمارے
دل میں یہ بات سمائی ہے کہ توفیق الہٰی اور تائید رسالت پناہی سے ان دشمنوں
اور دین کے بدخواہوں کے دفع کرنے میں ہر طرح کی کوشش عمل میں لائی جائے۔
چونکہ اس برادر قدردان کے ساتھ جو دین اسلام کی حمایت میں شہرۂ
آفاق ہیں۔ مدت مراسم یک جہتی ثابت و مستحکم اور طرفین سے ارتباط و یگانگت کی
رسمیں جاری ہیں۔ امید ہے کہ وہ برادر مہربان اس خرخشے کی صفائی کیلئے اس سرکار
عالی کے ساتھ درمیان عزم و رزم کے متفق اور معاون ہونے میں کوئی دقیقہ فرو
گذاشت نہ کریں گے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ اندنوں قوم فرانسیس نے سرکار انگریزی
کے علاقہ ہندوستان میں طرح طرح کی سازش کی ہے۔ اور تقریب سے درمیان
قوم فرانسس اور اس برادر کے نہایت موافقت اور میل پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ ان
کے سرداروں نے مصر کے راستے سے نوجوں کے بھیجنے کا اقرار کیا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں
کہ ان کا مکر و فریب جلد کھل جائیگا۔

چونکہ اس قوم نے مقابلہ کو ادھر سے تو ناظمان سرکار انگریز مستعد ہیں اور ادھر
ہم بھی انکے فتنہ و شورش کا دفعیہ کرنا ضرور جانتے ہیں۔ اس صورت میں دونوں سرکار

کے سرداروں کو لازم ہے کہ ایک دوسرے کی تائید و تقویت میں شریک رہیں۔ اور یہ بات ایک جہان کے گوش زد ہو گئی ہے کہ فرانسیسیوں کے سرداروں نے ہر دین و مذہب کے نیست و نابود کرنے پر کمر باندھی ہے۔ یہاں تک کہ پاپائے روم کے ملکوں پر جو یہاں کے قدیم رئیسوں میں سے ہے۔ اور دیار فرنگ کی سب قومیں اسکی عزت اور توقیر کرتی ہیں۔ ظلم و تعدی کا ہاتھ دراز کیا ہے۔ اور ریاست ہنگوان بھی جو بطور ریاست اجماعی کی تھی لے لی ہے۔ اور اب سرکار عثمانی کے ملکوں پر تاخت کی ہے۔ اور آئندہ ان کو ہندوستان لینے اور انگریزوں کو وہاں سے نکال دینے کی دُھن ہے۔ الحاصل فرانسیسیوں کی قوم ایسی بے مروت ہے کہ انکے مکر و فریب کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اس لیئے امید ہے کہ وہ برادر طریقہ دین و اسلام کے اقتضا سے اپنے ہم مذہبوں کی کمک اور مدد میں بلکہ قوم فرانسیس کے شر و تزویر سے خطہ ہند کے بچانے میں دریغ نہ فرمائیں گے اور اگر درمیان اس برادر والا قدر اور قوم مذکور کے کچھ ارتباط اور میل ملاپ ہوا ہے تو امید ہے کہ وہ برادر والا قدر عالی استقبال کے آغاز و اتحاد کے نیتجوں اور اس نشیب و فراز کو جو اس مذہب کی ملاوٹ میں متصور اور ممکن ہے۔ ترازوئے دانش میں تول کر اس سے احتراز لازم جانیں گے۔ اور انگریزوں سے لڑنے کے قصد کو دل سے محو کر ڈالیں گے۔ اور جس صورت میں اس برادر کو انگریزوں سے کچھ شکایت ہو تو ہمیں مفصلاً اس کا حال لکھیں گے۔ تاکہ اس کی صفائی کیلیئے ہر طرح کی دوستانہ کوشش عمل میں لائی جائے۔ امید ہے کہ وہ برادران امور میں خوض و فکر کر کے قدیم دوستی اور ارتباط کی بنیاد کو جو جانبین سے بطور شائستہ ثابت و قایم ہے اور زیادہ مضبوط و استوار کریں گے۔ فقط

ٹیپو سلطان کی طرف سے سلطان سلیم کے خط کا جواب

(یہ خط عربی زبان میں لکھا گیا تھا)

سب ستائش اور حمد اس خدا کو سزاوار ہے جس نے ملوک صاحب احتشام اور سلاطین عالی مقام کے نظم و نسق سے دین اسلام کو ایسا نور و ظہور بخشا۔

اور درود و سلام اس کے رسول مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی آل و اصحاب امجاد پر جنھوں نے شریعت خیر الانام کے طریقے کو آج اوج کمال پر پہونچایا۔

بعد اس کے شہنشاہ جمجاہ حکومت و ابہت پناہ۔ ظل ملک صمد۔ مورد الطاف ربانی۔ منبع دانش و عرفان مجمع بر و امتنان۔ مقدمۃ الجیش فیروزی و اقبال برگزیدۂ حضرت ذوالجلال۔ بادشاہ بحر و بر۔ نائب ایزد داور۔ اعنی سلطان روم کی بارگاہ والا میں (خدا ان کے ملک و سلطنت کو ہمیشہ قایم رکھے) پوشیدہ نہ رہے کہ:۔

آپ کا مکتوب گرامی جو قوم فرانسس کی توہین و تذلیل اور جمیع مسلمین کے ساتھ ان کے عناد رکھنے اور یک قلم مذہب کے طریقوں کو صفحۂ جہاں سے محو کر ڈالنے پر مشتمل اور انگریزوں کی تعریف و تحسین اور درمیان انکے اور ہمارے صفائی کر دینے کیلئے اس عظمت دستگاہ کے کفیل و عازم ہونے اور ہم میں ان میں جو خصومت اور دشمنی واقع ہے اس کا سبب بیان کرنے پر محتوی تھا۔ نیک ترین ساعت میں پہنچا۔

خاطر عاطر پر روشن اور جہر ہیں ہو کہ ہم نے فی سبیل اللہ جہاد اور دین محمدؐ

کی بنیاد قایم رکھنے کیواسطے کربانذہی ہے۔ اور فی الواقع فرانسیسیوں کی ذات جیساکہ آپ نے لکھا ہے۔ بڑی بے وفا اور سنگ دل ہے۔ ہم انکی برائیوں سے خوب آگاہ ہیں۔ اور چونکہ انگریزوں کی قوم نے اندنوں ہمارے ملک پر تاخت کرنے میں پیش دستی اور حرب ونبرد کی تیاری کی ہے۔ اس لئے ہم پر بلکہ مسلمانوں پر جہاد واجب ہوا ہے۔ توقع کہ جناب عالی اوقات خاص میں مناجات کرکے ہمت اور دعا سے ہماری معاونت فرماویں گے۔ بعداس کے ہم سب کو فضل الہٰی اور توفیق ایزدی کی اعانت بس ہے۔ قبل اس کے ہم نے ایک نامہ سید علی محمد اور مدارالدین کی معرفت بھیجا ہے جس میں بخوبی مفصل حالات مندرج ہیں۔ علاوہ مدینہ کے راستے سے یوسف وزیر بھی ایک دوسرا مکتوب لیکر گیا ہے۔ وہ عنقریب بارگاہ والا میں حاضر ہوکر ہمارے مقاصد مطالب شرح وار عرض کریگا۔ صلوٰۃ وسلام خدا کا نبیؐ برحق اور اس کی آل امجاد واصحاب پر ہو۔ فقط۔

سلیم کے خط کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ٹیپو سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ ترکی سے توقع رکھنا لاحاصل ہے۔

ایران کو جو سفارت روانہ کی گئی تھی وہ ایک حد تک کامیاب رہی اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ایران نے ایک بندرگاہ دینے اور اس کے عوض ہندوستان میں بندرگاہ لینے پر آمادگی ظاہر کردی۔ سلطان اس سے بہت خوش ہوا۔ اور شاہ ایران کے نام خط لکھا کہ جو بندرگاہ ضروری ہے اس کا انتخاب کرلیا جائے۔ جیساکہ ذیل کے خط سے ظاہر ہے۔

خط بنام۔ کریم خاں (زند) فرمانروائے مملکت ایران۔

جب تک آفتاب کے ظہور اور ماہتاب کے نور سے ساحت آسمان وزمین نوریاب

اور گلزار عالم ابر آذری سے سرسبز و شاداب رہے۔ محفل سلطنت و دولت اور گلشن مکنت و حشمت سے

خداوندِ اورنگِ شاہنشہی   سپہدارِ اقلیمِ فرماں دہی
خدیو زماں شاہِ عالی تبار   شہِ دادگر خسروِ نامدار
فرازندۂ رایت سروری   فروزندۂ خورشید اوج سری

زیب و زینت چار بالش تمکین و جاہ نوازندۂ خلق اللہ کی شمع اقبال تائید ایزدی اور رضائے سرمدی سے روشن رہے۔

آپ کا الطاف نامہ جس کے مضمون سے سراسر اخلاص و محبت کا رائحہ پیدا ہوتا تھا ایسے وقت میں کہ دلِ آرزومند کو وہاں کی خیر خیریت کے دریافت کا انتظار تھا بساعت مسعود و زمان محمود سیادت پناہ شرافت دستگاہ شاہ نور اللہ اور والا جاہ رفیع الشان میرزا محمد سلیم اور زین العابدین خاں کی معرفت چہرہ افروز وصول ہوا اسکے مشاہدے اور مطالعہ سے دل اور دماغ میں کمال انبساط اور سرور نے جگہ پائی۔ مخلص نیازمندان مراتب موالات و محبت کے سننے سے جو سفیران مذکور کی زبانی معلوم ہوئے۔ الطاف سامی کا شکر گذار ہوا چونکہ اتفاق و وفاق عامۂ بنی آدم سے نیکیاں اور حسنات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ صاحب شوکت حاکموں اور ذوی اقتدار بادشاہوں کے درمیان موالفت اور موانست کی بنیاد قایم ہو تو بے حد و بے شمار برکات و فوائد کا مترتب ہونا ظاہر ہے۔

اس لئے یہ وفا کیش اس زیبندۂ تاج و دیہیم کے اوصاف ذاتی اور کمالات فطری سنکر حسبِ مضمون اس شعر کے ؎

مصاحبت چہ ضرور است آشنائی را
ہنوز بادِ یمن محوِ نکہتِ عربی است

اس جناب سے اتحاد وارتباط کا خواہاں ہوا تھا۔ الحمدللہ کہ دل نیاز منزل کو اس شاہ والا تبار کی فتوت ومروت سے جو امید تھی وہ بخوبی ظہور میں آئی۔ یعنے اتحاد و محبت کا آفتاب دونوں پر پرتوفگن اور کاشانۂ وداد واتفاق روشن ہوا۔

یہ بات جواز راہِ الطاف وکرم قیدِ تحریر میں آئی ہے کہ یہ اخلاص شعار اپنی سرکاری کشتیوں اور جہازوں کی لنگر گاہ کیلئے جو بندرگاہ بنادرِ ایران سے درکار وضرور ہو آپ کو لکھ بھیجے۔ الحق جب بنائے یکجہتی واتحاد قایم ہوی تو جانبین کے دیار وامصار ایک حکم میں داخل ہوئے۔

نیاز مند کل ملکِ ایران کے علاقوں اور جزیروں کو اپنا ہی سمجھتا ہے۔ اور اب اس فروغ اکلیل شہریاری سے بھی بحکم القلب یھدی الی القلب امید یہ ہے کہ اس صفاکیش کے قلمرو کے سب جزیروں اور بنادر کو اپنا تصور فرماکر جس بندرگاہ کی خواہش ہو۔ اس سے اپنے خیر خواہ کو آگاہ اور دولت ایران کے شاہی معتمدوں کو وہاں روانہ فرمائیں۔ بندرگاہ مذکور بسروچشم ان کے حوالے کردیا جائیگا۔ تا یہاں سے بڑے بڑے شہتیر اور گندے اور تختے وغیرہ جہازوں کی تیاری کا سامان جو اس اطراف میں کثرت سے ہے۔ اور نیز اس دیار کے دوسرے تحائف اور عجائب ہمیشہ وہاں پہنچا کریں۔ باقی مراتبِ سیادت دستگاہ سیّد نوراللہ کے ذریعہ سے رائے کشا پر روشن ہونگے۔ شفقتِ شاہانہ سے امید ہے کہ ہمیشہ بھیجنے سے مکتوبات محبت طرازانہ کے جو ذات مجمع محاسن کی صحت وآسائش اور تحائف کی فرمائش پر متضمن

ہوں۔ دلِ آرزومند کو محفوظ فرماتے رہیئے۔ الٰہی خورشید سلطنت واقبال مشرق جاہ وجلال سے طالع رہے۔ فقط مہر ودستخط ٹیپو سلطان

یہ خط جب ایران پہونچا تو وہاں کی دنیا ہی نئی تھی۔ تمام ملک میں شیعہ وسنّی اختلافات سے ایک آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ اوراس آگ پر تیل ڈالنے کے لیئے لارڈ ولزلی کا بھیجا ہوا مرادآباد کا ایک شیعہ وہاں موجود تھا (میسور کی چوتھی جنگ میں اس پر مفصل بیان لکھا جاچکا ہے)

اب اسلامی ممالک میں صرف افغانستان باقی تھا۔ جس کے پاس کوئی بندرگاہ نہیں تھا۔ لیکن ایک ایسا فرماں روا موجود تھا۔ جس کے دل میں اسلام واسلامیوں کے لیئے تڑپ موجود تھی۔ اس نے ٹیپو سلطان کو امداد اور ہندوستان کو انگریزوں سے نجات دینے کا ارادہ کرلیا۔ اور سلطان کو خط لکھا :۔

خط زماں شاہ والی افغانستان۔ بنام ٹیپو سلطان

"بعد حمد یزدان پاک اور نعت نبیؐ صاحب لولاک اور القاب سلطان مکتوب الیہ کے مشاطۂ قلم شاہد مدّعا کے چہرہ سے یوں نقاب اٹھائی ہے کہ

خط مسرت نمط۔ جواہر محبت ووفا کا مخزن۔ کنوز مودت وولا کا معدن۔ جو آپ کے اہتمام وتوجہ پر شریعت محمدی کے رواج دینے اور بددیناں بدعتی کے تباہ و تاراج کرنے پر متضمن ہے۔ اوراس میں آپنے لکھا ہے کہ سلطانی قلمرو کی جامع مسجدوں میں ہر جمعہ کے روز بعد نماز کے اس نیازمند کی وسعت مملکت اور نصرت رایات فتح آیات کے واسطے ایزد سبحانہ کی جناب میں مناجات کی جاتی ہے۔ اس عالیجاہ کے ایلچی سیّد حبیب اللہ اور سیّد محمد رضا کے ہاتھ مع سوغات مندرجہ اس مدعا سے کہ اس سرکار کے دو شخص اس مخلص کے دربار میں حاضر رہا کریں۔ ساعت سعید میں پہونچا

جس سے دوستی اور یک جہتی کا گلزار تروتازہ ہوا۔

چونکہ اس سلطان والاشان کو نیست ونابود کرنا بے دینان مخذول اور جاری شرع اطہر رسولؐ مقبول کا منظور ہے۔ ہم بعون الٰہی مع لشکر قاہرہ جلد اس طرف کوچ کرتے ہیں: تاکفار بدکردار ضلالت شعار کے ساتھ غزا و جنگ کرکے اس ملک کو لوث وکفر بدعت سے پاک وصاف کریں۔

آپ اس امر میں خاطر جمع رکھیں کہ شتاب باشندے وہاں کے اپنی داد کو پہنچکر مہدامن وآسائش میں چین سے رہیں گے۔

اور اس سلطنت پناہ نے جو واسطے استواری محبت اور ارتباط کے اپنی سرکار والا کے دو شخص ہمارے یہاں بھیجنے کے باب میں درخواست کی۔ اس کو ہم بخوشی قبول کرتے ہیں۔

اس عالی منزلت کے سفیروں کی معرفت جو اپنی سفارت کے کام بخوبی بجا لائے کچھ ہدیئے اور تحفے جو ہماری وفور محبت کی نشانی ہیں بھیجے جاتے ہیں۔

مدام اپنے مرکوزات خاطر سے مع اعلام خصوصیات دیگر کے ہمارے دلِ مشتاق منزل کے مذاق کو شیریں کام رکھا جائیگا"

زماں شاہ نے نہ صرف یہ خط بھیجا۔ بلکہ فوج لیکر سرحد ہندوستان پر پہونچ بھی گیا۔ لیکن لارڈ ولزلی کے فرستادہ شخص نے ایران میں جو آگ لگائی تھی۔ اسکی بنا پر اسی وقت شاہ ایران نے افغانستان پر حملہ کردیا۔ جس کی وجہ سے زماں شاہ کو واپس ہوجانا پڑا۔

سلطان نے جو رائے ملک کے ہندو مسلمانوں کے متعلق قایم کی تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوی۔ اور جو خدشات کہ اس کو بلاد اسلامیہ کے متعلق تھے۔ وہ بھی حرف بہ حرف پورے

ہوئے۔ ہندوستان محکوم بن گیا۔ اور ہندوستان پر قبضہ رکھنے کیلئے انگریزوں نے بلاد اسلامیہ پر یعنے ایران کے جزائر، عرب میں عدن، کویت اور عراق میں بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

مقاصد حیات سلطان کے حالات، اسکے عادات و اطوار، اس کا طرز حکومت۔ اسکے اخلاق حسنہ۔ اس کا جذبۂ جہاد اور اسکی بے تعصبی اور رواداری، اتحاد بین الاقوام ہند و اتحاد بین المسلمین کیلئے اسکے مساعیٔ جمیلہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسکے پیش نظر کیسے اعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے۔

ہندوستان کا ماضی و حال اس کی آنکھوں کے آگے کھلا ہوا تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی پانچسو سالہ حکومت۔ اس کا زوال اور اس کے اسباب سے وہ بے خبر نہیں تھا۔ کتاب فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) کے دیباچہ میں سلطان خود لکھتا ہے:۔

"سلطنت مغلیہ کی تباہی کا باعث وہ جنگ و پیکار ہے۔ جو بعد انتقال عالمگیر اس کی اولاد میں باہم واقع ہوئی۔ انکی آرام طلبی اور آسائش دوستی۔ شب و روز کی عیش و عشرت، سلطنت کے کاروبار میں تکلیف و مشقت سے بیزاری اور عورتوں کی صحبت، اس سلطنت کی جمعیت میں پریشانی اور تفرقہ ڈالی۔ جب سلطنت کے آثار کچھ باقی نہ رہے تو امیران سلطنت و صوبہ داروں نے اطاعت اور نیابت دولت تیموریہ سے نافرمانی و بغاوت کر کے علم استقلال و خودسری بلند کیا۔ اور رشک و ہم چشمی کے باعث ایک دوسرے کی بیخ کنی اور استیصال میں مصروف و مستعد ہوئے"

ہندوستان اور مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی حالت کو دیکھکر اس کا دل تڑپ اٹھا۔ یوروپ سے جو قومیں تجارت کیلئے آئی ہوئی تھیں۔ ان میں انگریز ہندوستان کی اس حالت سے فائدہ اٹھا کر ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔ اس کا غیور دل یہ گوارا نہ کر سکا کہ گیارہ سو سال سے جو قوم دنیا میں

حکمران رہی ہو۔ وہ عیش وعشرت اور خانہ جنگی میں گرفتار رہ کر دوسروں کی غلام بن جائے۔ اس لئے اس نے اپنا مقصد حیات یہی قرار دیا تھا۔ کہ از سر نو ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے نجات دلا کر اس کو آزاد کرے۔ مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت تھی۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ غیروں کے جوئے تلے رہکر منظم بن سکیں اس لئے اس نے اعلان کیا کہ :۔

"کرناٹک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت علاقوں سے مسلمان ہجرت کرکے سلطنت خداداد کے علاقوں میں آکر آباد ہو جائیں۔ اس اعلان میں ان نو آباد کاروں کے لئے مراعات دینی منظور کیں۔" (تاریخ ولکس)

اس تنظیم کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں میں از سر نو جہاد کی روح پھونکنی شروع کی۔ اور اس کے خیال میں یہی ایک علاج تھا۔ کہ مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو جائیں۔

مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ہندو رعایا کو بھی زندگی کے اسی اعلیٰ معیار پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے اپنی سلطنت میں عہدے دینے میں کوئی تفریق باقی نہیں رکھی۔ تجارت، زراعت، اور صنعت و حرفت ہر ایک شعبہ میں ہندو اور مسلمان دونوں ساتھ ساتھ تھے۔ مسجدوں کے ساتھ ساتھ مندروں پر بھی اسکی نوازشیں یکساں مبذول تھیں۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں ملکر آزاد رہیں۔ وہ ایک نئی سوسائٹی اور نئی طرز زندگی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

یہ تھے وہ مقاصد جلیلہ جن کے حصول کیلئے اس نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ اس کے اس عزائم جلیلہ سے اگر اس وقت کوئی واقف تھا تو وہ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ اگر سلطان سے غداری نہ کی جاتی تو نہ صرف آج ہندوستان آزاد رہتا۔ بلکہ کل ممالک اسلامیہ و ایشیا بھی یورپین اقوام کی دستبرد سے محفوظ رہتے۔

اس کی شخصیت کس قدر بلند پایہ تھی ؟ اس کا اندازہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس گورنمنٹ آرڈر سے ملتا ہے جو لارڈ ولزلی نے ۱۵ رمے ۱۷۹۹ء کو فورٹ سنٹ جارج مدراس سے شائع کیا تھا۔ اس گورنمنٹ آرڈر میں سرنگاپٹم کو تسخیر کرنے والی فوجوں کی تعریف و توصیف کے بعد لارڈ ولزلی نے لکھا ہے :۔

"۴ رمے کے واقعات جو گورنر جنرل ان کونسل کے توقعات سے بڑھکر نکلے۔ انگریزی فوج کی ناموری کو ہندوستان میں عزت اور شان وشوکت کے درجہ تک پہنچا دئے ہیں۔ یہ واقعات کرۂ دنیا کے اس حصہ کی فوجی تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اور شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں اس سے بڑھکر اہم کوئی واقعات ہوئے ہوں۔

یہ فتح ان فوائد کا پیش خیمہ ہے۔ جن کی رو سے انگریزی مقبوضات کی سلامتی اور امن ہندوستان میں ایک مضبوط چٹان پر قایم ہو جائیں گے ۔"

سُلطانؒ پر

انگریزی مورخین کے اعتراضات

سلطان کی انتظامی قابلیت اور اس کے ذاتی صفات و عادات لکھنے کے بعد یہ مورخانہ صداقت سے بعید ہے کہ ہم ان الزامات کو نظر انداز کر دیں جو مغربی مورخین اور انکی تقلید میں ہندو مورخین نے بھی اس پر لگائے ہیں۔ یہ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ مغربی مورخین کا الزام دھرنا ایک خاص مقصد کے تحت ہے۔ لیکن ہندو مورخین کا اندھا دھند انکی تقلید کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ ہندوستانی مورخ تحقیق و تفتیش کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ اور ہر ہندوستانی بادشاہ کی چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان تعریف کریں۔ اگر سلطان میں کچھ عیوب تھے تو ہم ان کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آخر وہ انسان ہی تھا۔ اور اس سے غلطیوں کا سرزد ہونا بھی ممکن تھا۔

مغربی مورخوں نے جس مقصد کو پیش نظر رکھکر ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے۔ وہ یہی ہے کہ ہندو مسلمانوں میں افتراق کی ایک وسیع خلیج حائل کر دی جائے۔ اس مقصد میں وہ بہت کچھ کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس لئے کہ بچوں کا دماغ تحقیق و تفتیش کے قابل نہیں ہوتا۔ جو بات کتاب میں ہوتی ہے یا جو کچھ مدرس کہتا ہے وہی انکے دل و دماغ پر نقش ہو جاتی ہے اب رہی ہمارے مدرسین کی حالت تو وہ بھی وہی کتابیں پڑھی ہیں جو آج وہ بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اور ان کا دماغ بھی انہیں تحریروں سے ماؤف ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ

انہیں صرف اپنی روٹی سے سروکار ہے۔ اور اس میں وہ مجبور بھی ہیں۔ اگر منظور شدہ کتابوں کے عوض کچھ اپنی جانب سے پڑھایا جائے تو یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بچے سرکاری امتحانات میں ناکامیاب رہیں گے۔

مغربی مورخوں نے تاریخ لکھتے وقت صرف اسی ایک چیز کو مدنظر نہیں رکھا کہ ہندو مسلمانوں میں نا اتفاقی پھیلا دیں بلکہ ان کا مقصد اس سے اور زیادہ گہرا تھا۔ وہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے دل سے حب الوطنی اور قوم پرستی کا مادہ بالکل دور کر دیا جائے اسی لیئے جو بادشاہ بھی قوم پرست یا محبِّ وطن ہوا ہے۔ وہی سب سے زیادہ انکی طعن و تشنیع کا نشانہ بنا۔ اسکی بین مثال بنگال کے نواب سراج الدولہ اور میسور کے حکمران ٹیپو سلطان سے ملتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ یعنے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالکر ہندوستان ہندوستانیوں کیلیئے محفوظ کیا جائے۔ اگر ان بادشاہوں کے اوصاف لکھے جاتے تو ضرور تھا کہ انکی حب الوطنی کا تذکرہ ہو۔ جسکی وجہ سے ہندوستانیوں میں بھی یہی جذبہ پیدا ہوتا۔ اس جذبہ کو مٹانے کیلیئے کتابیں ایسی لکھی گئیں کہ ان میں کہیں بھی حب الوطنی یا قوم پرستی کا نام تک نہیں لیا گیا ہے۔

ٹیپو سلطان پر جو الزامات دیئے گئے ہیں۔ ان کا جواب اگلے صفحات میں خود بخود ملجاتا ہے لیکن اس الزام سے بچنے کیلیئے کہ مصنف نے دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ یہاں ان تمام الزامات کو سلسلہ وار لکھا جاتا ہے۔ جو ولکس، رئیس، بورنگ، مارسڈن کی تاریخوں کے علاوہ میسور گزیٹیر وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں:-

(۱) سلطان غاصبِ سلطنت تھا۔

اسکے متعلق مفصل بحث حالات نواب حیدرعلی میں کی گئی ہے۔ سلطان نے جو سلطنت پائی۔ وہ لپنے باپ

حیدر علی سے وراثت میں پائی تھی۔ انگریزی کمیشن نے بھی جو سلطنت کے تجزیہ کیلئے بیٹھی تھی۔
اسی نظریہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سختی سے انتقام لیتا تھا۔

(۳) قیدیوں سے بے رحمانہ سلوک کرتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی پر ہندوستان میں کبھی ایسی افتاد نہیں پڑی۔ جیسی بیلی۔ منرو اور بریتھ وائٹ کی شکستیں تھیں۔ ان شکستوں کی اہمیت کو کم دکھانے کیلئے سلطان پر یہ الزامات لگائے گئے ہیں۔ ان جنگوں میں صدہا انگریز قید کرلئے گئے۔ قید خانوں میں ان سے کام لیا جاتا تھا۔ اور اسکے عوض انہیں گذر اوقات کیلئے روزانہ رقم دی جاتی تھی۔ آج کل کی مہذب سلطنتیں بھی تو یہی کرتی ہیں۔ جیلوں میں قیدیوں سے یہی سلوک ہورہا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سلطان پر ہی یہ الزامات کیوں دہرے جائیں؟

(۴) عہدناموں کا پابند نہیں تھا۔

میسور کی تیسری اور چوتھی جنگوں کے اسباب بتلا رہے ہیں کہ عہد شکنی کس نے کی تھی۔

(۵) فرانسیسیوں سے خط وکتابت کرتا تھا۔

سلطان تو کوئی باجگذار والیٔ ریاست نہیں تھا۔ وہ ایک خود مختار فرمانروا تھا۔ وہ جس سے چاہے خط وکتابت کرسکتا تھا۔ کسی عہدنامہ سے اس کو پابند نہیں کیا گیا تھا۔ کہ فرانسیسیوں سے خط وکتابت نہ کرے۔

(۶) شہر میسور کو مٹادینے کا حکم دیا۔

میسور کا قلعہ اور شہر میسور آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے اس زمانے میں تھا۔ بلکہ اس کو مٹانے کے عوض اس نے اسکو اور زیادہ آباد کیا۔ میسور کا نیا محلہ نظر آباد اسی کا آباد کیا ہوا آج بھی موجود ہے۔

(۷) متعصب تھا اور کورگ پر چڑھائی اسی تعصب کا نتیجہ تھی۔

ملکوں پر چڑھائی بادشاہوں کی اولوالعزمی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تعصب کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ ملیبار اور کورگ نواب حیدرعلی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے۔ لیکن کورگ میں بار بار بغاوت ہوتی رہی۔ سلطان نے جب ساتویں بار بغاوت ہوی تو یہاں کے بہت سے خاندانوں کو جلا وطن کرکے میسور میں آباد کیا۔ اور انکے عوض دس ہزار مسلمان خاندان کورگ میں آباد کیے گئے۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی موجودگی سے یہاں کے باشندے بغاوت کی جرأت نہ کرسکیں گے۔ انگریزی مورخوں نے تعصب کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس نے عیسائی مشنریوں کو یہاں تبلیغ سے منع کیا اور باشندوں کو لکھا کہ کوئی شخص اپنا قدیم آبائی مذہب ترک نہ کرے۔ اور اگر ترک مذہب کا شوق ہو تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس نے پادریوں کو تبلیغ سے کیوں منع کیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ مذہب کے پردے میں عیسائی مشنری بغاوت کے جراثیم پھیلا رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ عیسائی پادری ہر جگہ یہی کرتے آتے ہیں۔ جس ملک پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ اس جگہ پہلے پادری بھیجے جاتے ہیں۔ تبلیغ، تعلیم اور شفاخانوں کے پردے میں جو کچھ کیا جاتا ہے۔ اس سے آج دنیا ناواقف نہیں ہے؟

(۸) خود کو مابدولت اور حضور پُر نور کھلواتا تھا۔ حالانکہ یہ حق صرف مغلیہ شہنشاہ کو حاصل تھا

(۹) اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور تخت پر بیٹھا۔

اگر برائے نام مغلیہ شہنشاہ کو جو پنشن پر گذارہ کر رہا تھا۔ مابدولت اور حضور پُر نور کہلانے کا حق حاصل تھا تو سلطان جو اپنے زمانے میں ہندوستان کا سب سے زبردست آزاد اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ اس کو مابدولت اور حضور پُر نور کہلانے کا حق

کیوں حاصل نہیں تھا؟ بہ حیثیت ایک مطلق العنان فرمانروا ہونے کے اس کو حق حاصل تھا کہ اپنے نام کا خطبہ پڑھائے۔ اور سکہ جاری کرے۔

(۱۰) اپنی سلطنت کو تکبر سے "خداداد" کہتا تھا۔

سلطنت کا نام "خداداد" رکھنا ہی بتلا رہا ہے کہ یہ علامت تکبر کی نہیں۔ بلکہ انکساری کی ہے۔ ایک خدا پرست انسان یہی سمجھتا ہے کہ اس کو جو کچھ بھی ملتا ہے۔ وہ خدا کا دیا ہوا ہے۔ اسی لحاظ سے سلطان نے اپنی سلطنت کو خداداد کا نام دیا۔ یہ اور بات ہے کہ مادہ پرست اس کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھیں۔ اسی قسم کا ایک الزام مورخ جیمس مل نے بھی دیا ہے وہ لکھتا ہے:۔

"ٹیپو کی طبیعت میں مذہب کا پہلو خاص طور سے نمایاں تھا۔ اسکے دل پر مذہب کا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت ہر روز خدا کی عبادت میں صرف کرتا تھا اور اپنی سلطنت کو خداداد کہتا تھا۔ خدا پر اس کو اس قدر بھروسہ تھا کہ اس کا اثر اس کے ہر کام پر پڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو اسباب اسکی تباہی کا باعث ہوئے۔ ان میں سے ایک اس کا خدا کی امداد پر حد سے زیادہ یقین تھا۔ وہ خدا کی عنایت پر اس قدر بھروسہ رکھتا تھا کہ اپنی حفاظت کے دوسرے پہلوؤں کو بھی نظر انداز کر جاتا تھا۔" (تاریخ ہندازجیمس مل)

مادہ پرست یوروپین مورخ اس کے سوا اور کیا لکھ سکتے ہیں؟ ۔

(۱۱) حد درجہ مغرور تھا اور متکبر بھی۔ اس نے بعد صلحنامہ سرنگاپٹم کے مبالغہ آمیز مدحیہ اشعار کے اعلان کی عام اجازت دیدی تھی۔ ان اشعار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو کیسا غرور ہو گیا تھا۔ ایک قصیدہ کا تھوڑا مضمون ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔

"جب بادشاہ رستم دل نے اپنے سمند غیظ کو گرم کیا تو انگریزی شیروں کے دل

خوف سے لرزنے لگے ۔

اسکی تلوار کی جھلک نے تیلی کی فوج پر برق خاطف کا کام کیا۔ اور ننمزو کی آنکھوں سے مثل ابر نو بہار پے "تار اشک بن گیا۔ لینگ کا دل لالہ کی طرح داغدار ہوگیا۔ اور اس مصیبت پر کوٹ پھوٹ کر رویا

جب مرہٹے ہمارے بادشاہ کی فوجوں کو دیکھتے ہیں تو غزالانِ وشت کی مانند راہِ فرار لیتے ہیں۔

فرنگی اور نظام الملک ہمارے بادشاہ کے خوف سے شب و روز یک جا بسر کرتے ہیں۔

حجام کی فوج (نظام کو طنز سے حجام کہا گیا ہے) تیغ کے خوف سے اس طرح فرار ہوی ہے۔ جس طرح شیر نیستاں کو دیکھکر شکاری بھاگتا ہے۔

اسکے مقابلہ میں حاتم لئیم تھا۔ اور افلاطون وسقراط طفل مکتب تھے۔ ہمارے سلطان کی ہیبت سے جلاد فلک شیر خوار بچہ ہو گیا ہے۔

اس سلطان کے انصاف کی بدولت غزالان دشت شیر و پلنگ کے پہلو کو اپنا تکیہ بناتے ہیں۔ اور یوز و اسدان کے قالین ہیں ۔ وغیرہ وغیرہ"

یہ حقیقت سے بالکل بعید ہے کہ صلحنامۂ سرنگاپٹم کے بعد سلطان مغرور ہوکر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے۔ سرنگاپٹم کا صلحنامہ ۱۷۹۲ء میں ہوا تھا۔ اس صلحنامہ سے سلطان کا نصف ملک ۳ کروڑ روپیہ اور سلطان کے دو فرزند بطور یرغمال انگریزوں کے ہاتھ آئے تھے۔ یہ تعجب ہے کہ شکست کھانے کے بعد انسان مغرور ہوکر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے۔ اگر یہ لکھا جاتا کہ سلطان کو جب فتوحات حاصل ہوی تھیں تو اس وقت یہ اشعار پڑھے گئے تھے

توکچھ بات بھی تھی۔ بسنہ کو جانے دیجئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھے جاتے تھے یا نہیں؟ یہ بعید از قیاس نہیں۔ ممکن ہے پڑھے گئے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ مصنف واقف ہے کہ اس سے زیادہ توہین آمیز اشعار اس زمانے میں سرنگاپٹم اور حیدرآباد دونوں جگہ بھی پڑھے جاتے تھے۔ ان کا سلسلہ نواب حیدرعلی کے زمانے سے ہی شروع ہوچکا تھا۔ جب حیدرآباد اور سرنگاپٹم کے شاعر اپنے اپنے ممدوحین کو خوش کرنے کیلئے قصیدے لکھکر حیدرعلی یا نظام کی ہجو اڑاتے تھے۔ (رسالۂ کوثر بنگلور میں اس قسم کا ایک قصیدہ شائع ہوا تھا) اس کا الزام توان شاعروں کو دینا چاہیئے جو اس قسم کے اشعار لکھتے تھے۔

ممکن ہے کہ مشرقی شاعروں کے اس تخیل سے مغربی مورخوں کو اتفاق نہ ہو لیکن سلطان کو الزام دینا سراسر ناانصافی ہے۔ ہمارے شاعروں کا کیا کہنا۔ وہ ایک معمولی شال کیلئے (جسکی قیمت دو تین روپیوں سے زیادہ نہیں ہوتی) اپنے ممدوحین کو حاتم دوراں اور افلاطون وقت بنا دیتے ہیں۔ اور آج حالت یہاں تک پہونچی ہوی ہے کہ صرف اپنا نام اخبار یا رسالہ میں شائع ہوتے دیکھکر بیڑیوں اور سگریٹوں کی تعریف میں قصیدے لکھے جاتے ہیں۔ اور اس سے بڑھکر تعجب ہے کہ آج معمولی افسر تک جن کی تنخواہ دو ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جھوم جھوم کر قصیدہ خوانوں کی زبانی ایسے الفاظ سنتے ہیں۔ جس کے مقابلہ میں نوشیرواں کا عدل۔ حاتم کی سخاوت، اور دارا و اسکندر کی شوکت بھی گرد ہوکر رہجاتی ہے۔

(۱۲) اس نے میسور کے راجہ کے محل کو کئی دفعہ لوٹ لیا۔ اور وہاں کچھ نہ چھوڑا۔ (میسور گزیٹر صفحہ ۲۶۸۵)

کس قدر سنگین الزام دیا گیا ہے اور کس قدر غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ لوٹ ہوتی تو ایک

وقت ہوتی ۔ پھر اسکے بعد کیا رہجا تا ہے ۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سلطان نے محل لوٹ لیا تھا تو پھر دوبارہ لوٹنے کیلئے محل میں مال یا روپیہ کہاں سے آیا ؟ اگر یہی مصنف اپنی کتاب دیکھے تو اگلے صفحات میں اس نے لکھ چکا ہے کہ میسور کی رانیاں انگریزوں سے امداد طلب کرہی تہیں ۔ اور انہیں کئی دفعہ لکھ چکی تھیں اگر انگریزی فوج پیش قدمی کرے تو روپیہ دیا جائیگا اگر سلطان متعدد دفعہ محل لوٹ لیتا تو پھر یہ روپیہ ان کے پاس کہاں سے آیا ۔ جس کا وہ کئی دفعہ انگریزوں سے وعدہ کرتی ہیں ۔

ان الزامات کی جو حقیقت ہے اوپر ظاہر کی جا چکی ہے ۔ یہ مورخ خود بھی سمجھتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں کہاں تک سچائی ہے ؟ لیکن وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں ۔ ان کے متعلق خود ایک انگریزی مورخ سرجان کے جو انڈیا کونسل کے شعبۂ خفیہ کا سکرٹری رہا ہے تسلیم کرتا ہے :-

" ہم لوگوں کا یہ عام طریقہ ہے کہ پہلے کسی دیسی حکمران کی سلطنت پر قبضہ کرتے ہیں ۔ اور پھر اس معزول بادشاہ یا اسکے جانشین کو بدنام کرتے ہیں " ۔

یہی ٹیپو سلطان سے بھی ہوا ۔ اور اس میں تعجب کی کونسی بات ہے ؟

جوسیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

" اس زمانہ میں جب سیاست اور سوشیل زندگی ہندوستان میں ہر لمحہ پہلو بدل رہی تہی ۔ ایک حکمران کیلئے یہ کس قدر مشکل کام تھا ۔ کہ اندرونی و بیرونی سازشوں اور حملوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرے ۔ ٹیپو اپنی زندگی کا بہترین زمانہ بطور فرمانروا بسر کیا اور میدان جنگ میں سپاہی کی موت حاصل کیا ۔ وہ صرف ایک دنیا دار نہیں تھا ۔ اپنے مذہب سے اس کو حد درجہ محبت تھی ۔ ظلم ہے کہ مذہبی محبت کو بھی جرم قرار دیا جائے ۔

اگر اس محبت کو جرم ہی گنا جائے تو انگلستان کی تاریخ کب ان جرائم سے پاک ہے ؟

کہا جاتا ہے کہ اس نے (ٹیپو نے) اپنے بڑے افسروں کو تک بے رحمانہ سزائیں دیں۔ اسکو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ محمد علی کی یا ان کی موت کا باعث ہوا۔ کیا آج کی مہذب حکومتیں باغیوں اور خائنوں کو سزا نہیں دیتیں؟ ٹیپو نے اگر اپنے افسروں کو سزا دی تو اسلئے دی کہ وہ رعایا پر ظلم و ستم کرتے تھے اور ان پر جو اعتماد کیا گیا تھا۔ وہ اس میں جھوٹے ثابت ہوئے۔ محمد علی کی موت کا باعث سلطان نہیں ہے۔ بے شک سلطان نے اس کو قید کر دیا تھا۔ محمد علی کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک باغی کی حمایت کی تھی۔ سلطان نے تو صرف قید کی سزا دی۔ اگر قید کی سزا دینا بھی ایک جرم ہے تو ہنری ہشتم کے متعلق کیا کہا جائے گا جس نے انگلستان کے قرون وسطی کے مدبر، سیاست دان اور ادیب سر تھامس مور کو صرف اس لئے سزائے موت دی کہ وہ ایک ستم رسیدہ ملکہ کی حمایت کر رہا تھا۔

ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ جنگوں کا شایق تھا۔ گہری نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسکی جنگیں اس لئے نہیں تھیں کہ وہ اسکندر اعظم کی طرح فاتح بننا چاہتا تھا۔ یا جولیس سیزر کی طرح طاقت کا دلدادہ تھا۔ اس کو نپولین کی طرح جنگوں کا یا قیصر ولیم کی طرح خونریزی کا شوق نہیں تھا، اسکی جنگیں صرف اس لئے تھیں کہ وہ اس ملک کو جو اس کے باپ سے اس کو وراثت میں ملا تھا اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

ٹیپو کو یہ الزام بھی دیا جاتا ہے کہ اس نے تعصب سے کوچین اور ملیبار پر چڑھائی کر کے بہت سے لوگوں کو بہ جبر اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ الزام دینے سے پیشتر ہمیں خود اپنے دل کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر طاقت و حکومت حاصل ہو جائے تو

کیا ہم اسی بے تعصبی اور رواداری کا سلوک کریں گے۔ میں کہتا ہوں آج ہم دعویدار ہیں۔ اگر ٹیپو پر یہ جو الزام لگایا جاتا ہے صحیح ہے تو یورپ وانگلستان کی تاریخ کب اس سے پاک ہے۔ انگلستان کے تخت پر نصف درجن سے زیادہ بادشاہ ایسے گزرے ہیں۔ جو اسی جرم کے مرتکب ہیں۔ ہنری ہشتم۔ ایڈورڈ، میری، الزبیتھ ایڈورڈ ششم۔ کرامول نے کیا ہی نہیں کیا۔ کون نہیں جانتا کہ اسپین میں فرڈی ننڈ اور اسابیلا نے موروں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

تعجب ہے کہ ایک انسان کے مرجانے کے بعد بھی اس کی صرف برائیاں ہی برائیاں دکھائی جائیں۔ اور اس کے کیرکٹر کے روشن وتابناک پہلوؤں کو بالکل نظرانداز کردیا جاتا ہے۔

لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ شاید میں نے ولکس کی کتاب نہیں دیکھی ہے؟ میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ اب بھی وہ میرے پاس موجود ہے۔ اسکے علاوہ میرے پاس ولکس کی وہ انتظامی رپورٹ بھی موجود ہے۔ جو اس نے سنہ ۱۷۹۹ء میں تیار کی تھی۔ لیکن اس دریافت سے مقصد کیا ہے۔ میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ میجر بٹسن، کرنل میڈوز ٹیلر اور صدہا کرنلوں اور میجروں کی تحریریں بھی دیکھی ہیں۔ جو اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے اور اپنی روٹی کیلئے مکھن پیدا کرنے کیلئے کتابیں لکھی ہیں۔ کیا میں ان سب کو تسلیم کرلوں؟ خیر مجھے جانے دیجئے۔ آپ ان یوروپین مورخوں کو کیا کہیں گے۔ جو ان بیانات کے متعلق یہ ثابت کئے ہیں کہ یہ بالکل مہمل ہیں۔ ان سے قطع نظر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان ملٹری افسروں کو تاریخ لکھنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا۔

اب رہا یہ سوال کہ حیدر علی اور ٹیپو میں کس کی شخصیت عظیم المرتبت ہے۔ میں اس سوال کا جواب میرے آئندہ مضمون میں دونگا۔ لیکن اس عرصہ میں میں یہ کہونگا کہ خالص تشدد آمیز نکتہ چینیوں سے کوئی ذہنی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ گیلی لیئو نے جب یہ ثابت کیا کہ زمین گردش کر رہی ہے تو پاپائے روم نے اس پر نکتہ چینی کی تھی۔ تمام نکتہ چینوں کی سن کر گیلی لیؤ نے آخر میں یہی کہا کہ باوجود ان نکتہ چینیوں کے زمین گردش ہی کر رہی ہے۔ اسی طرح ٹیپو کے عمدہ صفات باوجود انگریزی مورخوں کی نکتہ چینی کے عمدہ ہی رہیں گے۔ ہاں ملک میں ان لوگوں کی کمی نہیں ہے جو مدرسوں کیلئے نصاب کی کتابیں لکھکر ٹیپو کو بدنام کریں۔ یا ایسے لوگ جو سرنگاپٹم کے متعلق ٹورسٹ گائڈس لکھکر زائرین کے ہاتھوں تک پہونچادیں۔"

(ٹیپو سلطان از جی۔ آر جوسیر۔ یم۔ اے۔ یف۔ آر۔ ی یس ممبر
رائل سوسائٹی آف لٹریچر گریٹ برٹن)

ڈاکٹر جان۔ آر۔ ہنڈرسن سی۔ آئی۔ ای نے سلطان کے سکون پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے عادات وخصائل کے متعلق ایک صحیح رائے قایم کرنا حد درجہ مشکل ہوگیا ہے۔ ہمعصر مورخین نے خواہ انگریز ہوں یا مسلمان سبھوں نے یکطرفہ لکھا ہے۔ ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ جنگوں میں وہ بہت زیادہ سختی سے انتقام لیتا تھا۔ بے رحم تھا۔ اور مذہب کے نام پر ظلم کرتا تھا۔ لیکن اس مہذب زمانے میں جنگوں میں جو کچھ ہورہا ہے۔ ان کے آگے ٹیپو کے مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں۔ مسلمان مورخوں نے ٹیپو کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ سچائی کے بالکل قریب ہے۔ برخلاف انگریزی مورخوں کے جنہوں نے صرف ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھکر

اپنی کتابیں لکھی ہیں۔

"ٹیپو ایک عظیم المرتبت شخص تھا۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اسکی نظیر نہیں دیکھ سکیگا۔ اسکے ارادے بہت بلند، اسکی قابلیت حیرت انگیز۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ وہ ایک بہادر انسان تھا۔ اور جوانمردی کی موت حاصل کیا۔ وہ اپنے ملازموں پر مہربان اور ان لوگوں کا ثابت قدم دوست تھا۔ جن سے وہ محبت کرتا تھا۔"

انگریزی مورخین نے جو بے بنیاد اعتراضات کیے ہیں۔ اوپر لکھدیئے گئے ہیں۔ اور پروفیسر جوسیر اور کرنل ہنڈرسن کی رائے بھی لکھی جا چکی ہے۔ اب یہاں تاریخ حملات حیدری سے سلطان کے متعلق ایک اور اعتراض پیش کیا جاتا ہے:۔

"(سلطان کے) ان صفتوں اور ہنروں کو اسی ایک عیب نے چھپا دیا کہ جس شخص کو اسکے عہدے سے برطرف کر دیتا۔ پھر اس کو اسی منصب پر بحال کرتا۔ اور اسی عمل نے اسکی سلطنت میں خلل ڈالا۔"

یہ اعتراض ایک حد تک قابل تسلیم ہے۔ میر صادق۔ میر غلام علی اور بدرالزماں خاں نائطہ کو بے شک سلطان نے عہدوں سے برطرف کرکے پھر انہیں بحال کیا تھا۔ بلکہ میسور کے ہندوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ نواب حیدر علی نے اپنے ایک خفیہ آخری خط میں سلطان کو لکھا تھا کہ "میرے بعد پورنیا، میر صادق اور میر غلام علی کو قتل کر دیا جائے۔ اسلئے کہ انکی نیتیں اچھی نہیں ہیں" لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا اگر یہ روایت صحیح ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ سلطان صحیح معنوں میں ایک سچا مسلمان تھا۔ اور بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے اس نے ہر وقت عفو و حلم سے کام لیا۔ اور ان پر اعتماد کیا۔ مگر نمک حراموں نے اسکے اس حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان اور مسلمانوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔

سلطنتِ خداداد کی تباہی

ہندی اور اسلامی نقطۂ نظر سے

تاریخ سلطنت خداداد میسور انگریزوں کے الزامات لکھنے کے بعد کوئی ایسا اہم واقعہ باقی نہیں رہا۔ جو سپرد قلم کیا جاسکے۔ اس لئے ہم اس تاریخ کو ختم کرتے ہوئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سلطنت کی تباہی کو اسلامی و ہندی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔

سلطنت خداداد کی تباہی پر آج ہندوستان لاکھ بھی ماتم کرے۔ مگر تاریخ ہند میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستان کی قسمت میں شاید روز ازل ہی سے یہ لکھدیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ غیروں کا محکوم بنکر رہے۔ خدا جانے کہ اس سرزمین کا نام کس نے پہلے پہل ہندوستان (ہندو استھان) رکھا۔ جسکے معنے غلام استان یا غلام آباد کے ہیں۔ ہندوستان کی سب سے قدیم زبان سنسکرت میں ہندو کے معنے غلام کے ہیں۔ ہندوستان کی ابتدائی تاریخ اسقدر تاریک ہے کہ کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کہ یہاں کونسی قوم آباد تھی۔ اور اسکی طرز معاشرت کیا تھی۔ تاریخ اگر پتہ دیتی ہے تو یہی کہ سب سے پہلے وسطِ ایشیا سے آرین قوم اس سرزمین پر آئی۔ اور یہاں کے قدیم باشندوں کو غلام بنالیا۔ اس لحاظ سے اس قوم کو جو یہاں رہتی تھی۔ ہندو کا نام دیا۔ اور ملک کا نام ہندوستان ہوگیا۔ جو باشندے اس غلامی سے بچ نکلے وہ جنوبی ہند میں آکر آباد ہوگئے۔ وہ جفاکش قوم جس کا نام آرین تھا۔ چند صدیوں کی بود و باش کے بعد اس میں بھی وہی اثر سرایت کرگیا۔ جو پہلے یہاں کے باشندوں میں تھا۔ یہ قوم عیش و تنعم میں گرفتار ہوکر

اپنے خصائص کو کھو بیٹھی۔ اس زمانہ میں جب یہ قوم اپنے پورے عروج پر تھی۔ تو ہندوستان کا تمدن اور ہندوستان کی تہذیب زمانہ میں فخر روزگار رہی۔ جب امتداد زمانہ سے اس پر زوال آیا۔ تو نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی ایشیا سے سیتھین قوم جس کا نشان سانپ تھا ان پر مسلط ہوگئی۔ یہ قوم قریباً ۶۰۰ سو سال قبل مسیح ہندوستان میں آئی۔ ابھی ان پر ایک صدی بھی نہ گذری تھی کہ دارائے ایران ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اور اسکے دو سو سال بعد اسکندر ذوالقرنین کی فوجیں ہندوستان پر نازل ہوئیں۔ اگر دارا اور اسکندر کی تاریخیں دیکھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان ہی کے باشندوں نے ان کو دعوت حکمرانی دی۔ وہ آئے اور لوٹ کر چلے گئے۔ اسکے بعد تاریخ میں ہندوستان کا وہ زمانہ آتا ہے۔ جس میں مذہب کے نام پر تمام ہندوستان میں ایک آگ سلگی ہوئی تھی۔ گوتم بدھ کے پیرو اور قدیم مذہب وید کے پرستار ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ برہمن اپنی سیادت اور ذاتی برتری کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھ نہ سکتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مذہب ہندوستان سے قریب قریب مٹ گیا۔

مسلمانوں کے حملے ہندوستان پر

یہ وہ زمانہ تھا کہ آفتاب اسلام افق عرب سے طلوع ہو رہا تھا مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ ۲۰ھ میں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ فتح عجم کے بعد عرب فاتحین سندھ پر آئے۔ سپہ سالار عساکر اسلام کے شہید ہو جانے سے عرب پلٹ گئے۔ اسکے بعد بیس سال تک پھر ادہر توجہ نہ ہوئی۔ کیونکہ عساکر اسلام کی تمام تر توجہ بلاد مغرب کی طرف لگی ہوئی تھی ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح نہروان کے بعد ایک فوج ہند کی طرف روانہ کی۔ یہ فوج بھی سندھ کی طرف آکر اتری۔ لشکر اسلام کے زیر تصرف سندھ کا ایک

حصہ آگیا۔

عربوں کے مرکز میں خود خانہ جنگی پھیل گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں شہید ہو گئے جب یہ خبر ہندوستان میں پہونچی تو ہندوؤں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور عرب ملک سے نکال دیئے گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے۔ گو عرب فاتحین برابر مغرب کی طرف بڑھتے رہے۔ مگر مشرق میں ہند پر توجہ نہیں کی گئی۔ حضرت معاویہؓ کے بعد یزید تخت نشین ہوا۔ اسکے زمانہ میں حضرت امام حسینؓ کربلا میں شہید ہو گئے۔ بنی امیہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر عربوں میں خانہ جنگی ایک عرصہ تک رہی۔ گو اس کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ جو حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے زمانہ میں تھی۔ بنی امیہ اب مستقل حکمران تھے۔ سنہ ۱۲۱ھ میں محمد بن قاسم، حجاج بن یوسف کے حکم سے سندھ پر حملہ آور ہوئے۔ تاریخ میں اس حملے کو اس لحاظ سے ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ مانا جاتا ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے۔ کیونکہ تمام ملک گجرات فتح ہو چکا تھا۔ خلیفہ کی موت کے بعد جب دوسرا خلیفہ تخت نشین ہوا۔ تو اس نے کسی رنجش کی بنا پر حجاج کو معزول کر دیا۔ اور اسی سلسلہ میں محمد بن قاسم کو بھی معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔ اس طرح ہند فتح ہوتے ہوتے رہگیا۔

بنی امیہ کا زمانہ تاریخ اسلام میں فتوحات کے لحاظ سے وہ تابناک زمانہ ہے کہ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ مگر عربی قوم میں جو قبائلی جنگ کا بیج ابتدا ہی سے بویا گیا ہے جس کو زمانہ خیر القرون میں چالیس سال کی مہلت ملی تھی۔ پھر سرسبز ہونا شروع ہوا۔ بنی عباس بنی امیہ کے مقابل آ گئے۔ عراق و عجم نے بنی عباس کا ساتھ دیا۔ اور تخت خلافت پر

آل عباس متمکن ہوئے ۔ ہارون رشید کے زمانہ میں مامون نے پھر ہند پر چڑھائی کی، لیکن کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

مسلمانوں کا استقلال ہند میں

مامون کے حملے کے ایک صدی بعد سبکتگین ہند پر حملہ آور ہو کر پنجاب پر قابض ہوگیا جس کے بعد ہی محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے پے در پے حملے کئے۔ ان حملوں کے بعد پہلا مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک تخت نشین ہوا۔ اسکندر و دارا کو ملک پر قابض ہونے کیلئے بلانے والے بھی یہی ہند کے باشندے تھے۔ سبکتگین اور محمود غزنوی کو دعوت دینے والے بھی یہی۔ اسکی وجہ انکی آپس کی نااتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد و نفاق تھا۔

قطب الدین کے خاندان کے بعد خلجی خاندان سر برآرائے سلطنت ہوا۔ اور اس میں علاؤالدین وہ مشہور شہنشاہ گذرا ہے۔ جس کے زمانہ میں تمام ہندوستان ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک مسلمانوں کے زیر نگین آگیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں ملک کافور اس کا سپہ سالار دہلی سے نکلکر جنوبی ہند میں آیا۔ انہی معرکوں میں فتح گجرات کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپس میں شادیوں کی بنیاد پڑی۔ اس سلسلہ میں جو پہلی شادی ہوئی، وہ گجرات کے راجہ کی بیٹی دیول دیوی سے علاؤالدین کے فرزند شاہزادہ خضر خاں کی تھی۔ ملک کافور گجرات سے بڑھتا ہوا ہندوؤں کی آپس کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھاتا ہوا مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ جنوبی ہند کا وہ مشہور پایۂ تخت دوارے سمدرم (جس کا ذکر ریاست میسور میں کیا گیا ہے) کو فتح کرتا ہوا جنوب میں راس میسورم تک پہونچ گیا۔ ملک کافور کی واپسی کے بعد شہنشاہ محمد تغلق کی فوجوں نے پھر ایک بار جزیرہ نمائے ہند کو راس کماری تک لوٹ لیا۔ اس وقت تک دوارے سمدرم کو پھر از سر نو بنارہے تھے۔ اور ایک عالیشان مندر تعمیر ہورہا تھا۔ اسلامی فوجوں نے پھر ایکبار

اس پر قبضہ کرلیا۔ اور وہ مندر جو تعمیر ہو رہا تھا۔ اسی طرح رک گیا (موجودہ تلکے بید جو ریاستِ میسور میں ہے وہ دورسے سمدرم کا جائے وقوع ہے اوراب بھی یہاں وہ عالیشان مندر نامکمل کھڑا ہے۔ لیکن اب ریاستِ میسور اسکی تعمیر کر رہی ہے)

مسلمان جب ہند میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر چکے تھے۔ تو ان میں بھی سرزمینِ ہند کی وہی سرشت پیدا ہو گئی۔ جس نے ہند کو ممتاز کر رکھا ہے۔ آپس کی خانہ جنگیوں کے سلسلے میں کئی خاندان تخت نشین ہوئے۔ اور جب رقابت اور بھی ترقی کر گئی تو انہوں نے ہندوؤں کی تقلید میں پہلے تیمور لنگ صاحبقران کو بلایا اور بعد میں بابر بانیٔ سلطنتِ مغلیہ کو۔ ملک گیری کے ساتھ ساتھ اسلامی تمدن بھی ہند میں محیط ہو رہا تھا۔ اور یہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کہ ملک میں اسلامی تمدن پھیل جائیگا۔ لیکن ہیمون کی سرداری میں ہندو تمدن نے اسلامی تمدن پر ضرب لگانی چاہی۔ مگر بیرم خان نے ہیمون کا خاتمہ کر دیا۔ اکبر تخت نشین ہوا تو اس نے کوشش کی کہ دونوں تمدنوں کو ملا دیا جائے۔ اور اسکے زمانہ میں اسکی بنیاد بھی پڑی۔ مگر دونوں تمدن متضاد کے متضاد ہی رہے۔

جنوب میں مسلمانوں کی بہمنی سلطنت اور وجیانگر کی ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی۔ مگر مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کی آگ پھیل گئی۔ یہ آگ وجیانگر کی لگائی ہوئی تھی شمال میں جب ہندو تمدن کو ناکامیابی ہوئی تو جنوب میں اس نے کوشش کی کہ اسلامی تمدن کا تختہ الٹ دے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہو کر اس سے پانچ اور سلطنتیں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام تاریخ میں بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈا، بیدر اور وارنگل ہیں لیکن یہ پانچ سلطنتیں ہی آخر میں وجیانگر کیلئے پیغامِ فنا ثابت ہوئیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی آخری آزاد سلطنت یہی حکومت وجیانگر تھی ۱۵۶۵ء میں تالیکوٹہ کی جنگ

میں ہندوؤں کی کامل شکست اور وجیانگر کی بربادی سے ہندوؤں کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اب ہندوستان میں صرف مسلمان آزاد رہ گئے۔ اور ایک عرصہ تک بلا شرکت غیرے حکمران رہے اور ہندوستان ان کا وطن بن گیا۔

ہند کی بود و باش اور دولت کی فراوانی نے مسلمانوں کو عیش اور ناز و نعم کا بندہ بنا دیا۔ مسلمانوں نے پہلے پہل ہند میں دیکھا کہ کس طرح برہمن اپنی سیادت منوا رہے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ خود بھی اس قسم کا دعویٰ کریں۔ جو برہمن اپنی پیدایش کے متعلق کر رہے ہیں اس کے عوض مسلمانوں کا ایک طبقہ نسب ناموں پر اتر آیا۔ کہ عام مسلمانوں پر اپنی سیادت قایم کر لے۔

ایک طرف اگر اکبر کی لگائی ہوئی الحاد کی آگ پھیل رہی تھی تو دوسری طرف مسلمانوں میں پیر پرستی و نسب پرستی شروع ہوی۔ جس مسلمان بادشاہ نے ان معبودانِ باطل کو توڑنا چاہا تاریخ اس کو عالمگیر اورنگ زیب کے نام سے یاد کر رہی ہے۔ ؎

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرتِ دارا دمید
حق گزید از ہند عالمگیر را آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را (اقبال)

عالمگیر ایک حد تک فتنۂ الحاد کے مٹانے میں کامیاب ہوگیا۔ مگر نسب پرستی مسلمانوں کے خون میں سرایت کر چکی تھی۔ عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی پھر مسلمانوں نے رنگ بدلا۔ اب پھر وہی خانہ جنگی تھی۔ وہی ناز و نعم وہی عیش و آرام اور وہی حسد و نفاق۔

مسلمانوں کو اس طرح کمزور ہوتے دیکھکر ہندو بھی میدان میں آگئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہند کے باشندوں نے نادر شاہ کو آنے کی دعوت دی۔ نادر شاہ کی آمد نے بجائے مفید ہونے کے مسلمانوں میں اور زیادہ افتراق پھیلا دیا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کی سرپرستی میں

ہندو تمدن اس شان سے میدان میں آیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہند اسکے زیرنگین آگیا۔ اور صاف نظر آرہا تھا کہ اسلامی تمدن کوئی گھڑی کا مہمان ہے۔ مسلمانوں کو اگر عالمگیر کے ذریعہ پہلی مہلت دیگئی تو دوسری مہلت اب احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ ملی۔ احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا۔ اور مرہٹوں کو ۱۷۶۱ء میں میدان پانی پت میں ایک ضرب کاری لگا کر پلٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو پھر کمزور ہو گئے۔

فطرت الٰہی نے ہر قوم کو آزاد پیدا کیا اور آزاد رکھنا چاہتی ہے۔ مگر جب وہ اسکی اہل ثابت نہیں ہوتی تو یہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ مگر اس نعمت کے چھیننے سے پہلے مہلت پر مہلت دیتی ہے۔ اور جب ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تو قدرت بھی اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیتی ہے۔ ہندوؤں کو مسلمانوں کے حملوں کے وقت مہلت پر مہلت دیگئی۔ مگر وہ نہیں سنبھلے۔ مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا۔ اب مسلمانوں کی باری آئی اور قدرت نے ان کو مہلت دینی شروع کی۔ عالمگیر کے بعد ابدالی کے ذریعہ مہلت دی گئی۔ اور اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کیلئے وہ سلطنت وجود میں آئی۔ جس کا نام تاریخ میں "سلطنت خدا داد" ہے۔ ہند کیلئے خدا نے یہ غیر مترقبہ نعمت دی اور کیا عجب کہ اس لحاظ سے اس کا نام بھی "خدا داد" ہوا ہو۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ غیر اقوام تجارت کیلئے ساحل ہندوستان پر آئی ہوئی تھیں۔ اور یہ بھی عجب نہیں کہ قدرت نے انہیں کے ذریعہ ہند کی آزمایش کرنی چاہی ہو۔ کہ وہ کہاں تک سنبھلتے ہیں۔ مگر ہندوستان کی آب و ہوا کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا تھا۔ اس لئے وہ اس امتحان میں پورے نہیں اترے۔ ہندوؤں میں پہلے ہی سے یہ اثر تھا۔ اور اب مسلمان بھی اسی نشہ میں شامل ہو گئے۔ اور ان دونوں نے ملکر انگریزوں کو دعوت دی کہ

"آؤ اور ہم پر حکومت کرو۔"

ایک ماہر سیاست کا قول ہے :۔

"اگر سراج الدولہ کی سلطنت لینی ہو تو میر جعفر کو پیدا کرو۔ اگر ٹیپو سلطان سے لڑنا ہے تو پورنیا و میر صادق کو۔ روٹی اپنے ہاتھ میں رکھو۔ پھر دیکھو کہ ہندوستان کی قومیں آپس میں لڑتے ہوئے کس طرح تمہارے غلام بنے ہوئے رہتے ہیں!!"

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس مقولہ پر پورا پورا عمل کیا۔ میر جعفر، پورنیا اور میر صادق خوش قسمتی سے پیدا ہو گئے۔ یہ اقوام ہند کا باہمی نفاق ہی تھا کہ مرہٹوں نے بار بار سلطنتِ خداداد پر حملے کئے۔ یہ مسلمانوں کا باہمی افتراق ہی تھا جسنے نظام حیدرآباد کو سلطان کا مخالف بنا دیا۔ اگر اس ماحول میں میر جعفر، پورنیا و میر صادق پیدا ہوں تو تعجب ہی کیا ہے۔ اور انکے ہوتے ہوئے وہ سازشیں اور وہ جوڑ توڑ جو ہندوستان پر قبضہ کرنے کیلئے ہوں۔ ہندوستان کی فطرت کی عین مطابق تھیں۔ اس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال لکھتے ہیں :۔

اندرون او دو طاغوت کہن   روح قومے کشتہ از بہر دو تن

سلطنت کا نام خداداد تھا۔ قدرت کی فیاضی نے اسکے بانیوں کو بھی خداداد صلاحیت دی کہ وہ آزاد ہندوستان کا نمونہ بنکر دنیا کو دکھا دیں کہ ابھی اسلام اور ہندوستان میں وہ جوہر پوشیدہ ہے۔ جن پر وہ فخر کر سکتے ہیں۔ باپ کے ہاتھ سے ایک آزاد سلطنت قایم ہوتی ہے۔ تو بیٹے کی شجاعت، بہادری، نگاہ دُور رس اور اولوالعزمی تمام ہندوستان کو آزاد بنانا چاہتی ہے۔ اس لئے وہ حق و صداقت، آزادی و شجاعت، کا بے مثل نمونہ بنکر آیا۔ کہ مسلمان اور ہندوستان اس سے سبق سیکھیں۔

جس طرح اسلام کے دور اولین میں حق و صداقت کا وہ مجسم پیکر حیدرؓ و فاطمہ رضؓ کا جگر بند جو ملوکیت کی غلامی سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے دریائے فرات کے کنارے بے آب و دانہ اپنی ہی

قوم کے ہاتھوں داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہوگیا۔ اسی طرح اسلام اور ہندوستان کو طوق محکومی سے بچانے کیلئے دریائے کاویری کے کنارے حیدرؒ و فاطمہؓ کا یہ نور نظر بھی شدت پیاس سے بیقرار جوہر مردانگی دکھاتا ہوا شہید ہوگیا۔ اور اس کی شہادت کا باعث بھی قوم ہی ہوئی۔ ؎

من از جور بے گانگاں ہرگز نہ نالم

کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

قوم و ملک نے اس نعمتِ الٰہی کو ٹھکرا دیا۔ نسبؔ ذات کا امتیاز، آپس کی نا اتفاقی، ایک ہی قوم میں ایک دوسرے سے حسد و نفاق، ہندوستان کے ساتھ جو کچھ شروع سے کیا۔ وہی سلطنت خداداد کے ساتھ ہوا۔ قدرت کے اس عطیہ سے کفران نعمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کی آزادی بھی سلب کر لی گئی۔

یہ بھی قدرت کا ایک قانون ہے کہ حکومت و سلطنت کسی ایک قوم میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہتی۔ بقا تو صرف ذات خدا کیلئے ہے۔ ذات الٰہی ہر قوم کا ظرف آزمانے کیلئے حکومت و سلطنت دیتی ہے۔ اسی کلیہ کے تحت مختلف اقوام آرین، ایرانی، یونانی، عرب، پٹھان اور مغل یکے بعد دیگرے داد حکومت دیتے رہے۔ اور ان سب کے بعد انگریزی قوم آج ہندوستان پر حکمران ہے۔

مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر۔ انک علیٰ کل شیءٍ قدیر ۵

(یعنی) مالک سلطنت کا تو سلطنت دیوے جسکو چاہے اور سلطنت چھین لے جس سے چاہے۔ اور عزت دیوے جسکو چاہے اور ذلیل کرے جسکو چاہے۔ تیرے ہاتھ سب خوبی۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

غدّاروں کا انجام

اکثر لوگوں کو جستجو ہے کہ ان نمک حراموں کا انجام کیسے ہوا۔ جو سلطان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ملک وملت کے ساتھ غداری کی تھی۔ اوران کے خاندانوں کا کیا حال ہے۔ ان میں بہت سے غداران وطن کسی نہ کسی وجہ سے یا آتفاقاً اُسی دن مارے گئے۔ جس دن سلطان کی شہادت ہوئی تھی۔

کتاب الاعراس میں جو مضمون اور فہرست ۴ مے کے دن کی دی گئی ہے۔ وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

"بست وہشتم ماہ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ روز شنبہ درحرب نصاریٰ یورش قلعہ پٹن ٹیپو سلطان برحمتِ حق پیوست و قریب دوازدہ ہزار (۱۲۰۰۰) سپاہ خاص وعام دراں روز شہید وکشتہ شدند

تاریخ

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

میر میراں محمد رضا	نواب حسین علی خاں شہید فرزند قطب الدین خاں
" سید اشرف	غلام حسین داروغۂ توشک خانہ
" محمد حسین	محمد یوسف داروغۂ نعمت خانہ
" میر محمد صادق	غلام حیدر خاں میرزائے دفتر ومسجد
" آصف سید محمد خاں	میر میراں سیّد غفار شہید

میر خازن شیخ اسمٰعیل	میر نواب میر معین الدین
" آصف سشیر خاں	محمد ابراہیم عرض بیگی
" خازن سید بڈھن	مولانا عبدالرحیم استاد در مسجد اعلےٰ

سپہدار و تپدار و نوردار سپاہی وغیرہ دوازدہ ۱۲ ہزار کس کشتہ شدند۔ از فرمان حق "

اس فہرست میں صرف دو ناموں کے ساتھ شہید لکھا ہوا ہے۔ ان میں ایک تو سید غفار کا نام ہے اور دوسرا نواب حسین علی خاں کا۔ سید غفار کی جاں نثاری کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے۔ حسین علی خاں بن قطب الدین خاں ۴ مئے کی صبح میں شہید ہوئے تھے۔ اس سے پہلی شب میں انکا نکاح ہوا تھا۔ یہ ایک شب کا دولھا صبح ہی صبح اس مورچہ پر جہاں یہ متعین تھا، پہونچا۔ قریبًا دس بجے اسکی لاش سلطان کے روبرو لائی گئی۔ حسین علی خاں کو مورچہ کی حفاظت کرتے وقت گولہ لگا تھا۔ سلطان لاش دیکھکر آبدیدہ ہو گیا۔ کتاب ہفت خوانِ حیدری کا مصنف لکھتا ہی کہ جب نوجوان دولھا کی لاش گھر پر لائی گئی تو اس کی ایک شب کی دولھن کی آہ وزاری سے دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ یہی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ سوگوار دلہن نے اپنی تمام عمر اسی طرح بسر کردی۔ ایک مدت العمر زندہ رہی اور ہر وقت اس کی زبان پر ۴ مئے کے واقعات رہتے تھے۔

۴ مئے کے ہنگامے کے بعد جو غدار زندہ رہے۔ ان میں خاص طور پر قابل الذکر پورنیا قمرالدین، راجہ خاں، میر غلام علی۔ بدرالزماں خاں نائطہ اور غلام علی خاں بخشی ہیں۔

ان میں سوائے پورنیا کے باقی غداروں کو کمپنی کی جانب سے پنشنیں دی گئیں۔ پورنیا کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ غداری کے صلہ میں اس کو میسور کی نئی ریاست کا دیوان بنایا گیا۔

اور بلیندور کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ روپیہ تھی، دیگئی۔ پورنیا کا انتقال سرنگاپٹم میں ۱۸۱۱ء میں ہوا۔ اسکی کوٹھی سرنگاپٹم میں اسکاٹ کے باغ سے جانب مشرق دریائے کاویری کی جنوبی شاخ کے کنارے ہے۔ اور اس پر اسکے نام کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ اور آج کل پورنیا کے باغ سے مشہور ہے۔

پورنیا کے ذکر کے ساتھ بیجا نہ ہوگا اگر ہم ترمل راؤ اور نارائن راؤ کے حالات بھی لکھدیں۔ جو سلطنت خداداد کے خلاف شروع ہی سے تنجاور میں رہکر سازشیں کر رہے تھے۔ (اسکا بیان سلطنت خداداد کے اسباب کے بیان میں مفصل آچکا ہے) ان دو بھائیوں میں ترمل راؤ نے میسور کی رانی سے عہد لیا تھا کہ ریاست کی بحالی کے بعد اسکو دیوان بنا لیا جائیگا۔ لیکن انگریزوں نے پورنیا کو دیوان بنا کر اسکی توقعات کا نہ صرف خاتمہ کر دیا۔ بلکہ اس کو ریاست میسور کے حدود کے اندر آنیسے بھی منع کر دیا۔ اور حکم دیا گیا کہ مدراس ہی میں مقیم رہے۔ کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے:۔

" جب سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کی خبریں ان تک پہونچیں تو انہوں نے مدراس میں شکر گاڑیوں میں بھر کر تقسیم کی "

انکی خدمات کے صلہ میں میسور کی رانیوں نے اپنے حسب وعدہ چاہا کہ ترمل راؤ کو دیوان بنایا جائے۔ اسی امید پر ترمل راؤ مدراس سے نکلکر سرنگاپٹم پہونچا۔ لیکن جنرل ہارس نے اس کو اپنے کمپ میں ٹھہرالیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اب ان بھائیوں کے خدمات کی ضرورت نہیں تھی۔ لارڈ ولزلی جو ایک ماہر سیاست دان تھا۔ جان چکا تھا کہ یہ دونوں بھائی کس قدر سازشی ہیں۔ اس نے جنرل ہارس کو لکھا کہ ترمل راؤ کو فوراً مدراس واپس بھیجدیا جائے۔ یہ حکم جب ترمل راؤ کو سنایا گیا تو وہ حیران ہوگیا۔ اس نے درخواست کی کہ کم از کم ایک بار تو اس کو رانیوں سے ملاقات کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن جنرل ہارس نے اس درخواست کو منظور نہیں کیا۔ ترمل راؤ کو مدراس واپس بھیجدیا

گیا۔ یہاں دونوں بھائیوں کے گذارہ کیلئے پنشن دیکر انہیں مدراس ہی میں مقیم رہنے کا حکم دیا گیا۔ نارائن راؤ کا انتقال ۱۸۱۱ء میں ہوا۔ اور ترمل راؤ ۱۸۱۵ء میں مر گیا۔

میر قمر الدین

اس غدار کو (جس کی غداری کا حال اگلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے) اسکی غداری کے صلہ میں گرم کنڈہ کی جاگیر دی گئی جس کی آرزو اس کو اور میر معین الدین کو تھی۔ میر معین الدین کے مرجانے سے اب صرف یہی ایک دعویدار تھا۔ اس نے یہ جاگیر انگریزوں سے سمجھوتہ کر کے پہلے ہی لکھوالی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس نے انگریزی فوج کو جو کورگ کے راستے سے بڑھ رہی تھی۔ سرنگاپٹم پر آجانے دیا۔ مورخ کرمانی لکھتا ہے:۔

"سلطان کی شہادت کے بعد اس نے گرم کنڈہ کی جاگیر کی خوشی میں شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے نکلا۔ اور وہاں مرض مہلک (جذام) میں مبتلا ہو کر بصد آہ و حسرت مر گیا۔"

(نوٹ:۔ گرم کنڈہ ضلع چتور میں ایک اونچی پہاڑی پر واقع ہے۔ قلعہ اس وقت بالکل شکستہ حالت میں ہے۔ پہاڑی سے نیچے جانب مغرب عین مقابل نواب میر رضا علی خاں کا مزار ایک بہت بڑے دو منزلہ گنبد میں ہے۔ طرز تعمیر بالکل سادہ ہے۔ مزار اوپر کے حصہ میں ہے۔ اور نیچے کے حصہ میں چند اور مزارات ہیں۔ اور اسی گنبد کا کچھ اور حصہ موجودہ وقت میں رہائش گاہ بنا لیا گیا ہے۔ گنبد کے پیچھے ایک چھوٹی مسجد ہے۔ جس کے دروازے نہیں ہیں۔ مسجد بالکل ویران پڑی ہے۔ گنبد پر توپ کے گولوں کے ایک دو نشان ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جب قمر الدین آکر یہاں اقامت گزین ہوا تو کڈپہ کے افغان گرم کنڈہ پر حملہ کر کے قلعہ پر قابض ہو گئے۔ اور انہوں نے مقبرہ پر بھی گولہ باری کی۔ پہاڑی کے داہنی بازو میر قمر الدین کا محل تھا۔ جو رنگ محل کہلاتا تھا۔ یہ اب کھنڈر ہو گیا ہے۔ اور اسکے کچھ حصہ میں اب مسافر خانہ تعمیر ہوا ہے۔ گاؤں مقبرہ سے تھوڑی دور پر واقع ہے۔ اور

اس میں سوائے چند جھونپڑیوں کے اور کچھ نہیں۔ گرم کنڈہ کی جاگیر دو لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔)

مقامی طور پر بھی یہی روایت مشہور ہے کہ میر قمر الدین شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے رخصت ہوا۔ معلوم نہیں کہ یہ غدار اپنے دل میں اسوقت کیا سمجھا ہو لیکن انگریزوں کا اسکے متعلق جو خیال تھا وہ اس خط سے ظاہر ہے۔ جو لارڈ ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا تھا۔

"میں آپ کی خدمت میں نظام الدولہ (میر نظام علیخاں) کا خط جو میر عالم کے نام ہے۔ روانہ کرتا ہوں۔ مجھے اعتماد ہے کہ آپ اسکے وسیلہ سے نواب میر قمر الدین کی رضا جوئی میں اچھی طرح سرگرم ہو سکتے ہیں۔ چونکہ اس کی عزت و آبرو وہاں کے لوگوں میں ہے۔ اس کے ذریعہ سے وہاں کے لوگوں کو ہماری طرف ملا لینے میں بے حد مفید ہوگا۔ مگر آپ اس کو بہت ہی جلد اس پر آمادہ کرو کہ وہ گرم کنڈہ چلا جائے۔"

میر قمر الدین گرم کنڈہ پہونچا۔ کڑپہ کے پٹھان اسکی اس غداری کی وجہ سے سخت برافروختہ تھے۔ انہوں نے گرم کنڈہ پر چڑھائی کی۔ اور قلعہ و محل پر قبضہ کر لیا۔ اور جو کچھ ملا۔ لوٹ لیکر چلا گئے اس کے بعد ہی میر قمر الدین مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسکی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی۔ اسی حالت زار میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یہ حسرت سے دیکھا جائیگا کہ حیدرآباد کے میر عالم کا بھی اسی مرض میں انتقال ہوتا ہے۔

سوانح میر عالم کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں:-

"میر عالم دیوان ہونے سے پیشتر فساد خون کے مرض میں مبتلا تھے۔ جس کا ذکر صاحب تحفۃ العالم نے بھی کیا ہے۔ یہ مرض کہنہ ہو کر جذام کی شکل پکڑا۔ جب یہ دیوان ہو چکے تو ان کے اس مرض میں اور ترقی ہو گئی۔ اقسام کے علاج کیے۔ حتیٰ کہ ناگ سانپ تک ڈسوائے

اور مرض کے زہر سے ڈسنے والے سانپ مر مر گئے۔ لیکن ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ بہر حال میر عالم نے علاج میں کسی طرح کی کمی نہیں کی۔ لیکن دوا سے انکے مرض میں تخفیف نہیں ہوی۔ آخر وقت موعود آپہونچا۔"

پھر یہی مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھا ہے:۔

"حیدرآباد میں اس مرض (جذام) کا نام عام طور پر" میر عالم کا آزار" مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ اسکی وجہ تسمیہ یہی ہو کہ میر عالم اس مرض میں مبتلا تھے۔ اور انہیں کے نام سے یہ مرض منسوب ہو کر اس عرف سے مشہور ہو گیا۔"

کتاب الاعراس میں جن غداروں کے نام دئے گئے ہیں۔ ان میں سوائے میر معین الدین اور میر صادق کی قبر کے دوسرے غداروں کی قبر کا کوئی نشان نہیں ہے اور نہ ان غداروں کے متعلق کچھ حالات معلوم ہوسے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عام مسلمان جو اس غداری سے بالکل برافروختہ ہو چکے تھے۔ ان غداروں کا خاتمہ کر دئے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد شہر میں جو قتل و غارتگری کا ہنگامہ رہا۔ اس ہنگامہ میں یہ قتل ہو گئے ہوں۔ اور عام مقتولین جنگ کی لاشوں کے ساتھ انہیں بھی اندرونی خندق کے سپرد کر دیا گیا ہو۔

میر معین الدین

اسکی غداری کے وجوہات اگلے صفحات میں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ میر قمر الدین کا رشتہ دار بھی تھا۔ ۴ مئی کے دن یہ شدید طور پر زخمی ہو کر فصیل قلعہ پر پڑا ہوا پایا گیا۔ اور جب انگریزی افسروں نے اس کو اٹھایا تو اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے تھے۔ ان افسروں نے پالکی منگوا کر اس کو اس کے مکان پر بھجوا دیا۔ اس کے بعد میجر آلن لکھتا ہے:۔

" دوسرے دن یعنے ۵ مئی ۱۷۹۹ء کی صبح میں پالکی میں سوار ہوکر میں قلعدار اور معین الدین کے بھائی کے ساتھ اس جگہ پہونچا۔ جہاں کل شام کو معین الدین کی لاش پڑی ہوی تھی۔ اس وقت لاش اس جگہ نہیں تھی۔ لیکن اس کی ایک جوتی قریب ہی پڑی تھی۔ جس کو اٹھاکر اسکے بھائی نے چھاتی سے لگاکر رونا شروع کیا۔ اسکے بعد ہم معین الدین کے مکان پر گئے۔ گھر شب میں لوٹ لیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لوٹنے والوں نے عورتوں اور بچوں سے بھی نہایت سختی کا سلوک کیا تھا۔ مجھے اطلاع ملی کہ سید صاحب کی لاش ہمسایہ کے گھر میں رکھی ہوی ہے۔ وہاں جب ہم پہونچے تو لاش کے قریب ایک ۸ سالہ لڑکا جو معین الدین کا بیٹا تھا اور دوسرے چند رشتہ دار بھی بیٹھے ہوے رو رہے تھے۔ لاش کو تھوڑی دیر بعد اٹھایا گیا۔ اور ایک خاص تیار کردہ قبر جو پہلے سے بنی ہوی تھی۔ اس میں دفن کردیا گیا"

(نوٹ:- یہ قبر سکاٹ کے باغ کے احاطہ میں ہے۔ قبر کی تعویذ کو سبز رنگ سے رنگا گیا ہے کہ معلوم ہو کہ یہ سید کی قبر ہے۔ اطراف ایک مختصر سی چار دیواری اور سائبان ہے۔ سائبان کی عمارت معمولی اور شکستہ ہے۔ قبر کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کردیا گیا کہ یہ کسی پیر کی قبر ہے۔ یہ قبر معین الدین کی ہونے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں اسکی کوٹھی تھی۔ میجر آلن کی تحریر بھی اس کا ثبوت دیتی ہے۔)

میر صادق

بہ حیثیت وزیر اعظم ہونیکے سلطنت خداداد کی تباہی کی پوری پوری ذمہ داری اس غدار پر آتی ہے۔ پہلے تو اس نے سلطان تک صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتا تھا۔ اور اخیر میں ۴ مئی کا دن جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ بند کرادیا۔ کہ سلطان واپس نہ آسکے۔ اور فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزی فوج کو اسی غدار نے دی۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:-

"میر صادق نمک حرام نے سلطان کو مورچہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھکر ڈوڈی دروازے کو جو سلطان کی واپسی کا راستہ تھا۔ بند کرا دیا۔ اور خود گنجام کا راستہ لیا۔ (کہ قلعہ کے باہر اپنی کوٹھی میں جا کر رہے۔ محمود) جب قلعہ کے مشرقی دروازے پر پہونچا تو سلطان کے ایک جاں نثار سپاہی نے جو اس کی نمک حرامی سے واقف ہو چکا تھا۔ اس کو گھوڑے سے کھینچ کر تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے چار دن بعد اسکی لاش بے کفن اسی جگہ گاڑ دی گئی۔ آج بھی لوگ آتے جاتے اور اسکی قبر پر تھوکتے اور پیشاب کرتے ہوئے اس کو لعنت سے یاد کرتے ہیں"

(نوٹ:۔ اس سپاہی کا نام جس نے میر صادق کو قتل کیا۔ احمد خاں ہے اور وہ کڑپہ کا باشندہ تھا)

عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ میر صادق کی لاش اسی جگہ دفن کر دی گئی جہاں وہ قتل ہوا تھا۔ اور آج بھی لوگ قلعہ کے دوسرے مشرقی دروازے کے قریب مٹی کے ایک ڈھیر پر پتھر اور جوتیاں مارتے اور پیشاب کرتے ہیں معلوم نہیں کہ اس غدار کے اسی جگہ دفن ہونے کی یہ روایت کس طرح مشہور ہو گئی۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ جس طرح میر معین الدین کی قبر کو توہین سے بچانے کے لئے یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ پیر کی قبر ہے۔ اسی طرح اس غدار کی قبر کو بھی توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ جس جگہ قتل ہوا۔ اسی جگہ دفن بھی کیا گیا۔ لیکن کوئی مصدقہ روایت نہیں ملتی کہ اس کو کن لوگوں نے دفن کیا تھا۔ سرنگاپٹم کے مسلمان تو اس قدر برافروختہ تھے کہ وہ اس لاش کو دفن نہیں کئے ہونگے۔ جہانتک تحقیق سے پتہ لگا ہے وہ یہ ہے۔ میر صادق کی لاش کو انگریزوں نے اٹھا کر قلعہ کے شمال مشرقی برج سے تھوڑے فاصلہ پر دفن کر دیا۔ اور چونکہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں میں لاش شمالاً جنوباً دفن ہوتی ہے۔ اس لئے ہوا یہ کہ اسکی قبر آج تک بھی غرباً شرقاً بنی ہے (اسکی مصنوعی قبر بھی شرقاً غرباً بنی ہوئی ہے)

سرنگاپٹم کے بہت سے بڑے بوڑھے لوگ جو اس راز سے واقف ہیں. خود مصنف کو اس غدار کی یہ قبر پہچا کر بتلائے. کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک قبر نمایاں نظر آتی تھی. لیکن اب وہاں ایک غار پڑگیا ہے. جس کا رخ بھی شرقاً غرباً ہے۔ اور صد ہزار عبرت کا مرقع. دیکھنے والے پر اس ویران سنسانے میں ایک خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

رہا اس کی فرضی یا اصلی قبر پر لعنت کا بھیجا جاتا وہ دراصل اس مٹی کے ڈھیر پر نہیں بلکہ اس غدار ملک وملت کی روح پر ہے. میر صادق اور دوسرے غداروں کی اخیر گھڑیاں چاہے کرب وبلا میں گذری ہوں یا ہنسی خوشی میں. وہ خدا ہی خوب جانتا ہے. مگر مکافات عمل اِس دنیا میں نہیں تو ضرور اُس دنیا میں ملتے ہیں. علامہ اقبال اس کا کچھ نقش اپنے عالم خیال (جاوید نامہ میں کھینچتے ہیں جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے۔

بنگالہ میں جن غداروں نے سراج الدولہ سے غداری کی. ان میں سب سے ممتاز میر جعفر ہے اور ٹیپو سلطان سے جنہوں نے غداری کی ان میں میر صادق سب سے زیادہ نمایاں ہے. اس لئے علامہ اقبال نے ان دو کو ہی منتخب کیا ہے۔

دوزخ کے اس طبقہ کی تصویر کھینچتے ہوئے جہاں ارواح بے یوم النشور رکھے گئے ہیں میر صادق و میر جعفر کی ارواح رذیلہ کو اس طرح دکھایا گیا ہے :-

منزل ارواح بے یوم النشور ۔۔۔ دوزخ از احراقِ شاں آمد نفور
اندرونِ او دو طاغوت کہن ۔۔۔ روحِ قومے کشتہ از بہر دو تن
جعفر از بنگال و صادق از دکن ۔۔۔ ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن
ناقبول و نا امید و نامراد ۔۔۔ ملتے از کارشاں اندر فساد
ملتے کو بندِ ہر ملت کشاد ۔۔۔ ملک و دینش از مقام خود فتاد

می ندانی خطۂ ہندوستاں
آں عزیز خاطر صاحب دلاں

خطۂ ہر جلوہ اش گیتی فروز
درمیان خاک و خوں غلطد ہنوز

در گلش تخم غلامی راکہ کشت
ایں ہمہ کردار آں ارواح زشت

در فضائے نیلگوں یک دم بایست
تا مکافاتِ عمل بینی کہ چیست

روحِ ہندوستان ظاہر ہوکر نالہ و فریاد کرتی ہوئی کہتی ہے (اس نظم میں موجودہ زمانہ کے غداروں کی طرف بھی اشارہ ہے) ؎

کہتے شب ہندوستاں آید بروز
مرد جعفر زندہ روح او ہنوز

ملتے را ہر کجا غارتگرے است
اصل او از صادقے یا جعفرے است

الاماں از روح جعفر الاماں
الاماں از جعفرانِ ایں زماں

اس فریاد کو سن کر قلزمِ خونیں جوش میں آتا ہے اور دوزخ بھی ان نامرادوں کو قبول نہیں کرتی۔ ؎

گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ
شعلۂ من زیں دو کافر پاک بہ

جب دوزخ بھی ان ارواحِ رذیلہ کو قبول کرنے سے انکار کردیتی ہے تو غدار اسطرح فریاد کرتے ہیں:۔

اے ہوائے تند اے دریائے خوں
اے زمیں اے آسمانِ نیلگوں

اے نجوم اے ماہتاب اے آفتاب
اے قلم اے لوح محفوظ اے کتاب

اے بتانِ ابیض اے لُردانِ غرب
اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب

غداروں کی اس فریاد کا جواب اس طرح ملتا ہے:۔

ایں جہاں بے ابتدا بے انتہا است
بندۂ غدار را مولا کجا است

سلطنت کو ختم ہوئے ابھی سوا سو سال کا عرصہ گذر رہا ہے۔ اس لئے تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد اکثر احباب نے مصنف سے دریافت کیا ہے کہ سلطان کے خاندان سے کوئی میسور و جنوبی ہند میں باقی ہیں یا نہیں۔ اور غداران وطن کے خاندان کہاں کہاں آباد ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے سلطان کے خاندان سے کوئی فرد بھی میسور و جنوبی ہند میں باقی نہیں ہے۔ ان تمام لوگوں کو جنہیں خاندان سلطانی سے کچھ دور کا بھی رشتہ تھا، کلکتہ کو بھیج دیا گیا۔ میر قمر الدین ہو یا میر معین الدین انہیں خاندان سلطانی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ میر قمر الدین سلطان کے سوتیلے ماموں کا فرزند تھا۔ میر معین الدین کی دختر سے سلطان نے ۱۷۹۵ء میں نکاح کیا تھا۔ ڈیڑھ سال کے بعد یہ بیگم اور نوزائیدہ بچہ دونوں انتقال کر گئے۔ اور جو رشتہ میر معین الدین اور سلطان کا تھا ختم ہو چکا۔

یہ مجھے خود سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ غداروں کے خاندانوں کے حالات کیوں دریافت کرتے ہیں؟ جن لوگوں نے غداری کی وہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بے شک ان کے خاندان ملک میں باقی ہیں۔ لیکن ان پر کیا الزام دھرا جا سکتا ہے۔ باپ کا الزام بیٹے پر یا بیٹے کا الزام باپ پر اور بھائی کا الزام بھائی پر آ نہیں سکتا۔ ہر انسان جو کچھ کرتا ہے۔ اسکے لئے وہ خود خدا کے آگے جوابدہ ہوتا ہے۔ دوسرے جوابدہ نہیں ہو سکتے۔ مذہب بھی یہی سکھلاتا ہے اور ضمیر بھی یہی کہتا ہے۔

ضمیمہ

سرنگاپٹم

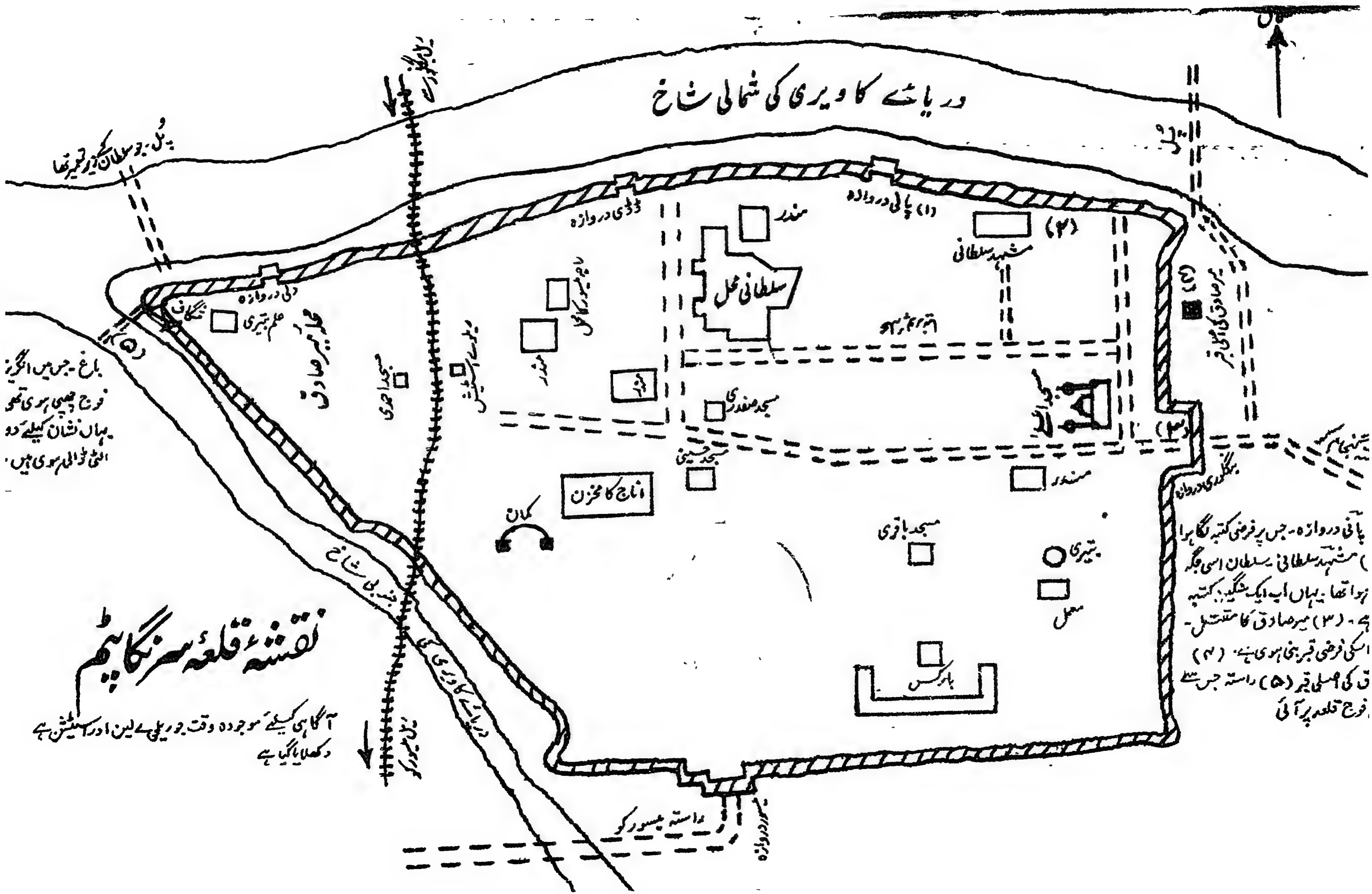
سلطان کی زندگی کے حالات کے ساتھ ساتھ ہی یہ مناسب ہوگا کہ ہم اسکے دارالسلطنت سرنگاپٹم کے حالات بھی لکھدیں اور بتائیں کہ اس زمانہ میں جب یہ شہر پائے تخت تھا، کس حالت میں تھا اور اب کس حالت میں ہے۔

سلطان کے ملک اور اسکے پائے تخت کے متعلق ملّا فیروز اپنے جارج نامہ میں لکھتے ہیں:۔

ہمایوں کشورے خرم زمینے　　طرب زا مرز بومے دل نشینے
وطن گاہے نشاط و خرمی را　　طرب گاہے پری و آدمی را
صفائی آب شیرینش رواں بخش　　ریاج بادِ مسکینش تواں بخش
مزاجش زا عتدال استوائی　　بعنبر بیزی و گوہر فزائی
ہوائش را نشاطِ زعفراں زار　　نسیمش را شمیم زلف دلدار
ندیدہ کس چنیں آب و ہوائے　　بدیں خوبی ہمہ نا نیست جائے
زباں در وصف آں فرخندہ کشور　　بود لال و کند خامہ نگوں سر

دکن زیں او شدہ دار الخلافت
مصئوں باد از ہر آسیب و آفت

سرکار خداداد کا پائے تخت جس کا نام سلطان نے ظفر آباد رکھا تھا۔ میسور کے جنوبی حصہ میں دریائے کاویری کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جسکی کل لنبان چار میل سے زیادہ نہیں اور چوڑائی ایک میل سے کچھ زیادہ ہے۔ اس جزیرہ میں نویں صدی عیسوی میں سری رنگا کا مندر



نقشہ قلعہ سرنگاپٹم
دریائے کاویری کی شمالی شاخ
دریائے کاویری کی جنوبی شاخ
سلطانی محل
اناج کا مخزن
مسجد اعلیٰ
مسجد احمدی
مسجد حسینی
مشہد سلطانی
ریلوے اسٹیشن
محلہ میر صادق
راجہ میسور کا محل
مندر
بارکس
کمان
بیٹری
(۱) پانی دروازہ
ڈڈی دروازہ
دلی دروازہ
میسور دروازہ
بنگلوری دروازہ
راستہ میسور کو
میر صادق کی اصلی قبر
ریل میسور کو
ریل بنگلور سے
آگاہی کیلئے موجودہ وقت جو ریلوے لین اور اسٹیشن ہے دکھلایا گیا ہے

تعمیر ہوا اور شہر کی بنیاد پڑی۔ ۱۴۵۴ء میں راجہ تمّنا نے بہ اجازت دربار وجیانگر یہاں قلعہ بنوایا۔ ۱۶۱۰ء میں راجہ وڈیر (جو موجودہ حکمران خاندان میسور کے اجداد میں ہے) اس جزیرہ کو اپنا پائے تخت قرار دیا۔ اس زمانہ سے لیکر ۱۷۹۹ء تک یہ میسور کا پائے تخت رہا۔ ۱۷۶۱ء میں نواب حیدر علی برسر اقتدار آئے۔ اس وقت سے لیکر زوال سلطنت خداداد یعنے چالیس سال تک اس کو جو عروج حاصل ہوا۔ وہ تاریخ عالم میں یادگار ہے۔ قدیم قلعہ کو ڈھاکر حیدر علی نے نیا قلعہ تعمیر کروایا۔ جس کے بعد ٹیپو سلطان نے پھر اس میں متعدد تبدیلیاں کیں اور قلعہ کے اندر دوسری فصیل اور خندق بنوائی۔ جس کو انگریزوں نے ڈھاکر خندق کو بھروا دیا۔ ۱۷۹۲ء میں سرنگاپٹم کی جو حالت تھی۔ اس کے متعلق میجر ڈیرام جو لارڈ کارنوالس کا اسٹاف افسر تھا۔ لکھتا ہے :-

"اس وقت قلعہ سے لیکر لال باغ تک آبادی ہی آبادی ہے۔ اس کا مشرقی حصہ گنجام کہلاتا ہے۔ جو ایک کچی مٹی کی دیوار سے گھرا ہوا ہے۔ اسکے اندر جو شہر ہے وہ برابر برابر مربعوں میں تقسیم ہو کر ہے۔ اور ہر مربع کے چار طرف وسیع و فراخ اور خوشنما سڑکیں ہیں۔ جن کے دونوں بازو پر سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ اس میں وہ تاجر رہتے ہیں جو فوجی اور شہری ضروریات کیلئے ہر قسم کی اشیا فروخت کرتے ہیں۔

گنجام سے مشرقی جانب وہ مشہور باغ ہے جو لال باغ کے نام سے موسوم ہے۔ باغ نہایت خوش وضع ہے۔ انواع واقسام کے میوہ دار درخت لگے ہوئے ہیں۔ روشوں کے دونوں طرف بلند و خوبصورت شمشاد کے درخت اپنا سایہ ڈال رہے ہیں۔

شہر کی مغربی جانب قلعہ کی سفید دیواریں ہیں۔ جن کے اوپر سے قدیم مندروں کی اونچی چوٹیاں اور مسجد کے اونچے مینار نظر آتے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے

لال باغ پر جو خوبصورتی و خوشنمائی کا ایک دلفریب منظر ہے. نظر کی جائے اور ان کے ساتھ قلعہ اور اس لال باغ کے درمیانی حصہ کی گنجان آبادی کے مکانات کو بھی دیکھا جائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کا یہ عروس البلاد اس زمانہ میں سب سے زیادہ متموّل، سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ سکون بخش خطہ زمین ہے۔"

ایک اور انگریزی مورخ جو ۱۸۰۴ء میں سلطان کی شہادت کے پانچ سال بعد آیا تھا. لکھتا ہے کہ:-

"اس وقت شہر کی آبادی اڑھائی تین لاکھ کے قریب ہے۔"

سرنگاپٹم کا قلعہ جزیرہ کے مغربی حصہ میں ہے. دریائے کاویری کی شمالی شاخ فصیل قلعہ سے لگی ہوی بطور خندق چلی جاتی ہے. اور جنوبی شاخ کچھ دور تک فصیل قلعہ سے لگی ہوی ہے.

جزیرۂ سرنگاپٹم میں داخل ہونے کیلئے دریائے کاویری پر دو پُل ہیں. ایک، شمال میں اور ایک جنوب میں. شمال مغربی جہت میں سلطان شہید نے دہلی دروازے کے مقابل ایک پُل کی بنیاد رکھی، جو اب بھی دیکھی جا سکتی ہے. اور قلعہ کے اندر داخل ہونے کے متعدد دروازے ہیں. جن میں مشرق کی طرف بنگلوری دروازہ ہے. جنوب کی طرف دو دروازے ہیں. ایک میسوری دروازہ اور دوسرا ہاتھی دروازہ. شمال کی طرف پانی کا دروازہ ہے. اور شمال مغربی جہت میں دلّی دروازہ ہے.

میسوری دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:-

چو شہ این قلعہ را بنیاد فرمود	زبرجد سال ماہِ خسروی بود

ہزار و دو صد و بر عشرہ نہ ہم — شمار سالِ احمد بدر مولود
بتاریخ نہم روز شنبہ — بعینِ ساعت برجیس مسعود
طلوع قوس بود وہم بمیزاں — شفق برزہرہ برجیس افزود
عطارد و آفتاب راس ہر سہ — ببرج سنبلہ بودند محمود
بجدی ماہ بعقرب بود مریخ — زنب در حوت کیواں در حمل بود
ثمر ایں وقت رانیست پند را — کہ قلعہ از ہمہ اسباب بہ بود

بماند قایم محفوظ از آفات
بفضلِ رحمتِ خلاقِ معبود"

شہر میں آب رسانی کیلئے دریائے کاویری سے نہر کاٹ کرلائی گئی تھی۔ اور اس سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی تھیں۔ قلعہ کے اندر بھی پانی زمین دوز نہروں کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ جو اب بھی بعض جگہ نظر آتی ہیں۔ مسجد اعلیٰ کے حوض اور سلطانی محل کیلئے پانی دریائے کاویری سے اس طرح لیا جاتا تھا کہ قلعہ میں شمال مغربی کونے میں پانی اچھال کر ایک حوض میں بھر دیا جاتا۔ جہاں سے وہ پختہ نالیوں کے ذریعہ حوض میں آجاتا تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

موجودہ حالت

موجودہ وقت میں یہاں کیا ہے۔ آہ! سرنگاپٹم جو سلطنت خداداد کا پائے تخت تھا ایک معمولی قصبہ بن کر رہ گیا ہے۔ یہ وہ شہر تھا کہ اگر سلطنت کو مہلت دی جاتی، اور سلطان کی ایک دو نسلیں یہاں تخت نشین ہوتیں تو دلّی، کابل اور قاہرہ تو در کنار سلطان کی

اولوالعزمی کو دیکھتے ہوئے سرنگاپٹم کا نام آج بغداد و غرناطہ سے پہلے آتا. مگر قدرت کو وہی منظور تھا، جو ہوا. جس طرح گلشن میں کئی کلیاں ناشگفتہ مرجھا جاتی ہیں. اور جس طرح چھوٹے بچے اوائل عمری میں داغ مفارقت دئے جاتے ہیں. اسی طرح بعض شہر اور قصبے بھی اپنی ابتدائی منازل تمدّن میں برباد ہوکر رہجاتے ہیں. سرنگاپٹم بھی اسی طرح برباد ہوکر رہ گیا.

آج مندروں کے علاوہ مسجد اعلیٰ، دریا دولت باغ، مقبرہ اور مسجد اقصیٰ موجود ہیں. باقی سب ھُو کا عالم ہے. قلعہ کے اندر پٹن میں تھوڑی سی آبادی ہے. اور گنجام دن بدن ویران ہوتا جارہا ہے. آہ! یہ وہ شہر ہے جہاں بیٹھ کر سلطان داد سلطنت دیتا تھا. جس کے چپہ چپہ پر آبادی اور مکانات تھے. جس کے قلعے پر سلطانی علم اپنی پوری جبروت و عظمت کے ساتھ کبھی اُڑتا تھا. آج یہ ویران کھنڈر ہے. سلطانی محلات کو ڈھا دیا گیا ہے صرف ایک چھوٹی سی شکستہ دیوار کتبہ کیلئے چھوڑ دی گئی ہے. جس پر لکھا ہوا ہے:-

"یہاں سلطان کا محل تھا"

آہ!

اجڑے محلوں سے جو آتی ہے صدائے بازگشت
طرفہ افسانہ سناتی ہے صدائے بازگشت

پہلے کچھ احکامِ سلطانی سناتی ہے مجھے،
قصۂ شانِ جہاں بانی سناتی ہے مجھے

پھر سناتی ہے محافل کی طرب انگیزیاں
شوخیٔ حسن ملاحت زا کی شکّر بیزیاں

کالی کالی وہ گھٹائیں اور بھری برسات میں
ناز سے گانا وہ رقاصوں کا بھیگی رات میں

عاشقوں نے گفتگو سر سنئی جذبات میں
کی تھی جو آہستہ تنہائی میں بھیگی رات میں

ذرہ ذرہ میں یہاں کے نطق کی تفسیر ہے
ریزے ریزے میں یہاں کے جوہر تقریر ہے

سنگریزے کام کرتے ہیں زبانوں کے یہاں — ہو رہا ہے ہر طرف ایامِ پیشیں کا بیاں
ہر قدم پر پاؤں کے نیچے جب آتی ہے زمیں — داستانِ حالتِ ماضی سناتی ہے زمیں
اس جگہ کچھ عیش اور عشرت کے ساماں دفن ہیں — اس جگہ پر کچھ مرادیں اور ارماں دفن ہیں
اس جگہ پر ہے مزارِ شوکت و شانِ غرور — اس جگہ مدفون ہیں اسبابِ امکانِ غرور
آرزوئے حدِ شہرت کی یہاں پر قبر ہے — جستجوئے لطفِ جنت کی یہاں پر قبر ہے
دلربائی اور دل آزاری کی حد ہے اس جگہ — عاشقی اور ناز برداری کی حد ہے اس جگہ
نالۂ شبگیرِ زاہد اس جگہ پر ختم ہے — حسنِ عالمگیرِ شاہد اس جگہ پر ختم ہے
تیغِ جوہر دار کی حد اس جگہ پر ہو گئی — حسنِ بدکردار کی حد اس جگہ پر ہو گئی
اس جگہ ہے بے کسی اور نامرادی سو رہی — قبر ہے یاں شوخیٔ چشمِ فسوں پرواز کی
دب گئے ہیں کچھ جواہر غیر سفتہ اس جگہ — دفن ہیں کچھ غنچہائے ناشگفتہ اس جگہ
مرقدیں ہیں کچھ جنونِ فتنہ ساماں کی یہاں — چاک دامن کی یہاں چاکِ گریباں کی یہاں
ساقیٔ توبہ شکن ہے اس جگہ آرام میں — شاہدِ نازک بدن ہے اس جگہ آرام میں

ہیں غرض یہ بستیاں تاریخِ صفحاتِ قدیم ؎
ان کو ویرانہ نہ سمجھو، ہیں یہاں روحیں مقیم

سلطانی محل

سری رنگا سامی کے عظیم الشان قدیم مندر کے تھوڑے فاصلہ پر سلطانی محل تھا۔ یہ محل ایک عالیشان خوبصورت چھوٹی عمارت تھی۔ مگر نہایت سادہ، وسط میں ایک کشادہ اور وسیع کمرہ تھا۔ جس میں سلطان کی رہائش تھی۔ اس کمرہ کے اندر چاروں طرف ایک

سنہری کارنس سی بنی ہوئی تھی۔ اوراس پرایک فٹ چوڑے اور لمبے عربی الفاظ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ اوران پر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا۔ سلطان کو جو شغف اور محبت قرآن پاک سے تھی۔ وہ قرون اولیٰ کے بعد شاید ہی کسی مسلمان کو نصیب ہوئی ہو گی۔

اس محل کے مشرق طرف مسجد اعلیٰ تک اور بھی چھوٹے چھوٹے محلات تھے۔ جن میں سلطان کے شہزادے اور دوسرے عزیز واقارب رہتے تھے۔

محل کے عین مقابل مغرب میں ترمبرنگا سامی کا مندر اور میسور کے راجہ کا محل ہے۔ جنوب میں بھی محل سے لگا ہوا ایک اور مندر ہے۔ اوراسی طرح شمال مشرقی پہلو پر ایک اور قدیم مندر ہے۔

سلطانی محل کے انہدام کے بعد اسکی بہت سی چیزیں فروخت کر دی گئیں۔ جن میں سنگ سیاہ کے ستون بنگلور کی جامع مسجد میں لگے ہوئے ہیں۔ اور باقی سامان نیلگری کے ایک کلیسا کی تعمیر میں استعمال ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اس سلطان دین پناہ کے محل کا سامان بھی عبادت گاہوں کیلئے ہی کام آیا۔ محل سے لگا ہوا جنوب کی طرف توشک خانہ تھا۔ توشک خانہ کے ایک حصہ میں پہلے صندل کوٹھی تھی اور اب میونسپل آفس۔ اوراس سے تھوڑی دُور پر غلہ جمع کرنے کا مخزن تھا۔

سیّاح بچانن لکھتا ہے:۔

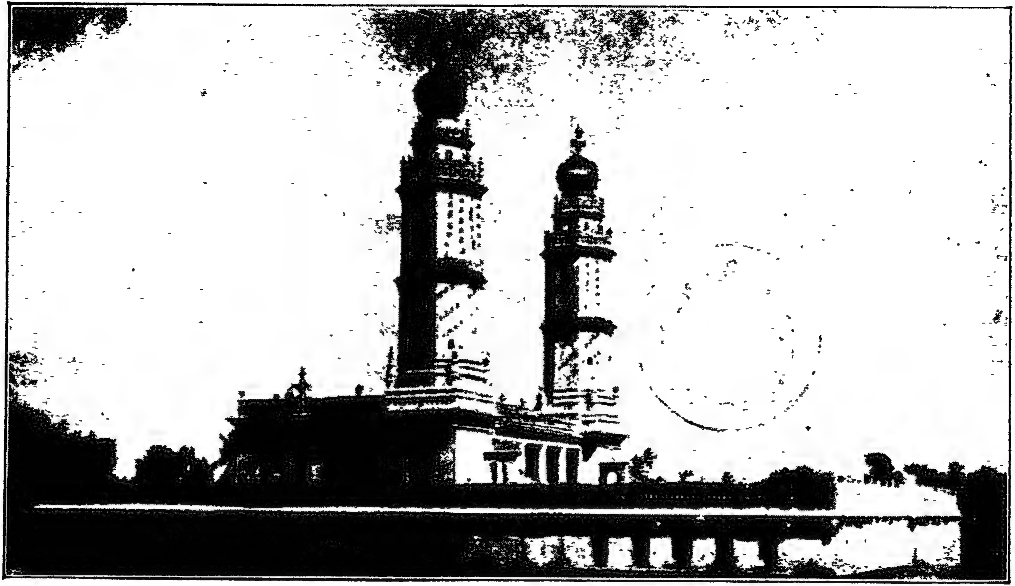
"سلطان کا محل ایک عالیشان سنگین عمارت ہے۔ گو باہر سے یہ بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے۔ مگر اندر نہایت خوشنما ہے۔ سلطان جس حصہ میں رہتا تھا۔ وہ محل کے ایک جانب ہے۔ اور باقی تین جانب گودام ہیں زنانہ میں جانے کے راستہ میں شیر بندھے ہوئے تھے۔"

مسجد اعلیٰ

سلطانی محلات کے ویرانوں سے لگی ہوی بنگلور دروازے کے قریب یہ عالیشان بلند عمارت واقع ہے۔ جس کے سر بفلک مینار آج بھی شکوہ سلطانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے در و دیوار پر شہیدان وطن کے پاک خون کے چھینٹے پڑے ہوے ہیں۔ (کہا جاتا ہے کہ تسخیر قلعہ کیوقت چار ہزار ہندو اور مسلمان یہاں جمع تھے۔ جو مدافعت وطن۔ تحفظ آزادی اور اپنے سلطان کے نام پر نثار ہو گئے)

عمارت مسجد کے دو حصے ہیں۔ اوپر کے حصہ میں مسجد ہے۔ مسجد میں جانے کے لئے دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہوی ہیں۔ میناروں میں بھی اوپر جانے کیلئے سیڑھیاں ہیں۔ جہاں پہونچکر بہت دُور دُور کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ سلطان کی پنجوقتہ نماز اسی مسجد میں ادا ہوتی تھی۔

سلطان مسجد اعلیٰ میں عام رستے سے داخل نہیں ہوتا تھا۔ اس خیال سے کہ مبادا میری آمد پر نمازیوں کو مسجد میں میرے ادب و احترام کا احساس سکون قلب اور توجہ الی المعبود سے محروم کر دے۔ مسجد کے بڑے کمرے میں شمالی جانب ایک چھوٹا دروازہ تھا۔ جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ یہ دروازہ سلطان کے محل سے نکلکر مسجد میں داخل ہونیکا تھا۔ نمازیوں کے سکون کو مسجد میں بے خلل رکھنے کا سلطان کو اتنا خیال تھا کہ اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی جگہ بر فی الفور مشغول عبادت ہو جاتا۔ اور کسی ایک نمازی کے دل میں بھی وسوسہ نہ گذرتا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان انسانی طبائع سے کس قدر آشنا تھا۔ اتنا گوارا نہ تھا کہ لوگوں کی اضطراری کیفیات احکام الہٰی کے منشاء کی تکمیل میں حائل ہوں۔ اخلاق اسلامی کے اعتبار سے



سرنگاپٹم۔ مسجد اعلیٰ

عوام کا اس مقام پر کھڑے ہونا ابھی بہت دشوار تھا کہ بادشاہ مسجد میں داخل ہو، اور خدا کے گھر میں کوئی اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ مسجد کی دیواروں پر سبز رنگ چڑھا ہوا تھا۔ محراب کے اوپر کتبۂ تاریخ لگا ہوا ہے۔

کتبہ

کز حضرت سلیماں اندر زمان ماضی ۔۔۔ تعمیر مسجدے کرد نامش نہاد اقصیٰ

وراین اوان فرخ سلطان دیں بنا کرد ۔۔۔ آں مسجدے کہ اسمش ملہم گذاشت اعلیٰ

طاق است چوں مہ نو طاقش بحسن خوبی ۔۔۔ روحش چوں روح باشد وحسپ وفیض پیرا

زردہ نشان زمردہ آں صفۂ صفا خیز ۔۔۔ محراب دلکش اُو آئینہ دار بطحا

مانند زر چو جویا گشتم برائے تاریخ

طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا

مسجد کا نام غالباً مسجد اقصیٰ کی رعایت سے مسجد اعلیٰ رکھا گیا۔ اس مسجد کی بنیاد ۱۲۰۲ھ میں رکھی گئی۔ مسجد اعلیٰ میں جس بات کو دیکھ کر اس زمانہ کے مسلمان کے دل میں بھی اس دینی حرارت کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے۔ جس کے امین قرون اولیٰ کے مسلمان تھے۔ وہ سلطان کے اس مجاہدانہ ایمان کا مظاہرہ ہے۔ یعنے مسجد میں چار کتبے لگے ہوئے ہیں۔ جن میں ایک اسمائے حسنےٰ اور دوسرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے نام ہیں۔ شمالی دیوار پر جو کتبہ ہے وہ احکام جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں ہے،

کتبہ

قولہ تعالیٰ وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب

من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقا تقتلون

وتأسرون فريقاً واورثكم ارضهم وديارهم واموالهم ارضا لم تطؤها وكان الله على كل شئ قديرا۔

بعد از فرار کفار حکم شد کہ بحرب بنی قریظہ روند کہ عہد شکستہ مددگار سے احزاب نمودند۔ لشکر اسلام ایشاں را پانزدہ شبانروز محاصرہ کردند۔ وکار بر ایشاں تنگ شد و بر حکم سعد ابن معاذ فرود آمدند۔ وسعد حکم کرد کہ مردان ایشاں را بکشند وکودکان ایشاں را بردہ گیرند۔ واموال ایشاں را مسلمانان قسمت کنند۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ اے سعد معاذ حکم کردی کہ خدائے تعالیٰ بر بالائے ہفت آسمان حکم کردہ وحق سبحانہ ازیں واقعہ خبر میدہد وفرود آورد خدائے آناں را کہ یاری دادہ اند۔ احزاب را وہم پشت ایشاں گشتند از اہل توریت۔ یعنے یہود قریظہ را فرود آورد۔ از قلعہائے ایشاں وافگند در دلہائے ایشاں۔ ترس از پیغمبر ولشکر او گروہے را کہ کشتند سے نہ صد تن یکشتند یا ہفت صد تن وبردہ میگرید گروہی را یعنے فرزندان وزنان ایشاں را۔ و میراث داد شمارا زمین ایشاں یعنے مزارع وحدائق وسراہائے ایشاں یعنے حصون وقلاع ومال ہائے ایشاں از نقود وامتعہ ومواشی وبشما داد زمیں را کہ نہ رفتہ آں یا مالک آں نبودید ومراد خیبر است یا دیار روم یا ممالک فارس وگفتہ آید ہر زمیں کہ بحوزہ اسلام در آید۔ تا قیامت در ایں داخل است وہست خدائے بر ہمہ چیز قادر وتوانا۔

اور جنوبی دیوار پر غزواتِ پیغمبرؐ کے متعلق احادیث مکتوب ہیں۔ کتبہ ذیل میں دیا جاتا ہے :-

کتبه

عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الناس رفیع
القریش فی هذا الشان مسلمهم تتبع والمسلمهم وکافرهم
تتبع الکافرهم متفق علیه - روایت است از ابی هریره که تحقیق
نبی صلی الله علیه وسلم فرمود - جمیع مردم تابع قریش را درایں شان مسلمانان
تابع اند مسلمانان قریش را وکافران تابع اند کافران ایشان را متفق علیه
وتصیبو علیهم المجانیق کما نصب رسول الله صلی الله علیه وسلم
وعلی الطائف وحرقوا نه علیه الصلوٰة والسلام احرق البویرة
قال وارسلو علیهم الماء وقطعوا اشجارهم وافسدوا زروعهم
لان فی ذالك کسر شوکتهم وتفرق جمعهم فیکون مشروعًا
وپابرداریدبرمشرکان ونیز تفنگ ودرخش چنانکه برپا داشته بود برسول الله
صلی الله علیه وسلم برطائف وبسوزید آنها زیراکه علیه الصلوٰة والسلام بسوخت
بویرة را وارسال نمائید برآں کافران آب را وببرید درختهائے ایشان را وتباه
سازید کشت وکار ایشان را زیراکه تحقیق - دراں شکست شوکت انها است و
پراگندگی جمعیت ایشان پس در شرع ایں همه امور روا است - من احب
اخاه فلیعلم ایاه یعنے شخصے که دوست دارد برادر مومن خود را - پس آگاه
نماید اورا - کسیکه اعانت جنگ کفار کند درحرب بنفسه یعنے خود شریک شود
بامال یا باسلحه جنگ پس اگر معلوم شود از میل ورغبت - بطرف دین کفار پس او ولد
کفار است اگر معلوم نه شود رغبت پس قید می کرده شود - تعزیر می شود

تمام ہندوستان کی مسجدوں میں پھر جائیے۔ کیا شہنشاہوں کی بنائی ہوئی اور کیا عوام کی، کیا اسلامی عہد کی اور کیا محکومی کے زمانے کی۔ سوائے "مسجد اعلےٰ" کے آپ کسی میں یہ بات نہ پائیں گے۔ شاہجہاں کی مسجدوں میں آیہ لمسجد اسس علی التقویٰ من اول حق ان تقوم فیہ الخ پڑھکر بے شک دل خوش ہوا کرتا ہے۔ کہ اتنی عظیم الشان بناؤں کو تعمیر کرتے وقت شاہجہاں کے دل سے مسجد نبوی کا احترام نہیں گیا۔ مگر "مسجد اعلیٰ" کو دیکھ کر شاہ جہاں کی مسجدوں کی خصوصیت بھی اتنی اہم نہ رہگئی۔

مسجد کے صحن میں چند قبریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ سلطنتِ خداداد کے زوال کے بعد کی ہیں۔

دریا دولت باغ

یہ محل سلطان کا ایوان عام ہے۔ جو دریا دولت کے نام سے مشہور ہے۔ دریا دولت دریائے کاویری کے شمالی شاخ سے کوئی دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عدل و انصاف اور سلطنت کے انتظامی امور کا فیصلہ سلطان اسی ایوان میں بیٹھکر فرماتا تھا۔ عمارت عظیم الشان ہے۔ اور دو منزلہ ہے۔ دوسری منزل کے ایک کشادہ جھروکے میں جس کے نیچے ایک وسیع ہال ہے۔ اس میں سلطان کی نشست گاہ تھی۔ سامنے برآمدہ ہے۔ جس میں اعیانِ دولت و وزراء کی نشستیں تھیں۔

دریا دولت کی اندرونی اور بیرونی تمام دیواریں اور ستون اور چاندنی پر تمام طلائی نقوش ہیں۔ اسکی دیواروں پر چند نہایت ہی معنی خیز تصاویر ہیں۔ جو فن مصوّری کا لاجواب نمونہ ہیں۔ ان میں بعض تو سلطان کے وقت کی ہیں۔ اور بعض کرنل آرتھر ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کی بنائی ہوئی ہیں۔ ان میں مغربی دیوار پر جو تصاویر ہیں۔ ان میں ہندوستان کے



سرنگاپٹم۔ دریا دولت باغ

اس وقت کے امراء و وزراء اور انکی طرز معاشرت کو دکھایا گیا ہے۔ ان میں نانا فرنویس پیشوائے پونا، محمد علی والا جاہ، نظام الملک، یا لیا بنو، نواب کرپہ اور نواب شاہنور وغیرہ کی تصاویر ہیں۔

مشرقی دیوار پر جو تصاویر ہیں۔ ان میں داہنی جانب دو ہیں اور بائیں جانب دو۔ داہنی جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں اوپر والی تصویر میں بتلایا گیا ہے۔ کہ حیدرآباد کی فوج واپس جارہی ہے۔ ہاتھیوں کی دو قطاریں ہیں۔ جن کی عماریاں خالی ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ نظام الملک کو کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ گھوڑے کے نیچے ایک گائے اور سوّر کی تصویر بنی ہوی ہے۔ جس سے مقصود شاید دوستی اور دشمنی کا نظارہ دکھانا ہے۔ غالباً یہ تصویر اس وقت کا سماں کھینچ رہی ہے۔ کہ انگریزوں سے نواب حیدرعلی کی پہلی جنگ کے بعد حیدرآباد اور حیدرعلی میں دوستی ہوی تھی۔ مگر حیدرآباد پھر حیدرعلی کا مخالف بن گیا۔ اس تصویر کے متعلق عام طور پر میسور میں یہی مشہور ہے۔ نیچے کی تصویر میں جنگ پولی لور کا نقشہ اور بیلی کی شکست کا نظارہ بتلایا گیا ہے۔ کرنل بیلی ایک پالکی میں اسیر بیٹھا ہے۔ بازو میں موسیٔو لالی فرنچ افسر ہے۔ جو نواب حیدرعلی کی ملازمت میں تھا۔ اسکے چہرے سے اس کامیابی کی خوشی برس رہی ہے کرنل بیلی اس شکست سے متحیر ہوکر انگشت بدنداں ہے۔

بائیں جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں اوپر کی تصویر میں نواب حیدرعلی کا شاہانہ جلوس دکھایا گیا ہے۔ اور نیچے کی تصویر میں اس سازش کا پورا پورا حال کھولا گیا ہے۔ جو سلطنتِ خداداد کی بربادی اور سلطان کی شہادت پر منتہی ہوی۔ اس تصویر میں یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہے۔ اور سامنے میر صادق آداب بجالاتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کررہا ہے کہ سلطان یہی ہے اس کو شہید کردیں۔ اور سلطان

کی پشت کی جانب بھی کسی غدار کو گھوڑے پر سوار بتلایا گیا ہے۔ اور وہ منہ پھیر کر ہاتھ سے انگریزی فوج کو بتلا رہا ہے کہ یہی سلطان ہے۔ تیسری طرف بھی کسی اور کی جانب سے اسی قسم کا اشارہ ہو رہا ہے۔ یہ تصویر مسلمان کی نہیں بلکہ ایک ہندو کی ہے۔ جو نما لبا پورنیا مراد ہے سلطان کے دوسرے امراء وزراء سلطان کا منہ تک رہے ہیں۔ یا انگریزی فوج کی طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ سلطان کے واہنے بازو گھوڑے پر میر قمرالدین کو بوجہ سید ہونے کے سبز لباس میں دکھایا گیا ہے۔

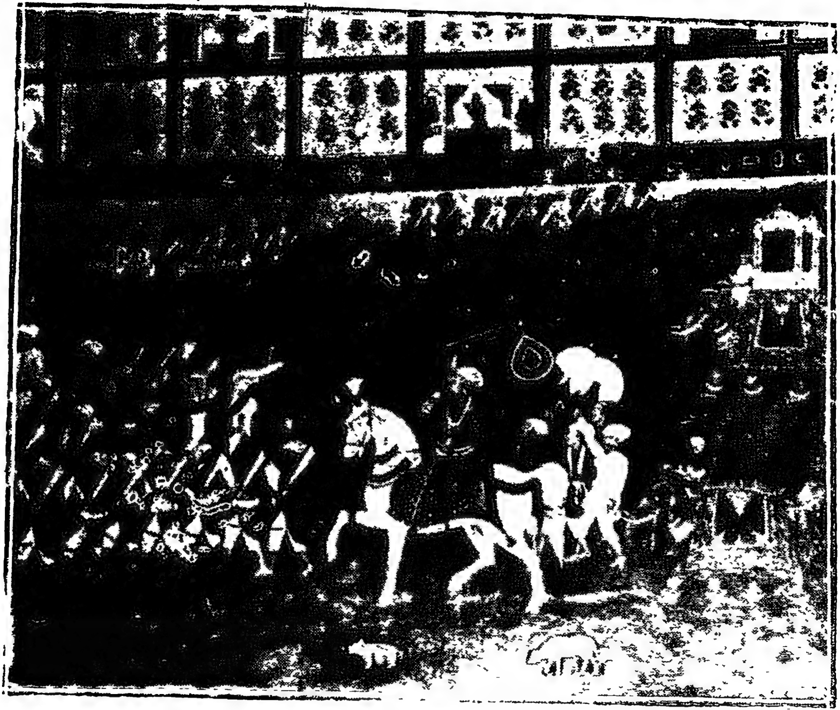
ان تمام اشارات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلطان کی نقل و حرکت کا رتی رتی بھید ان غداروں نے انگریزی فوج کو دیا تھا۔ تین طرف سے جو اشارات بتلائے گئے ہیں۔ اس سے مقصود سلطان کا آخیر وقت میں انگریزی فوج میں گھر جانا ہے۔ اور حقیقت میں سلطان تین طرف سے گھر گیا تھا۔ (یہ تصویر کرنل آرتھر ولزلی نے کھنچوائی تھی)

اس محل میں لارڈ ڈلہوزی کا ایک فرمان رکھا ہوا ہے۔ جس میں اس نے اس عمارت اور سرنگاپٹم کے دوسرے عمارات کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور ایک فریم میں سرنگاپٹم کا نقشہ دیا گیا ہے۔ جس پر سلطان کے دستخط کا عکس دیا گیا ہے۔ اس محل میں ڈیوک آف ولنگٹن دو سال رہا اور وہ لکھتا ہے کہ:۔

"جنت ارضی یہیں ہے"

مسٹر ٹریس سیاح جس نے ایران اور ہندوستان میں کثرت سے سیاحی کی ہے۔ لکھتا ہے:۔

"مجھے سرنگاپٹم میں دریا دولت باغ دیکھ کر اصفہان کے محل یاد آگئے۔ اس محل کا نقش و نگار جو اس کے ایک ایک انچ پر کیا ہوا ہے۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ تمام ہندوستان میں اس قدر منقش و دلفریب عمارت اور کوئی نہیں ہے"



دریا دولت باغ کی ایک تصویر کا عکس

دوستی اور دشمنی

گنبدِ اعلیٰ

ادب ہے شرط تجھے اس مقامِ عبرت پر
بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر

دریا دولت سے مشرقی سمت گنجام سے گذرتے ہی شہید کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ سلطان کا اپنا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ مقبرہ کے اندر ببری رنگ پھیرا ہوا ہے۔ اسکے اندر نواب حیدرعلیخان بہادر اور سلطان کی والدۂ ماجدہ کے مزار ہیں۔ خدا کی شان کہ اپنے والد اور والدہ کا مزار بناتے وقت سلطان کو اپنی موت کا بھی خیال رہا۔

مقبرہ کے اندر صرف تین قبروں کی ہی گنجایش ہے۔ جس میں دو قبریں تو پہلے تھیں۔ اور تیسری قبر سلطان کیلئے ہی خالی رہی۔ مقبرہ کی عمارت سطوت و جلال کا عبرت افزا منظر ہے۔ چاروں طرف برآمدہ سیاہ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ جنوبی برآمدہ میں نزدیک کے اعزا و اقربا کی قبریں ہیں۔ عمارت مقبرہ کے صحن میں سلطان کے کئی عزیز و اقارب اور دیگر اعیانِ سلطنت کی قبریں ہیں۔ مقبرہ کے باہر مغربی دروازے پر جو چوکھٹ کے دائیں بائیں تاریخیں لگی ہیں۔ یہ تاریخیں سید شیخ الجعفری میر حسین علی کی لکھی ہوی ہیں۔ اور کہتے سنہ ۱۲۱۳ھ میں سید عبدالقادر کے بنائے ہوئے ہیں۔

ٹیپو سلطاں شہید شد ناگاہ ‏ جانِ خود داد فی سبیل اللہ
ز ذی قعدہ بست و ہشتم آں ‏ کہ شدہ روز شنبہ حشر عیاں
ہفت ساعت ز صبح بگزشتہ ‏ خوں ز دیوار و در رواں گشتہ
زیست پنجاہ سال با اقبال ‏ بادشاہِ نمود ہفت دہ سال

داشت در دل ہمیشہ عزم جہاد | گشتہ آخر شہید حسبِ مراد
آہ تاراجیٔ مکین و مکان | خوں بگرید لئے زمین و زماں
چوں غم او بجز دو کل دیدم | سالِ ماتم ز درد پرسیدم
گفت ہاتف زبیم آہ بہ گفت | نورِ اسلام و دیں ز دنیا رفت

اوراس مصرعہ سے بھی وہی تاریخ نکلتی ہے :- حامیٔ دین شہ زمانہ برفت

شاہ ما چوں بملک برتر شد | حاضرِ مجلسِ پیمبرؐ شد
روح قدسی بعرش گفت کہ آہ | نسلِ حیدر شہید اکبر شد

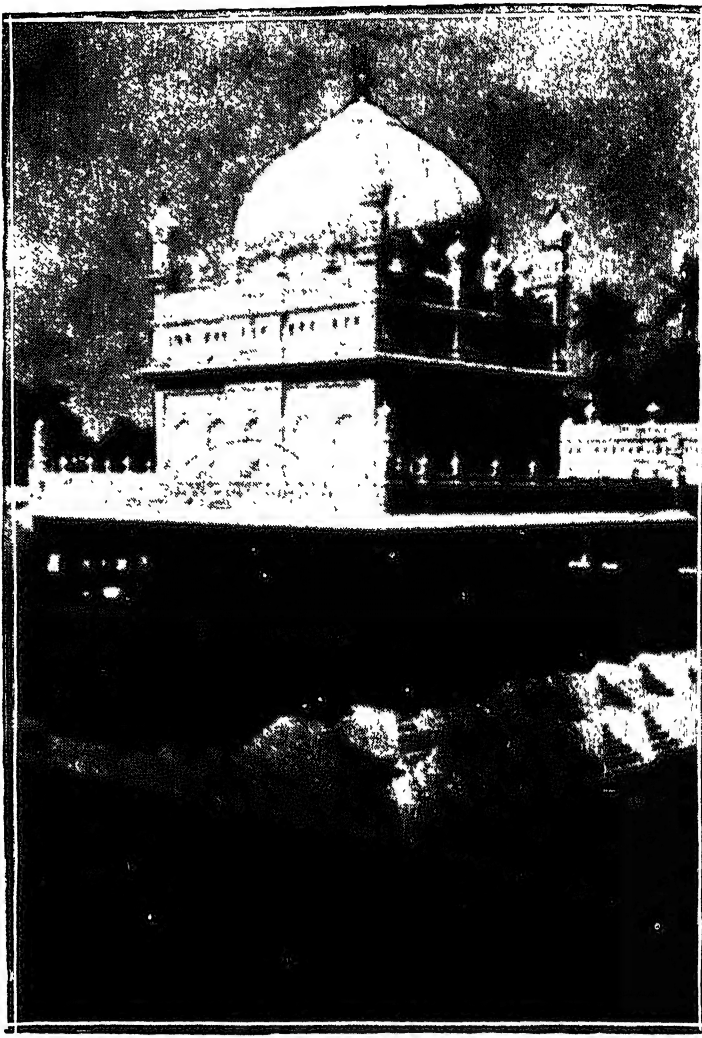
اورایک قطعہ بھی لگا ہوا ہے۔ جس کا تاریخی مصرعہ یہ ہے :-

ع۔ یکے زاں میاں گفت "شمشیر گم شد" ۱۲۱۳ھ

لیکن ان تاریخوں میں سب سے زیادہ معنی خیز تاریخ وہ ہے۔ جو عربی میں لکھی ہوئی ہے :-

ان اخذت مصر کما قد ذکروا
وسرنج فتنٌ اخذت وربّها
مصیبۃ ما مثلہا ارخـــتہا
ذہب عز الروم والہند کلّہا ۱۲۱۳ھ

۱۷۹۹ء یا ۱۲۱۳ھ دنیائے اسلام کیلئے ایک منحوس سال ہے۔ جس میں سلطان کی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا۔ گویا تمام اسلامی اقتدار اور ہندوستان کی آزادی کا خاتمہ ہوا۔ اسی سال سلطنت ترکی کی بحری طاقت کا بھی خاتمہ ہوا۔ جس سے یوروپ میں ترکی کی وقعت گھٹ گئی۔ اور مشرق و مغرب دونوں میں مسلمانوں کی رہی سہی طاقت و عظمت اسی سال برباد ہوگئی۔



سرنگاپٹم۔ گنبد اور مسجد اقصیٰ

مقبرہ کے اندر مشرقی دروازے سے داخل ہوتے ہی پہلی قبر سلطان کی والدۂ ماجدہ کی ہے۔ اور دوسری عین جنوبی دروازے کے مقابل نواب حیدر علی خانؒ بہادر کی ہے اور تیسری یعنے مغربی دروازے کے مقابل سلطان شہیدؒ کی ہے۔ جس کی تعریف میں اس وقت کے ایک شاعر نے لکھا تھا۔

خدیو جہانگیر کشور کشا	کہ تیغش ظفر را بود متکا
فلک بندۂ شوکت و شان او	قضا گوئے چوگان فرمان او
شود عارض قہرش از تابناک	زند شعلہ جوش از سمک تا سماک
دگر لطفش آرد نمی روئے کار	شود در دل سنگ قطرہ شرار
بعہدش نشد فتنہ گاہے دلیر	کہ در چشم خوباں شود گوشہ گیر
وہم شرح چوں نعمت عام او	کہ دریاست یک قطرہ انعام او
نہ پیشش کند لا بہا چرخ پیر	چو روباہ کہ افتد بچنگال شیر
چو کیوانست از حارسان درش	رسیدہ ز رفعت بگردوں سرش

سعادت ز خاک درش وام کرد
بسعدی فلک مشتری نام کرد

آہ! یہ وہ مزارات ہیں۔ جہاں انوار الٰہی برس رہے ہیں۔ جہاں آسماں سے ہر صبح وشام رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ سلطان شہید کے مزار پر سرخ غلاف پڑا ہوا ہے۔ جو شہادت کا نشان ہے۔ نشانات شاہی رکھے ہوئے ہیں۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ابھی تک غزوات جہاد میں مصروف ہے۔ اور یہ اس کا ایک گہوارہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی جاہ وجلال کی آخری نشانی اسی سرخ غلاف کے نیچے پنہاں

ہے۔ سلطان گو اس دنیا میں نہیں رہا۔ مگر اس کا جاہ و جلال اور اس کی عزت اور اس کا احترام اب بھی دلوں میں اسی طرح جاگزیں ہے۔ اور کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اس آستانے پر بادشاہوں، امیروں اور گداؤں کے سر بپے تعظیم خم نہ ہوتے ہوں۔

مقبرہ کے اندر داخل ہوتے ہی سلطانی ہیبت و جلال کے نظارے کے ساتھ ہی سلطنت خداداد کا نقشہ، دارالسلطنت کا موجودہ عبرت ناک منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

گنبد کے چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ چوکھٹوں پر نواب حیدر علی یا سلطان شہید کے متعلق قطعات لکھے ہوئے ہیں۔ مغربی دروازے کی چوکھٹ پر جو رباعی لکھی ہوئی ہے وہ یہ ہے:۔

از فاطمہؓ زوجۂ علیؓ شبیرِ خدا　　شد سبط نبیؐ سیّدِ شہدا پیدا
ایں فاطمہؒ زاد از علیؒ حیدر　　ٹیپوؒ سلطان کہ گشت شاہ شہدا

جنوبی دروازے کی چوکھٹ پر یہ رباعی کندہ ہے:۔

در ملکِ حجاز از علیؓ حیدر　　مفتوح شدہ ہفت قلاعِ خیبر
زیں حیدرؒ دکنی دو دِل کرناٹک　　گشتند مطیع یک خدیو کشور

مشرقی دروازے کی پیشانی پر ذیل کی رباعی ہے:۔

آن سیّدِ شہدائے عرب سبطِ نبیؐ　　لختِ جگرِ فاطمہؓ و جانِ علیؓ
از فاطمہؒ و حیدرؒ دکنی۔ ٹیپوؒ　　سلطانِ شہیداں شدہ از جان ولی

شمالی دروازے کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے:۔

کل من علیها فان و یبقیٰ وجہ ربّك ذو الجلال والاکرام

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے　　بدیں جا نیاز سلطانی کہ آمد شد چو مہمانے

مقبرہ کے چاروں دروازوں کی سیاہ لکڑی کے کواڑوں میں ہاتھی دانت کا کام وبنت کاری کی ہوئی ہے۔ یہ دروازے لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند نے سلطانی عظمت و وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے عطیہ دیے تھے۔ لارڈ ڈلہوزی نے آثار قدیمہ کو برقرار رکھنے کیلئے بہت سے عمدہ کام کئے۔ اس کے بعد لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہو کر آیا۔ جس کے زمانہ میں بغاوتِ ہند ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں کی طرز حکمرانی کو دیکھتے ہوئے سلطنتِ انگلستان نے مناسب سمجھا کہ سلطنت ہندوستان کی زمام اپنے ہاتھ میں لیلے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ہند تاج برطانیہ کو منتقل ہو گئی۔

مقبرہ کے چبوترے سے لگی ہوئی مغرب میں مسجد اقصیٰ ہے۔ جس پر ببری رنگ پھرا ہوا تھا۔ اب بالکل سادہ ہے۔

گنبد کے برآمدہ میں اور چبوترہ پر بہت سی قبریں ہیں۔ جن میں کسی کسی پر کتبہ ہے اور کسی قبر پر سیاہ رنگ سے نام لکھ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ یہ نام مٹ جائیں۔ اس لئے یہاں چبوترہ کا نقشہ دیکر تشریح کر دی گئی ہے۔ تشریح میں جو نمبر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس قطار میں سلسلہ وار وہ اسی نمبر کی قبر ہے۔

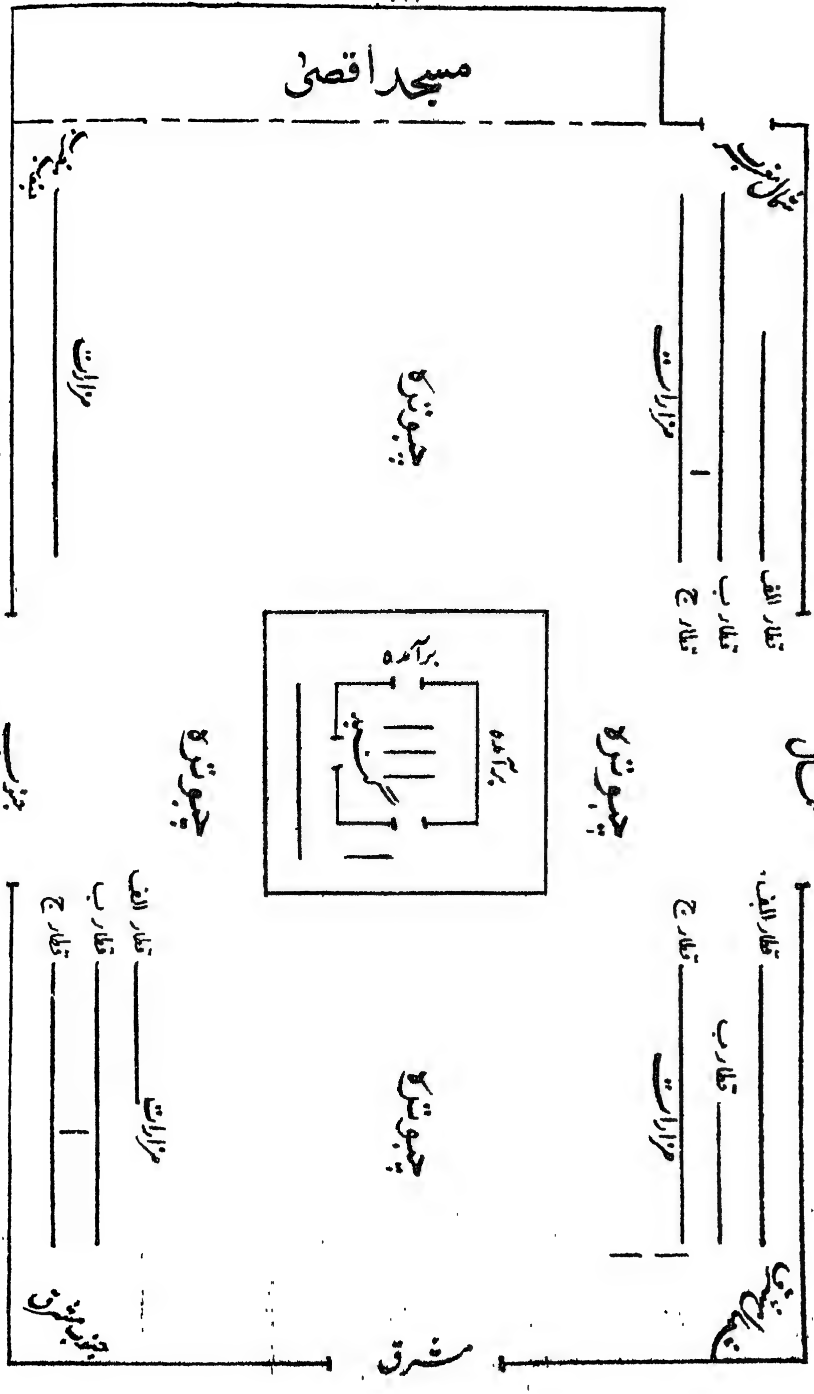
(نوٹ :۔ جن قبروں پر کتبے یا نام نہیں ہیں۔ وہ چھوڑ دئے گئے ہیں۔

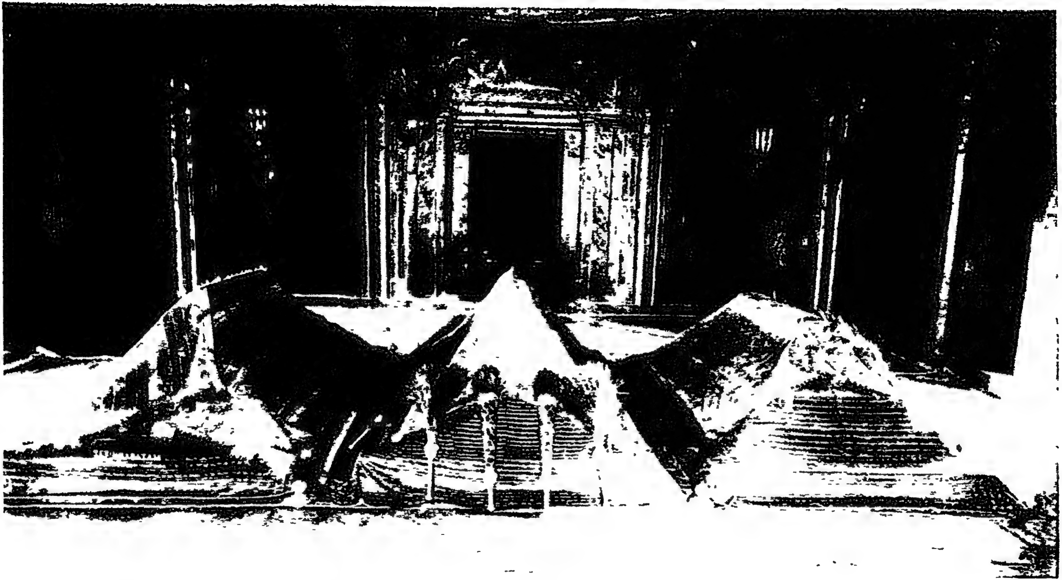
گنبد اعلےٰ کے اندر تین مزارات ہیں

ان میں جانب مشرق والدۂ ٹیپو سلطان کا مزار ہے۔ درمیان میں نواب حیدر علی کا مزار ہے۔ اور تیسرا ٹیپو سلطان شہیدؒ کا ہے۔

گنبد کے جنوبی برآمدے میں

مشرق سے جانب مغرب :۔ (۱) سلطان بیگم صاحبہ ہمشیرۂ سلطان شہیدؒ


مسجد اقصیٰ
برآمدہ
مشرق



گنبدِ اعلیٰ میں مزارات

بائیں جانب، ٹیپو سلطان شہیدؒ۔ درمیانی، نواب حیدر علیؒ۔ دائیں جانب، والدۂ ٹیپو سلطانؒ

۲ ۔ شاہزادی فاطمہ بیگم صاحبہ (دختر سلطان شہیدؒ)

۳ ۔ شاہزادی بیگم (صبیۂ سلطان شہیدؒ)

۴ ۔ نواب سیّد شہباز صاحب (داماد سلطان شہیدؒ)

۵ ۔ محل نواب میر محمود علی خاں

۶ ۔ نواب میر محمود علی خاں

۷ ۔ والدۂ نواب میر محمود علی خاں

} یہ تینوں قبریں زوال سلطنت کے بعد کی ہیں

مشرقی برآمدہ میں

سنگِ سیاہ کا ایک مزار ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ مدینہ بیگم کا مزار ہے جو سلطان کی دایہ تھیں۔

چبوترہ پر

شمال مغربی کونے پر جو مسجد اقصیٰ سے لگا ہوا ہے

یہاں مزارات کی تین قطاریں ہیں۔ ان میں پہلی قطار جس پر نقشہ میں الف کا نشان دیا گیا ہے۔ اس میں جملہ نو قبریں ہیں۔ ان نو قبروں میں دو زنانہ قبریں ہیں۔ باقی چھ مردانہ ہیں ایک جو سطح چبوترہ کے برابر ہے۔ معلوم نہیں کہ زنانہ قبر ہے یا مردانہ۔ اس قطار میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے۔

دوسری قطار (ب)

اس قطار میں چودہ قبریں ہیں۔ زنانہ چھ اور مردانہ آٹھ۔

(تفصیل جانب مغرب سے)

۲ ۔ بانوے سلطنت "رقیہ بانو" ملکۂ سلطان شہید۔ اس مزار کے سرہانے یہ کتبہ

لگا ہوا ہے :-

" رحلت ہمشیرۂ برہان الدین شہید بتاریخ بیست وہفتم ماہ رازی سال زبرجد سنہ ۱۲۱۹ محمد مطابق بیست وپنجم ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۰۶ ہجری بہ شب یکشنبہ بوقت پنج گھڑی شب باقی ماندہ روح پاک پرواز کرد۔ اسم رقیہ بی بی۔"

۴ ۔ برہان الدین شہید برادر نسبتی سلطان شہیدؒ و برادر بانوے سلطنت رقیہ بانو ملکۂ سلطان شہید۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ ہے :-

" تاریخ شہادت برہان الدین مرحوم ۔ چہارم ماہ محرم روز چہارشنبہ محمد ۱۲۰۵ مطابق ششم ماہ حیدری سال ستاطت سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۵ ۔ شاہزادہ نظام الدین ۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

" تاریخ وفات نظام الدین شاہزادہ مرحوم بیست وششم ماہ صفر روز یکشنبہ سنہ ۱۲۰۶ ہجری مطابق بیست وہشتم ماہ خسروی سال زبرجد سنہ ۱۲۱۹ محمد"

۱۱ ۔ اس قبر پر کوئی کتبہ وغیرہ نہیں۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ سلطان کی دوسری یا تیسری بیگم کی قبر ہے۔

تیسری قطار

اس قطار میں چودہ ۱۴ قبریں ہیں۔ نو ۹ زنانہ اور چار ۴ مردانہ۔ ایک جو سطح زمین کے برابر ہے۔ معلوم نہیں کہ مردانہ ہے یا زنانہ قبر (مغرب سے جانب مشرق)

۷ ۔ نواب محمد رضا علی خان شہیدؒ (بنکی نواب) (نواب محمد رضا علی خاں المعروف بہ بنکی نواب۔ کورگ کی جنگ میں بتاریخ ۲۶ ماہ رمضان سنہ ۱۲۱۳ھ میں شہید ہوئے تھے۔)

۹ ۔ سکینہ بیگم بنت ابراہیم صاحب۔

دوسری اور تیسری قطار کے درمیان ایک زنانہ قبر ہے جو معلوم نہیں کس کی ہے۔

(نوٹ:۔ کتبے بالکل معمولی پتھر کے ہیں۔ جو صاف بھی نہیں کئے گئے اور خط بھی بالکل معمولی ہے معلوم ہوتا ہے کہ زوال سلطنت کے بعد یہ پتھر لگائے گئے ہیں۔)

چبوترہ کے شمال مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

بارہ قبریں ہیں۔ نو زنانہ اور دو مردانہ اور ایک سطح زمین کے برابر ہے۔ ان قبروں میں مشرقی جانب سے دوسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

"تاریخ وفات حبیب صاحبہ والدۂ لالہ میاں صاحب مرحوم
بیست وہفتم ماہ صفر روز آخر چہارشنبہ"

دوسری قطار (ب)

تین قبریں ہیں ایک زنانہ اور دو مردانہ

تیسری قطار (ج)

تیرہ قبریں ہیں۔ ان میں ۸ زنانہ اور ۵ مردانہ ہیں۔ تیسری قطار کے نیچے اور دو قبریں ایک کے نیچے ایک بنی ہوی ہیں۔ ان میں جنوب کی قبر زنانہ ہے۔

چبوترہ کے جنوب مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

اس میں پانچ قبریں ہیں۔ دو مردانہ اور تین سطح زمین کے برابر ہیں۔

مغرب سے جانب مشرق

۱۔ یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ تاریخ وفات مولوی محمد حبیب اللہ

دلوک شمس و ماہ سہ شنبہ	ہیں ساز سفر آں گل شگفتہ
بجستم چوں خزاں سالش خرد آہ	حبیب اللہ بجنت رفت گفتہ"

۱۲۲۴ ہجری ۱۲۲۴

دوسری قطار (ب)

بارہ قبریں ہیں۔ ایک زنانہ۔ سات مردانہ۔ اور چار سطح زمین کے برابر ہیں۔ اس قطار میں مغرب سے جانب مشرق گیارہویں قبر پر یہ کتبہ ہے:۔

"قبر سید عبدالقادر"

تیسری قطار (ج)

اس قطار میں گیارہ قبریں ہیں۔ کل مردانہ۔ مغرب سے جانب مشرق تیسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

"چوں سپہدار جنود ٹیپو سلطان شہید	زیں جہاں بگذشت در ملک بقا منزل گزید
نام و تاریخ و نشان مرقدش جستم زدل	بادل محزوں بگفت ایں تربت سید حمید"

۱۲۰۶

۶۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت۔ خواجہ آفتاب خاں۔ چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۰۵ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شیا سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۷۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت محمد جہاں گیر سر عسکر۔ چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۰۵ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۸۔ کتبہ:۔ "تاریخ شہادت شیخ میراں سر عسکر چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۰۵ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۹۔ کتبہ:۔ "تاریخ وفات ارشد بیگ خاں ہجدہم ماہ صفر روز شنبہ سنہ ۱۲۰۳ ہجری مطابق بیستم ماہ دینی سنہ ۱۲۱۶ محمد"

۱۰۔ کتبہ " تاریخ وفات میر محمد علی بیست و یکم ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۲ سنہ ہجری مطابق

بست وسیوم ماہ جعفری روز "

۱۱۔ کتبہ :۔ " تاریخ وفات امام وردی بیگ "

جنوب مغربی کونے پر

یہاں صرف ایک قطار ہے ۔ اس میں تیرہ قبریں ہیں ۔ جن میں چار زنانہ اور باقی مردانہ ہیں ۔ ان میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے

قلعہ کے اندر شمالی فصیل سے ملے ہوئے وہ تہ خانے ہیں ۔ جنہیں تعصب سے ڈنجن کہا جاتا ہے اور مشہور یہ کیا جارہا ہے کہ اس میں یوروپین قیدی محبوس تھے ۔ یہ مکانات فصیل قلعہ میں زمین کھود کر بنائے گئے ہیں ۔ ان کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ کے گارڈ کی سپاہیوں کے پہرہ بدلنے کی جگہ اور نشست گاہیں تھیں ۔ ان میں دریس اور ہتھیار رکھنے کے مچان اب تک موجود ہیں ۔ سامنے وسیع صحن ہے ۔ جس میں سے روشنی اور ہوا کا کافی گذر ہے ۔ اور تاریکی بالکل نہیں ۔

مورخ تھامسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

" سرنگاپٹم میں آوارہ لوگوں اور لڑکوں نے سیاحوں کو دھوکہ دینے کیلئے ان تہ خانوں کو ڈنجن یعنے قیدخانے مشہور کر رکھا ہے ۔"

حقیقت بھی یہی ہے ۔ لیکن تعجب ہے کہ ابھی حال میں اس جگہ گورنمنٹ کی جانب سے یہ لکھکر لگایا گیا ہے کہ ان ڈنجنوں میں انگریزوں کو قید رکھا جاتا تھا ۔

فصیل قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ میں وہ جگہ جس کو شگاف کہا جاتا ہے ۔ اب بھی نظر آتی

ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شگاف کی اصلیت کہاں تک ہے۔ اس جگہ اب ایک مینار بطور یادگار فتح تعمیر کردیا گیا ہے۔ جس پر تمام انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ان تمام مقتولین کو اس جگہ دفن کیا گیا ہے۔ جواب انگریزی سمٹری کہلاتی ہے۔ اس کے بازو ہی اسکاٹ کا باغ ہے۔ جس میں میر معین الدین کی کوٹھی تھی۔ اور اب اس کی قبر ہے اور اس سے شمال میں پورنیا کا باغ ہے۔

شگاف پر کھڑے ہو کر اگر جنوب مغرب میں دیکھا جائے تو دریا کے اس پار وہ گنجان باغ ہے۔ جس میں انگریزی فوج چھپی ہوئی تھی۔ اس کا نشان قایم رکھنے کے لئے اس جگہ دو توپ الٹی نصب کی گئی ہیں۔

اس باغ کو شگاف پر کھڑے ہو کر دیکھتے ہوئے اگر آپ ۴ مے ۱۷۹۹ء کے خونین ہنگامہ کا تصور کریں تو معلوم ہوگا کہ انگریزی فوج باغ سے نکلکر اسی جگہ سے چڑھکر قلعہ پر قابض ہوئی تھی۔ آپکے بائیں وہ جنوبی فصیل ہے جس پر پورنیا اور میر معین الدین کی غداری کی وجہ سے بالکل مدافعت نہیں ہوئی۔ اور آپکے دائیں جانب جو فصیل ہے وہ شمالی فصیل ہے جہاں دلی دروازہ سے لے کر مشہد سلطانی تک ایک ایک انچ پر شہیدانِ وطن کا خون بیٹھا ہوا ہے۔ فاصلہ اگر دیکھا جائے تو نصف میل سے بھی کم ہے۔ اور اس کے ساتھ فصیل کی چوڑائی پر نظر کرتے ہوئے بارہ ہزار مقتولین کی تعداد دیکھی جائے تو کچھ ہلکا سا تصور ہو سکتا ہے کہ اس فصیل پر کس طرح کی قیامت خیز جنگ ہوئی ہوگی۔ (انگریزوں نے کل مقتولین جنگ کی تعداد ساڑھے چھ ہزار بتلائی ہے۔ جس میں ڈیڑھ ہزار انگریزی فوج کی تعداد بھی شامل ہے۔) اگر اس کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو جنگ کی شدت میں فرق نہیں آتا۔ اس قدر مقتولین کی تعداد سے معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ جب پورنیا کی غداری سے فوج



کمانِ لرزاں



دریا دولت باغ

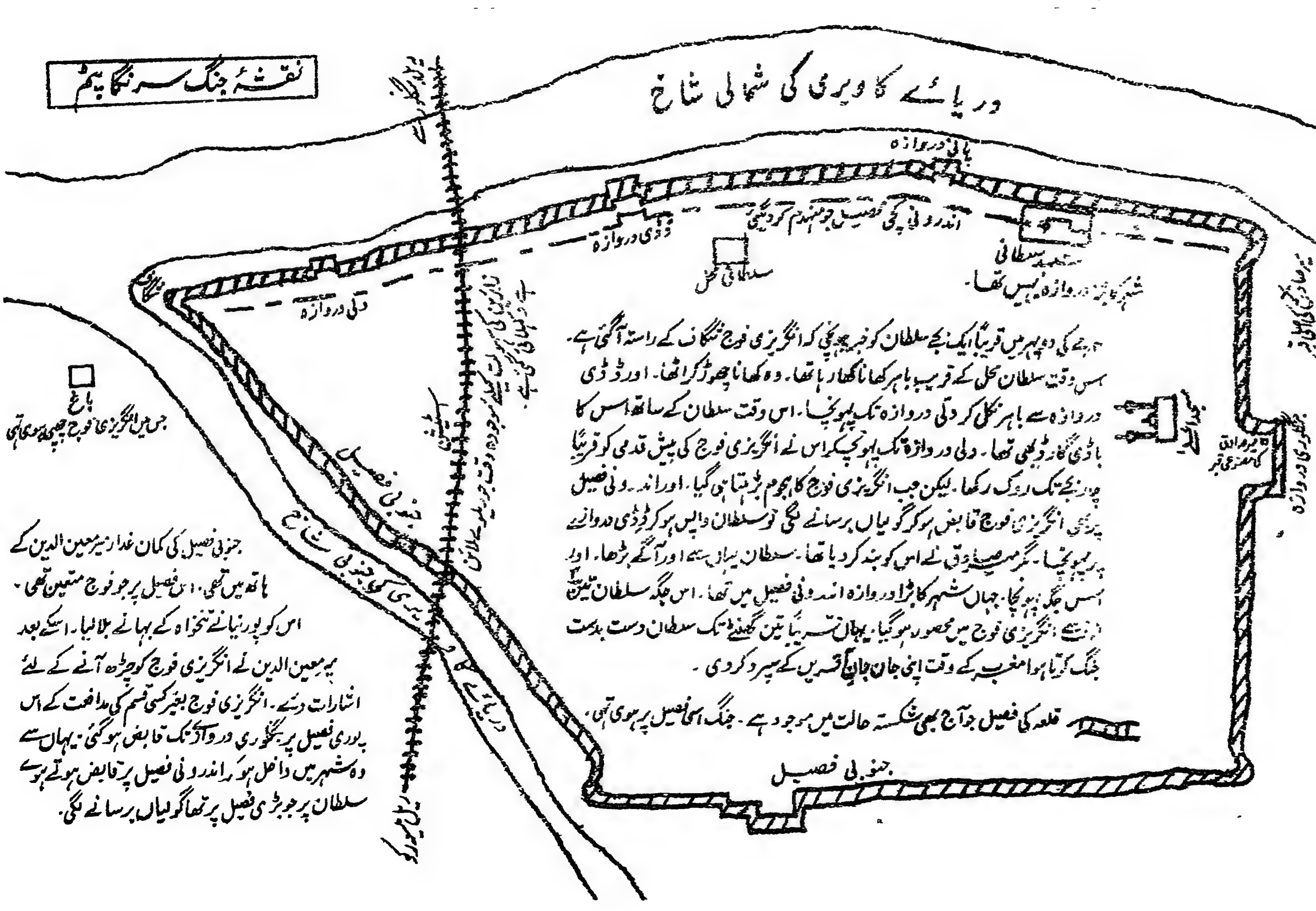
نہتی ہو گئی. اور اس کو معلوم ہوا کہ غداری ہوی ہے تو وہ اپنے محبوب سلطان کو بچانے کے لئے بغیر ہتھیار اسی طرح آکر جنگ میں شریک ہو گئی اور یہی وجہ ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں پانچ گھنٹوں کے اندر اندر اس قدر لوگ مقتول ہوے. ورنہ اگر ہتھیار ہوتے تو ممکن تھا کہ جنگ کا نقشہ ہی بدلجاتا. یا کم از کم انگریزی مقتولین کی تعداد اس قدر کم نہ ہوتی.

(نوٹ:۔ شمالی فصیل کی رزمگاہ کو واضح کرنے کیلیئے علیحدہ نقشہ دیا گیا ہے.)

سرنگا پٹم میں اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں. البتہ قلعہ اور اس کے اندر ٹوٹے پھوٹے فوجی میگزین اور ہسپتال وغیرہ ہیں. اور سری رنگا سوامی کا مندر اور راجہ میسور کا محل ہے اور اسی کے مقابل جنوب میں ایک کمان ہے جو فن تعمیر کا لاثانی نمونہ ہے. یہ کمان جب کوئی چڑھکر ہلاتا ہے تو ہلتی ہے. قلعہ کے شمال مشرق یعنے دلی دروازے کے عین مقابل دریائے کاویری پر سلطان ایک عالیشان پل باندھنا چاہتا تھا. جس کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں. مشہور ہے کہ اس پل کو تعمیر کرنے کیلیئے ایک فرنچ انجنیر ڈی ہیولنڈ نامی مقرر کیا گیا تھا. مگر سلطنت خداداد کے اچانک خاتمہ کی وجہ پل کے پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی. سلطنت کے خاتمہ کے بعد انجنیر نے اپنا ہنر دکھلانے کیلیئے اس کو ۱۸۰۸ء میں بنایا تھا. اس کمان کا درمیانی عرض ۱۱۲ قدم ہے.

(نوٹ:۔ یہ کمان ۱۹۳۶ء میں منہدم ہو گئی. محمود)

قلعہ سے باہر گنجام کے راستہ میں عید گاہ کے قریب ایک مینار ہے جس پر ۱۷۹۲ء کی جنگ کے انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں. اس سے اور آگے جانب جنوب لنگڑے غلام علی کا مقبرہ ہے. گنجام میں دریائے کاویری کے کنارے ایک کھیت میں ایک شکستہ مقبرہ ہے. جس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مبلغ اسلام کا مزار ہے. یہ بزرگ شہنشاہ دہلی علاؤالدین کے عہد



سلطان کے باہر نکلتے ہی ڈڈی دروازے کو بند کر دیکہ سلطان واپس نہ آسکے۔
میر صادق قلعہ سے باہر نکل رہا تھا۔ کہ بنگلوری دروازہ پر احمد خاں سپاہی

میں (غالباً سنہ ۱۳۱۱ھ میں) تبلیغ اسلام کیلئے آئے ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ اس زمانہ میں جب اس جگہ ایک مسلمان تک نہیں تھا۔ بلکہ باشندے اسلام کے نام سے تک ناآشنا تھے۔ اور رسل و رسائل اور حمل و نقل کے ذرائع بالکل مفقود تھے۔ اور سفر درحقیقت سقر کا نمونہ تھا۔ سرفروشان اسلام کس عالی حوصلگی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے سختیاں جھیلکر تبلیغ اسلام کے لئے آتے تھے۔

گذشتہ سطور میں جن عمارات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ انکے علاوہ سرنگاپٹم میں اور کچھ باقی نہیں ہے۔ شاہی باغات بھی جو اس زمانے میں ہر قسم کے درختوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان میں بھی کچھ باقی نہیں رہا۔ موجودہ وقت سرنگاپٹم اور گنجام کی آبادی قریباً سات ہزار ہے۔ آہ! یہ ہے وہ سرنگاپٹم جہاں مسلمانوں کی قسمت کا ڈرامہ چالیس سال تک کھیلا گیا۔ جس قدر کامیابیوں کے بعد ناکامیاں اور امیدوں کے بعد مایوسیاں اس شہر نے ایک قلیل عرصہ میں دیکھیں وہ نہایت عبرت انگیز ہیں۔

مشہدِ سلطانی

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں مشہد سلطانی کا ٹھیک پتہ بتلانے کیلئے ایک طویل مضمون لکھا گیا تھا۔ اس دوسرے ایڈیشن میں اس مضمون کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لیے کہ میسور گورنمنٹ نے اس سال اس جگہ ایک سنگین کتبہ نصب کر دیا ہے۔

(نوٹ:- اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ واٹر گیٹ (پانی کے دروازے) پر جو گمراہ کن انگریزی کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کو دور کر دیا جائے۔)

یہ کتبہ جس جگہ لگا ہوا ہے۔ اس زمانہ میں یہاں قلعہ کی اندرونی کچی فصیل تھی اور شہر کا اندرونی بڑا دروازہ اسی جگہ تھا۔ سلطان اسی دروازہ میں داخل ہوتا ہوا تین طرف سے محصور ہوکر شہید ہوگیا۔ ۱۸۰۰ء میں کرنل آرتھر ولزلی نے اس کچی فصیل کو ڈھا کر خندق کو بھروا دیا اور اس پر املی کے درخت بو دیئے گئے۔

واٹر گیٹ پر کتبہ لگانے کی ضرورت ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس لئے محسوس ہوئی کہ وہ مشہدِ سلطانی کو زیارتگاہِ عام بننے سے روکنا چاہتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد لوگ یہاں جمع ہوکر بصورت ماتم کرتے تھے۔ بروڈز او ڈکلف نے بھی اپنا مرثیہ یہیں بیٹھکر لکھا تھا۔ [illegible] اس جگہ کی وقعت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور یہاں ہر سال ۲۷ ذیقعدہ کو لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے تو عوام کی توجہ ہٹانے کیلئے واٹر گیٹ پر کتبہ لگا دیا تھا۔ مولانا ظفر علیخاں نے سچ کہا ہے :-

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے ‏‏ ‏‏ ‏‏ اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

گنبد اور مسجد کا موجودہ انتظام

سلطانی عظمت و جلال کی شان باقی رکھنے کیلئے مقبرہ کے دروازے پر نوبت و نقارہ ہر روز پنجوقتہ بجتے رہتے ہیں. انگریزوں اور ریاست میسور میں جو معاہدے ہوئے ہیں. ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نوبت و نقارہ ہمیشہ بجتا رہے. گنبد، مسجد اقصیٰ، مسجد اعلیٰ اور قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں ایک ناظم کے ماتحت ایک خاص محکمے کی حیثیت رکھتے ہیں. ناظم صاحب کو چالیس سے پچاس روپیہ تک تنخواہ دی جاتی ہے. انکے ماتحت مسجد اعلیٰ اور گنبد میں قریباً ۵۲ آدمی ہیں. جن میں دس قرآن خواں ہیں. جنہیں ماہانہ دس روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے. ان کا کام یہ ہے کہ ہر دن قرآن مجید پڑھکر سلطان شہیدؒ کی روح کو ثواب بخشیں. ادنےٰ ملازموں یعنی خدام کو پانچ، چھ اور سات روپیہ ماہانہ تنخواہ دیجاتی ہے. داروغہ متولی، پیش امام، منشی اور قاضی وغیرہ پندرہ سے پچیس روپئے تک تنخواہ لیتے ہیں ان تمام ملازموں کو رضا وغیرہ سرکاری قانون کے مطابق دی جاتی ہے. اور اخیر عمر میں جب یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے یا کام چھوڑ دیتے ہیں تو انہیں ایک سال کی تنخواہ دی جاتی ہے.

تاریخ سلطنتِ خداداد کا پہلا ایڈیشن جس وقت شائع ہوا قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں بالکل ویران پڑی تھیں. اب انہیں آباد کردیا گیا ہے. اور یہاں ایک آدمی چراغ، پانی اور اذان کیلئے مقرر ہے. ابھی حال ہی گنبد، مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ میں میسور گورنمنٹ نے برقی روشنی کا انتظام کیا ہے. گنبد میں روشنی مفت مہیا کی جاتی ہے اور مسجد اعلیٰ سے فی یونٹ ایک آنہ لیا جاتا ہے. خدام کیلئے ایک خاص سرخ بانات کی وردی مقرر ہے. جو خاص خاص

موقعوں پر استعمال ہوتی ہے. جب کبھی کوئی والیٔ ملک یا وائسرائے وغیرہ آتے ہیں تو خدام کی جانب سے انہیں دروازے پر باقاعدہ سلامی دی جاتی ہے. اور چتر کے سائے میں انہیں لے آتے ہیں. گویا ایک حاکم کی جانب سے دوسرے حاکم کا استقبال ہو رہا ہے. یعنے سلطان ابھی زندہ اور اس کا جاہ وحشم برقرار ہے۔

سلطانی لنگر سلطان شہید کی روح کو ثواب پہونچانے کیلئے سلطان کے نام سے ایک لنگر جاری ہے۔ اس کا خرچ ماہانہ دوسو روپیہ ہے. اس لنگر سے نصف مسلمانوں کے اور نصف غیر اقوام کے غریبوں اور بے واؤں کو امداد دی جاتی ہے. اس امداد کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے. تین روپیہ، دو روپیہ اور ایک روپیہ. اسکے علاوہ روزانہ دس آنے مسافروں یا محتاجوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک میں سحری وافطاری پر پانچسو روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں. ربیع الاول میں بارہ دن، ربیع الثانی میں گیارہ دن اور محرم میں گیارہ دن تک خدام ومسافروں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اعراس سلطان شہید کا عرس ہر سال ۲۷ ماہ ذی قعدہ میں منایا جاتا ہے۔ صندل مسجد اعلےٰ سے گنبد کو بھیجا جاتا ہے. اس کے جلو کیلئے مہاراجہ صاحب میسور کے محل سے (یعنے پیالس ڈپارٹمنٹ) بارہ سوار اور بارہ پیادہ سپاہی، ایک ہاتھی اور ایک اونٹ مہیا کئے جاتے ہیں. بیانڈ کا انتظام بھی رہتا ہے. لیکن یہ بیانڈ مقامی طور پر مہیا کرلی جاتی ہے. عرس کے دن غریبوں کو صبح میں کھانا کھلایا جاتا ہے. اس عرس پر محکمہ کی جانب سے ایک سو اسّی ۱۸۰ روپیہ کی مقررہ رقم خرچ ہوتی ہے. اسکے علاوہ کلکتہ سے خاندان شہید (Mysore Family) کی جانب سے بھی پانچسو روپیہ عرس کیلئے سالانہ بھیجے جاتے ہیں۔

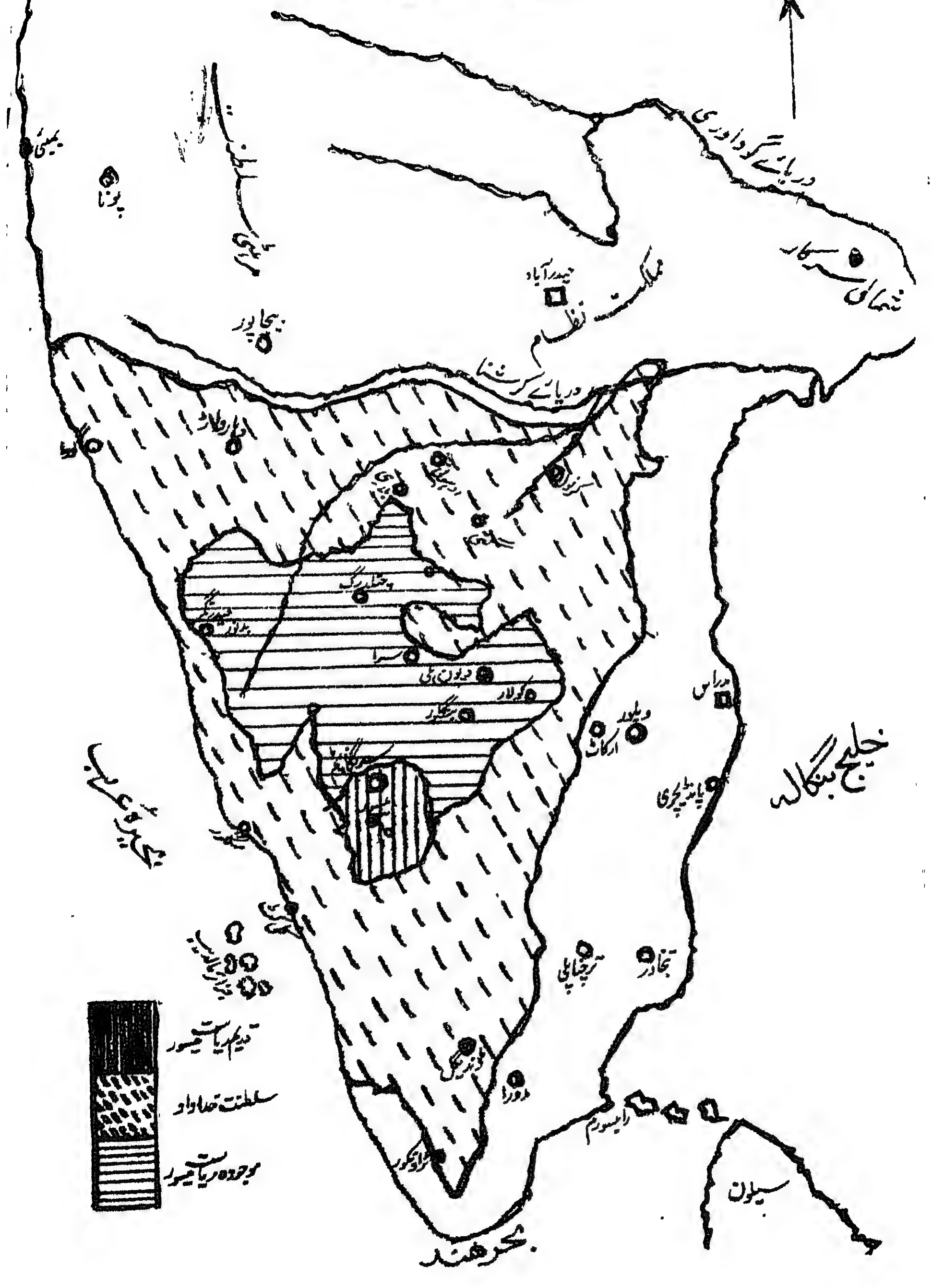
نواب حیدر علی کا عرس ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اسکے جلو کیلئے صرف پیادہ سپاہی آتے ہیں۔ سوار نہیں مہیا کئے جاتے۔ اس عرس پر بھی ایک سو اسی روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں

بانوئے سلطنت بادشاہ بیگم رقیہ بانو کی فاتحہ ماہ جمادی الثانی میں کی جاتی ہیں۔

گنبد اور مسجد اعلیٰ وغیرہ کا کل ماہانہ خرچ نوسو اکتیس روپیہ دس آنے (۹۳۱-۱۰-۰) ہے۔ اس حساب سے گویا ۱۲ ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شروع میں اٹھی ہزار روپیہ کی رقم اخراجات کیلئے منظور ہوئی تھی۔

گنبد، مسجد اعلیٰ اور اقصیٰ وغیرہ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ (مزرعی ڈپارٹمنٹ) کے ماتحت ہیں۔ جس کی جانب سے ڈپٹی کمشنر میسور اور سب ڈویژن افسر نگرانی کرتے ہیں۔ مشورہ کیلئے مقامی اور میسور کے مسلمانوں کی ایک کمیٹی بھی مقرر ہے۔ ہر سال مسجدوں اور گنبد کے خانقاہوں پر سفیدی چڑھائی جاتی ہے۔ ببری رنگ اور شیر کی دھاریاں صرف گنبد کے اندر باقی رہ گئی ہیں۔ مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ کے اندر بھی ببری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اور اب بھی سفیدی کے اندر سے یہ رنگ اور شیر کی دھاریاں کہیں کہیں صاف نظر آتی ہیں۔ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ سے یہ درخواست بیجا نہ ہوگی۔ کہ ان مسجدوں کو ان کے اصلی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ اس لئے کہ تحفظ آثار قدیمہ سے صحیح مراد یہی ہوتی ہے کہ ان آثار کو انکی اگلی شان و شوکت پر قایم رکھا جائے۔

نقشہ سلطنت خداداد



مزارِ سلطان شہید

پر

عقیدت کے چند پھول

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

برڈزاوڈکلف کا نوحۂ غم

(سلطان کی شہادت کے چوبیس سال بعد جب امریکن مورخ برڈزا وڈکلف سرنگا پٹم آیا ہوا تھا تو اس نے اس جگہ جہاں سلطان نے شہادت پائی تھی۔ بیٹھکر انگریزی زبان میں یہ نوحہ لکھا۔ اس کا منثور ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے)

"۱۔ حزن کی اس عمیق رات میں اے اسلام کی شمع روشن! تیرا شعلہ بجھا دیا گیا۔ اور اقتدار شاہانہ کا عصا تیری قوم کے ہاتھ سے چھن گیا۔ تیری مسند جلال کے گرد بے شمار سپاہی اور جگر دار غازیوں کا جھرمٹ تھا۔ آج جب آفتاب کی شفق ریز شعاعیں اس پار پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سے جھانکنے لگیں تو ان غازیوں میں سے صرف وہی رہگئے جو آج تیرا ماتم کر رہے ہیں!

اللہ اللہ اس حال میں کہ ہنگامۂ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۲۔ اے آسمان ہماد کے ستارے! تو غروب ہو گیا، لیکن ان ذلیل انسانوں کی طرح نہیں۔ جنہیں ناموری نے طوفان پیکار کی برہم و آشفتہ لہروں میں غرق فراموشی کر دیا اور مغرور و سربلند۔ دشمنوں کے سامنے معافی اور جاں بخشی کیلئے خاک مذلت پر سربسجود ہو گئے۔

۳۔ نہیں! تو خاک و خون کے بستر پر اس سوزاں فروزاں آفتاب کی طرح سو گیا، جس کی تیز ترین، خیرہ کن، غضبناک شعاعیں اس وقت نمودار ہوں جب

اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو۔

جس مقام پر سطوت کے جاں سوز شعلوں کی لپک اور خون آشام تلواروں کے زہرہ گداز جھنکارے فضا میں لبریز ہو رہے تھے۔ اور مرنے والے جلد جلد آخری دم توڑ رہے تھے۔ تو شہنشاہی کی زندگی کو ٹھکرا کر شیر کی طرح میدان میں کودا۔ اور سپاہی کی طرح مر گیا۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۴۔ تیرا بہادر اور قوی باپ جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ تجھ میں اسی کی روح جہاد تڑپ رہی ہے۔ یہ دیکھکر اس کے جنتی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس نے دیکھا کہ تو دشمن پر آخری وار کر رہا ہے، اور تیری خونریز تلوار دشمن کے لہو سے سرخرو ہو رہی ہے۔

اور اس نے دیکھا کہ تو بہادروں کی نیند سو رہا ہے اور تیرے گلرنگ زخم سب کے سب تیرے سینے پر ہیں۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۵۔ اہل جنت نے نخل طوبیٰ کے نیچے اپنی زمردیں خلوتوں میں شہید کیلئے سدا بہار پھولوں کا ایک شاندار ہار گوندھا۔ اور فردوس کی جادو چشم حوروں نے گوہریں رومال ہلا ہلا کر آسمان خلد بریں کی شفاف فضاؤں میں مجاہدین کے سلطان اعظم کا خیر مقدم کیا۔

اللہ اللہ! شہادت کی وہ موت جس کے جلو میں ایسی جاودانی مسرت ہو۔ اس رسوا کن زندگی سے ہزار درجے بہتر ہے۔ جس میں فاتح دشمن کا جھنڈا سر پر لہرا رہا ہو۔"

(ب)

(یہ مرثیہ کنڑی زبان میں لکھا گیا تھا)

"ا۔ آہ! ہمارے سلطان کی شوکت شاہانہ کس قدر جلد غائب ہو گئی!

آہ! سرنگا پٹم کی تقدیر، دولت اور طاقت کی بلندی سے زوال کی پستی میں کتنی تیزی سے گر گئی۔ اس کے ظفر مند جھنڈے کیونکر اوجِ آسمان سے ٹکراتے تھے۔ اس کے قاہر لشکر کس قدر غرور اور سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے۔

آہ! مالک کائنات نے تبسم کریمانہ کی نظریں انکی طرف سے ہٹالیں۔ اور وہ سب گذر گئے۔

۲۔ ہمارے سلطان کی آباد مملکتیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پہاڑیوں پر قلعے جنگی غرور و افتخار سے سربلند کھڑے چاروں طرف ہیبت پھیلا رہے تھے۔

اسکی فوجیں بے شمار تھیں۔

اسکے فرانسیسی سپاہی جنگ و پیکار کے لئے بے قرار تھے۔ سلطان غازی کا گھوڑا جو سربلندی سے ہر طرف جھپٹتا پھرتا تھا۔ ایک لمحے میں وہ سب گذر گئے۔

۴۔ ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے زندہ پتھروں کے بنے ہوئے اور عظیم چٹانوں میں سے تراشے ہوئے تھے۔

انہیں قلعوں سے ہوائی بان بلند ہو ہو کر چاروں طرف اپنی ضیا پھیلاتے تھے اور اژدر دم توپوں کے دہانے رعد کی طرح گرجتے تھے۔

انہیں قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے بلندی پر چمکتے نظر آتے تھے اور سربلند جھنڈوں کے بانکے پرچم ہوا میں لہراتے تھے۔ آہ! ایک چشم زدن میں وہ سب گذر گئے۔" (از تاریخ جیمس مل)

سلطانِ شہیدؒ

آتشے در دل دگر بر کردہ ام | داستانے از دکن آوردہ ام
در کنارم خنجرِ آئینہ فام | می کشم او را بتدریج از نیام
نکتۂ گویم ز سلطانِ شہیدؒ | زانکہ ترسم تلخ گردد روزِ عید
پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او | تا شنیدم از مزارِ پاک او

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی است (علامہ اقبالؒ)

علامہ اقبالؒ اپنی تصنیف "جاوید نامہ" میں پیغام سلطان شہید برود کاویری کے تحت میں "حقیقت حیات و مرگ و شہادت" میں لکھتے ہیں:۔

زندگی محکم ز تسلیم و رضا است | موت نیرنج و طلسم و سیمیا است!
بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ | یک مقام از صد مقام اوست مرگ!

می فتد بر مرگ آں مردِ تمام
مثلِ شاہینے کہ افتد بر حمام

ہر زماں میرد غلام از بیمِ مرگ
زندگی او را حرام از بیمِ مرگ

بندۂ آزاد را شانے دِگر
مرگ او را می دہد جانے دگر

او خود اندیش است مرگ اندیش نیست
مرگِ آزاداں ز آنے بیش نیست

بگذر از مرگے کہ سازد با لحد
زانکہ ایں مرگ است مرگِ دام و دد

مردِ مومن خواہد از یزدان پاک
آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک!

آں دگر مرگ! انتہائے راہِ شوق
آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق!

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر!
مرگِ پورِ مرتضیٰؓ چیزے دگر!

جنگِ شاہانِ جہاں غارتگری است
جنگِ مومن سنّتِ پیغمبریؐ است!

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست
ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست!

آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت
جنگ را رہبانیِ اسلام گفت!

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

(نوٹ:۔ ف آنکہ حرفِ شوق الخ یعنے حضور سرورِ کائنات۔ در مصرعہ ثانی اشارہ ایست بحدیث الجہاد رہبانیۃ الاسلام۔ (از جاوید نامہ)

سلطان ٹیپو کی وصیّت

(سلطان ٹیپو کی وصیت کے عنوان سے علامہ اقبالؒ نے "ضربِ کلیم" میں لکھا ہے:۔)

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز! ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں! محفل گداز! گرمیٔ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

شیرِ ہندوستان ٹیپو سلطان ؒ

عجائباتِ زمانہ کے اے تماشائی رہا ہے سیرِ جہاں کا جو تو تمنائی
محیطِ ارض پہ کی تو نے گام فرسائی قطب سے کی ہے قطب تک کی دشت پیمائی
نظر میں ہے ترے خورشید کا طلوع و غروب
زمیں کے دیکھ کے آیا ہے تو شمال و جنوب
افق میں جبکہ عناصر میں ہو صف آرائی جہاز لائے تباہی میں فوج دریائی
فضا میں جبکہ چلی ہو سموم صحرائی غبار دشت سے آنکھوں میں تیرگی چھائی
ہر ایک حال میں چلنے سے کام ہے تجھ کو
نہ لطفِ صبح نہ کچھ خوف شام ہے تجھ کو
دیارِ ہند میں جب سیر کیلئے آنا تو اپنے پہلو میں تو اک دلِ حزیں لانا
عجائبات میں یاں کے نہ دل کو الجھانا دکن میں جا کے سرنگا پٹم چلے جانا
کہ جس کی خاک میں سوتا ہے شیرِ ہندوستاں
زمانہ بھول گیا ہائے جس کے سب احساں

ادب ہے شرط تجھے اس مقام عبرت پر — بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر
فلک سے لڑنا تو اس نامور کی حسرت پر — ہزار آفریں اس شیر دل کی غیرت پر

کہ جس کے نام سے ڈرتے تھے بچگان فرنگ
جھکا ہے سامنے جس کے بہت نشان فرنگ

زمین ہند سے اٹھا نہ کوئی فرزانہ — رہا یہ ملک ہمیشہ مطیع بیگانہ
بہ قدر ظرف جو ملتا کسی کو پیمانہ — دکھاتا کر کے وہ کچھ ہاے ہوئے مستانہ

جہاں نے ختم کیے دور ہائے سال دراز
ہوا نہ پیدا پتھورا کا کوئی ہم آواز

وہ بادہ جس سے کہ سلطان لودی تھا مسرور — وہ آگ جس سے مرا جل کے شیر شاہ سُور
وہ نوش جس سے کہ مدہوش ہو گیا تھا پور — اسی شراب سے ٹیپو کو بھی کیا مخمور

زمانہ گرچہ مخالف بھی پایا ٹیپو نے
کریگا کون جو کچھ کر دکھایا ٹیپو نے

سپہر ہند کا وہ اک چمکتا اختر تھا — دکن کی خاک کا اک آبدار گوہر تھا،
نصیب ہند تھا اقبال تھا مقدر تھا — نہ ہو کیوں ایسا کہ آخر تو ابن حیدر تھا

خیال کچھ نہ کیا اُس نے اپنی زحمت کا
قدم پہ رکھا دھیان اس وصیت کا

فلک بکام تو باشد کہ اہتمام کند — سپہر بادۂ عیش ترا بجام کند
زمانہ خنجر کیں تو در نیام کند — اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

ترا کہ زور بہ بازوئے تیغ زن باقی است

بگیر تیغ کہ آن حسرت کہن باقی ست

نہ ڈھونڈو لطف سحرگاہ شام ماتم میں — کبھی نہ دیکھوگے ذی الحجہ تم محرم میں
دکھائے خاک بہار اپنی باغِ عالم میں — وہ پھول جو کہ کھلا ہو خزاں کے موسم میں

کئے خدا نے مقرر ہر ایک کام کے وقت
سحر کا کام ملا اس کو ہائے شام کے وقت

دکھائے اس نے شجاعت کے خوب ہی جوہر — ادھر وہ یکہ و تنہا خدائی ساری ادھر
وہ کیا کرے کہ نہو جس کا آسماں یاور — شکست و فتح تو ہے منحصر مقدر پر

نہ ہارا حوصلہ اس تیغ زن نے خوب کیا
مقابلہ تو مرے پہلواں نے خوب کیا

نظام دیکھ کے انداز جنگ ہے مسرور — پھرا ہے پیشوا لیکر غنیمت موفور
نہ کھینچیں کس لئے انگریز اپنے آپ کو دور — کہ جس سے رکھتے تھے دلمیں وہ سینکڑوں ناسور

پڑا ہے خاک پہ اس ناتواں کا لاشہ ہائے
فلک یہ تو نے دکھایا ہے کیا تماشہ ہائے

وہ بادہ جس کا کہ خان شہید تھا شیدا — وہ نوش جس کو کہ تغلق نے تھا پسند کیا
وہ زہر جسکا کہ ہیموں نے پی لیا پیالہ — ازل کے دن سے وہ حصہ نصیب ٹیپو تھا

مرا وہ موت جسے کہئے عاشقانہ موت
سپاہی کہتے ہیں اس کو سپاہیانہ موت

بجا ہے اسکو جو بیداد گر کہیں انگریز — روا ہے اس کو اگر بے خبر کہیں انگریز
درست ہے جو اسے بے ہنر کہیں انگریز — رقیب کو ستم آرا اگر کہیں انگریز

کہ اسکے آگے چھلکتا رہا ایاغ فرنگ
جلا نہ سامنے اسکے کبھی چراغ فرنگ

ہزاروں اٹھ گئے دنیا سے بے پھلے پھولے — وہ ہونہار جو دنیا میں آئے اور نہ رہے
وہ تازہ غنچے جو مرجھا گئے بغیر کھلے — اسی طرح سے گیا ٹیپو وقت سے پہلے

کہ اس کو موت ہی آئی شباب سے پہلے
پلایا زہر ہی اس کو شراب سے پہلے

رہا زمانہ میں کچھ روز میہماں کی طرح — بہار اس کو جو آئی بھی تو خزاں کیطرح
چھپا نگاہوں سے وہ گنج شائگاں کی طرح — دلوں سے محو ہوا یادِ رفتگاں کی طرح

کسی بشر نے نہ کی اس پہ اشک افشانی
فرشتے گور پہ کرتے ہیں فاتحہ خوانی

بہار گائینگی جب بلبلیں گلستاں میں — خزاں کا دور ہو جب موسم زمستاں میں
حریف دو ہوں مقابل جب ایک میداں میں — اڑائیں ساغر مے جبکہ بزم یاراں میں

جہاں میں رسم ہے جبتک کہ شادی و ماتم
ہمیشہ روئیگا اسکے لئے سرنگاپٹم

پروفیسر محمود شیرانی

سرنگاپٹم

اے سرنگاپٹم! اے گنج شہیدانِ کرام — آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود
تیری آنکھوں نے ہے اپنوں کا عروج اور زوال — تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود
کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دہلی — تیرے ذرّوں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج / مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر / مایۂ ناز تھا ملّت کے لیئے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت / اس کی دولت کے دعاگوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے / اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اسکے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا / تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا / جس سے قایم ہوئیں آئینِ حمیّت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلت یکروزہ ملی / یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

دلِ حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج / اسکی مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوسِ بریں کی تصویر / ظلِّ ممدود میں تھا جلوۂ سدرِ مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوی تھی رحمتِ حق / چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملایک کے جنود

آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی / راتدن درگہِ دادار پہ ہے وقفِ سجود

برسرِ تربتِ من چوں گذری ہمت خواہ / کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

میں نے کی عرض کہ اے فطرتِ آزاد کی روح / توڑنی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ توکفِ پائے بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مولانا ظفر علیخان ایڈیٹر زمیندار

سلطان شہیدؒ

پوچھ اے میسور اپنے ماضیٔ ضوناک سے / "برہنہ شمشیر" اک چمکی تھی تیری خاک سے

جس کی تابش نے بھری محفل کو خیرہ کردیا / ظلم سے چمکا ہوا ماحول تیرہ کردیا

پرورش محلوں میں پائی تھی نہیب جنگ نے
پامال پھولوں میں لی تھی حریت کے رنگ نے

اے سرنگا پٹم! اے مہدِ کمالِ حیدری!
ہے امانت تجھ میں تصویرِ جلالِ حیدری

وہ شہیدِ ذوقِ آزادی، وہ غازی، وہ جواں،
جو بدلنا چاہتا تھا نقشۂ ہندوستاں

جس کی نظروں میں وطن کا حال و استقبال تھا
جو دکن کی گود میں اک آتشِ سیال تھا

ہند میں جو چاہتا تھا، ہندیوں کی برتری
خود شناسی اور خود داری تھی جسکی خود سری

آہ! خود اسکے وطن نے اس سے کیں غداریاں
یاد ہیں وہ ذہن قومیت کی سازش کاریاں

ڈیڑھ سو سال اسکی رحلت پر ابھی گذرے نہیں
درد کہنہ سے وطن کی وسعتیں پھر چیخ اٹھیں

ہے یہ اس سلطان آزادی سے کاوش کا مآل
جور و استبداد سے ہندوستاں ہے پائمال

یہ مصیبت اس سے غداری کی ذمہ دار ہے
یہ غلامی روحِ آزادی کی اک پھٹکار ہے

ہے ازل ہی سے تری تقدیر میں دار و رسن
ڈوب جا آفت کے طوفانوں میں، بے غیرت وطن

اے شہیدؒ! اے مردِ میدانِ وفا تجھ پر سلام
تجھ پہ لاکھوں رحمتیں، لا انتہا، تجھ پر سلام

ہند کی قسمت ہی میں رسوائی کا سامان تھا
ورنہ تو ہی عہدِ آزادی کا اک عنوان تھا

مصر سے تا روم پہونچی تیری آوازِ بلند،
گونج اس کی آج بھی باقی ہے باندازِ چند،

اٹھ رہے ہیں آج جو طوفاں ہیں سیلاب کے
یہ بھی کچھ ذرے ہیں تیری خاک آتش تاب کے

اپنے ہاتھوں خود تجھے اہلِ وطن نے کھو دیا
آہ کیسا باغباں شامِ چمن نے کھو دیا

آہنی پیکر ترا اب ہاتھ آ سکتا نہیں ہے
لیکن مشعل بھی کوئی ڈھونڈھے تو پا سکتا نہیں

تھا مقدر تیری فطرت میں شہادت کا شرف — کر دیا منصب نے تیرے ناگہاں خنجر بکف
بت پرستوں پر کیا ثابت یہ تو نے جنگ میں — مسلم ہندی قیامت ہے حجازی رنگ میں
اسکی فطرت جب مچلتی ہے تو پھر رکتی نہیں — تیغ کا جھکنا تو مشکل ہے نظر جھکتی نہیں
تو بدستور اب بھی زندہ ہے حجاب گور میں — جذب ہو کر رہ گیا ہے ہستیٔ پُر شور میں
عین بیداری ہے یہ خوابِ گراں تیرے لئے — ہے شہادت اک حیات جاوداں تیرے لئے
بے نیازی اپنے اہل ملک کی کر دے معاف — خوابگاہ پاک سے اک دن الٹ بھی دے غلاف

آ۔ پھر اربابِ وطن کی مشکلیں آسان کر
پھر شریکِ جنگِ آزادی ہو سینہ تان کر

قصر الادب آگرہ — (حضرت سیماب اکبرآبادی)

سلطان ٹیپو نور اللہ مرقدہٗ

زمانے کی ستم رانی سے جب آرام پاتا ہوں — وطن کی سطوتِ رفتہ کے غم میں ڈوب جاتا ہوں
مجھے میسور کا خونیں تماشہ یاد آتا ہے — سراپا زندگی تھا جو وہ لاشہ یاد آتا ہے
چمکتی تیغ پر گرد و غبار جنگ کا دامن — کہ ہے شمع اجل فانوس خون و خاک کا دامن
وہ صہبائے شہادت کے نشے میں جھومنے والے — وہ خنجر کو عروسِ نو سمجھ کر چومنے والے
اکھڑتی سانس سے کہتی ہیں نعشیں اے جوانمردو — لہو سے اپنی تاریخ عمل کو سرخرو کر دو
وہ لالہ رنگ تلواروں پہ آزادی کی تحریریں — وہ خون و خاک سے مستقبل ملت کی تعمیریں
اسی مقتل سے استقلال کے چشمے ابلتے ہیں — اسی مٹی کے سانچے میں بتان قوم ڈھلتے ہیں

زبانِ حال سے کہتی ہیں خوں آلود شمشیریں
ادھر آؤ دکھائیں خواب آزادی کی تعبیریں

وہ ٹیپو! وہ مجاہد! وہ علمبردار آزادی
ترو تازہ ہے جس کے خون سے گلزار آزادی

چمکتی ہے لہو میں اسطرح دھار اسکے خنجر کی
شفق میں جیسے ہوتی ہے کرن صبح منور کی

رخِ روشن پہ خوں کے مضطرب قطرے درخشاں ہیں
کہ تاریخ جوانمردی کے اوراق پریشاں ہیں

ٹھکانا کیا ہو اسکی ہمت عالی کی رفعت کا
سمجھتا ہو جو تلواروں کو زینہ قصرِ ملت کا

شہید قوم اے شمع شجاعت خانۂ ملت
ترے ہی نام سے روشن ہوا افسانۂ ملت

تری موج نفس تھی وہ شعاع ماہ آزادی
نظر آتی ہے جس کی روشنی میں راہِ آزادی

ترا حسنِ عمل آئینۂ انوارِ انسانی ہے
ترا جوشِ شہادت جلوۂ حسنِ مسلمانی

جگا دیگا وطن والوں کو جو خوابِ ہلاکت سے
وہ شورِ زندگی اکدن اٹھیگا تیری تربت سے
(مولانا اظہر امرتسری)

ٹیپو شہید رح

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا
نزع کے لمحات میں بھی تونے کی باطل سے جنگ

تونے کی تجدید پیمانِ شہیدِ کربلا
تونے بتلایا حفاظت جان کی ہے عذرِ لنگ

جان دی اور کس قدر مسرور ہوکر جان دی
موت تھی تیرے لئے گویا نگارِ شوخ و شنگ

تیغ کی جھنکار پر کرتی تھی تیری روح وجد
تیرے گوش و قلب تھے نا آشنائے عود و چنگ

وہ تو یہ کہیئے کہ اپنے ہی پرائے ہو گئے
مٹ گیا تھا ورنہ سطحِ ہند سے نقشِ فرنگ
مولانا ماہر القادری

اقتباس از نظم مجاہدین اسلام مطبوعہ اخبار مدینہ بجنور۔ مورخہ ۹ ستمبر ۳۷ء

سلطان شہید حضرت ٹیپوؒ کے
مزارِ پُر انوار پر

نگاہوں کیلئے ہے یہ جگہ عبرت فروش ابتک — چلا آتا ہے یہ مظلوم مرقد سرخ پوش ابتک
شکوہِ کیقبادی سطوتِ جم دفن ہے اسمیں — دکن کی خاک کا فرزند اعظم دفن ہے اسمیں
غلافِ قبر میں اسلام کی شمشیر پنہاں ہے — شہادت کی مجسم خوں چکاں تصویر پنہاں ہے

کیا ہے غسل خوں سورج نے جوئے شام میں گویا
مجاہد ہے عزا کے روز سے آرام میں گویا

یہ روضہ مقبروں میں امتیازی شان رکھتا ہے — ہماری عبرتوں کے واسطے سامان رکھتا ہے
نظر کے سامنے آئینہ تقدیر ہے گویا — سپاہی کے سنہری خواب کی تعبیر ہے گویا
یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے خزینوں سے — ابھی تک مالدار اسلام ہے ایسے دفینوں سے
کہاں ہیں مرگ آزادی کے دیوانے یہاں آئیں — چراغ کشتۂ ملت کے پروانے یہاں آئیں
کہ ہوتی ہے یہاں کی خاک سے دل کی غذا حاصل — فنا کے منظر خاموش سے درسِ بقا حاصل
نغمِ ملت درخشاں ہے مسلمانوں کی آہوں میں — اتر کر آسماں سے نور آتا ہے نگاہوں میں
جھلکتی ہے مئے توحید دل کے آبگینوں میں — چھپتے ہیں نمایش کیلئے سجدے جبینوں میں
خدا کی شان یہ بھی غیب سے سامان ہونا تھا — دکن کے شیر کو اس خاک کا مہمان ہونا تھا
مجاہد کو خدا کی راہ میں قربان ہونا تھا — سریرنگاپٹم کو منبع عرفان ہونا تھا

اسے ایمان والوں کی زیارت گاہ بننا تھا
یہاں کے ذرے ذرے کو دلِ آگاہ دینا تھا

ابھی تک آرہی ہے یہ صدا تربت کے سینے سے
اگر ذلت کا جینا ہو تو موت اچھی ہے جینے سے

شناور ڈوب کر دنیا میں آخر پار جاتے ہیں۔
وہ بازی جیت لیتے ہیں جو بازی ہار جاتے ہیں۔
(مولانا فاخر ہریانوی)

سلطان شہیدؒ

(مجاہد وطن ٹیپو سلطان شہید کی یاد میں)

اے شجاع ازل! اے ہند کے فرزند جلیل
زندگی خود ہے ترے ذوق شہادت کی قتیل
نامرادی تری آئین وفا کی تکمیل

رزم آرا علم جیش صداقت تجھ سے
زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے

لے گئی غیرت وفا پر تجھے تقدیر تری
گونجتی ہے ابھی آفاق میں تکبیر تری
عدل کے ہاتھ میں ہے آج بھی شمشیر تری

لب اقوام پہ جاری ترا افسانہ ہے
سوز آزادی مشرق ترا پروانہ ہے

ہائے وہ منزل الفت سے گذرنا تیرا
حجلہ آرائے شہادت! وہ سنورنا تیرا
غیرت عشق کے آغوش میں مرنا تیرا

بزم امکاں پہ گراں جب تری تنہائی ہوئی
موت آئی ترے آغوش میں شرمائی ہوئی

تو ہے وہ بحر جو شرمندۂ ساحل نہ ہوا

وہ مجاہد ہے جو آسودۂ منزل نہ ہوا
مصلحت سے کبھی مانوس ترا دل نہ ہوا

عشق سے مرگ کے شعلوں کو بجھایا تونے — جاوداں ہستیٔ فانی کو بنایا تونے

تری جرأت تھی غمِ سود و زیاں سے آزاد
تو رہا گردشِ دورانِ جہاں سے آزاد
ہے تری یاد زماں اور مکاں سے آزاد

باطل افگن ہے ترا نعرۂ آزاد ابھی — ہے ترے نام سے لرزاں ستم ایجاد ابھی

ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تونے کیا!
حقِ وفاداریٔ مشرق کا ادا تونے کیا!
پرچم افشاں علمِ دینِ خدا تونے کیا!

حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تونے — ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تونے

حریت اسرخیٔ نظمِ مہ و خورشید ہے پھر
انقلابات کی کچھ اور ہی تمہید ہے پھر
ہاں ترا عہدِ وفا عازمِ تجدید ہے پھر

پھر ہے بیدار جلال و حشمِ آزادی — وقت کے ہاتھ میں ہے پھر علمِ آزادی

ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے
سطوتِ غیر، جو مجبورِ نگوں ساری ہے
یہ ترے شعلۂ ایثار کی گلکاری ہے

سرِ تکمیل ترا جذب تمام آ پہنچا — صبحِ آزادیٔ مشرق کا پیام آ پہنچا

مژدۂ آزادیٔ عیش

ٹیپو سلطان سے ہندوستان کا خطاب

اے پیکر آزادی، اے روحِ شجاعت آ ، اے قلبِ محبت آ، اے جانِ محبت آ،
ایثار و صداقت پر کی جان فدا تو نے ، دکھلا دے اسیروں کو اجڑی ہوئی شوکت آ

قایم تھا ترے دم سے اندازِ جہانبانی
باقی تھی ترے بل پر حرّیتِ انسانی

آ دیکھ، تری کھیتی برباد ہوئی کیونکر ، اس باغ پہ گلچیں کی بیداد ہوئی کیونکر
تھے دل کے جو ہنگامے وہ گُل کیطرح چپ ہیں ، بے سو و تری بلبل فریاد ہوئی کیونکر

نالوں میں عنادل کے وہ جان نہیں باقی
اور گُل کے تبسم میں وہ آن نہیں باقی

ہم دوست عدو کس کے ہیں اور دوست کسے دشمن ہیں ، غیروں کے تو رہبر ہیں اپنوں ہی کے رہزن ہیں
منجدھار میں آفت کے ہیں اہلِ وطن سارے ، ہے غم کی گھٹا سر پر برباد نشیمن ہیں

اُو روحِ عمل ٹیپوؒ آ ہم کو سہارا دے
آفت کے اٹھانے کا ہر قلب کو یارا دے

آ اور ہر اک گُل میں بو ہو کے سما جا تو ، غنچوں کو کھلا جا تو سوتوں کو جگا جا تو
پروانہ بنا جا تو اس دیس کی الفت کا ، اس بزم کی الفت میں اک شمع جلا جا تو

حیدرؒ کے پسر آ جا اور خون بہا کر جا
او شیرِ نیستانی باطل کو مٹا کر جا

ٹیپوؒ تری ہستی پر نازاں ہے وطن ابتک ، اور تیری شہادت پر نالاں ہے وطن ابتک

محفل تری سونی ہے اور جانِ عمل گم ہے — اک روح نہ ہو جیسے بے جان ہے وطن ابتک

آنکھوں میں چمک جا تو آنسو سے ٹپک جا تو
الفت کی انی بنکر ہر دل میں کھٹک جا تو

وہ بھی کوئی جلوہ تھا جو طور پہ رہجاتا — کیا شیخ کا تقویٰ تھا جو حور پہ رہجاتا
ٹیپو کا دلِ مسلم کونین کا حامی تھا — کس طرح یہ ممکن تھا میسور پہ رہجاتا

دنیا بھی ملی اسکو عقبیٰ کی حکومت بھی
اک وار میں حاصل کی شہرت بھی شہادت بھی

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد — اکبر وفاقانی بی اے

سرنگاپٹم

اے ہند کے سوادِ جنوبی کے رہ نورد — میسور کا فسانۂ خونیں نہ ہم سے پوچھ
گر پوچھنا ہی ہے تجھے دل سوز ماجرا — ویلور کے کھنڈر کی نوا ہائے غم سے پوچھ
کیا شے ہے جو ادھر تجھے لائی کشاں کشاں — زائر یہ اپنے مرحلہ پیما قدم سے پوچھ
کس کی جدائی میں ہے ابھی تک وہ اشکبار — کاویریٔ رواں کی حزیں زیر و بم سے پوچھ
غدار کس طرف تھا لٹیرے تھے کس کے ساتھ — یہ ڈلزلی کے تجربۂ کیف و کم سے پوچھ
اتنی مصیبتیں پڑیں کیوں ایک جان پر — یہ چرخِ فتنہ زا کی نگاہِ کرم سے پوچھ
ہے یاد اس کی کس قدر اندوہ در کنار — انداز بے نیازیٔ اہلِ حرم سے پوچھ
کس طرح کانپتے تھے لرزتے تھے مرہٹے — یہ شیر دل شہید کی تیغِ دودم سے پوچھ
کر اسکی شانِ اوج کا جبریلؑ سے سوال — اس کا بلند مرتبہ لوح و قلم سے پوچھ
ثابت قدم رہا جو مخالف ہوائیں بھی — پامردیٔ مقاومت اسکے علَم سے پوچھ

خود بن گیا کمان کا جو آخری خدنگ
عزم ستیز و معرکہ اس کی قسم سے پوچھ

برق ان میں بے قرار ہے کس التہاب کی
یہ ذرہ ہائے خاکِ سرنگا پٹم سے پوچھ

(لدھیانہ) (لطیفی)

سلطان ٹیپو کی تیغ زنی اور شہادت

تلوار میں جوہر تھے قیامت کے بلا تھی
اغیار کی جس صف میں یہ چمکی وہ صفا تھی

وہ برق تھی یا برق کے ہنسنے کی ادا تھی
آسیب کا سایہ تھی، چھلاوہ تھی، قضا تھی

راکب کے وہ دو کر کے ٹھہرتی نہ تھی زیں پر
مرکب کی کمر کاٹ کے جاتی تھی زمیں پر

بچکر نہ گیا سامنے جو بدگہر آیا
سر جس کا اٹھا خاک پہ غلطاں نظر آیا

کشتہ ہوا جو سر سے کفن باندھکر آیا
کھلنا تھا زباں کا کہ لہو منہ میں بھر آیا

تلوار تھی اعدا کا لہو چاٹ کے مدہوش
ہر سمت تھا ہنگامۂ تفریق سر و دوش

ہلچل پڑی اعدا میں جو وہ صف شکن آیا
جاں نذر کریں اسکے سوا کچھ نہ بن آیا

اک شور اٹھا رن میں کہ وہ تیغ زن آیا
وہ وقت کہ ہوتے ہیں جدا جان و تن آیا

ہر بار اجل تیغ سے کہتی تھی ٹھہر جا
مسدود ہے اس بھیڑ میں رستہ ہی عدم کا

تھی شمع جو سلطان کے اقبال کی روشن
اس نام کی ہیبت سے لرزا اٹھتے تھے دشمن

فتنہ کو زمیں پر کہیں ملتا نہ تھا مسکن
ہوتی تھی جدا دوش سے اکڑی ہوئی گردن

ناموسِ وطن شمع تو پروانہ تھا ٹیپوؒ
غیرت کی صدف میں دُرِ یکدانہ تھا ٹیپوؒ

یہ حکم دیا فوج کو سر جائے تو جائے
سایہ بھی مگر غیر کا قلعہ میں نہ آئے
سر اسکا نہ ہو۔ آگے جو پاؤں اٹھائے
اس خط سے خبردار کوئی بڑھنے نہ پائے

پروا نہیں ہر گام پہ بارانِ بلا ہو
جاں ملک کی عزت کے تحفظ پہ فدا ہو۔

مقتول ہوے جنگ میں مردانِ دلاور
باقی نہ رہے لشکرِ اسلام میں افسر
سچ ہے کہ قضا سے نہیں جیتا کوئی لڑکر
سلطانؒ نے پیا نزع میں آبِ دمِ خنجر

طالع کی خرابی ہو کہ تدبیر کی خامی
اس ملک کی تقدیر میں لکھی تھی غلامی

مولانا انعام اللہ خاں ناصر ایڈیٹر احسان لاہور

سرنگاپٹم

اے سرینگاپٹم اے شہر سلطانِ شہیدؒ
سطوتِ فاروقؓ پردے میں ترے مسطور ہے
سجدہ گاہِ قدسیاں ہے گنبدِ اعلیٰ ترا
اسکا ہر ذرہ مری آنکھوں میں کوہِ طور ہے

سرنگوں جس وقت دنیا میں ہوا تیرا علَم
پارہ پارہ ہوگئی بس نعمتِ میسور بھی
محوِ خوابِ استراحت ہے یہاں شیرِ دکن
ساتھ اسکے سو رہی ہے عظمتِ میسور بھی۔

چشمِ زائر ڈھونڈھتی ہے کس مجاہد کو یہاں
کونسا گنجِ گرامی ان بیابانوں میں ہے
نعرۂ اللّٰہ اکبر کی صدائے بازگشت
گونجتی پھرتی ابھی تک تیرے ویرانوں میں ہے

کس کے غم میں رودِ کاویری ہے یوں سینہ فگار ‌ ‌ ‌ بال ہیں بکھرے ہوئے ماتم میں کوئی حور ہے
کیوں فضا میں ہے غضب کی خاموشی چھائی ہوئی ‌ ‌ ‌ حسرتوں سے یہ ظفر آباد کیوں معمور ہے

تیرے ہر ذرہ میں ہے خونِ شہیداں کی جھلک ‌ ‌ ‌ آبروئے امت مرحوم کا حامل ہے تو
شانِ خالد، شوکتِ حیدر کا مظہر تجھ میں ہے ‌ ‌ ‌ عظمتِ اسلامیانِ ہند کا حاصل ہے تو

تیرے کھنڈروں پر برستا تھا کبھی جاہ و جلال ‌ ‌ ‌ جلوہ گر تھی تیرے ویرانوں میں شانِ حیدری
یہاں یہی ایوان تھا ایوانِ دربارِ شہیدؒ ‌ ‌ ‌ ہاں اسی ایوان پہ اڑتا تھا نشانِ حیدری

اب بھی کانوں میں یہاں آتی ہے آوازِ شہیدؒ ‌ ‌ ‌ قطرۂ خونِ شہیداں میں ہے جانِ زندگی

"گیدڑوں کی زندگی پر موت کو ترجیح دے
شیر بن آزاد ہو اس میں ہے شانِ زندگی" (محمود مصنفِ کتاب)

یادِ ظفر آباد (سرنگا پٹم)

اس ظفر آباد میں محمود جب آتا ہوں میں ‌ ‌ ‌ اک نئے عالم میں اپنے آپ کو پاتا ہوں میں
آہ دلی! داغ تھا اس کیلئے ماتم کناں ‌ ‌ ‌ میری قسمت میں ظفر آباد تھا شاید نہاں
حسرتوں کی اک نئی دنیا یہاں آباد ہے ‌ ‌ ‌ مسلم ہندی کا یہ اک خانۂ برباد ہے
کارواں جاتا رہا پر کارواں کا نقش ہے ‌ ‌ ‌ ذرہ ذرہ پر حیاتِ کامراں کا نقش ہے
آہ جو ٹوٹے ہوئے باقی در و دیوار ہیں، ‌ ‌ ‌ سطوتِ شاہانِ ماضی کے علمبردار ہیں
ان سے پوچھے کوئی کیا تھا حیدری جاہ و جلال؟ ‌ ‌ ‌ ان سے پوچھے کوئی کیا تھا ہند کا علم و کمال؟
طائرِ بامِ حرم کا آشیانہ تھا یہاں ‌ ‌ ‌ یعنے تہذیبِ حجازی کا خزانہ تھا یہاں
ہاں! یہیں لوٹی گئی ہیں ہند کی آزادیاں ‌ ‌ ‌ ہاں یہی وہ شہر ہے جسمیں ہوئیں غداریاں

آہ۔ اس سنسان ویرانے میں آبادی سے دُور | قبر میں آرام فرما ہے وہ سلطانِ غیور
نوبتِ سلطان ابھی باقی ہے با صد کرّوفر | کج کلاہوں کے اسی دربار میں جھکتے ہیں سر

بجھ چکی تھی شمعِ عالمگیر ہندوستان میں | چھا چکی تھی تیرگی اسلام کے ایوان میں
پھر کیا قدرت نے پیدا وہ شہ عالی صفات | ہند میں جس نے دیا مسلم کو پیغامِ حیات
وہ مجاہد، مردِ غازی جس کا ٹیپو نام تھا | جس کی ہیبت سے زمانہ لرزہ براندام تھا
اس کا وہ شوقِ شہادت۔ اس کا وہ ذوقِ جہاں | کربلا کے معرکہ کی جس نے تازہ کی ہے یاد
یک بیک گلشن میں پھر چلنے لگی بادِ خزاں | گردشِ ایّام نے لوٹا ہمارا کارواں
حاملانِ عرش بھی چلّا اٹھے یہ کیا ہوا | خونِ مسلم آب کا ویری سے بھی ارزاں ہوا
حاملِ قرآں ہوئے توحید سے جب بے نیاز | شورِ ناقوسِ کلیسا میں چھپی بانگِ حجاز

گو بظاہر سو رہا ہے وہ شہِ عالی مقام | مسلم ہندی کو اب بھی دے رہا ہے یہ پیام
اٹھ کہ عالم میں نیا ہنگامہ اک پیدا تو کر | آبروئے شیوۂ اہلِ وفا پیدا تو کر
اٹھ کہ آزادی ہمیشہ شیوۂ اسلام ہے | یعنی جو آزاد ہیں انکا ہی بس اسلام ہے

گونج اٹھیں! وادیاں پھر نعرۂ تکبیر سے
عقدۂ مشکل کو حل کرنا ہے ممکن تدبیر سے

(محمود مصنف کتاب)

مصادق

یہ زمین قصبہ صادق کس قدر ہے سوزناک | شعلۂ آتش سے بڑھکر گرم تر ہے اسکی خاک

مجھ کو حیرت تھی کہ اس پر اس قدر کیوں ہے عتاب
روحِ صادق سے ملا محمود یہ مجھ کو جواب

اس کا اندیشہ ہی کیا گر قبر ہے آتش فشاں — مجھ کو غداری نے بخشی ہے حیات جاوداں

کارگاہِ دہر میں ابلیس کا مظہر ہوں میں — جس نے دی تعلیم غدّاری وہ پیغمبرؐ ہوں میں

نور کی دنیا میں آخر نار بھی تو چاہیئے — جس جگہ گل ہوں وہیں کچھ خار بھی تو چاہیئے

میر[1] قمرؔالدیں، معینؔ الدین یا لنگرؔا غلام — میرے ہی اجزائے ترکیبی کے ہیں یہ چند نام

میر غلام علی

کابلی[2] مؔلّا رہے یا ہو وہ مکّہ کا شریف[3] — کب ہے میدان سیاست میں کوئی میرا حریف

مجھ کو قسمت نے دیا اس سلطنت پر اقتدار — جس پہ تھا اسلامیانِ ہند کا دار و مدار

میں نے اس سلطانِ آزادی سے غدّاری جو کی — ہل گئی بنیاد اس سے ملّتِ اسلام کی

ناز تھا اسلامیوں کو جس پہ وہ جوہر گیا — سرزمینِ ہند سے آئینِ پیغمبرؐ گیا

میرے قبضہ میں سیاست کی ہے تیغ بے نیام — مجھ کو لینا ہے ابھی اسلامیوں سے انتقام

جس کو کہتے ہیں قیامت! آنے والی تو نہیں — اس سے بڑھکر اور آفت! آنے والی تو نہیں

بھائی سے بھائی مسلمانوں میں بیگانہ ہوا — ناز ہے ان کو کہ یہ اک کار مردانہ ہوا

مال و دولت پر ہے منعم کو بہت فخر و غرور — اور فقیروں کو نہیں کچھ بھی فقیری کا شعور

بھائی کی بھائی ترقی دیکھ سکتا ہے کہاں — اس قدر رشک و حسد ہے الحفیظ والاماں!

گو بظاہر کر رہے ہیں مجھ سے نفرت خاص عام — ہیں مگر باطن میں وہ میرے ہی آئین کے غلام

ہاں! یہی اک خوف ہے میں ہوں اسی سے ناامید — پھر کہیں بیدار ہو جائے نہ سلطان شہیدؒ

کارگاہ دہر میں بگڑیگا میرا سب نظام — زادۂ توحید کا پھر سخت ہوگا انتقام

شعلۂ نار جہنم سے کہاں ڈرتا ہوں میں

پھر نہ ہو بیدار وہ اس خوف سے مرتا ہوں میں

سلطان شہیدؒ

(محمود مصنف کتاب)

---

[1] سلطنت خداداد کے غدار امرا۔ [2] ملّائے شور بازار جس نے امیر امان اللہ خاں امیر کابل سے غداری کی تھی۔ [3] شریف حسین جس نے ترکوں سے غداری کی تھی۔

ٹیپو سلطان شہید علیہ الرحمۃ کی یاد میں

فلسفۂ حیات

ہے آبرو کا پاس تو ہرگز نہ کر قبول — بن کر شغال تجھ کو جو عمر خضر ملے
جان عزیز دیجئے بھی کر اسکی آرزو — شیری کا ایک لمحۂ شاداں اگر ملے

علّتِ زوال

وہ قوم بن کے رہتی ہے اغیار کی غلام — کرتی نہیں جو اپنے شرف کی مدافعت
مسلم دیارِ ہند میں اُسدن سے ہے ذلیل — جسدن سے اس سے چھن گئی تابِ مقاومت
ایسا گرا کہ گر کے پھر اٹھنا ہوا محال — گردوں نے اسکے منہ پہ لگائی ہے وہ چپت
ہے یہ زوالِ عزم کہ مقصودِ زندگی — پہلے تو سروری تھا اور اب ہے ملازمت
حقداریِ وراثتِ آبا کی شرط ہے — اولاد میں ہو شوکتِ اجداد کی صفت

ٹیپو سے غازیوں کی نہ کی جس نے پیروی
اس قوم بدخصال کی بنتی یہی ہے گت

(مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش ایڈیٹر "شہباز" لاہور)

خاتمۃ الکتاب

اس خدائے جل جلالہ وعم نوالہ کا ہزار ہزار شکر کہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی۔

جو کچھ کہ ہوا۔ ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ کہ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

(ذوق)

میں ان تمام بزرگوں اور احباب کا شکر گذار ہوں۔ جنہوں نے اس تاریخ کے مرتب کرنے میں مجھے تصاویر، حوالجات کے انگریزی اور اردو مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب اور نظموں سے امداد فرمائی۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن دیکھکر بعض احباب نے مصنف سے شکایت کی تھی کہ لڑائیوں کا حال تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے۔ میں نے عمداً اس سے احتراز کیا تھا۔ اور اس ایڈیشن میں بھی میں نے اختصار ہی سے کام لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تفصیل سے کوئی ذہنی فائدہ مرتب نہیں ہوتا اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔ جو واقعات ہمارے موجودہ حالات سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ وہی زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسلیے میں نے بجائے جنگوں کی تفصیل لکھنے کے اس زمانہ کی سیاسی پالیسی سے بہت زیادہ بحث کی ہے۔ اس زمانے میں جو پالیسی کارفرما تھی آج بھی ہندوستان کے اندر اور باہر وہی پالیسی کام کر رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ میر صادق و پورنیا کی روحیں ابھی تک اپنا کام کیے جا رہی ہیں۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنیسے پہلے میں نے متعدد بار اس اجڑے عروس البلاد (سرنگاپٹم) کی چپہ چپہ زمین کو جاکر دیکھا۔ اور مختلف اصحاب و بزرگوں سے تبادلۂ خیالات کیا قلمی دستاویزیں پیدا کیں۔ فرامین دیکھے۔ حوالجات کے کتب فراہم کیے۔ میں نے اپنی دانست میں سمجھا تھا کہ مجھے مزید محنت کرنی نہ پڑیگی۔ لیکن پہلا ایڈیشن شایع ہونیکے بعد جہاں کتاب سے حد درجہ دلچسپی کا اظہار کیا گیا

وہاں مجھے توجہ دلائی گئی کہ سلطان کی شخصیت اور زوال سلطنت خداداد کے اسباب کی اور زیادہ تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے از سر نو اس پر توجہ کی۔ یہ شاید میری خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شایع کرنے کے بعد جب میں نے تاریخ جنوبی ہند کیلئے کتابیں فراہم کرنا شروع کیں تو ان کتابوں میں بھی مجھے بہت سا مواد مل گیا۔ جو تاریخ سلطنت خداداد سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن موجودہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ خدائے حیؐ و قیوم کے ہاتھ میں ہے کہ میری سعی کو مشکور فرمائے۔ یہ اسی کی نوازش تھی کہ اس نے مجھے اس کتاب کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور یہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اسکو مقبول بنائے۔

مذکورۂ بالا سطور لکھے جا رہے تھے کہ مصنف کے آگے سلطان شہیدؒ کے متعلق ایک اور نظریہ پیش ہوا ہے۔ اور یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ اس نظریہ کے پیش کرنیوالے مسلمان ہیں۔ ممکن ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی، افلاس اور تنگ دستی کو دیکھکر یہ نظریہ پیش کیا گیا ہو۔ بہر طور وہ نظریہ یہ ہے :۔

"سلطان اگر انگریزوں کی اطاعت قبول کر لیتا تو جنوبی ہند میں مسلمانوں کی ایک ریاست تو باقی رہتی۔ اور مسلمانوں کی حالت اس درجہ خراب نہ ہوتی جیسی آج ہے"

یہ نظریہ قوموں کی زندگی کیلئے ایک پیام مرگ ہے۔ تاریخ بزدلوں سے نہیں بلکہ جوانمردوں سے بنتی ہے۔ تاریخ وہی جوانمرد بناتے ہیں جو کارزار حیات میں سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں۔ اور انہیں کے کارناموں سے قومیں زندگی حاصل کرتی ہیں۔ ہندوستان کی غلامی، افلاس اور زبوں حالی کا راز سلطان کی شہادت میں نہیں۔ بلکہ پورنیا اور میر صادق کی غداری میں مضمر ہے۔ ہندوستان میں ابھی انکی روحیں کارفرما ہیں اور جبتک یہ زندہ رہینگی۔ ہندوستان اسفل و تعبہ کی زندگی ہی بسر کرتا رہیگا۔

دنیا اگر اسی نظریہ کی حامل ہوتی تو آج مذہب کا نام بھی کوئی نہیں جانتا، حق و صداقت کا پرستار کوئی نظر نہ آتا۔ غلامی اور آزادی میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اور وہ احساس کہ ہم غلامی سے نجات

حاصل کریں، کبھی پیدا ہی نہیں ہونا - تاریخیں لکھی نہیں جا سکتی تھیں۔

اندلس میں ابو عبداللہ نے ایزابیلا اور فرڈیننڈ کی اطاعت قبول کر لی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ ایک بے غیرت قوم ہے۔ جو اسپین کی سرزمین میں رہنے کے لایق نہیں۔ آٹھ سو سال حکومت کرنیکے بعد جس بیدردی سے انہیں جلاوطن کیا گیا۔ شاید ہی اس سے بڑھکر عبرت انگیز منظر اور کوئی ہو۔ کیا ابو عبداللہ کی زندگی سے کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے؟ کیا ابو عبداللہ کے حالات خون میں وہی گرمی پیدا کرتے ہیں جو طارق کے صرف نام ہی سے پیدا ہوتی ہے؟

آج دنیا مصطفےٰ کمال کے نام پر سر کیوں جھکاتی ہے؟ آج کیوں مسلمانوں کو اطاعت گذار خلیفہ ترکی عبدالوحید کے نام سے گھن آتی ہے؟ فرانس اگر زندہ ہے تو جون آف آرک کی روح اسمیں کام کر رہی ہے۔ فرانس پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ جون اسکی مخالف تھی۔ اگر وہ اطاعت کر لیتی تو شاید اسکی تن پروری کیلئے کچھ ملجاتا۔ لیکن جون کا مقصد زندگی کچھ اور تھا۔ اور فرانس کی زندگی اسکی رہین منت ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ فرانس کا بچہ بچہ اسکی پرستش کر رہا ہے۔

سلطان آزادی کا دلدادہ تھا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ وہ طاغوتی طاقتوں کے آگے سر جھکا دے۔ اسلام نے الجہاد رہبانیۃ الاسلام کی تعلیم دی ہے۔ اور وہ اس تعلیم پر عمل پیرا ہوا۔ یہ سلطان کی غیرت، حمیت اور شہادت کا جذبہ ہی ہے۔ جو آج ہندوستان کو آزادی کی جد و جہد کیلئے آمادہ کر رہا ہے۔ دنیا میں وہی قوم سربلند ہو سکتی ہے جو آزادی کی نعمت کو جانتی ہے۔ ورنہ وہ قوم جو غلامانہ ذہنیت کی حامل ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں گرفتار رہتی ہے۔ علامہ سر اقبال نے لکھا ہے:-

"اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے — تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
خریدیں نہ ہم جسکو اپنے لہو سے — مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی
مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

محمود

بنگلور مورخہ ۷ جولائی ۱۹۳۹ء